مثالی دلہن



تالیف
قاری جمیل الرحمٰن

ناشر
مکتبۃ العلم

مثالی دُلہن

تالیف

قاری جمیل الرحمٰن

مکتبۃ العلم
۱۸- اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان
7231788-7211788

نام کتاب .... مثالی دُلہن
مرتب .... قاری جمیل الرحمٰن
طابع .... خالد مقبول
مطبع .... لعل سٹار پرنٹرز

ملنے کے پتے

❖ مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ ☎ 7224228
❖ مکتبہ علوم اسلامیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور ☎ 7221395
❖ مکتبہ جویریہ ۱۸۔ اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان ☎ 7211788

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

عرضِ مؤلّف

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَبَعْدُ

☆ غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود — جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر!
☆ آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود — راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتہ شوق
☆ گرم اسی آگ سے ہے معرکہ بود و نبود! — کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات
☆ نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود! — میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمناک بہت

میں نے ''مثالی دُلہن'' لکھنے کا ارادہ کیا تو میری ایک ہونہار طالبہ کی طرف سے یہ تقاضا آنے لگا کہ حضرت جی آپ نے فلاں فلاں موضوع پر آیات یا احادیث تلاش کرنے کا جو حکم ارشاد فرماتے ہیں تو حضرت جی! ایسی مثالی بیوی بننے کے لئے سامنے بھی تو کوئی ایسی ہستی ہونی چاہیے جو کہ بیوی کو چلئے آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں تو کم از کم انسان کا درجہ تو دیتا ہوں۔

میں اُس بچی کے اس فی البدیہہ تقاضے پر بھونچکا رہ گیا اور وہی سے میں نے یہ عہد کیا کہ اس کتاب میں جس جگہ بھی ایسی احادیث درج کروں گا جہاں پر بیوی کو اس کے خاوند کی بابت فرائض کا ادراک کراؤں گا وہاں ضرور دو چار سطروں میں خاوندوں کو بھی مختلف تنبیہات کرتا جاؤں گا۔ خاص طور پر ''عورت کو عملی تنبیہ کرنا'' جیسے نازک موضوع پر لکھتے ہوئے تو میرا قلم نہ چاہتے ہوئے بھی خاوندوں کو کچھ ایسی چیزوں کی جانب توجہ مبذول کروانے سے نہ رک سکا' جس کے بعد شاید وہ اس حدیث مبارکہ کو اپنی فضیلت کا (کسی درجے) احساس دلوانے ہی کی بابت اختیار کریں گے (جیسا کہ کئی احادیث میں عورتوں کی

بھی برتری ظاہر کی گئی ہے) اور اس کی ''عملی مشق'' سے ہر ممکن گریز کریں گے۔

اور میری آپ بچیوں سے بھی یہی گزارش ہے کہ اتنا مطالعہ کرنے کے بعد اور اتنی عملی زندگی کے دھکے کھانے کے بعد اس رشتے کو بچانے کے لئے اگر چند الفاظ ہی کے انتخاب کی اجازت ہو تو فقط یہی کہوں گا کہ:

''شادی کے ابتدائی دو، چار سال آپ بچیاں خاوند کی معمولی لغزشوں سے آنکھیں موندی رکھئے، اور بات بہ بات روکا ٹوکی یا شکایات کا پلندہ نہ اٹھائے رکھئے، ازدواجی زندگی کی بے بہا مسرتیں آگے اپنا دامن اٹھائے آپ کی منتظر ہوں گی۔ ان شاء اللہ''۔

میں نے اس کتاب کی تیاری میں جو اہتمام کرنے کی کوشش کی (اور اسی کی وجہ سے اس کی تالیف میں اتنی دیر ہوئی) کہ میں جو بھی موضوع لکھنے بیٹھا میں نے حتی الامکان سعی کی کہ سب سے قبل کوئی قرآنی آیت لاؤ، پھر حدیث مبارکہ درج کروں اور اس کے بعد ائمہ وفقہاء کی تشریحات بیان کروں اور مجھے اُمید ہے کہ میں کسی حد تک اس میں ضرور کامیاب ہوا ہونگا۔

تمام کتب جو اس سلسلہ میں مجھے درکار ہوئی ان کی دستیابی کے لئے میں سب سے اوّل تو الرحمٰن پبلک لائبریری کے مدیر صاحب کا از حد شکر گزار ہوں کہ نہ صرف وہ میری پسند فرمودہ کتاب ڈھونڈ کر رکھتے بلکہ اکثر اوقات تو ضروری حصوں کی فوٹو کاپی بھی مہیا کر دیتے۔ اس کے علاوہ مدیر مکتبہ العلم نے بھی جس فراخدلی سے کتب مہیا کیں، اب کسی کتاب کی تیاری میں ناشران کتب کم ہی ایسا ظرف وحوصلہ رکھتے ہیں۔

میری آپ بچیو! سے فقط یہی گزارش ہے ہو سکتا ہے کچھ جگہ آپ کو کچھ ایسا مضمون بھی مطالعہ کو ملے جو شاید آپ کو بے ربط لگے یا آپ کو ''بے وقت کی نصیحت'' محسوس ہوں لیکن میں نے تو اپنی بیٹیوں کو جو نصیحت مناسب سمجھی اور جانا کہ اس کی وجہ سے ان کی ازدواجی زندگی خوشگوار گزرے گی وہ کر ڈالی اور مقصد فقط آپ کی دنیا وآخرت کی سرفرازی وکامرانی تھی۔ حاشاء للہ کہیں بھی اپنی (مردوں) کی فضیلت باور کروانا مقصود نہیں۔

آپ سے فقط یہی گزارش ہے کہ اگر کوئی خامی وکوتاہی آپ کو محسوس ہو تو اس کو میری جانب منسوب کیجئے اور اگر کوئی خوبی کی بات ملے تو اس کا تمام ''کریڈٹ'' میں اپنی ہونہار طالبات کے نام کرتا ہوں۔

آئینۂ کتاب

اپنا ماتم آپ

اس کتاب ''مثالی دُلہن'' کی تیاری میں مختلف کتب کو بغور پڑھنا شروع کیا تو یقین جانئے بے شمار ایسی چیزیں سامنے آئیں جن کی طرف سرسری طور پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا' خیال ہوا کہ دس پندرہ دن میں اتنا مواد اکٹھا کرلوں گا کہ اس کو کتابی شکل میں ڈھال لوں' لیکن چھ ماہ ہونے کو آئے تو وقت کے گزرنے کا احساس ہوا لیکن پھر بھی تقریباً سال لگ گیا مختلف تخلیقات کا مطالعہ کرنے میں۔ اس تمام عرصہ کے مطالعہ کا اگر نچوڑ بیان کرنے کا مجھ سے مطالبہ کیا جائے کہ حضرت جی بتایئے ''مثالی دُلہن'' کی تعریف ہے کیا تو میں اس حدیث مبارکہ کو بیان کروں گا کہ:

محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((خیر نسائکم التی اذا نظر الیھا زوجھا سرته وان امرھا اطاعته واذا غاب عنھا حفظته فی نفسھا وماله.))

[سنن نسائی]

''یعنی تمہاری بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کی طرف دیکھو تو وہ تمہیں خوشی بخشے اور جب تم اس کو کسی بات کا حکم دو تو وہ اس کی تعمیل کرے اور جب تم اس سے غائب ہو (یعنی گھر میں نہ ہو) تو وہ تمہارے پیچھے تمہارے مال کی اور اپنے نفس کی (ہر ممکن) حفاظت کرے۔''

مردوں کی خام خیالی:

ہم مردوں کے ذہنوں میں شادی کے فوراً بعد یہ ہوتا ہے شاید ہم کوئی ''غلام'' خرید کر لے آئے ہیں جس کی اب اپنی کوئی مرضی ومنشاء ہے ہی نہیں اور اسے ہمارے ہر حکم پر غلام بے دام بن کر ٹل پیرا ہونا چاہیے۔

یاد رکھئے!

حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ کچھ دن عورت برداشت کر جائے گی پھر جب اس کی زبان کھلے گی تو آپ کو سر چھپانے کو جگہ نہیں ملے گی۔

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾

[الشورى ٤٢ : ٣٠]

''تمہیں جو مصیبت اور پریشانیاں پہنچتی ہیں' وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور بہت سا تو وہ معاف کر دیتا ہے''۔

اس لئے میں آپ عورتوں کو آپ کی جانب منسوب بے شمار کوتاہیوں اور خامیوں سے بری الذمہ سمجھتا ہوں اور اس میں اپنا ہی قصور سمجھتا ہوں کہ ہم نے ہی آپ کو صحیح مقام نہ دیا۔ ویسے بقول شاعر ؎

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا ☆ مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں!
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں ☆ گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں!
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور ☆ کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ایک نصیحت یاد رکھنے کی!

میں نے اس کتاب میں مسائل طلاق کی بابت لکھتے وقت اپنے علاقے کی ثالثی کونسل سے کچھ مشترکہ مسائل کی بابت رجوع کیا تو یقین کیجئے انہوں نے بتایا کہ یہاں اگر سو طلاق یا خلع کے کیس دائر ہوں تو ۹۰ فیصد کے پیچھے حضرت جی مرد اور اس کے گھر والوں کو فقط عورت کی زبان سے شکایت ہوتی ہے۔

سو میری آپ سے ایک ہی درخواست ہے کہ اگر آپ اپنی زبانوں کو قابو میں کر لیں تو یقین کیجئے کہ آپ ''دلہنوں'' کے بے شمار مسائل حل ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ

عورت کا بلند ترین مقام

بحیثیتِ ماں
اور
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی احادیث سے عورت کی عظمت کا بیان

حرفِ اوّل

کتاب چونکہ ''دلہن'' کی بابت تحریر کی جا رہی ہے اس وجہ سے بندہ نے مناسب جانا کہ ایک عورت کا جو بلند ترین مقام ہے اس کا اظہار سب سے پہلے کر دیا جائے کیونکہ اس عظمت کو پہچانے بغیر نہ تو کوئی معاشرہ ہدایت پا سکتا ہے اور نہ ہی آج کے زمانے کی جدید ذہن والی عورت ''مکمل عورت'' بن سکتی ہے اور اس تحریر کو سب سے اوّل لانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ نئی نویلی دلہن ''شادی کے ابتدائی دنوں کے سکون (انجوائے منٹ)'' ہی میں منہمک ہو کر اپنے اس اصل مقصد سے انحراف نہ کر بیٹھے اور مجھے یہ احساس بھی ہے کہ یہ تحریر یہاں شاید کچھ بے ربط ہے لیکن کیا کروں' آخر تو کتاب لکھنے کا مقصد اصلاحِ معاشرہ ہے نہ کہ لفاظی۔

ماں بنتے ہی عورت تمام رشتوں پہ فوقیت لے جاتی ہے:

حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ اَبُوْكَ وَ فِيْ حَدِيْثِ قُتَيْبَةَ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ وَ لَمْ يَذْكُرِ النَّاسَ.))

[مسلم' کتاب البر والصلۃ' باب بر الوالدین وایھما احق بہ : ۱/۳۰۹]

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک شخص آیا رسول اللہ ﷺ کے پاس اور عرض کیا یا رسول اللہ سب لوگوں میں کس کا زیادہ حق ہے مجھ پر سلوک کرنے کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں کا۔ وہ بولا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں کا۔ وہ بولا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں کا وہ بولا پھر کون فرمایا تیرے باپ کا۔ (آپ ﷺ نے ماں کو مقدم کیا اس لیے کہ ماں بچہ کے ساتھ بہت محنت کرتی ہے حمل نو مہینے پھر جننا پھر دودھ پلانا پھر پالنا بیماری دکھ میں خبر لینا (حارث محاسی نے کہا اجماع کیا ہے علماء نے کہ ماں مقدم ہے باپ پر نیک سلوک کرنے میں اور بعضوں نے دونوں کو برابر کہا ہے اور صواب ماں کی تقدیم ہے۔)

مذکورہ حدیث تو کسی تشریح کی محتاج ہی نہیں نبی کریم ﷺ نے اتنے واضح اور سہل انداز سے سمجھا دیا کہ ماں سے سلوک کرنا اولاد کی زندگی میں کس حد تک' کس درجے تک اور کس انتہا تک فائق و مستحسن عمل قرار دیا گیا ہے۔

((وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ؟ قَالَ اُمُّكَ' قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اُمُّكَ' قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اُمُّكَ' قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ

اَبُوْكَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اَبَاكَ' ثُمَّ اَدْنَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ.))

[مسلم' کتاب البر والصلۃ' باب بر الوالدین وایھما احق بہ : ۲/ ۳۱۲]

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ (رشتہ داروں میں) میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ نبی کریم ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: تمہاری والدہ تمہارے حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اُس نے پھر دریافت کیا' پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ اُس نے (سہ بارہ) دریافت کیا پھر؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا والد اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تین بار تو ارشاد فرمایا کہ تمہارے حسن سلوک کا سب سے زیادہ استحقاق تمہاری ماں کو حاصل ہے پھر باپ کا ذکر کیا۔ پھر (سوال کے جواب میں) فرمایا: باپ کے رشتہ داروں میں جو سب سے زیادہ قریبی ہو۔ اُس کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اس قریب تر رشتہ داروں میں جو سب سے زیادہ قریب ترین ہو اُس کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اس قریب تر رشتہ والے کے بعد جو رشتہ میں سب سے زیادہ قریب ہو اُس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (صحیح مسلم)

اور اس کے بعد درج ذیل حدیث لائے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ قَالَ كَانَ جُرَيْجٌ يَتَعَبَّدُ فِيْ صَوْمَعَةٍ فَجَآءَتْ اُمُّهُ قَالَ حُمَيْدٌ فَوَصَفَ لَنَا اَبُوْ رَافِعٍ صِفَةَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لِصِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمَّهُ حِيْنَ دَعَتْهُ كَيْفَ جَعَلَتْ كَفَّهَا فَوْقَ حَاجِبِهَا ثُمَّ رَفَعَتْ

رَاْسَهَآ اِلَيْهِ تَدْعُوْهُ فَقَالَتْ يَا جُرَيْجُ اَنَا اُمُّكَ كَلِّمْنِيْ فَصَادَفَتْهُ يُصَلِّيْ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اُمِّيْ وَ صَلَاتِيْ قَالَ فَاخْتَارَ صَلٰوتَه' فَرَجَعَتْ ثُمَّ عَادَتْ فِى الثَّانِيَةِ فَقَالَتْ يَا جُرَيْجُ اَنَا اُمُّكَ فَكَلِّمْنِيْ قَالَ اللّٰهُمَّ اُمِّيْ وَ صَلٰوتِيْ فَاخْتَارَ صَلٰوتَهٗ فَقَالَتِ اللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا جُرَيْجُ وَّ هُوَ ابْنِيْ وَ اِنِّيْ كَلَّمْتُه' فَاَبٰى اَنْ يُّكَلِّمَنِيَ اللّٰهُمَّ فَلَا تُمِتْهُ حَتّٰى تُرِيَهُ الْمُوْمِسَاتِ قَالَ وَ لَوْ دَعَتْ عَلَيْهِ اَنْ يُّفْتَنَ لَفُتِنَ قَالَ وَ كَانَ رَاعِيْ ضَاْنٍ يَّاوِيْ اِلٰى دَيْرِهٖ قَالَ فَخَرَجَتِ امْرَاَةٌ مِّنَ الْقَرْيَةِ فَوَقَعَ عَلَيْهَا الرَّاعِيْ فَحَمَلَتْ فَوَلَدَتْ غُلَامًا فَقِيْلَ لَهَا مَا هٰذَا قَالَتْ مِنْ صَاحِبِ هٰذَا الدَّيْرِ قَالَ فَجَآءُوْا بِفُؤُسِهِمْ وَ مَسَاحِيْهِمْ فَنَادَوْهُ فَصَادَفُوْهُ يُصَلِّيْ فَلَمْ يُكَلِّمْهُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا يَهْدِمُوْنَ دَيْرَه' فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ نَزَلَ اِلَيْهِمْ فَقَالُوْا لَه' سَلْ هٰذِهٖ قَالَ فَتَبَسَّمَ ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَ الصَّبِيِّ فَقَالَ مَنْ اَبُوْكَ فَقَالَ اَبِيْ رَاعِى الضَّاْنِ فَلَمَّا سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْهُ قَالُوْا نَبْنِيْ مَا هَدَمْنَا مِنْ دَيْرِكَ بِالذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ قَالَ لَا وَ لٰكِنْ اَعِيْدُوْهُ تُرَابًا كَمَا كَانَ ثُمَّ عَلَاهُ.))

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جریج (ایک عابد تھا بنی اسرائیل میں) عبادت کر رہا تھا عبادت خانہ میں۔ اتنے میں اس کی ماں آئی۔حمید نے کہا ابورافع نے بیان کیا ابو ہریرہؓ نے جیسے بیان کیا جیسے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا کہ اس کی ماں نے اپنا ہاتھ ابرو پر رکھا اور سر اٹھایا جریج کو پکارنے کو تو بولی اے جریج میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر۔ جریج اس وقت نماز میں تھا وہ بولا (اپنے دل میں) یا اللہ! میری ماں پکارتی ہے اور میں نماز میں ہوں پھر وہ اپنی نماز میں رہا۔ اس کی ماں لوٹ گئی دوسرے دن پھر آئی اور بولی اے جریج! میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر۔ وہ کہنے لگا اے رب میرے میری ماں پکارتی ہے اور میں نماز میں ہوں۔ آخر وہ نماز پڑھے گئے۔ وہ بولی یا اللہ یہ جریج ہے اور میرا بیٹا ہے میں نے اس سے بات کی لیکن اس نے بات کرنے سے انکار کیا۔ یا اللہ مت مارنا اس کو جب تک بدکار عورتوں کو نہ دیکھ لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ دعا کرتی جریج کسی فتنہ میں پڑے البتہ پڑ جاتا (پر اس نے صرف اسی قدر دعا کی کہ بدکار عورتوں کو دیکھے) ایک چرواہا تھا بھیڑوں کا جو جریج کے عبادت خانہ کے پاس ٹھہرا کرتا تو گاؤں سے ایک عورت باہر نکلی۔ وہ چرواہا اس پر چڑھ بیٹھا اس کو پیٹ رہ گیا۔ ایک لڑکا جنا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا یہ لڑکا کہاں سے لائی۔ وہ بولی اس عبادت خانہ میں جو رہتا ہے اس کا لڑکا ہے۔ یہ سن کر (بستی کے لوگ) اپنی کدالیں اور پھاوڑے لے کر آئے اور جریج کو آواز دی۔ وہ نماز میں تھا اس نے بات نہ کی۔ لوگ اس کا عبادت خانہ گرانے لگے جب اس نے یہ دیکھا تو اترا۔ لوگوں نے اس سے کہا اس عورت سے پوچھ کیا کہتی ہے۔ جریج ہنسا اور اس نے لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا تیرا باپ کون ہے؟ وہ بولا میرا باپ بھیڑوں کا چرواہا ہے جب لوگوں نے بچہ سے یہ بات سنی تو کہنے لگے جتنا عبادت خانہ ہم نے تیرا گرایا ہے وہ سونے اور چاندی سے بنا دیتے ہیں۔ جریج نے کہا نہیں مٹی ہی سے درست کر دو جیسا پہلے تھا پھر چڑھ گیا اس کے

اوپر۔

ایک اور حدیث میں اس سے بھی طویل واقعہ نقل کیا گیا ہے لیکن ہم نے فقط اسی پر اکتفا کیا ہے اور ذرا غور کیجئے کہ ایک اللہ والے سے اتنی سی کوتاہی یا کہیئے کہ سستی سے کیا مصیبت آن پڑی تو ہمارے تو حال احوال کا کیا ہی کہنا۔

فرمانبردار بیٹیو!

یہ ہے وہ عہدہ' پوزیشن بلکہ اعزاز جو ماں بننے کے بعد اللہ عزوجل کے ہاں سے آپ کا مقرر کر دیا گیا اور میں پھر دوبارہ تحریر کیے دیتا ہوں کہ سب سے اوّل اس موضوع کو لانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ''نئی نویلی دُلہن'' کے دل میں یہ بات راسخ کر دی جائے کہ شادی کوئی معاشی یا معاشرتی مجبوری کا نام نہیں یا والد کی ''قید'' سے نکل کر ''شوہر'' اور ''بیٹوں'' کی قید میں جانے کا نام نہیں۔

جی ہاں یہی باتیں آج کل کی روشن خیال عورتیں کرتی ہیں (اور اپنے تو چار چار بچے ہیں اور ان کا ہر حکم سر آنکھوں پر لیکن دوسروں کی بیٹیوں کو خراب کرنے کی خاطر آزادیٔ نسواں کی علمبردار) یاد رکھئے یہ تو ایک نئی نسل کو پروان چڑھانے کا عظیم کام ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے آپ کے کندھوں پر ڈال دی ہے۔

اور اس کا اجر کیا ہے اگلی حدیث میں ملاحظہ کیجئے:

اللہ کی رضا ماں کی رضا میں پوشیدہ ہے:

((وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : رِضَی اللّٰهِ فِیْ رِضَی الْوَالِدَیْنِ وَسَخَطُ اللّٰهِ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدَیْنِ۔))

[مشکوٰۃ' باب البر والصلۃ' ص: ۴۱۹]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل کی رضامندی والدین کی رضامندی میں (پوشیدہ) ہے اور اللہ عزوجل کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔''

سنن ابن ماجہ میں والدہ کو جنت یا جہنم کا دروازہ قرار دینا☆

((عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا حَقُّ الْوَالِدَیْنِ عَلٰی وَلَدِهِمَا؟ قَالَ : هُمَا جَنَّتُكَ وَ نَارُكَ۔))

[سنن ابن ماجه' کتاب الأدب'' بَابُ بِرِّ الْوَالِدَیْنِ ح: ۳۶۵۷]

''حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! والدین کا اُن کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ دونوں یا تو تیری جنت ہیں یا جہنم (یعنی یہ تیری خدمت پر موقوف ہے کہ اُن کی خدمت کر کے جنت کا حقدار قرار پاتا ہے یا نااہلی کا ثبوت دے کر جہنم کا سزاوار)۔''

اس کے علاوہ بھی بے شمار احادیث ہیں جن کی تعداد بلا مبالغہ ۱۰۰ سے زائد ہے جن میں ماں کی عظمت کا اظہار کرنا مقصود ہے لیکن چونکہ ہمارا مقصود فقط ایک آیت قرآنی یا حدیث مبارکہ سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اس لئے ہم اسی پر اکتفا کر رہے ہیں۔ وگرنہ تو احادیث کی کتب (جو کہ اب اُردو تراجم کے ساتھ بھی موجود ہیں) اگر عام قاری بھی اُن کی فہرست ہی پر نظر ڈالے تو اُسے بے شمار احادیث ان موضوعات پر مل جائیں گی۔

ماں جنت کا دروازہ ☆

''حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے والد (باپ یا ماں) جنت کے دروازوں کا درمیانی دروازہ ہے اب تجھے اختیار ہے چاہے اس دروازے کو ضائع کردے چاہے اس کی حفاظت کر''۔

[سنن ابن ماجه كتاب الادب، باب بر الوالدين رقم: ٣٦٦٣]

حدیثوں کا مضمون

''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ بہشتی زیور میں ماں کی عظمت کا اظہار احادیث نبویہ سے یوں بیان فرماتے ہیں کہ'':

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسی عورت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو کہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھے اور اپنے خاوند کو بھی جگائے کہ وہ بھی نماز پڑھے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو عورت کنوار پنے کی حالت میں یا حمل میں یا بچہ جننے کے وقت یا چلے کے دنوں میں مر جائے اس کو شہید کا درجہ ملتا ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس عورت کے تین بچے مر جائیں اور وہ ثواب سمجھ کر صبر کرے تو بہشت میں داخل ہوگی۔ ایک عورت بولی یا رسول اللہ ﷺ اور جس کے دو ہی بچے مرے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو کا بھی یہی ثواب ہے، ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک بچے کے مرنے کو پوچھا آپ ﷺ نے اس میں بھی بڑا ثواب بتلایا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو کہ حمل گر جائے وہ بھی اپنی ماں کو گھسیٹ کر بہشت میں لے جائے گا۔ جبکہ ثواب سمجھ کر صبر کرے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سب سے اچھا خزانہ نیک بخت عورت ہے کہ خاوند اس کے دیکھنے سے خوش ہو جائے اور جب خاوند کوئی کام اس کو بتلائے تو حکم بجالائے اور جب خاوند گھر پر نہ ہو تو عزت آبرو تھامے بیٹھی رہے۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عرب کی عورتوں میں قریش کی نیک عورتیں دو باتوں میں سب سے اچھی ہوتی ہیں۔ ایک تو بچے پر خوب شفقت کرتی ہیں، دوسرے خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ فائدہ: معلوم ہوا کہ عورت میں یہ خصلتیں ہونی چاہئیں آج کل عورتیں خاوند کا مال بڑی بے دردی سے اڑاتی ہیں اور اولاد پر جیسے کھانے پینے کی شفقت ہوتی

ہے اس سے زیادہ اس کی عادتیں سنوارنے کی ہونی چاہیے نہیں تو ادھوری شفقت ہوگی اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کنواری لڑکیوں سے نکاح کرو کیونکہ ان کی بول چال خاوند کے ساتھ نرم ہوتی ہے یعنی شرم وحیا کی وجہ سے بدلحاظ اور منہ پھٹ نہیں ہوتیں اور ان کو تھوڑا خرچ دے دو تو خوش ہو جاتی ہیں۔

فوائد ۞ معلوم ہوا کہ عورتوں میں شرم ولحاظ اور قناعت اچھی خصلت ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیوہ سے نکاح نہ کرو بلکہ کنواری کی ایک تعریف ہے اور بعضی حدیثوں میں ہمارے حضرت ﷺ نے بیوہ عورت سے نکاح کرنے پر ایک صحابی کو دعا دی ہے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھتی رہے اور رمضان کے روزے رکھ لیا کرے اور اپنی آبرو کی حفاظت رکھے اور اپنے خاوند کی تابعداری کرے تو ایسی عورت بہشت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ دین کی ضروری باتوں کی پابندی رکھے تو اور بڑی بڑی محنت کی عبادتیں کرنے کی اس کو ضرورت نہیں جو درجہ ان محنت کی عبادتوں سے ملتا ہے وہ عورت کو خاوند کی تابعداری اور اولاد کی خدمت گزاری اور گھر کے بندوبست میں مل جاتا ہے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس عورت کی موت ایسی حالت میں آئے کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو وہ عورت بہشت میں جائے گی اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس شخص کو چار چیزیں نصیب ہو گئیں اس کو دنیا اور آخرت کی دولت مل گئی ایک تو دل ایسا کہ نعمت کا شکر ادا کرتا ہو دوسری زبان ایسی جس سے خدا کا نام لے تیسرے بدن ایسا کہ بلا ومصیبت پر صبر کرے چوتھے بی بی ایسی کہ اپنی آبرو اور خاوند کے مال میں دغا و فریب نہ کرے۔

فوائد ۞ یعنی نہ آبرو کھووے نہ مال بے مرضی خاوند کے خرچ کرے۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو عورت بیوہ ہو جائے اور خاندانی بھی ہے مالدار بھی ہے لیکن اس

نے اپنے بچوں کی خدمت اور پرورش میں لگ کر اپنا رنگ میلا کر دیا یہاں تک کہ وہ بچے یا تو بڑے ہو کر الگ رہنے لگے یا مر مرا گئے تو ایسی عورت بہشت میں مجھ سے ایسی نزدیک ہوگی جیسی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔

فوائد ۞ اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کہ بیوہ کا بیٹھا رہنا زیادہ ثواب ہے' بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو بیوہ یہ سمجھے کہ نکاح سے میرے بچے ویران ہو جائیں گے اور اس عورت کو بناؤ سنگار اور نفس کی خواہش سے کچھ مطلب نہ ہو تو اس کا یہ درجہ ہے اور رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ فلانی عورت کثرت سے نفل نمازیں اور روزے اور خیر خیرات کرتی ہے لیکن زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف بھی پہنچاتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گی پھر اس شخص نے عرض کیا کہ فلانی عورت نفل نمازیں اور روزے اور خیر خیرات کچھ زیادہ نہیں کرتی یونہی کچھ پنیر کے ٹکڑے دے دلا دیتی ہے لیکن زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی آپ ﷺ نے فرمایا وہ بہشت میں جائے گی۔

اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اس کے ساتھ دو بچے تھے ایک کو گود میں لے رکھا تھا دوسرے کی انگلی پکڑے ہوئے تھی۔ آپ نے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ عورتیں اول پیٹ میں بچے کو رکھتی ہیں پھر جنتی ہیں پھر ان کے ساتھ کس طرح محبت اور مہربانی کرتی ہیں اگر ان کا برتاؤ خاوندوں سے برا نہ ہوا کرتا تو ان میں جو نماز کی پابند ہوتی بس بہشت ہی میں چلی جایا کرتی۔

یاد دہانی ☆

والدین کی فرمانبردار بچیو!

خدارا! ان سطور کو بار بار پڑھئے اور یقین جانئے اگر آپ نے شادی کے ابتدائی

سالوں میں محض ہنی مون، نوکری، چھوٹی عمر (خواہ تیس سال ہی ہو چکی ہو) یا کوئی اور بہانا بنا کر ماں بننے سے پہلوتہی کی تو یقین جانئے آگے چل کر آپ کے پاس پچھتانے کے سوا کوئی چارہ کار نہ بچے گا لیکن

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

قبل از اسلام عورت کو حقیر سمجھا جانا

انسان کی معاشرت پسندی نے انسانی اجتماعیت کو جنم دیا اور یہ چھوٹی سی خاندانی تنظیم بڑھ کر اچھے معاشرے تشکیل دینے میں کامیاب ہوئی۔ انسان کی طویل اجتماعی زندگی میں بے شمار اجتماعی نظام معرضِ وجود میں آئے اور لا تعداد قومیں آباد ہوئیں لیکن تمام اقوام و نظامہائے معاشرت کے صحیح نقوش محفوظ نہیں رہے۔

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ وَّكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل)

''اور نوح کے بعد ہم نے کتنی بستیاں ہلاک کر دیں اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں پر خبیر و بصیر ہونے کے لئے کافی ہے''۔

انسان کی تہذیبی داستان اور تمدنی سفر میں جن اقوام کو سربلندی حاصل رہی ہے ان میں مصری، یونانی، ہندی، رومی اور ایرانی نمایاں ہیں، ان اقوام نے اپنے اجتماعی نظام قائم کئے۔ معاشرت کا طالب علم یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ معاشرے بڑے مہذب و متمدن تھے گو ان کے اصول اپنے تھے اور ان اصولوں کے نتیجے میں یا اس سے انحراف کے سبب یہ معاشرے زوال کا شکار ہوئے، ان معاشرتی نظاموں میں عدل و انصاف، ثقافتی و تمدنی شعور اور علمی و عقلی جدوجہد کے نشانات نظر آتے ہیں، ہمارے پیش نظر اس وقت ان معاشروں کی تصویر کشی نہیں ہے ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ تاریخ کے ارتقائی مراحل میں انسان نے کیسے کیسے معاشرے تشکیل کئے ہیں۔

اسلام کے آنے تک دینی و لادینی دونوں اعتبارات سے انسانی اجتماعیت نے بہت کچھ سیکھا اور بہت کچھ کھویا تھا۔ آدمؑ سے لے کر مسیحؑ تک انبیاءؑ کا سلسلہ بھی جاری رہا تھا۔ طالیس سے لے کر ارسطو تک فلاسفہ اور اشوک سے لے کر نوشیروان تک

بادشاہوں نے بھی انسانی معاشرت میں اپنا اہم کردار ادا کیا تھا اور معاشرے اجتماعی احساس کے امین تھے۔ اسلام جس وقت رہنمائی کا دعویٰ لے کر آیا اس وقت کئی معاشرے منظم تھے اور اپنی تاریخ کا عظیم سرمایہ رکھتے تھے گو یہ معاشرے اپنا اجتماعی اثر کھو چکے تھے اور ان کے جسد اجتماعی کو گھن لگ چکا تھا' قرآن کے بلیغ ارشاد کے مطابق:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾

(الروم)

''بحر و بر میں فساد رونما ہے (اس کا سبب) لوگوں کے اعمال ہیں''۔

ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ انسانیت میں ہمیشہ انفرادی و اجتماعی فلاح کا کام ہوتا رہا ہے اور اسلام کے اعلان کے وقت بھی کہیں کہیں خیر کی کرنیں موجود تھیں۔ لیکن اجتماعی خیر کا تناسب کم تھا نیز وہ اصول جس پر ایک اچھی اجتماعیت استوار ہو سکتی تھی' عملاً موجود نہ تھی نتیجہ یہ تھا کہ اجتماعیت انتشار کا شکار تھی۔

اسلام نے جس سرزمین سے اولین اعلان کیا وہ سرزمین عرب ہے۔ عربوں میں بھی احساس جمعیت تھا اور ان کے شہری اور بدوی معاشرے بھی موجود تھے لیکن معیاری نہ تھے۔ اسلام کو عربوں کے بعد جن معاشروں کا سامنا کرنا پڑا وہ رومی و ایرانی معاشرے تھے ہم اختصار سے ان تین معاشروں کا تعارف کرانا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کے معاشرتی نظم کا اعتدال اور درستی واضح ہو سکے۔

عرب قبل از اسلام:

جزیرۂ عرب ایک وسیع خطہ ہے جس میں صحرا' پہاڑ سنگلاخ حصے شامل ہیں۔ زراعت قلیل تھی کیونکہ پانی کی قلت تھی' اس کے اطراف میں رومی اور ایرانی سلطنتیں تھیں لیکن جزیرۂ عرب نے ان سلطنتوں کے اثرات قبول نہیں کئے تھے' سرحدی علاقوں

میں کچھ کچھ اثرات تھے مگر وہ بھی ناقابل اعتبار' جزیرہ کی معاشرت کے دو حصے تھے:

دیہاتی (بدوی) اور شہری (حضری)

دیہاتی (بدوی) صحرا اور پہاڑی علاقوں میں بدوی قبائل آباد تھے' جن کا اپنا نظام تھا' ہر قبیلہ ایک مستقل وحدت تھا اور اپنے اندرونی معاملات کا فیصلہ خود کرتا تھا' دوسرے قبائل سے معاملات میں قوت و غیرت اور شجاعت و حمیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی' اکثر اوقات اپنے قبیلے کے لئے ناجائز امور اور ظلم میں تعاون پر تیار رہتے تھے۔ مکانوں کے لئے خیمے ساز و سامان میں تیر تلوار' اونٹ' بھیڑ اور بکری کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان کی اجتماعیت کی صورت صرف قبیلہ یا اس کے حلیف تھی' اکثر اوقات قبائل میں باہمی جنگ رہتی اور وہ کئی کئی سالوں تک جاری رہتی تھی' ان کے اپنے اصول و قوانین اور اپنے ہی طریق ہائے صلح و جنگ تھے۔

شہری (حضری): اس وسیع علاقے میں دو چار شہر تھے مثلاً مکہ' یثرب' طائف وغیرہ۔ یہ شہر تجارتی مرکز تھے' مختلف علاقوں کا مال یہاں آتا اور یہاں سے دوسرے علاقوں میں جاتا تھا۔ ان شہروں میں اجتماعیت کی وہ صورتیں موجود تھیں جو شہری معاشروں میں ہوتی ہیں' لیکن بایں ہمہ اس پر خصوصی رنگ غالب تھا۔ بدویانہ اخلاق کی جھلکیاں یہاں بھی پائی جاتی تھیں۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کا کوئی مشترک معاشرتی نظم نہیں تھا بلکہ وہ مختلف اجزاء تھے جو مختلف صورتوں میں اجتماع پذیر تھے۔ زندگی سادہ اور مقاصد حیات محدود تھے اس لئے اس مختصر اجتماعی زندگی میں پیچیدگی نہیں تھی۔

عرب معاشرے کی خصوصیات:

اب ہم عرب معاشرے کی بعض اہم خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں:

① خاندان کے بڑے آدمی کو بنیادی اہمیت حاصل تھی اور وہ اپنے فیصلوں کے نفاذ میں

خود مختار ہوتا تھا۔

(۲) خاندان کی بنیاد اکثر اوقات شادی بیاہ ہی ہوتی لیکن نسب کے لئے صرف نکاح ہی شرط نہیں تھا' سفاح سے نسب ثابت ہو جاتا اس لئے نکاح اور سفاح کی اولاد میں بعض اوقات کینہ و منافرت کی صورتیں پیدا ہوتی تھیں' منہ بولی اولاد کو بھی حقیقی اولاد کے برابر شمار کیا جاتا تھا۔

(۳) نکاح کی کوئی حد نہ تھی کوئی آدمی جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر لیتا' بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کے پاس دس سے زائد بیویاں تھیں' بیوی کو خاندان میں کوئی مقام حاصل نہ تھا' حتیٰ کہ باپ کی موت پر بیٹے باپ کی بیویوں کے وارث بنتے تھے۔

(۴) عرب معاشرے میں عورت کو معزز مقام حاصل نہ تھا۔ حتیٰ کہ بعض قبائل تو اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ صرف چند بڑے خاندانوں میں بعض عورتوں کو اچھا مرتبہ حاصل تھا جیسے خدیجہ بنت خویلد یا ہند زوجہ ابو سفیان وغیرہ۔

(۵) اخلاقی اعتبار سے ان میں شجاعت و حمیت کے ساتھ ظلم اور سنگدلی کے رجحانات عام تھے اس لئے وہ اجتماعیت کے لئے بعض اوقات مضر ثابت ہوتے تھے۔ لڑائی اور لوٹ مار کی وجہ سے وہ اجتماعی احساس کی باریکیوں سے محروم تھے۔ حتیٰ کہ رشتہ داروں کے ساتھ بھی عمدہ سلوک نہیں کرتے تھے اس لئے قرآن و سنت نے صلہ رحمی پر خاص توجہ دی۔

(۶) غلامی کا رواج عام تھا۔ رنگ و نسل اور زبان کی بنیاد اور افتخار عرب معاشرے کی خصوصیت تھی۔ کمزور لوگوں اور غلاموں کے ساتھ حیوانی سلوک کیا جاتا تھا اور انہیں وہ حقوق حاصل نہ تھے جو ایک آزاد انسان کو ملنے چاہئیں۔

عرب معاشرت دراصل اجتماعیت کی ان ابتدائی منزلوں میں تھی جن سے آگے ترقی تو ممکن تھی۔ لیکن اس حالت میں اس سے کسی مفید معاشرتی نتیجے کی توقع نہ تھی۔

رومی معاشرت:

عرب کے ساتھ سلطنت روما ملحق تھی یہ سلطنت عروج و زوال کی عبرت ناک مثال ہے' رومی معاشرہ متمدن اور مہذب معاشرہ شمار ہوتا ہے' اس نے انسانی اجتماعیت کے کئی پہلوؤں میں مفید اضافے کئے تھے' رومی اجتماعیت کی پشت پر ایک زبردست حکومت اور مضبوط سیاسی نظام تھا۔ اس معاشرے نے اس وقت قائدانہ فریضہ سرانجام دیا لیکن طلوع اسلام کے وقت یہ معاشرہ شکست و ریخت کا شکار تھا' اس معاشرے میں بھی خاندانی نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ تاریخ زوال روما کے مصنف کے بقول رومی تہذیب کے زوال کا باعث خاندانی نظم کا انتشار ہے۔ اس معاشرے کی اہم خصوصیات کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں:

خصوصیات:

(۱) خاندان میں باپ کو مطلق اختیار حاصل تھا۔ اولاد کو صرف اتنی آزادی میسر تھی جتنی انہیں باپ عطا کرتا حتیٰ کہ چالیس سال کی عمر تک بھی بیٹے کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔

(۲) قانون نے عورت کے شخصی استقلال کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس کی حیثیت ایک غلام کی تھی' وہ باپ کی غلامی سے نکل کر خاوند کی غلامی میں آ جاتی۔ اس کے کوئی حقوق تھے نہ خاوند کے کوئی فرائض۔

(۳) جسٹنین کے عہد میں رومی قانون نے منظم صورت اختیار کی لیکن اس قانون نے بھی اشراف کے حقوق کا تحفظ کیا اور کمزوروں کی حمایت میں یہ ناقص رہا۔

(۴) غیر رومی اقوام کے لئے رومی معاشرت میں کوئی عزت کی جگہ نہ تھی غیر رومی ماتحت علاقوں کی دولت تو سمٹ کر رومی معاشرہ میں پہنچ جاتی مگر غیر رومی لوگ ذلت و حقارت سے نوازے جاتے' یہودیوں' مسیحیوں اور دیگر غیر رومی اقوام کے ساتھ یہی سلوک ہوتا البتہ ان میں سے چند افراد کو سہولتیں دے کر انہیں ان پر مسلط کر دیا جاتا۔

⑤ رومی معاشرت آزاد اور غلام کی تقسیم کا شکار تھی۔ جرائم اور سزاؤں میں اس تفریق کا خاص لحاظ تھا' آزاد کے جرم کی سزا کم اور غلام کی زیادہ تھی' اسی طرح اشراف اور رعایا کا معاملہ تھا۔

⑥ حکومت اور قانون پر صرف چند افراد کا قبضہ تھا' باقی لوگ ان کے رحم وکرم پر ہوتے۔ رومی لشکر کی فتوحات مال غنیمت پر منتج ہوتیں اور وہ مال صرف چند افراد کی فلاح کے لئے استعمال ہوتا۔ دراصل یہ قانون' یہ حکومت' یہ نظام اور یہ اجتماعیت صرف اشراف کے لئے تھے عوام کے لئے نہیں۔ جہاں تک دینی اور اخلاقی قدروں کا تعلق ہے تو اس اعتبار سے رومی معاشرہ ہمیشہ انتشار کا شکار رہا۔ یونانی فلسفہ' مشرکانہ نظریات کا حامل تھا' یہودی اور مسیحی افکار نے اس معاشرے کے استحکام کو اور بھی شدید نقصان پہنچایا۔ کوئی مشترک نظریہ حیات نہ تھا۔ مادی منفعتوں نے روحانی قدروں کو متزلزل کر دیا تھا اور برسر اقتدار طبقہ کی عیاشیوں نے دین پسندوں کے لئے ابتلاء کا سامان فراہم کیا تھا۔ مسیحی مبلغین کے ساتھ جو کچھ ہوا اور یہودیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا وہ رومی معاشرے کی تصویر ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رومی معاشرہ متمدن معاشرہ تھا' اس کی تہذیب اس کی اجتماعیت کی بنیاد تھی۔ رومی معاشرہ اچھے شہروں اچھے اجتماعی شعور اور منظم معاشرتی ہیئت کی تصویر تھا گو بعد میں یہ تصویر مسخ ہوگئی۔ ہماری رائے میں چونکہ اس معاشرے کو صالح بنیادیں میسر نہ آسکی تھیں اس لئے وہ نتائج برآمد نہ ہوئے جو اچھی معاشرت کے لئے لازمی ہیں۔

ایرانی معاشرہ:

ایرانی معاشرہ طویل اجتماعی ورثے کا حامل ہے۔ لیکن اس کے ارتقائی منازل کی بحث یہاں بے محل ہے اس لئے ہم اس وقت کی کیفیات وخصوصیات ہی پر اکتفا کریں

گے۔ ایرانی معاشرہ بھی رومی معاشرے کی طرح افتراق وتشتت کا شکار تھا اور اس میں بھی تقریباً وہی امراض پائے جاتے تھے جنہوں نے رومی معاشرت کے جسد اجتماعیت کو کھالیا تھا۔ طبقاتی تقسیم عروج پر تھی اور اجتماعی احساس مجروح۔ دراصل سکندر مقدونی کے حملے کے بعد کم از کم اثر یہ ہوا کہ فارسی معاشرے کی اجتماعیت ختم ہوگئی کیونکہ اس نے سلطنت فارس کے مختلف حصوں پر اشراف کو مسلط کر دیا تھا اور یہ سیاسی تفرقہ معاشرتی انتشار کا باعث ہوا گو بعد میں سیاسی وحدت کی صورت بھی بن گئی ہو لیکن معاشرتی انتشار بدستور قائم رہا۔ معاشرتی استحکام زوال پذیر ہونے کے باعث ایرانی معاشرہ عجیب تضادات کا شکار ہوگیا۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور قابل ذکر ہیں:

① رومی قانون نے جو طبقاتی تقسیم کی تھی اسی طرح کی تقسیم یہاں بھی کارفرما تھی۔

② ایرانی معاشرے میں مذہبی رجحانات نے خصوصی کردار ادا کیا۔ مختلف مذہبی اثرات کے تحت اجتماعیت انتشار کا شکار ہوتی چلی گئی مثلاً ''مانی'' یہ چاہتا تھا کہ انسان کو ختم ہونا چاہئے تاکہ جہان اس کے شر سے پاک ہو جائے اس نے شادی کو حرام قرار دیا تاکہ انسانیت جلدی ختم ہو۔ اس کی رائے میں انسان ایک لعنت ہے اور اس کی اجتماعی زندگی میں شر ومعصیت اور فتنہ وفساد کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کے بعد مزدک آیا اس نے سمجھا کہ شر وفساد کا سبب مال اور عورت ہے' اس کی ملکیت پر لوگ لڑتے ہیں اسی لئے ان کی ملکیت ختم کر دینی چاہئے اور انہیں مباح قرار دے دیا جائے اس طرح لوگوں کا کینہ وفساد ختم ہو جائے گا' نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اجتماعی قیود اور اخلاقی حدود ختم ہو گئیں' ہر طرف شہوات وہوس پرستی کا دور دورہ اور بغض وعناد میں اضافہ ہوا حتی کہ مزدک کو قتل کیا گیا اور ایرانی معاشرت ازسر نو مجتمع ہونا شروع ہوئی۔ یہ اسلام کے قریبی عہد کی بات ہے۔

(۳) ایرانی معاشرت کے دور ثبات و انتشار میں کوئی اجتماعی ادارہ مستحکم نہ ہو سکا۔ عورت کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی' اولاد کی تربیت اور چھوٹے بڑے کے لحاظ کا احساس ختم ہو گیا' لے دے کے اگر کوئی بات تھی تو اقتدار کی گرفت تھی جو کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی تھی۔

(۴) غلاموں اور کمزوروں کے ساتھ یہاں بھی وہی کچھ ہوتا تھا جو دنیا کے دوسرے معاشروں میں ہوتا رہا۔ انسانیت کی عظمت و برتری کا احساس یہاں بھی مفقود نظر آتا تھا۔

انسانی اجتماعیت کے عوامل دین اور سیاسی و معاشی احساسات ہیں۔

ان معاشروں میں دین کا پہلو تو بہت کمزور نظر آتا ہے۔ البتہ سیاسی و معاشی احساس پایا جاتا ہے۔ یہ معاشرے انسانی زندگی کی ارتقائی کیفیت کا پتہ دیتے ہیں' ان میں سے کوئی معاشرہ بھی ایسا نہیں جسے اصولی اور عملی اعتبار سے مکمل معاشرہ کہا جا سکے' ان معاشروں کی تشکیل میں جن اصولوں کا تذکرہ ہوتا ہے وہی ناقص اور جن عوامل کی نشان دہی ہوتی ہے وہی کمزور ہیں تو معاشرے کس طرح صحت مند ہوں۔

گرد و پیش کے جن معاشروں کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا کی معاشرتی زندگی کی کیا کیفیت ہوگی۔ انسانی معاشرت اس انتظار میں تھی کہ کوئی کامل ترین شخصیت جامع ترین تعلیمات کے ساتھ زندگی کے ڈھانچے کو استوار کرے۔ خالق کائنات نے انہی ضروریات کی تکمیل کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید دے کر بھیجا تاکہ مثالی معاشرہ قائم کر کے انسانیت کو ابدی نمونہ عطا کر دیا جائے۔

یاد رکھئے!

ہم یہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ آپ کو دنیاوی تعلیم میں ملکہ حاصل ہو گیا ہے آپ اچھی ڈاکٹر یا کمپیوٹر انجینئر یا کوئی سیکرٹری وغیرہ بننے کے لئے کوشاں ہیں لیکن یقین جانئے نبوی تعلیمات سے بے بہرہ رہتے ہوئے آپ جو کچھ بھی بن جائیں ایک اچھی خاتون بننے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتیں اور اللہ آپ کو دین و دنیا میں سرفراز فرمائے یہ جو کامیابیاں آپ حاصل بھی کریں گی یہ محض

چار دن کی چاندنی پھر وہی اندھیری رات

ثابت ہوں گی۔

اللہ نے انسان کو ایک جان سے پیدا کیا

انسانی زندگی میں فساد اور استحکام کی بنیاد مرد اور عورت کے متوازن تعلق پر ہے۔ عورت اور مرد انسانی زندگی کا لازم و ملزوم حصہ ہیں اور انسانی تخلیق میں ان دونوں کا برابر کا حصہ ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان دار سے پیدا کیا''۔

ہمارے ملک کے ایک اچھے مصنف کے بقول عورت نصف انسانیت ہے۔ کسی ترقی پسند معاشرے اور صالح تمدن کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت کی حیثیت متعین کرے۔ عورت کی صحیح حیثیت متعین کرنے سے دو فائدے ہوں گے:

ا) اس سے مرد کی حیثیت کا بھی تعین ہوگا۔

ب) تمدن اور انسانی دائرہ کار بھی واضح ہو جائیں گے۔

پروفیسر جنکس نے اپنی کتاب ''تاریخ سیاسیات'' میں انسانی معاشرے کی ارتقائی تقسیم وحشی اور پدری معاشروں کی صورت میں کی ہے۔ معاشرے کی موجودہ ارتقاء پذیر صورت (صنعتی معاشرہ) کو نسبتاً مادری کہنا پڑتا ہے۔ بہر نوع معاشرہ ترقی کے ابتدائی مدارج میں ہو یا عروج کی منازل طے کر رہا ہو' یہ بات مسلم ہے کہ عورت معاشرے کا ایک ایسا ناگزیر عنصر ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ سماجی اور تمدنی اصلاح و بقاء کا انحصار تقریباً اسی نوع کی حیثیت پر ہے' عورت کی حیثیت' اس کا کردار و عمل اور اس کی حیات بخش صلاحیتیں معاشرے کے عروج و زوال کا سامان ہیں۔ اسلام جو ایک نظام حیات ہے اور انسانیت کی مکمل رہنمائی کرتا ہے اس مسئلہ پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اسلامی نقطۂ نظر پیش کریں ہمیں اسلام سے پہلے عورت

کی حیثیت پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہئے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ مختلف مذہبی اور غیر مذہبی معاشروں میں عورت کا کیا مقام رہا ہے اور اسلام نے اسے کیا حیثیت دی ہے؟

مسلمان علمائے معاشرت نے اسلام سے پہلے کے معاشرتی حالات کو یونان سے شروع کیا ہے کیونکہ یونان علم و تمدن کی دنیا میں امامت کے فرائض سرانجام دے چکا ہے۔ بیشتر علمی' سیاسی' معاشرتی اور فلسفیانہ نظریات کی نسبت یونان کی طرف کی جاتی ہے۔ یونان نے سیاسی اور معاشرتی استحکام کی طرح ڈالی' رومی تہذیب نے اسے پروان چڑھایا اور ایرانیوں نے یونانی اور رومی اثرات کو تقویت دی۔ مذاہب میں ہندومت' مسیحیت اور یہودیت بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اس لئے ہمیں ان مذہبی اور غیر مذہبی معاشروں میں حیثیت نسواں کی ایک جھلک دیکھ لینی چاہئے۔

یونان' روم اور ایران:

یونان و روم کے متعلق ہمیں تفصیلی معلومات انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا اور لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ میں ملتی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

افلاطون نے عورت اور مرد کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا لیکن یہ محض زبانی تعلیم تھی۔ اخلاقی بنیادوں پر عورت کی حیثیت بے بس غلام کی سی تھی اور مرد کو اس معاشرہ میں ہر اعتبار سے فوقیت حاصل تھی' بلکہ بداخلاقی کی اس فضا میں عورت صرف ہوس کا نشانہ تھی۔ عورتوں کے مجسمے عام تھے۔ نکاح سے بالکل بے نیازی تھی اور نظریاتی طور پر عورت کو تمام مصائب کی جڑ قرار دیا جاتا تھا۔ مثلاً یونانی دیومالا میں ایک خیالی عورت (Pandora) کو تمام مصائب انسانی کا سبب قرار دیا گیا تھا۔ معاشرتی زوال کے دور میں تو بڑے بڑے فلاسفہ اور معلمین اخلاق زنا اور فحش گوئی میں کوئی قباحت خیال نہیں کرتے تھے۔ شہوت پرستی کوئی اخلاقی عیب نہیں تھا۔ کام دیوی کی پرستش سے دیوداسیاں معرض وجود میں آئیں اور فحاشی ایک مقدس فعل بن گیا۔ روم کے ابتدائی

حالات میں عورت کی حیثیت کو تھوڑا بہت تسلیم کیا جاتا تھا لیکن کچھ مدت کے بعد حالات نے پلٹا کھایا تو باپ اور شوہر کو یہ اختیارات مل گئے کہ وہ عورت کو جب چاہیں گھر سے نکال دیں بلکہ شوہر تو بیوی کو قتل تک کر سکتا تھا۔ غلاموں کی مانند عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا۔ معاشرہ میں اس کی گواہی کو معتبر خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ ایران میں عورت کی حیثیت کچھ عجیب ہی تھی۔ اس کی ذات میں کوئی اخلاقی قدر نظر نہ آتی۔ ماں' بیوی اور بیٹی کی کوئی تمیز نہ تھی۔ بابل میں تو دیوداسیوں کی ایک کثیر تعداد مختلف مواقع پر بھجن گاتی ہوئی نظر آتی ہیں اور ان کی یہ تصویر شرافت انسانی کا ماتم کرتی نظر آتی ہے۔

یہودیت اور عیسائیت:

یہودیت ہمیں بتاتی ہے کہ عورت مکار' بدطینت اور نسل انسانی کی دشمن ہے۔ بائبل آدم اور حوا کے واقعہ میں حوا کو مجرم قرار دیتی ہے اور اس جرم کی سزا حوا کی بیٹیوں کو یہ ملتی ہے کہ وہ ہمیشہ محکوم رہیں گی اور مصائب جھیلیں گی۔

بائبل ہی میں مرد کی حیثیت کو یوں بیان کیا ہے کہ وہ عورت کے ہر قسم کے فیصلے بدل سکتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے مطابق یہودی قانون میں مرد وارث کی موجودگی میں عورت وراثت سے محروم ہو جاتی ہے۔ نیز عورت کو خاوند کے مر جانے کے بعد دوسری شادی کا حق نہیں رہتا۔ عہد نامہ قدیم ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نوے بیویاں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی کئی سو بیویاں بیان کی ہیں۔

یہودی روایات کے مطابق عورت ناپاک وجود ہے اور اس کائنات میں معصیت اسی کے دم سے ہے۔ مسیحیت کے پس منظر میں چونکہ یہودی نظریات تھے اس لئے مسیحی تصور بھی کم و بیش یہی رہا۔ ایک مسیحی رہنما ترتولیان (Tertullian) کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ عورت شیطان کے آنے کا دروازہ ہے وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی اور خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر مرد کو غارت کرنے

والی ہے۔

پولوس رسول کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ حوا نے فریب کھایا اور آدم کو پھسلایا۔ عورت محکوم ہے اور مرد حاکم۔ کاریسوسٹم (Crysostum) جو مسیحیت کے اولیائے کبار میں سے ہے عورت کے متعلق یوں اظہار خیال کرتا ہے: یہ ایک ناگزیر برائی' ایک پیدائشی وسوسہ' ایک مرغوب آفت' ایک خانگی خطرہ' ایک غارت گر دلبرائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے۔ ان کے ہاں عورت کو ایک ہی درجہ حاصل ہے کہ وہ مریم کی طرح راہبہ بن جائے ورنہ وہ گناہ کا سبب ہے۔ مسیحیوں کے ہاں ایک مدت تک یہ بحث ہوتی رہی کہ عورت کے اندر روح بھی ہے یا نہیں اور بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ اس کے اندر روح تو ہے لیکن بڑی خبیث روح۔

ہندومت:

ہندومت میں بھی عورت کی حیثیت کچھ ایسی ہی ہے۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے اپنی کتاب ''نظام سلطنت'' میں ہندومت کی ایک تصویر کھینچی ہے۔ ذیل کے چند اقتباسات درج کر رہا ہوں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ ان کے ہاں عورت کا کیا مقام ہے؟ منوسمرتی میں عورت کے متعلق مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے جو اس کی حیثیت متعین کرتی ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنا عورت کا ذاتی خاصہ ہے۔

عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچپن میں باپ کے اختیار میں رہے' جوانی میں شوہر کے ماتحت اور بیوہ ہونے کے بعد بیٹوں کے اختیار میں رہے' خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔

چانکیہ برہمن کے بقول دریا' مسلح سپاہی' پنجے اور سینگ رکھنے والے جانور' بادشاہ اور عورت پر بھروسا نہیں کرنا چاہئے۔

جھوٹ بولنا' بغیر سوچے سمجھے کام کرنا' فریب' حماقت' طمع' ناپاکی اور بے رحمی یہ عورت کے جبلی عیب ہیں۔

شہزادوں سے تہذیب اخلاق، عالموں سے شیریں کلامی، قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہئے۔

پھر رسم ستی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ عورت کو خلع اور وراثت کا کوئی حق نہیں' اس کے رشتہ دار جائیداد لیں گے لیکن اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا' اسے مذہبی تعلیم سے بھی محروم کیا جاتا تھا۔ ہندوستان کے مذہبی رہنماؤں میں مہاتما بدھ کا مقام بہت اونچا ہے' انہوں نے بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں جا ٹھکانا کیا' انہیں عورت سے طبعی نفرت تھی اور اس دھرم میں عورت کی حقیقت نفرت ہی کی حقیقت ہے۔ سنسکرت میں لڑکی کو دوھتر (دور کی ہوئی) بیوی کو پتنی (مملوکہ) کہا جاتا ہے ان تمام باتوں سے پتا چلتا ہے کہ ہندو معاشرت میں عورت کو کیا مقام حاصل ہے بقول سید سلیمان ندوی مرحوم ''اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب ہیں ان سب میں عورت اور عورت و مرد کے ازدواجی تعلقات کو اخلاق و روح کی ترقی و مدارج کے لئے مانع تسلیم کیا گیا۔ ہندوستان میں بدھ' جین' ویدانت اور سادھو پن کے تمام پیرو اسی نظریہ کے پابند تھے۔ عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی کو روحانی کمال کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

عرب قبل از اسلام:

قبل از اسلام عربوں میں عورت کی حالت اور بھی بدتر تھی۔ لڑکی موجب ذلت سمجھی جاتی تھی۔ بعض قبائل میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا رواج تھا۔ نکاح پر کوئی پابندی نہیں تھی اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ بیٹا باپ کی بیوہ سے شادی کر لیتا تھا۔ طلاق دینے کا بھی کوئی متعین قاعدہ نہ تھا۔ عورت کو تنگ کرنے کے مختلف سامان تھے۔ عورت کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ قرآن وسنت نے عربوں کی اس حالت کا نقشہ یوں پیش کیا ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝

يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۝﴾ (النحل)

''اور ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے (اور) جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے (اور سوچے کہ) آیا اس کو بحالت ذلت لئے رہے یا اس کو (زندہ یا مار کر) مٹی میں گاڑ دے''۔

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (الزخرف)

''حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو خدا رحمان کا نمونہ یعنی (اولاد) بنا رکھا ہے۔ (مراد بیٹی ہے) تو (اس قدر ناراض ہو کر) سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے''۔

﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ (التکویر)

''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی''۔

صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول موجود ہے:

((والله ان كنا فى الجاهلية ما نعد النساء امراً حتى انزل الله فيهن ما انزل وقسم لهن ما قسم)) (مسلم)

''اللہ کی قسم ہم جاہلیت میں تھے اور عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نازل کیا جو اس نے نازل کیا اور ان کا حصہ

مقرر کیا جو مقرر کیا"۔

دور جاہلیت کے جو واقعات کتب احادیث و تفاسیر میں آتے ہیں انہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حیرانی ہوتی ہے کہ اس ضعیف مخلوق پر کس قدر مظالم ڈھائے گئے۔ سنن دارمی میں ایک واقعہ ہے' جو اس دور کی صحیح عکاسی کرتا ہے:

((عن الوضين أن رجلا اتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: انا كنا اہل جاہلية وعبدة اوثان فكنا نقتل الاولاد وكانت عندى ابنة لى فلما اجابت وكانت مسرورة بدعائى اذا دعوتها' فدعوتها يوما فاتبعتنى فمررت حتى اتيت بئرا من اہلى غير بعيد فاخذت بيدها فرديت بها فى البئر وكان آخر عہدى بها ان تقول: يا ابتاه يا ابتاه. فبكى رسول الله حتى وكف دمع عينيه. فقال له رجل من جلساء رسول الله صلى الله عليه وسلم: احزنت رسول الله صلى الله عليه وسلم. فقال له : كف فانه يسأل عن اہمه. ثم قال له: اعد على حديثك فاعاده فبكى حتى وكف الدمع من عينيه على لحيته ثم قال له: ان الله قد وضع عن الجاہلية ما عملوا فاستانف عملك))

"وضین سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا حضور ہم جاہلیت والے بتوں کی پوجا کرنے والے لوگ

تھے' ہم اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے' میرے ہاں میری ایک بچی تھی اور وہ میرے بلانے پر بہت خوشی ہوتی تھی' جب کبھی میں اسے بلاتا' ایک دن میں نے اسے بلایا اور وہ میرے پیچھے ہو لی۔ میں اسے لے گیا حتیٰ کہ تھوڑی دور اپنے خاندان کے ایک کنوئیں پر پہنچا میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا اور اس کی آخری بات جو مجھ سے تھی وہ یہ کہ وہ مجھے ابا جان ابا جان کہتی رہی' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھوں کے آنسو تھم گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے والوں میں سے ایک شخص نے کہا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین کیا ہے' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روکا کہ یہ شخص ایک ایسی چیز کے بارے میں پوچھ رہا ہے جو اسے بہت بھاری معلوم ہوئی؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی بات دہرائیے' اس نے اپنی بات دہرائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے حتیٰ کہ اشکوں سے ریش مبارک تر ہو گئی'۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے اعمال معاف کر دیے ہیں اب از سر نو اپنے اعمال کا آغاز کرو'۔

قیس بن عاصم نے جاہلیت میں آٹھ دس لڑکیاں دفن کی تھیں۔ اسی طرح نکاح و طلاق کے بارے میں اہل جاہلیت کا دستور نرالا تھا۔ کتب احادیث میں ان سب اشخاص کا ذکر موجود ہے جو قبول اسلام سے پہلے چار سے زائد بیویاں رکھتے تھے ان میں حارث بن قیس اسدی اور غیلان ثقفی کے نام نمایاں ہیں۔

((عن حارث بن قيس الاسدى قال اسلمت وعندى

ثمان نسوة فذکرت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم' فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اختر منہن اربعا)) (ابوداؤد)

''حارث بن قیس اسدی کہتے ہیں کہ میں اسلام لایا تو میری آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے چار اختیار کرلو''۔

((ان غیلان بن اسلم الثقفی اسلم ولہ عشر نسوة فی الجاہلیة فاسلمن معہ فأمرہ النبیّ ان یتخیر اربعا منہن)) (ترمذی)

''غیلان بن اسلم ثقفی رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اور ان کی دور جاہلیت کی دس بیویاں تھیں جو ان کے ساتھ اسلام لے آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے چار کو منتخب کرلو''۔

طلاق پر کوئی پابندی نہیں تھی اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے تھے اس طرح وہ عدت کو کبھی ختم نہیں ہونے دیتے تھے اور عورت کو تنگ کرتے تھے۔

ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں سوتیلی ماں سے نکاح کے متعلق لکھا ہے:

((وقد کان نکاح امرأة الاب مستفیضاً شائعاً فی الجاہلیة))

''باپ کی بیوہ سے شادی کر لینا جاہلیت میں عام معمول تھا''۔

ترمذی اور ابوداؤد کی ''کتاب الفرائض'' باب "ما جاء فی میراث الصلب" میں ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر شکایت کی کہ

ثابت جنگ احد میں شہید ہوگئے ہیں' ان کی دو بچیاں ہیں' ثابت کے بھائی نے ان کے پورے مال پر قبضہ کرلیا ہے کیونکہ جاہلیت میں یہی دستور تھا۔

ان تمام حالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت کیا تھی۔ اب ہمارے لئے نسبتاً آسان ہوگا کہ ہم اسلام کے احسانات کو نمایاں کرسکیں اور بتائیں کہ اسلام نے عورت کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا ہے وہ مقابلۃً زیادہ بہتر اور مفید ہے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت

دنیا کے مختلف معاشروں میں بنیادی خرابی اس امر سے پیدا ہوئی کہ عورت اور مرد کے درمیان تخلیقی طور پر امتیاز رکھا گیا اور اسی امتیاز کی بنیاد پر وہ ساری فاسد عمارت کھڑی کی گئی جس میں عورت کو ذلیل ترین سمجھا گیا۔ اسلام نے اس تخلیقی امتیاز کو مٹایا اور انسان کو یہ بتایا کہ مرد اور عورت کی تخلیقی بنیاد ایک ہے' دونوں ایک ہی اصل سے آئے ہیں اس لئے پیدائشی اور بنیادی اعتبار سے کسی کو فضیلت حاصل نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (النساء)

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں"۔

اس آیت میں بیک وقت تین چیزیں بیان کی گئی ہیں جن کا معاشرتی زندگی پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے: (ا) وحدت ربانی (ب) وحدت نسل انسانی (ج) وحدت حقوق و فرائض' یعنی پہلے اس چیز کو بیان کیا کہ مرد و عورت کا اللہ ایک ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مرد کا اللہ بڑا رحیم ہے اور عورت کا ظالم۔ دوسرے یہ بیان کیا کہ نسل انسانی ایک ہے اس لئے نسلی اعتبار سے مرد و عورت کے درمیان تفریق نہیں کی جا سکتی۔ تیسرے مرحلہ پر یہ

بات بیان کی کہ انسانی معاشروں میں عام طور پر تقسیم کچھ اس طرح ہوتی رہی ہے کہ حقوق مرد کے حصے میں آتے رہے اور فرائض کا بوجھ عورت کے کندھوں پر ڈالا جاتا رہا' لیکن اس آیت نے حقوق و فرائض کی ذمہ داری دونوں پر برابر ڈالی ہے' جس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح مرد حقوق کا مالک بنتا ہے' اسی طرح اس کے فرائض بھی ہیں اور جس طرح عورت پر فرائض کا بوجھ ڈالا جاتا ہے اسی طرح اس کے حقوق بھی ہیں۔

بخاری اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول موجود ہے جو حیثیت نسواں پر واضح دلیل ہے:

((عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما کنا نتقی الکلام والانبساط الی نسا، نا علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم مخافة ان ینزل فینا القرآن فلما مات النبی صلی الله علیه وسلم تکلمنا)) (بخاری)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی عورتوں سے کھلی بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے اس اندیشہ کے پیش نظر کہ کہیں اللہ کی طرف سے حکم نازل نہ ہو جائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ہم جی کھول کر باتیں کرنے لگے"۔

اسلام ہی نے دنیا کو بتایا کہ زندگی مرد و عورت دونوں کی محتاج ہے۔ عورت کو کارگاہ حیات میں ذلیل کر کے انسانی معاشرے کی خدمت نہیں کی جا سکتی۔ قدرت ان دونوں صنفوں سے کام لینا چاہتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک صنف کا ظلم پوری انسانی زندگی کے لئے فساد کا باعث بن جائے گا۔ عورت کے مسئلے میں قرآنی انداز کے دو پہلو ہیں:

الف) قرآن عورت کے وقار اور عزت انسانی کو مرد کے مساوی قرار دیتا ہے۔

ب) عورت کے حقوق وفرائض کا تعین کرتا ہے۔

ہم سب سے پہلے پہلی شق کو لیتے ہیں اس سلسلہ میں تین باتیں قابل غور ہیں:

الف) قرآن پاک میں جہاں کہیں فضیلت انسانی کا ذکر ہے اس میں مرد وعورت دونوں شریک ہیں۔

ب) قرآن پاک میں جو یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی فلاح کا دارومدار ایمان وعمل پر ہے وہاں عورت اور مرد دونوں کو شامل کیا گیا ہے یہ نہیں کہ عورت عورت ہونے کی وجہ سے ذلیل ہے اور مرد مرد ہونے کی وجہ سے جنت کا حق دار ہے۔ اللہ کے ہاں نیکی اور تقویٰ ہی شرفِ قبولیت کا درجہ رکھتا ہے اور وہ مرد وعورت دونوں ہی میں ہوسکتا ہے۔

ج) قرآن پاک یہ بات قاعدہ کے طور پر بیان کرتا ہے کہ کسی معاشرے کے استحکام اور فساد کا دارومدار مرد وعورت دونوں پر ہے یہ دونوں ہی مل کر معاشرہ کو صالح بنیادوں پر استوار کرسکتے ہیں اور دونوں ہی تمدنی بربادی اور سماجی ہلاکت کا باعث بن سکتے ہیں۔ قرآن پاک کا بیان ہے کہ صالح اور نیک بننے کی صلاحیتیں جس طرح مرد میں موجود ہیں اسی طرح عورت میں بھی موجود ہیں اور شیطنت جس طرح عورت کو خراب کرسکتی ہے اسی طرح مرد کو بھی۔ قران پاک کی مندرجہ ذیل آیات ان امور کی تائید کرتی ہیں:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾

(بنی اسرائیل)

''اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں

سوار کیا اور نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (التین)

''اور ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے''۔

﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ......﴾ (صٓ)

''جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان (یعنی اس کے پتلے کو) بنانے والا ہوں پھر میں جب اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں (اپنی طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا......''۔

ان آیات میں انسانی عظمت کا مجموعی ذکر ہے کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو ذلیل اور ناکارہ سمجھے۔ اسی طرح قرآن پاک نے تقویٰ اور دین وآخرت کی فلاح کا جو معیار مرد کے لئے مقرر کیا ہے وہی عورت کے لئے ہے اس معیار کو پورا کئے بغیر کوئی بھی صحیح مقام حاصل نہیں کرسکتا۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

(النحل)

''جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) پُرلطف زندگی دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے''۔

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب)

''بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے''۔

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ (آل عمران)

''سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی

شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو، سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں اور انہوں نے جہاد کیا اور شہید ہو گئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے''۔

﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (التوبة)

''وہ ایسے ہیں جو (گناہوں سے) توبہ کرنے والے ہیں۔ (اور اللہ کی) عبادت کرنے والے ہیں (اور) حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں (احکام) کا خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مؤمنوں کو (جن میں جہاد اور یہ صفات ہوں) آپ خوشخبری سنا دیجئے''۔

﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا﴾ (التحريم)

''اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دے تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا جو اسلام لانے والی، ایمان

لانے والی' فرمانبرداری کرنے والی' عبادت کرنے والی اور روزہ رکھنے والی ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں''۔

قرآن پاک یہ بھی بتاتا ہے کہ تمدن کے صلاح وفساد کا دارومدار دونوں پر ہے۔ یہ کوئی انصاف نہیں ہے کہ ایک کو سراسر عیب وذلت ثابت کر کے اسے ہر قسم کی برائی کا باعث قرار دیا جائے اور دوسرے کو نیکوکاری اور عزت کا مستحق بنا دیا جائے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ دونوں مؤمن بھی ہو سکتے ہیں اور کافر ومنافق بھی۔

﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (التوبة)

''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری بات (یعنی کفر ومخالفت اسلام) کی تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات (یعنی ایمان واتباع نبوی) سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کا خیال نہ کیا تو اللہ نے ان کا خیال نہ کیا۔ بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں''۔

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

(التوبة)

''اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا

کہنا مانتے ہیں۔ ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر (مطلق) ہے حکمت والا ہے''۔

اسلام مرد وعورت کے بنیادی حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ عورت مختلف حیثیتیں رکھتی ہے اس لئے تفصیلی وضاحت کے لئے ان حیثیتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے مثلاً عورت ماں ہے' بیٹی ہے' بہن ہے اور بیوی ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ مرد جب کبھی عورت کے مسائل پر غور کرتا ہے تو خاوند کے نقطۂ نظر سے غور کرتا ہے باپ بیٹے اور بھائی کی حیثیت سے نہیں اور فساد کا یہی سبب ہے۔ قرآن وسنت نے عورت کی تمام حیثیتوں سے بحث کی ہے اور ان حیثیتوں کے تعین کے بعد اس کے حقوق وفرائض کا ذکر کیا ہے۔ ہم یہاں پر عورت کی حیثیت کا کچھ ذکر کئے دیتے ہیں تا کہ ایک باپ کو اپنے ماتحتوں کے بارے میں کچھ ہدایت دی جا سکے۔

عورت ماں کی حیثیت سے:

میں اس بات کا ذکر ابھی چند صفحات قبل بھی سرسری طور پر کر آیا ہوں کہ آپ کے مقام کی معراج بحیثیت ماں ہی کے ہے۔ پیاری بیٹیو! اپنے اس مقام کو پہچانئے' کیونکہ اس مقام کو آپ بھولے بیٹھی ہیں۔

آیئے میں پھر کچھ قرآن وحدیث سے درج کئے دیتا ہوں تا کہ

ع شاید کہ تیرے دل میں اُتر جائے میری بات

قرآن وسنت کے اعتبار سے ماں کا مقام معراج انسانیت ہے۔ ماں کو اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور وہ مقام دیا گیا ہے جس کی عظمت کا تصور بھی ممکن نہیں۔ قرآن پاک میں اللہ کی توحید کے بعد دوسرا درجہ والدین کی اطاعت کا ہے اور والدین میں سے بھی والدہ کو ترجیح ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ

اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (البقرہ)

''اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے (توریت میں) بنی اسرائیل سے قول وقرار لیا کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ بچوں کی بھی اور محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے بھی اچھی طرح (خوش خلقی سے) کلام کرنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور پھر ادا کرتے رہنا زکوۃ پھر تم (قول و قرار کر کے) اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی بات ہے اقرار کر کے ہٹ جانا''۔

﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا﴾ (بنی اسرائیل)

''اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرما جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے''۔

﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا وَاِنْ جَاھَدٰکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (عنکبوت)

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے پھر میں تم کو تمہارے سب کام (نیک ہوں یا بد) جتلا دوں گا''۔

﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْنًا عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصَالُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ وَاِنْ جَاھَدٰکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا وَصَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمان)

''اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کا شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا''۔

﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسَانًا حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْھًا وَّوَضَعَتْہُ کُرْھًا وَحَمْلُہٗ وَفِصَالُہٗ ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ

سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی
وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ
اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ
مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ
الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ﴾

(الاحقاف)

''اور ہم نے انسان کو اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس مہینے (میں پورا ہوتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس برس کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر کیا کروں گا جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں یہ لوگ وہ ہیں کہ ہم ان کے کاموں کو قبول کریں گے ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے ہوں گے اس وعدۂ صادقہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

احادیث:

((عن ابی ھریرة قال قال رجل: یا رسول الله من احق

بحسن صحابتی؟ قال: امك. قال: ثم من؟ قال: امك قال ثم من؟ قال: امك. قال: ثم من؟ قال: ابوك))

(متفق علیه)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں۔ بولا: پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں۔ بولا: پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں۔ بولا پھر کون؟ فرمایا: تیرا باپ۔

((عن المغیرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله حرم علیکم عقوق الامهات ووأد البنات ومنع وہات وکرہ لکم قیل وقال وکثرة السؤال واضاعة المال)) (متفق علیه)

''حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے یقیناً تم پر حرام ٹھہرائی ہے ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ گاڑنا اور بخل اور گدائی اور تمہارے لئے برا جانا قیل وقال اور سوال کی کثرت اور مال ضائع کرنا''۔

((عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: دخلت الجنة فسمعت فیها قراء ة فقلت من ہذا؟ قالوا حارثة بن النعمان کذلکم البر کذلکم البر وکان ابر الناس بامه)) (بیہقی)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا اور اس میں قراءت سنی تو میں نے کہا یہ کون ہے؟ بولے: حارثہ بن نعمان۔ نیکی یوں ہوتی ہے۔ نیکی یوں ہوتی ہے اور وہ اپنی ماں سے سب لوگوں سے بڑھ کر نیکی کرتے تھے''۔

((عن بهز بن حكيم عن ابيه قال قلت: يا رسول الله من أبر؟ قال: امك. قلت: ثم من. قال: امك. وقلت: ثم من: قال: امك. قلت: ثم من؟ قال: اباك ثم الاقرب فالاقرب))

(الترمذی وابوداؤد)

''حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کس سے نیکی کروں؟ فرمایا: اپنی ماں سے' میں نے عرض کیا' پھر کس سے؟ فرمایا: اپنی ماں سے' میں نے عرض کیا: پھر کس سے؟ فرمایا: اپنی ماں سے' میں نے عرض کیا' پھر کس سے؟ فرمایا: اپنے باپ سے' پھر قریب تر اور قریب تر سے۔

((عن ابى بكرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل الذنوب يغفر الله منها ما شاء الاعقوق الوالدين فانه يعجل لصاحبه فى الحياة قبل الممات))

(مشکوٰۃ)

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ چاہے تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے سوائے والدین کی نافرمانی کے وہ اس کے مرتکب کے لئے مرنے سے پہلے زندگی

ہی میں (سزا میں) عجلت کر دیتا ہے''۔

ان آیات واحادیث میں ماں کو جو حیثیت دی گئی ہے اس کے سامنے دنیا و جہان کی عظمتیں ہیچ ہیں۔

عورت بیٹی کی حیثیت سے:

والدہ کے بعد عورت کی دوسری قابل عزت حیثیت بیٹی کی ہے۔ بیٹی کے ساتھ رحمت و شفقت کا سلوک قرآن وسنت کا واضح اصول ہے۔ قرآن نے زندہ درگور کرنے کو جہنم جانے کا سبب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کی تربیت اور اس کے ساتھ شفقت کو آگ سے نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات واحادیث سے بیٹی کی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے۔

﴿وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾

''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی''۔

((عن عائشة قالت: جاءتنى امرأة ومعها ابنتان لها تسألنى فلم تجد عندى غير تمرة واحدة فاعطيتها اياها فقسمتها بين ابنتيها ولم تاكل منها ثم قامت فخرجت فدخل النبى صلى الله عليه وسلم فحدثته فقال: من ابتلى من هذه البنات بشئ، فاحسن اليهن كن له سترا من النار)) (متفق عليه)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک عورت میرے پاس مانگنے آئی اور اس کے ہمراہ اس کی دو بیٹیاں تھیں اس نے

میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ پایا تو میں نے اسے وہی دے دی تو اس نے اسے اپنی بیٹیوں پر تقسیم کر دیا اور اس نے خود نہ کھایا پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر چلی گئی اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر آئے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ان بیٹیوں کی کچھ آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لئے آگ سے آڑ ہوں گی''۔

((عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة انا وهو هكذا وضم اصابعه)) (مسلم)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی ان کے بالغ ہونے تک پرورش کی وہ اور میں قیامت کے روز اس طرح آئیں گے اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ملایا''۔

((عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له انثى فلم يئدها ولم يهنها ولم يؤثر ولده اليها يعنى الذكور ادخله الله الجنة)) (ابو داؤد)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی کوئی انثی (بہن یا بیٹی ہو) اور وہ اسے زندہ نہ گاڑے اور اس کی توہین نہ کرے اور اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا''۔

((عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: من آوى يتيما الى طعامه وشرابه اوجب الله له الجنة البتة الا ان يعمل ذنباً لا يغفر ومن عال ثلاث بنات او مثلهن من الأخوات فادبهن ورحمهن حتى يغنيهن الله اوجب الله له الجنة. فقال رجل: يا رسول الله او اثنتين. قال: او اثنتين حتى لو قالوا او واحدة لقال واحدة)) (مشكوٰة)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں ساتھ رکھا تو اللہ نے اس کے لئے جنت لازم ٹھہرائی سوائے اس کے کہ کوئی ایسا گناہ کرے جس کی بخشش نہ ہو سکے اور جس نے تین بیٹیوں یا ان کی طرح تین بہنوں کی پرورش کی اور انہیں سلیقہ سکھایا اور ان پر ترس کھایا یہاں تک کہ اللہ نے انہیں بے نیاز کر دیا تو اللہ نے اس کے لئے جنت لازم ٹھہرا دی۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اور دو ہوں تو؟ فرمایا: اور (چاہے) دو (ہوں) یہاں تک کہ لوگ اگر ایک کہتے تو آپ ایک ہی کا فرما دیتے''۔

مسلم کی کتاب المناقب میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے:

((فانما ابنتى بضعة منى يريبنى ما رابها ويؤذينى ما اذاها)) (مسلم)

''بلاشبہ میری بیٹی میرا جگر گوشہ ہے جو چیز اس کے لئے باعث تشویش ہوگی وہ میرے لئے بھی پریشانی کا سبب بنے گی اور جو بات اس کے لئے

"موجب اذیت ہوگی وہ مجھے تکلیف دے گی"۔

ترمذی کے ابواب المناقب باب "ما جاء في فضل فاطمة" میں مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کون زیادہ محبوب تھا؟ تو آپؐ نے فرمایا: فاطمہ۔

ان آیات واحادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے بیٹی کی حیثیت سے عورت کو کتنا معزز ومحترم سمجھا ہے۔ اسلامی تعلیمات پر نظر رکھنے والا کوئی شخص بھی عورت کی عظمت کا منکر نہیں ہوسکتا۔

عورت بیوی کی حیثیت سے

بیوی کی حیثیت سے عورت ہمیشہ مظلوم رہی ہے کیونکہ یہی وہ تعلق ہے جس میں مرد کو اپنے اختیارات استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس تعلق میں عورت کے لئے ہر معاشرے میں فرائض تو مقرر کئے گئے لیکن حقوق سے اسے محروم رکھا گیا۔ ہم نے پہلے مختلف معاشروں کی تعلیمات کو دیکھا ہے جن میں عورت مکمل طور پر مرد کے رحم وکرم پر ہے اور اس کی انفرادی حیثیت کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ اسلام نے اس حیثیت میں بھی عورت کو بلند مقام بخشا' اس کے انفرادی تشخص کو تسلیم کر کے اس کے فرائض کے ساتھ اس کے حقوق بھی بیان کئے۔ قرآن وسنت کی واضح نصوص سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کے ذمہ فقط فرائض ہی نہیں اس کے کچھ حقوق بھی ہیں اسلام جن کا تحفظ کرتا ہے اور جن کی رعایت مرد کا فریضہ ہے وہ یہ ہیں:

مہر' نان ونفقہ' خلع اور حسن سلوک وغیرہ۔ اس کی تفصیل حقوق الزوجین میں آئے گی۔

حقوق میں مساوات:

اسلام نے بحیثیت مجموعی عورت کو سر بلند کرنے میں بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس نے انسانی واخلاقی اعتبار سے عورتوں کو مردوں کے مساوی قرار دیا۔ معاشی طور پر بھی اسے اس محرومی سے نجات دلائی جو مختلف معاشروں میں روا رکھی گئی تھی۔ مثلاً قرآن وسنت نے وراثت میں عورت کے مستقل حصے بیان کئے تاکہ اس قانون سے کسی وقت بھی ظالمانہ رویے کا انسداد ممکن ہو سکے۔ عورت کی عظمت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کافی ہے:

((عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

حبب الی من دنیا کم النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ)) (سنن نسائی)

''تمہاری دنیا میں سے مجھے عورتیں اور خوشبو عزیز ہیں اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لئے جو مجموعۂ قوانین تیار کرایا اس میں عورت کی قانونی مساوات کا ذکر کیا۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں ایک جملہ نقل کیا ہے جس سے قرآنی آیات: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (البقرہ) کی تشریح ہوتی ہے۔

((ان الرجل یقتل بالمراۃ)) (بیہقی)

''بلاشبہ مرد عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا''۔

ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کا ذکر کیا ہے جس میں آپ نے ایک عورت کے قصاص میں ان کئی مردوں کو قتل کرایا تھا جو اس کے خون میں شریک تھے۔ ابوداؤد نے کتاب الدیات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عورت امان اور پناہ دے سکتی ہے۔

''حضرت عائشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتی ہیں: مقتول کے لواحقین پر لازم ہے کہ وہ (جان لینے سے) رک جائیں اگر کوئی قریبی رشتہ دار معاف کر دے خواہ وہ عورت ہی کیوں نہ ہو''۔

((عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان المرأۃ لتاخذ للقوم یعنی تجیر علی المسلمین))

(ابوداؤد)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: بلاشبہ عورت مسلمانوں کے فائدے کے لئے دشمن کو پناہ دے سکتی ہے''۔

بخاری نے ''کتاب الجہاد'' میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد نقل کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی کے سلسلے میں فرمایا تھا:

((قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی)) (بخاری)

''ام ہانی تم نے جسے پناہ دی اسے ہماری بھی پناہ ہے''۔

سورۂ نساء کی مختلف آیات کے ذریعہ عورت کے مالی حقوق بھی متعین کر دیئے ہیں اور اسے خلع کا حق دے کر شخصی آزادی کا بھی تحفظ کیا:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾

(النساء)

''مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیکی کے قرابت دار چھوڑ جائیں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو حصہ قطعی''۔

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾

(النساء)

''اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر''۔

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ (النساء)

''تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو

بعضوں پر فوقیت بخشی ہے مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے
اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے"۔

اسلام عورت کو مظلومیت کے اس جال سے نکالنے کے بعد اسے یوں آزاد نہیں چھوڑتا کہ وہ بے لگام زندگی گزارے بلکہ وہ اس کی تعلیم و تربیت کے لئے اصول وضع کرتا ہے' اس کے لئے دائرہ کار متعین کرتا ہے اور اسے خوب و ناخوب کی شناخت عطا کرتا ہے' اسلام اس کے واسطے وہ طرز عمل تجویز کرتا ہے جس کے ذریعے وہ انسانی معاشرت کے لئے رحمت بن سکے اور اسے ان راہوں سے دور رکھتا ہے جن پر چل کر وہ معاشرتی آفت کا روپ دھار لیتی ہے۔ اسلام نے اس سلسلہ میں دو چیزوں کو بنیاد بنایا ہے۔

۱) صحیح تعلیم ۲) عمدہ تربیت

مسلمان عورت اگر ان دو چیزوں کو اپنائے تو وہ ملت اسلامیہ کے لئے پاکیزہ روح کا کام دے سکتی ہے وگرنہ حقوق اور تحفظات کی ہر جنگ میں بداخلاقی کے پہلوؤں کو دور نہیں کیا جا سکے گا۔

بچیوں کی تعلیم و تربیت

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن! ☆ کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

اسلام چونکہ اپنا مخصوص فکری و عملی نظام رکھتا ہے اس لئے اس نظام میں وہی فرد ٹھیک چل سکتا ہے جس کی تربیت اس نہج پر ہوئی ہو۔ جس قدر کوئی فرد فکری ناپختگی اور بے تربیتی کا شکار ہو گا اسی قدر وہ معاشرے کو ضرر پہنچائے گا یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو ایک فریضہ قرار دیا۔

((طلب العلم فریضة علی کل مسلم)) (مشکوٰۃ)

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) کا فریضہ ہے"۔

تعلیم اور دین سے واقفیت پر مسلمان کی زندگی کا دارومدار ہے اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں قرار دیا۔ عورتوں کی تعلیم کی طرف تو آپ کی خصوصی توجہ تھی حتیٰ کہ بیعت اسلام کے وقت جو شرائط بیان کی جاتی تھیں وہ ایک طرح کی تعلیم تھی سورۂ ممتحنہ میں بیعت کے اصولوں کا ذکر ملتا ہے عورتوں سے بیعت لیتے وقت آپ جو عہد لیتے تھے اسے قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (الممتحنة)

"اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ

کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی دعویٰ کرلے) بنالیں اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی۔ تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے اوران کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم میں عورتوں کا خاص لحاظ رکھا تھا' جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں عورتیں شریک ہوتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات سے مستفیض ہوتی تھیں۔ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کہتی ہیں:

((ما حفظت ق الا من فی رسولّ اللّٰه یخطب بها کل جمعة))

(مسلم)

"میں نے سورۂ ق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یاد کی ہے وہ ہر جمعہ اسی سے خطبہ دیتے"۔

ابن سعد نے طبقات میں خولہ بنت القیس الجہنیہ کا قول یوں نقل کیا ہے:

((کنت اسمع خطبة رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم الجمعة وانا فی مؤخر النساء))

"میں جمعہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنتی تھی اور میں عورتوں کے اخیر میں تھی"۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی تعلیم کا اس قدر احساس تھا کہ کئی مرتبہ نماز کے بعد دوبارہ عورتوں کی جانب تشریف لے جاتے اور پھر ان کو دین کی باتیں سناتے۔ بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے اس سے آپ کے اہتمام کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

((عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم خرج ومعه بلال فظن انه لم یسمع النساء فوعظهن وامرهن بالصدقة فجعلت المرة تلقی القرط والخاتم وبلال یاخذ فی طرف ثوبه))

(بخاری)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اوران کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے انہیں خیال آیا کہ عورتوں نے نہیں سنا آپ نے انہیں نصیحت کی اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا تو عورتوں نے بالیاں اور انگوٹھیاں پھینکنی شروع کیں اور بلال کپڑے کے پلو میں رکھتے جاتے"۔

ایک سبق آموز واقعہ:

شیخ علی متقی عارف باللہؒ فرماتے ہیں کہ ایک متقی وصالح شخص کسب معاش کرتے تھے اوران کا معمول تھا کہ جو کچھ کماتے پہلے تو اس میں سے ایک تہائی خدا کی راہ میں خرچ کردیتے پھر ایک تہائی اپنی ضروریات پر صرف کرتے اور ایک تہائی اپنی کسب معاش کے ذریعے میں لگادیتے ایک دن ان کے پاس ایک دنیادار شخص آیا اور کہنے لگا کہ شیخ! میں چاہتا ہوں کہ کچھ مال خدا کی راہ میں خرچ کروں' وہ مستحق شخص ہی کے پاس پہنچے گا"۔ دنیادار شخص نے اسے مبالغہ پر محمول کیا' شیخ نے کہا اچھا تم جاؤ تمہیں جو شخص بھی ایسا ملے جس کے لئے تمہارے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہوا سے صدقہ کا مال دے دینا' چنانچہ وہ شخص جب شیخ کے پاس سے اٹھ کر آیا تو اس نے ایک بوڑھے اندھے کو دیکھا جس کے لئے اس کے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہوا اور یہ سمجھ کر کہ صدقہ کا مال کا اس بے چارے سے زیادہ کون مستحق ہوسکتا ہے؟ اپنے کمائے ہوئے مال میں سے اسے کچھ

حصہ خیرات کر دیا۔ جب دوسرے دن وہ ضعیف و نابینا شخص کے پاس کے گزرا تو اس نے سنا کہ وہ اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک دوسرے شخص سے کل کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ کل میرے پاس سے ایک مالدار شخص گزرا اس نے اتنا مال مجھے دیا کہ جسے میں نے فلاں بدکار شخص کے ساتھ شراب نوشی میں لٹا دیا۔ وہ دنیا دار یہ سنتے ہی شیخ کے پاس آیا اور ان سے پورا ماجرا بیان کیا' شیخ نے یہ واقعہ سن کر اپنی کمائی میں سے ایک درہم اسے دیا اور کہا کہ اسے رکھو اور یہاں سے نکلتے ہی سب سے پہلے تمہاری نظر جس پر پڑے اسے یہ درہم بطور خیرات دے دینا چنانچہ وہ شیخ کا دیا ہوا درہم لے کر گھر سے باہر نکلا تو اس کی نظر سے سے پہلے ایک اچھے خاصے شخص پر پڑی' جو بظاہر کھاتا پیتا معلوم ہو رہا تھا پہلے تو وہ دیتے ہوئے جھجکا مگر چونکہ شیخ کا حکم تھا اس لئے اس نے مجبوراً وہ درہم اس شخص کو دے دیا۔ اس شخص نے وہ درہم لے لیا' اور اپنے پیچھے کی طرف مڑ کر چل دیا' اس کے ساتھ ساتھ وہ مالدار بھی چلا' اس نے دیکھا کہ وہ شخص ایک کھنڈر میں داخل ہوا اور وہاں سے دوسری طرف نکل کر شہر کی راہ پکڑی' مالدار بھی اس کے پیچھے کھنڈر میں داخل ہوا وہاں اسے کوئی چیز نظر نہ آئی البتہ اس نے ایک مرا ہوا کبوتر دیکھا وہ پھر اس شخص کے پیچھے پیچھے ہو لیا' پھر اسے قسم دے کر پوچھا کہ بتاؤ تم کون ہو؟ اور کس حال میں ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک غریب انسان ہوں' میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں وہ بھوکے تھے جب مجھ سے ان کی بھوک کی شدت دیکھی نہ گئی اور انتہائی اضطراب و پریشانی کے عالم میں ان کے لئے کچھ انتظام کرنے کی خاطر گھر سے نکل کھڑا ہوا تو میں سرگرداں پھر رہا تھا کہ یہ مرا ہوا کبوتر مجھے نظر آیا مرتا کیا نہ کرتا؟ میں نے یہ کبوتر اٹھا لیا اور اسے لے کر گھر کی طرف چلا تا کہ اس کے ذریعے بھوک سے بلکتے بچوں کی کچھ تسکین دلاؤں مگر جب خدا نے تمہارے ذریعے یہ درہم مجھے عنایت فرما دیا تو یہ کبوتر جہاں سے اٹھایا تھا وہیں پھینک دیا۔ اب اس مالدار کی آنکھ کھلی اور اسے معلوم ہوا کہ شیخ کو وہ قول مبالغہ پر محمول نہیں تھا بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حلال مال اچھی جگہ اور حرام

مال بری جگہ خرچ ہوتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَالٍ وَمَازَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدلِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ (رواه مسلم)

صحيح مسلم' كتاب البر والصلة والآداب' باب استحباب العفو والتواضع' ح ٤٦٨٩

''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ صدقہ دینا مال میں کمی نہیں کرتا' اور جو شخص کسی کی خطا معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے نیز جو شخص محض خدا کے لئے تواضع و عاجزی اختیار کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔''

صدقہ مال میں اضافہ کا باعث بن جاتا ہے:

یہاں تین باتیں بتائی جا رہی ہے ایک تو یہ کہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا اگرچہ ظاہری طور پر مال میں کمی و نقصان کا سبب ہوتا ہے مگر حقیقت میں صدقہ و خیرات مال میں زیادتی کا سبب ہوتا ہے بایں طور کہ صدقہ و خیرات کرنے والے کے مال میں برکت عطا فرمائی جاتی ہے وہ اور اس کا مال آفت و بلا سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں ثواب کی زیادتی ہوتی ہے بلکہ دنیا میں بھی اسے اس طرح نعم البدل عطا فرمایا جاتا ہے کہ اس کا مال بڑھتا رہتا ہے۔

دوسری بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کا قصور لینے پر قادر ہونے کے باوجود معاف کر دیتا ہے اور اس کی خطا سے درگزر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عزت بڑھاتا ہے چنانچہ ایک عارف کا قول منقول ہے کہ ''کوئی بھی انتقام عفو و درگزر کے برابر نہیں ہے۔''

تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ جو شخص کسی غرض ومنفعت کی خاطر نہیں بلکہ صرف اللہ جل شانہ کی رضا ، وخوشنودی اوراس کا قرب حاصل کرنے کے جذبے سے تواضع و عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس توجہ کے نتیجے میں خواتین کے اندر حصول تعلیم و تربیت کا جو احساس پیدا ہوا اس کی شہادت بخاری کی ''کتاب العلم'' کی یہ روایت دیتی ہے:

((عن ابی سعید الخدری قالت النساء للنبی: غلبنا علیك الرجال فاجعل لنا یوما من نفسك. وعدہن یوما لقیہن فیه فوعظہن وامرہن)) (بخاری)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عورتوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مردوں نے آپ سے ہماری نسبت زیادہ حصہ لیا ہے۔ آپؐ ہمارے لئے ایک مخصوص دن رکھیں' آپؐ نے ایک دن کا وعدہ فرمایا: اس میں آپؐ ان سے ملے انہیں نصیحت کی اور صدقہ کا حکم دیا۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن سے منقول ہے:

((قالت : خطبنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: یا معشر النساء اما لکن فی الفضة اما تحلین اما انه لیس منکن امرأة تحلی ذہبا الا عذبت به)) (مسند احمد)

''کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا: اے گروہ خواتین! تمہیں چاندی کی طرف رغبت نہیں تم اس کے زیور نہیں پہنتی ہو سنو تم میں سے کوئی سونے کے زیور پہنے گی تو اسے عذاب دیا جائے گا''۔

آپؐ کے نزدیک تعلیم نسواں کی اتنی اہمیت تھی کہ اگر آپؐ خود نہ جا سکتے تو کسی

نمائندہ کو بھیج دیتے' آپؐ اس اہم امر سے غافل نہیں رہے۔ آپؐ کے نزدیک معاشرے کے استحکام میں عورت کی تعلیم وتربیت کو بڑا دخل ہے۔ ابوداؤد کی کتاب الصلوٰۃ میں ام عطیہ کی ایک روایت موجود ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ کی نشان دہی کرتی ہے:

((عن ام عطیة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لما قدم المدینة جمع نساء الانصار فی بیت فارسل الینا عمر بن الخطاب. فقام علی الباب فسلم علینا فرددنا علیه السلام ثم قال: انا رسول الله الیکن وامرنا بالعیدین ان نخرج فیہا الحیض والعتق ولا جمعة علینا ونہانا عن اتباع الجنائز)) (ابو داؤد)

''حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع کیا اور ہماری طرف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر ہمیں سلام کیا اور ہم نے جواب دیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: میں تمہاری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سے نوجوان اور حیض والی عورتیں عیدین کے لئے جائیں اور ہم پر جمعہ فرض نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازوں کے پیچھے چلنے سے بھی منع کیا''۔

ابوداؤد کی کتاب الآداب میں ایک خاتون کی تعلیم کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ اسے صبح اٹھتے ہی مندرجہ ذیل دعا پڑھنی چاہیے:

((سبحان الله وبحمده ولا قوة الا بالله ما شاء الله كان

ومالم یشا لم یکن. اعلم ان الله علی کل شیء قدیر وان
الله قد احاط بکل شیء علما)) (ابو داؤد)

''پاک ہے اللہ اپنی تعریف کے ساتھ قوت اسی کے ذریعے مل سکتی ہے' اللہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ وہ ہر شے پر قادر ہے اور اسی کے علم نے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے''۔

قرطبی نے سورۂ نور کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

((علموا نساء کم سورة نور)) (قرطبی)

''اپنی عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ''۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((ما رایت احداً من الناس اعلم بالقرآن ولا بفریضة ولا بحلال وحرام ولا بشعر ولا بحدیث العرب ولا بنسب من عائشة)) (ذهبی)

''میں نے لوگوں میں سے کسی شخص کو قرآن' فرائض' حلال وحرام' شعر' اخبار عرب اور نسب کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عالم نہیں دیکھا''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان توجیہات کا نتیجہ تھا کہ اس عہد کی خواتین حصول علم کے میدان میں مردوں کے برابر چلتی نظر آتی ہیں۔ ازواج مطہرات خواتین کے علم کا بڑا ذریعہ تھیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علمی و ادبی مقام تو ایک مسلم حقیقت ہے حدیث وفقہ میں ان کو خصوصی درجہ حاصل ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے پر اکثر صحابہ بھی ان سے مشورے کرتے تھے' سیرت ورجال کی رو سے اکثر آپ ہی کی رائے صائب ہوتی' دورِ صحابہ و تابعین میں خواتین کی علمی

سرگرمیاں تو عیاں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد کے ادوار میں بھی خواتین بہت نمایاں ہیں۔ مشہور محدث اور شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی کی سوانح میں سخاوی نے لکھا ہے کہ حافظ کے اساتذہ میں کئی خواتین بھی شامل ہیں مثلاً فاطمہ بنت عبدالہادی اور عائشہ بنت عبدالہادی' حضرت عائشہ کی شاگرد عمرہ بنت عبدالرحمٰن بہت معروف ہیں مشہور محدث امام زہری ان کے شاگرد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے قاسم بن محمد نے مشورہ دیا کہ میں اس خاتون کے پاس جایا کروں' میں نے محسوس کیا کہ واقعی وہ علم کا نہ ختم ہونے والا سمندر ہیں۔ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ان مشہور خواتین کا ذکر کرتے ہیں جو علمی اعتبار سے بلند مقام رکھتی تھیں۔

حافظ ابن حجر نے الاصابه فی تمییز الصحابه میں ام المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پختہ عقل اور صائب رائے سے نوازا تھا۔

((کانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع والعقل البالغ والرأی الصائب))

''اُم سلمہ رضی اللہ عنہا انتہائی حسن کے ساتھ پختہ عقل اور درستی رائے سے بھی متصف تھیں''۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی زینب بنت ابی سلمہ بقول حافظ ابن عبدالبر افقہ النساء تھیں۔ تعلیم کی طرف یہ توجہ اس لئے دلائی گئی تھی کہ عورت دین و اخلاق کے لحاظ سے تربیت یافتہ ہو مگر اس تربیت کے لئے تعلیم ضروری ہے اسی لئے مختلف طریقوں سے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ہمارے فقہاء نے عورت کے حق تعلیم کو قانوناً تسلیم کیا ہے اور عورت اس حق کی طلب میں عدالت تک کا دروازہ کھٹکھٹا سکتی ہے۔ اس کی مفصل بحثیں ہمارے فقہاء کے ہاں موجود ہیں مثلاً فتاویٰ قاضی خان' فتاویٰ عالمگیری وغیرہ۔

عمدہ تربیت:

چونکہ ساری تعلیم کا مقصود اخلاق وتقویٰ کی تربیت ہے اس لئے قرآن وسنت نے فکری اصلاح کے ساتھ اخلاق وعمل کی اصلاح پر بڑا زور دیا ہے' وہ تمام احکام اسے سکھائے گئے ہیں جو اسلامی معاشرے کے بہترین فرد بننے کے لئے ضروری ہیں۔ خواتین کا بالخصوص یہ خیال کیا گیا کہ وہ عزت وحیا کے ساتھ زندگی گزاریں اور کتاب و سنت کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں اسلام نے اس کے لئے دو امر مدنظر رکھے ہیں۔

① ان تمام اعمال وحرکات سے اسے روک دیا ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے اس کی نسوانی شخصیت کے لئے مضر ہیں۔

② ان اصولوں کی پیروی جو مثبت کے طور پر مؤمنہ کے لئے ضروری ہیں۔

قرآن وسنت نے ان تمام امور کی نشان دہی کی ہے جن سے مسلم خواتین کو بچنا چاہئے مثلاً مسلم کے کتاب اللباس میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو عورتیں مصنوعی بال گوندھتی ہیں' دانتوں کو گھس کر خوبصورت بناتی ہیں' ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ یہ سن کر ایک خاتون نے کہا کہ تمہاری بیوی بھی تو ایسا کرتی ہے۔ عبداللہ نے کہا: اگر وہ ایسا کرتی ہے تو وہ عقد میں نہیں رہ سکتی جاؤ' دیکھو چنانچہ اس عورت کا خیال غلط نکلا۔ اسی کتاب میں ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمائیے:

((ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كاسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وان ريحها لتوجد من مسيرة كذا و كذا)) (مسلم)

''وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود عریاں رہتی ہیں جو مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور جو اونٹ کے کوہان کی طرح اپنے کندھوں کو ہلا ہلا کر ناز وادا کا اظہار کرتی ہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں

سونگھ سکیں گی حالانکہ جنت کی مہک دور تک پھیلی ہوگی''۔

اسی طرح قرآن وسنت میں شرک' چغلی' غیبت' بہتان تراشی اور اسی قبیل کی دوسری حرکات سے منع کیا گیا ہے اور مؤمن خواتین سے یہ توقع کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کی حرکات نہیں کریں گی۔ دراصل اسلام یہ چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرے کی خاتون دین واخلاق کا مجسمہ ہو۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے عورت جبھی معاشرے کے لئے مفید ہو سکتی ہے کہ وہ دین واخلاق میں اونچا مقام رکھتی ہو ورنہ اس کی بداخلاق و بدکرداری پورے معاشرے کو جہنم میں بدل سکتی ہے۔ چونکہ معاشرے کا اجتماعی شعور انفرادی تربیت ہی سے پختہ ہوتا ہے اس لئے اسلام نے انفرادی تربیت پر بڑا زور دیا ہے۔ اسی تربیت کا ایک حصہ تو وہ تعلیم تھی جسے خواتین کے لئے ضروری قرار دیا اور اس میں بھی ان پہلوؤں کو زیادہ مدنظر رکھا جن میں اخلاق کی پختگی' سیرت کی تعمیر اور تقویٰ کے احساس کو دخل ہے۔ تربیت کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ عورت کے لئے حدود کار متعین کر دیئے جائیں' اسے فکری طور پر یہ سمجھایا جائے کہ اس کی عملی زندگی کے لئے یہ حدود ہیں اور عملاً اسے زندگی کے اسی دائرہ کار میں کام کرنے کا موقع ملے جو اس کیلئے ضروری بھی ہے اور مفید بھی۔ اس کی زندگی سے ان تمام مواقع کو ختم کر دیا جائے جن سے اس کی تربیت پر اثر اندازی کا شبہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً ہماری زندگی کا ایک پہلو اجتماعی ہے اس اجتماعی زندگی کی تگ ودو میں بوقت ضرورت عورت نمایاں حصہ لے سکتی ہے مگر عام حالات میں اسے اجتماعیت کے کھلے میدان میں گھل مل کر کام کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اجتماعی زندگی مخصوص دائرہ کار ہے جسے نسوانی حصہ کہنا چاہئے' اسے چند حدود سے متعین کر دیا گیا ہے کہ وہ اس اجتماعی زندگی میں کھل کر کام کر سکتی ہے اور اسی زندگی کی تربیت اسے اس وقت کام آئے گی جب ہنگامی حالات میں اسے کھل کر کام کرنا ہوگا۔ غالباً اسی احتیاط کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ اور جہاد کو عورت پر فرض نہیں قرار دیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ہنگامی حالات میں جو رخصتیں

پائی جاتی ہیں انہیں عام زندگی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشاداتِ مبارکہ بطور تائید پیش کئے جا سکتے ہیں:

((عن عائشة قالت قلت یا رسول الله علی النساء جهاد؟

قال: نعم' علیهن جهاد لا قتال' فیه الحج والعمرة))

(ابن ماجه)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کے جہاد کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ان پر جہاد واجب ہے اس میں جنگ نہیں بلکہ حج وعمرہ ہے''۔

((عن عائشة أم المؤمنین عن النبی صلی الله علیه وسلم ساله نساء ہ عن الجهاد فقال: نعم الجهاد الحج)) (بخاری)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپؐ سے آپ کی بیبیوں نے جہاد کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا: بہتر جہاد حج ہے''۔

ابوداؤد نے ''باب الجمعہ'' میں غلاموں اور عورتوں کی حیثیت بیان کرتے ہوئے خاتم الرسل کے اس ارشاد کو بیان کیا ہے۔

((عن طارق بن شهاب عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا

اربعة عبد مملوك او امراة او صبی او مریض))

(ابوداؤد)

''حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ ہر مسلمان پر واجب ہے سوائے چار قسم کے لوگوں کے 'غلام' عورت' بچہ اور مریض''۔

اسی طرح عورت کو عام معاشی تگ و دو سے بھی دور رکھا تا کہ اجتماعی احساس پاکیزہ ہو سکے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کا بہترین مقام اس کا گھر ہے۔ عورت کی اسی نماز کو بہتر قرار دیا گیا ہے جو وہ گھر کے آخری گوشے میں ادا کرتی ہے۔ قرآن کا بیان بھی بڑا واضح ہے:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا﴾

(الاحزاب)

''اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو' اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو (ہر طرح ظاہری اور باطنی طور پر) پاک صاف رکھے''۔

ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ یہ آیت اس رویہ پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو گھر بیٹھنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور باہر کی گشت سے منع کیا گیا ہے۔

((وفيه دلالة على ان النساء مامورات بلزوم البيوت منهيات عن الخروج))

''اور اس میں اس امر کا اشارہ ہے کہ عورتوں کو حکم ہے وہ گھر میں رہیں اور انہیں باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے''۔

امام احمد فرماتے ہیں:

((خير مساجد النساء قصر بيوتهن)) (مسند احمد)

''عورتوں کی بہترین مسجدیں ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں''۔

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ قول نقل کیا ہے:

((عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال : عليكن بالبيت فانه جهاد كن)) (مسند احمد)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے گھروں میں رہو کیونکہ یہی تمہارا جہاد ہے''۔

اسلام میں امر و نہی کے اس امتزاج سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عورت کو نہ تو قیدی اور مملوک بناتا ہے کہ اس کے اختیارات ہی نہ ہوں اور نہ اسے ایسی بے ہنگم آزادی دیتا ہے کہ جس سے دین و اخلاق کی قدریں مجروح اور معاشرے کا اجتماعی سکون غارت ہو۔ اسلام اس کے لئے دائرۂ کار متعین کرتا ہے تا کہ وہ اصل کام کر سکے اور وہ اچھا خاندانی نظام ہے جس کے نتیجے میں اچھا معاشرہ اور اچھا شہری نظام تشکیل پائے گا۔

یہی سبب ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور مردوں کی تربیت میں

اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھا ہے حتیٰ کہ مسجد نبوی کی نماز میں بھی اس اختلاف کو سامنے رکھا۔ مسلم کی کتاب الصلوٰۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرزِ عمل کا زندہ ثبوت ہے:

((عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها اولها)) (مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین پچھلی اور عورتوں کی بہترین صف سب سے آخری اور بدترین پہلی''۔

اس تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں ایک ایسا معاشرتی نظام وجود میں آتا ہے جس میں مرد اپنی حدود پہچانتا ہے اور عورت اپنے اعمال کی تعیین کرتی ہے۔ اس دوہری ذمہ داری سے اسلامی معاشرہ پُر سکون، باوقار اور مستحکم ہوتا ہے۔ اسلام نے عورت کو صحیح مقام دے کر اور اس کا دائرۂ کار متعین کر کے انسانیت کو فساد عظیم سے بچا لیا ہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

کی بابرکت اور قابلِ تقلید ازدواجی زندگی

میں اگرچہ پہلے بھی ہلکے پھلکے انداز میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی بابت عرض کر آیا ہوں لیکن چونکہ کتاب کا ابتدائی مسودہ لکھتے وقت ہی سے میرے ذہن میں تھا کہ ازواجِ مطہرات کی بابت ایک مکمل باب لکھنا ہے اس لئے یہاں مناسب جانا کہ اب جبکہ اب کی ''مثالی دلہن'' کی بابت کچھ ذہن سازی کر لی تو اب ان ازواجِ مطہرات کی پاک زندگیوں کا آپ کے سامنے نقشہ کھینچا جائے تا کہ میری فرمانبردار بچیاں اس کے مطابق اپنی ازدواجی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔

نبی کریم ﷺ نے پہلا نکاح مکہ میں حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے کیا' اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال قبل وفات پائی اور ان کے بعد مکہ ہی میں آپ ﷺ نے ایک پچاس سالہ خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا' اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر بھی تقریباً ۵۰ سال ہی کی تھی' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سن وفات ۵۴ھ یا ایک قول کے مطابق ۴۱ھ ہے۔ حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کا نکاح ۱۰ نبوی میں ہوا جب کہ وہ چھ برس کی تھیں اور جب ۱ھ میں وہ رخصت کرا کر حضور ﷺ کے ہاں آئیں اس وقت ان کی عمر ۹ سال کی تھی۔ ان کا سن وفات ۵۵ یا ۵۸ھ ہے۔ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ۲ھ یا ۳ھ میں ہوا اور انہوں نے ۴۱ یا ۵۴ھ میں وفات پائی۔ حضرت زینب بنت خزیمہ ۳ھ میں آپ کے نکاح میں آئیں اور نکاح سے کچھ ہی ماہ

بعد ۴ھ میں (اور ایک روایت کے مطابق ۳ھ ہی میں) انتقال کر گئیں۔ حضرت ام سلمہ بنت امیہ مخزومی رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے ۳ھ یا ۴ھ میں نکاح کیا اور ان کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا اور ایک قول کے مطابق ۶۲ھ میں ہوا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۵ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور ۲۰ یا ۲۱ھ میں انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد سب سے پہلے جس زوجہ مطہرہ نے انتقال کیا وہ حضرت زینبؓ ہی ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو ابوسفیان کی بیٹی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں' دونوں میاں بیوی مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے' وہاں عبداللہ بن جحش نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور وہیں مر گیا تھا۔ حضرت ام حبیبہ اپنے مذہب (اسلام) پر قائم رہیں۔ ۶ھ میں نجاشی بادشاہ حبشہ نے ان کا نکاح آنحضور ﷺ سے کیا اور اپنے پاس سے ان کا مہر جو چار ہزار درہم مقرر ہوا تھا ادا کیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ۴۴ھ میں انتقال کیا۔ حضرت جویریہ غزوہ مریسیع میں جس کو غزوۂ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں اور جو ۶ھ میں ہوا تھا اسیر ہو کر آئیں آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔ ان کا انتقال ۵۶ھ میں ہوا۔ حضرت میمونہؓ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہیں ۷ھ میں آنحضرت ﷺ کی زوجیت سے سرفراز ہوئیں ان کا انتقال ۶۱ھ یا ۵۱ھ میں ہوا۔ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب ۷ھ میں جنگ خیبر میں اسیر بنائی گئیں اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ آنحضرت ﷺ ان کو آزاد فرمایا اور پھر نکاح کر لیا۔ انہوں نے ۵۰ھ یا ایک روایت کے مطابق ۵۲ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ کی گیارہ ازواجِ مطہرات کی وہ تعداد ہے جس پر روایات کا اتفاق ہے بارہویں زوجۂ مطہرہ جو حضرت ریحانہؓ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کو حرم (کنیز) قرار دیا ہے۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ ریحانہؓ ہیں جو ایک یہودی خاندان کی خاتون تھیں جنگی اسیر ہو کر آئی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو

آزاد کیا اور ۶ھ میں ان سے نکاح کرلیا۔ بہرحال آنحضرت ﷺ نے ان تمام خواتین سے جو امت کی مائیں ہیں' نکاح کیا اور سب کے ساتھ دخول بھی فرمایا۔ بیس یا بیس سے زائد ایسی خواتین کا ذکر بھی روایتوں میں آتا ہے جن سے آپ ﷺ نے نکاح تو کیا لیکن دخول سے پہلے ہی جدائی کی نوبت آگئی' بعض ایسی خواتین بھی تھیں جن سے نکاح کی بات چیت چلی لیکن ان سے نکاح نہیں کیا۔ اسی طرح بعض روایتوں میں ایسی عورتوں کا بھی ذکر آتا ہے جو آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں اور جب یہ آیت کریمہ: یاایها النبی قل لازواجك ...... نازل ہوئی تو انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی اور آپ سے جدائی اختیار کرلی۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کی حرموں (کنیزوں) کا تعلق ہے تو ان کی تعداد چار بیان کی جاتی ہے جن میں سب سے مشہور ماریہ قبطیہؓ ہیں جن کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تھے۔ ان کا انتقال ۱۶ھ میں ہوا۔ دوسری وہی حضرت ریحانہ بنت سمون یا بنت زید ہیں جن کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے نکاح میں نہیں تھیں۔ بلکہ ''حرم'' تھی ان کو آپ نے آزاد نہیں کیا اور بسبب ملک یمین ان سے مجامعت فرمائی' باقی دو میں سے ایک تو وہ کنیز تھیں جو ام المومنین زینب بنت جحش نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کی تھی اور ایک کنیز وہ تھیں جو کسی غزوہ میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔

مذکورہ بالا تفصیل شیخ عبدالحق دہلویؒ کی شرح مشکوٰۃ سے ماخوذ ہے جو انہوں نے جامع الاصول کے حوالہ سے جمع کی ہے' اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعداد' ان کے نکاح کی ترتیب آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد انتقال کرنے والی ازواج مطہرات کے سنین وفات' جن ازواج کے ساتھ دخول نہیں کیا یا جن خواتین کے ہاں پیغام دیا مگر ان کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ان سب کی تعداد کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اور عام روایتوں میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مثالی بیوی:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَيْرُ نِسَآءِ هَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَآئِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ (متفق علیه وفی روایة قال ابو کریب (وَاَشَارَ وَكِيْعٌ اِلَى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ).

صحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابة' باب فضائل خدیجة ام المومنین ٤٤٨٥

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: مریم بنت عمران اپنی امت میں سب سے بہتر عورت ہیں' اور خدیجہؓ بنت خویلد اپنی امت میں سب سے بہتر عورت ہیں۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ابوکریب نے یہ بیان کیا کہ حضرت وکیع نے (جو حفاظ حدیث میں سے ہیں اور حضرت امام مالکؒ اور ان کے ہمعصروں کے ہم پلہ ہیں) آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کر کے یہ بتایا کہ اس حدیث کے مطابق یہ دونوں خواتین اپنی امتوں میں دنیا بھر کی عورتوں سے افضل واشرف ہیں۔''

اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوا کہ حضرت مریم جو حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں اپنی امت میں اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی امت (امت محمدیہ) میں سب عورتوں سے افضل ہیں لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ خود ان دونوں میں سے کون سی افضل ہے۔ حضرت خدیجہؓ سے افضل ہیں یا حضرت خدیجہؓ حضرت مریم سے افضل ہیں۔ تاہم تفسیر نسفی میں لکھا ہے کہ صحیح قول کے مطابق حضرت مریم سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں کیونکہ حضرت مریم پیغمبر تو ہیں نہیں اور یہ بھی طے ہے کہ یہ امت مرحومہ دوسری تمام امتوں سے بہتر و افضل ہے تو اس بارے

میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اسی طرح حضرت عائشہؓ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بھی مختلف فیہ ہے اور امام مالک کا یہ قول ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پیغمبر ﷺ کی جگر پارہ ہیں اور میں جگر پارۂ پیغمبر ﷺ کو کسی خاتون پر فضیلت نہیں دیتا۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اَتٰی جِبْرَئِیْلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہٖ خَدِیْجَۃُ قَدْ اَتَتْ مَعَھَا اِنَاءٌ فِیْہِ اِدَامٌ اَوْطَعَامٌ فَاِذَا اَتَتْکَ فَاقْرَاْ عَلَیْھَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّھَا وَمِنِّیْ وَبَشِّرْھَا بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّۃِ مِنْ قَصَبٍ وَّلَا صَخَبَ فِیْہِ وَلَا نَصَبَ

صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب تزویج النبی خدیجۃ وفضلھا، ح ۳۵۳۶

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہ! ابھی خدیجہؓ (مکہ سے چل کر غار حرا میں) آ رہی ہیں، ان کے ساتھ ایک برتن ہے جس میں سالن (اور روٹی) ہے یا کھانا ہے جب وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں تو آپ ﷺ ان کے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے بھی ان کو سلام کہہ دیجئے اور ان کو جنت میں ایک محل کی خوش خبری سنا دیجئے جو خولدار موتی ہے اور اس محل میں نہ شور وغل ہے نہ تکلیف وتکان ہے''۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب آنحضرت ﷺ خلوت کے لئے غار حرا میں چلے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک وہاں عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں (جیسے ستو) اور پانی وغیرہ لے لیتے تھے تاکہ بھوک اور پیاس کا غلبہ خلوت گزینی میں مخل نہ ہو، ایک دن خدیجۃ الکبریٰؓ آپ کے کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر غار حرا پہنچیں اور مذکورہ سعادت و بشارت سے

سرفراز ہوئیں۔ واضح ہو کہ عام طور پر ثابت تو یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا خلوت گزینی کے لئے غار حرا میں جانا اور وہاں عبادت وذکر الٰہی میں مشغول رہنا اس زمانہ کا معمول تھا جب کہ آپ ﷺ خلعت نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل کا آنا جانا شروع نہیں ہوا تھا، لیکن اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ مرتبہ نبوت پر فائز ہونے اور حضرت جبرئیل کی آمد شروع ہو جانے کے بعد بھی کچھ دنوں تک آپ نے یہ معمول جاری رکھا ہو اور انہی دنوں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کسی دن آپ کا کھانا لے کر غار حرا میں گئی ہوں۔

''ان کو سلام کہہ دیجئے'' علماء نے لکھا ہے کہ رب العٰلمین کا سلام ایسا شرف ہے جو حضرت خدیجہؓ کے سوا دنیا کی کسی عورت کو حاصل نہیں ایک مرتبہ حضرت جبرئیل نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی سلام کہلایا تھا لیکن صرف اپنی طرف سے۔ اسی لئے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔

''جوخولدار موتی کا ہے'' قصب کا اطلاق اس موتی پر ہوتا ہے جو بہت بڑا ہو او اندر سے خالی ہو، روایتوں میں آتا ہے کہ جنت کے محلات پر جو گنبد ہوں گے وہ دراصل قبہ جیسے بڑے بڑے موتی ہوں گے جن کے اندر سے خلا ہوگا۔ لہٰذا اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس محل کا گنبد ایک پورا موتی ہوگا یا یہ کہ وہ پورا محل موتی کا ہو یعنی ایک اتنا بڑا موتی ہوگا جس کے اندر کا خلا ایک پورے محل پر محیط ہوگا۔

''اس محل میں نہ شور وغل ہے نہ تکلیف اور تکان ہے'' بطور خاص ان دونو چیزوں کی نفی اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ دنیاوی گھروں میں رہنے والوں کو دو ناگوا چیزوں کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے ایک تو شور وغل کا اور دوسرے اس محنت ومشقت او تکلیف وتکان کا جو گھروں کو بنانے سنوارنے اور سجانے میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعا نے بتایا کہ جنت کے محلات ان ناگوار اور تکلیف دہ چیزوں سے خالی ہوں گے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں یہ بشارت گو اس مقام کا اعلان تھا جو ان کو اس بات کے بدلہ میں عطا ہوا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی دعوت اسلام کو سب سے پہلے بطیب خاطر اور بخوشی قبول کر لیا تھا' انہوں نے خدائی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آبائی مذہب کو یک لخت اس طرح ترک کر دیا کہ نہ تو کسی طرح کا شور شرابہ ہونے دیا نہ بحث و تکرار اور لڑنے جھگڑنے کے تعب میں پڑیں۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْ نِسَآءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ وَمَا رَأَيْتُهَا وَلٰكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا وَرُبَّمَا ذَ بَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَآءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِيْ صَدَآئِقِ خَدِيْجَةَ فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهٗ كَأَنَّهٗ لَمْ تَكُنْ فِي الدُّ نْيَا اِمْرَأَةٌ اِلَّا خَدِ يْجَةَ فَيَقُوْلُ اِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِيْ مِنْهَا وَلَدٌ . (متفق علیه)

صحيح البخاری' كتاب المناقب' باب تزويج النبی خديجة وفضلها' ح ٣٥٣٤

''اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں جتنی غیرت اور جتنا رشک میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کرتی تھی اتنا کسی بیوی سے نہیں' حالانکہ میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا بھی نہیں تھا' البتہ آنحضرت ﷺ ان کو بہت یاد کرتے تھے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ بکری ذبح کرتے اور اس کا عضو کاٹ کر بوٹیاں بناتے پھر اس گوشت کو ان عورتوں کے ہاں بھجواتے جو حضرت خدیجہ کی سہیلیاں تھیں' اکثر اوقات میں آپ سے کہہ دیا کرتی تھی کہ آپ (ﷺ) تو خدیجہؓ کے تئیں اس قدر شائستگی اور محبت ظاہر کرتے ہیں) جیسے دنیا میں ایک خدیجہؓ

کے علاوہ اتنی خوبیوں والی اور کوئی عورت ہی نہیں' آپ (میری اس بات کے جواب میں) فرماتے: وہ تو واقعی اس طرح کی تھیں، اور ایسی ہی تھیں اور پھر میری اولاد بھی تو انہی کے بطن سے ہے''۔

(بخاری و مسلم)

''ایسی ہی تھیں'' یعنی وہ بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں روزے رکھا کرتی تھیں' شب بیدار رہتی تھیں۔ میری خدمت اور میری امداد و راحت رسانی میں بڑی بڑی مشقتیں اٹھاتی تھیں' حسن سلوک اور احسان کیا کرتی تھیں وغیرہ وغیرہ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ان خوبیوں کو صریحاً ذکر کرنے کے بجائے مبہم فرمانے سے آپ ﷺ کا مقصد ان کی حیثیت و فضیلت کو زیادہ بلیغ انداز میں پیش کرنا اور اس طرف اشارہ کرنا ہوتا تھا کہ ان کے اوصاف اور خوبیاں حد شمار و قیاس سے باہر ہیں۔

میری اولاد بھی تو انہی کے بطن سے ہے اس سے حضرت خدیجہؓ کی اس خاص فضیلت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا تھا جس کی ہمسری کا دعویٰ آنحضرت ﷺ کی کوئی بھی زوجہ مطہرہ نہیں کر سکتی تھیں' چنانچہ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد امجاد حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی۔ سوائے ابراہیم بن محمد ﷺ کے جو قبطیہؓ کے بطن سے تھے اور وہ آپ کی ''حرم'' تھیں اور اولاد بھی ایسی کہ جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زہراء جیسی بیٹی بھی شامل ہیں' جن کے فضائل و مناقب کا کوئی ٹھکانا نہیں باقی ازواج سے کوئی اولاد نہیں ہوئی' دوسری طرف یہ نکتہ موجود ہے کہ عورتوں سے خاص تر غرض اور ان کا سب سے بڑا فائدہ ان سے اولاد کا ہونا ہے۔

ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا خویلد بن اسد کی بیٹی ہیں جو عرب کے مشہور تاجر اور قریش کے معزز و نامور فرد تھے حضرت خدیجہؓ کا پہلا نکاح ابن ہالہ بن زرارہ سے ہوا تھا' اس کے فوت ہو جانے کے بعد دوسرا نکاح عتیق بن عائذ سے ہوا ان کا تیسرا نکاح جب آنحضرت ﷺ سے ہوا تو اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی اور نبی

کریم ﷺ کا یہ پہلا نکاح تھا آپ نے نہ تو ان سے پہلے کسی عورت سے نکاح کیا تھا اور نہ ان کی موجودگی میں کسی اور سے نکاح کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اول مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہے یعنی تمام مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کا انتقال بعمر ۶۵ سال آنحضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ سے پانچ سال قبل مکہ معظمہ میں ہوا۔ بعض حضرات نے ان کا سن وفات ہجرت سے چار سال قبل اور بعض نے تین سال قبل یعنی ۱۰ نبوی لکھا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے ان کی رفاقت کی مدت ۲۴ سال چھ ماہ یا پانچ ماہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ اَنَّ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَآئِشُ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَتْ وَهُوَ يَرٰی مَالَا اَرٰی ۔ (متفق عليه)

صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب فضل عائشة، ح ٣٤٨٤

"اور حضرت ابوسلمہ (تابعیؒ) سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے (ایک روز مجھ سے) فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ جبرئیل (یہاں میرے سامنے) ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ عائشہ نے (اس سلام کے جواب میں) کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ (اور جبرئیل پر بھی اللہ کی سلامتی اور راحت نازل ہو) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت ان (جبرئیل) کو دیکھ رہے تھے اور میں ان کو نہیں دیکھ رہی تھی"۔

(بخاری ومسلم)

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اُرِيْتُكِ فِی الْمَنَامِ ثَلٰثَ لَيَالٍ يَجِیْءُ بِكِ الْمَلَكُ فِیْ سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيْرٍ فَقَالَ لِیْ هٰذِهٖ امْرَأَتُكَ فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَاِذَا اَنْتِ هِیَ فَقُلْتُ اِنْ يَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهٖ

(متفق عليه)

صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب تزويج النبي عائشة وقدومها المدينة وبنائه بها، ح ٣٦٠٦

"اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک روز) مجھ سے فرمایا کہ تین رات مسلسل تمہیں میرے خواب میں لایا گیا جس کی صورت یہ تھی کہ ایک فرشتہ نہایت شاندار ریشمی کپڑے پر تمہاری تصویر کو میرے سامنے لاتا اور مجھ سے کہتا کہ یہ (تصویر) تمہاری (ہونے والی) بیوی کی ہے اور جب میں (تصویر کا) پردہ اٹھا کر تمہارا چہرہ دیکھتا تو ہو بہو تمہارا ہی چہرہ ہوتا تھا' پھر میں (فرشتہ کے جواب میں) کہہ دیا کرتا تھا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خود ہی اس کو پورا کرے گا یعنی اس معاملہ کو تکمیل تک وہی پہنچائے گا اور اس عورت سے میرے نکاح کے اسباب پیدا فرما دے گا"۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خواب

"ریشمی کپڑے پر تمہاری تصویر کو" ایک اور روایت میں حضرت عائشہ صد[...] رضی اللہ عنہا نے یوں بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ [...] حکم ہوا کہ مجھ (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے نکاح کریں تو حضرت جبرئیل اپنی ہتھیلی پر میر[...] تصویر (آنحضرت ﷺ کے خواب میں) لے کر آئے۔ پس ان دونوں روایتوں م[...] وجہ تطبیق یہ ہے کہ تصویر ریشمی کپڑے پر تھی اور وہ ریشمی کپڑا حضرت جبرئیل کی ہتھیلی پ[...]

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر دو بارہ لا کر دکھائی ہو ایک بار تو ریشمی کپڑے پر اور ایک بار ہتھیلی پر اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت جبرئیل تو اپنی ہتھیلی پر تصویر لائے تھے اور کوئی دوسرا فرشتہ ریشمی کپڑے پر اور ایک بار اپنی ہتھیلی پر اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت جبرئیل تو اپنی ہتھیلی پر تصویر لائے تھے اور کوئی دوسرا فرشتہ ریشمی کپڑے پر لے کر آیا تھا۔ فاذا انت هي ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے اس کا دوسرا ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ (نکاح و شادی کے بعد) جب میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ تو تمہارا ہی چہرہ ہے جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔

''اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے'' یہاں اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ اس خواب کے بارے میں شک کا اظہار کیا معنی رکھتا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً آنحضرت ﷺ کا خواب تو وحی کی ایک صورت ہے جس کے تحقق میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں تو اس کا جواب علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر خواب کے اس واقعہ کو آنحضرت ﷺ کے مرتبہ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے کا مانا جائے تو پھر یہ اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہاں اس صورت میں یہ سوال اٹھے گا کہ فرشتہ کا آنا اس بات کے منافی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خواب نبوت سے پہلے دیکھا تھا لیکن اگر ذہن میں یہ بات ہو کہ فرشتہ کو دیکھنا خصوصاً خواب میں دیکھنا نبوت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے' نبی کے ساتھ جو چیز مخصوص ہے وہ فرشتہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لانا ہے تو یہ سوال بھی کوئی معنی نہ رکھے گا اور اگر یہ واقعہ و خواب مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے بعد کا ہے تو کہا جائے گا کہ آپ نے یہ الفاظ اظہار شک کے لئے نہیں بلکہ اس کے وقوع کے یقینی ہونے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے فرمائے تھے دراصل اس طرح کا جملہ استعمال ہی ایسے موقع پر ہوتا ہے جب کوئی بات متحقق اور ثابت شدہ ہوتی ہے جیسے کوئی حاکم یوں کہے اگر میں حاکم ہوں تو دیکھنا میں کیا کچھ نہیں کروں گا اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے

کہ اس جملہ میں جو شک ہے وہ اصل خواب سے متعلق نہیں ہے بلکہ تعبیر سے متعلق ہے کہ نہ معلوم ظاہر کے مطابق مراد سامنے آئے یا ظاہر کے خلاف کچھ اور یا یہ کہ نہ معلوم ''بیوی'' سے مراد دنیا کی بیوی ہے یا آخرت کی بیوی۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے پیغام ڈالا اور ہجرت سے تین سال قبل شوال ۱۰ نبوی میں مکہ میں ان سے نکاح کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب شوال ۲ھ میں رخصت کرا کر مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں تو اس وقت ان کی عمر ۹ سال تھی بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے سات مہینے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رخصت کرا کر مدینہ منورہ آپ کے گھر آئیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی رفاقت ان کو ۹ سال حاصل رہی' آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ امہات المؤمنین میں یہی وہ طیبہ ہیں جن کا پہلا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہوا آنحضرت ﷺ نے ان کے علاوہ اور کسی باکرہ (کنواری) سے نکاح نہیں کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم و دانائی اور ذاتی محاسن و کمالات کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتی تھیں' زبردست عالمہ فاضلہ فصیحہ اور فقیہہ تھیں آنحضرت ﷺ کی بے شمار احادیث ان کو یاد تھیں' بہت زیادہ حدیثیں روایت کرتی ہیں' شعر و ادب کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتی تھیں نامور شعراء عرب کے کلام پر ان کی پوری نظر تھی اور اشعار ادبیات کی ایک بڑی تعداد ان کے حافظہ میں تھی' ان سے احادیث روایت کرنے والوں کی تعداد صحابہؓ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت پر مشتمل ہے۔ ۱۷ رمضان ۵۷ یا ۵۸ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۲۷ رمضان ۵۷ھ منگل کی شب میں بعمر ۶۳ سال مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی۔ انہوں نے رات میں دفن کئے جانے کی وصیت کی تھی چنانچہ رات ہی میں جنت البقیع میں ان کو دفن کیا گیا اور حضرت ابوہریرہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس وقت امیر معاویہؓ کی جانب سے مروان مدینہ پہ گورنری کر

رہا تھا۔

وَعَنْهَا قَالَ اِنَّ النَّاسَ كَا نُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَآئِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ اِنَّ نِسَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ حِزْبَيْنِ فَحِزْبٌ فِيْهِ عَآئِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ وَالْحِزْبُ الْاٰ خَرُاُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَ حِزْبُ اُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيُهْدِهِ اِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا تُؤْ ذِ يْنِى فِى عَآئِشَةَ فَاِنَّ الْوَحْىَ لَمْ يَاْ تِنِىْ وَاَنَا فِىْ ثَوْبِ امْرَأَةٍ اِلَّا عَآئِشَةَ قَالَتْ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اَذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ اِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ فَاَ رْسَلْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ يٰبُنَيَّةَ اَلَا تُحِبِّيْنَ مَا اُحِبُّ قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَاَحِبِّىْ هٰذِهٖ (متفق عليه وذكر حديث انس فضل عآئشة على النساء فى باب بدء الخلق برواية ابى موسى)

صحیح البخاری' کتاب الهبة وفضلها والتحریض علیها' باب من اهدی الی صاحبه وتحری بعض نسائه دون بعض' ح ۲۳۹۳

''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ وہ ہدیے اور تحائف اس دن پیش کریں جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن ہو یعنی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیے اور تحائف

لانے والے اس دن کا انتظار کرتے تھے جس روز کہ آپ میرے ہاں تشریف فرما ہوتے تھے اور اس سے ان کا مقصد صرف رسول اللہ ﷺ کی (زیادہ سے زیادہ) رضا وخوشنودی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی بیویاں دو ٹولیوں میں منقسم تھیں اور ان میں سے ہر ٹولی یکساں مزاج' یکساں رائے اور یکساں طرز معاشرت و اختلاط رکھنے والی بیویوں پر مشتمل تھی۔ ایک ٹولی تو وہ تھی جس میں عائشہؓ حفصہؓ صفیہؓ اور سودہؓ تھیں اور دوسری ٹولی وہ تھی جس میں ام سلمہؓ اور رسول اللہ ﷺ کی باقی تمام بیویاں تھیں۔ پس (ایک روز) ام سلمہؓ سے بات چیت کی اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے عرض کرو کہ آپ لوگوں سے یہ فرمادیں کہ کوئی ہدیہ وتحفہ پیش کرنا چاہے وہ (عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن کی تخصیص نہ کرے بلکہ) پیش کردے چاہے آپ ﷺ کسی جگہ ہوں (خواہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوں خواہ کسی اور بیوی کے گھر میں تاکہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری بیویوں کے درمیان سے وہ امتیاز اٹھ جائے جس سے ان بیویوں کو غیرت محسوس ہوتی ہے) چنانچہ ام سلمہؓ نے اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی اور آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں تکلیف نہ پہنچاؤ (تم شاید نہیں جانتیں کہ) اس وقت میرے پاس وحی نہیں آتی جب میں کسی بیوی کے لحاف یا چادر میں ہوتا ہوں۔ سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے۔ ام سلمہؓ (یہ سن کر) بولیں یا رسول اللہ! میں اللہ کے حضور اس بات سے توبہ کرتی ہوں کہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاؤں (یا کسی ایسے کام کا ارادہ بھی کروں جو آپ کو تکلیف پہنچانے کا باعث ہو) پھر ام سلمہؓ کی ٹولی کی عورتوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا

(تاکہ اس بارے میں اب وہ آنحضرت ﷺ سے بات کریں) چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں آپ سے گفتگو کی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات سے لاعلم ہی ہوں کہ اس سے پہلے ام سلمہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاچکی ہیں اور آنحضرت ﷺ ان کو کن الفاظ میں جواب دے چکے ہیں۔ بہرحال آنحضرت ﷺ نے فاطمہ کی گفتگو سن کر ان سے فرمایا: میری بیٹی! کیا تو اس سے محبت نہیں رکھتی جس سے میں محبت رکھتا ہوں فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں کیوں نہیں (یقیناً میں ہر اس ذات سے محبت رکھتی ہوں اور محبت رکھوں گی جس سے آپ محبت رکھتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر تم عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت رکھو (اور کسی ایسی بات کا ذکر نہ کرو جس سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو ناگواری ہو) بخاری ومسلم اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الاطعمة باب بدء الخلق میں ابوموسیٰ کی روایت سے نقل کی جاچکی ہے۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی امتیازی شان:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ٹولی میں جو ازواج مطہرات تھیں ان کی سردار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ تمام ازواج مطہرات میں آنحضرت ﷺ کی سب سے چہیتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں یہ نکتہ نوٹ کرنے کا ہے کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ بن عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ٹولی میں تھیں بلکہ ان کے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان وہی کامل رفاقت و دوستی اور اتفاق واتحاد تھا جو ان دونوں کے باپوں یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے درمیان تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کی ٹولی میں جو امہات المؤمنین تھیں ان کی سردار حضرت ام سلمہؓ ہی تھیں یہاں یہ وضاحت کردینا ضروری ہے کہ لوگوں نے

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیے اور تحائف پیش کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن کی جو تخصیص کر رکھی تھی وہ آنحضرت ﷺ کے کسی حکم اور ایماء کے تحت نہیں تھی اور چونکہ یہ معاملہ ازواج مطہرات کے حقوق سے متعلق نہیں تھا اس لئے آنحضرت ﷺ لوگوں کو اس سے منع بھی نہیں کرتے تھے۔

''سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے'' یعنی صرف عائشہ رضی اللہ عنہا ہی میری ایک ایسی بیوی ہے کہ اگر میں ان کے لحاف اور بستر میں ہوتا ہوں تو اس وقت بھی مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ آیت کریمہ: انك لا تهدی من احببت الخ نازل ہوئی تو اس وقت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے لحاف میں تھی۔

''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث'' یعنی صاحب مصابیح نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہاں اس باب میں نقل کرایا تھا جب کہ صاحب مشکوٰۃ نے اس کو حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے باب بدء الخلق میں شامل کیا ہے۔ واضح ہو کہ اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ''عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت دوسری عورتوں پر'' تو پیچھے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ ''عورتوں'' سے کیا مراد ہے؟ ایک قول تو یہ ہے کہ عورتوں کی جنس یعنی کل عورتیں مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ''ازواج مطہرات'' مراد ہیں اور اس میں بھی اختلافی اقوال ہیں کہ آیا تمام ازواج مطہرات مراد ہیں یا حضرت خدیجہؓ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات تاہم زیادہ صحیح یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام عورتوں سے افضل ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علمی و عملی کمالات کا جامع ہونے کے سبب کہ جس کو آپ نے ثرید کی مشابہت کے ذریعہ واضح فرمایا ہے ظاہر اطلاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

کتاب کے شروع میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق کچھ باتیں ذکر کی جا چکی

ہیں پھر حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں قدرے تفصیل بھی گزر چکی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ باقی ازواج مطہرات کے بھی کچھ احوال ذکر کر دیئے جائیں۔

سیّدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سکران بن معدان بن عبدود کے نکاح میں تھیں جو ان کے عم زاد تھے۔ انہوں نے پہلے اسلام قبول کیا پھر ان کی ترغیب پر سکران بھی مسلمان ہو گئے اور دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ حبشہ میں سکران کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کی دلداری کے لئے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ۱۰ نبوی میں ان سے نکاح کر لیا اس وقت تک آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہیں کیا تھا اور حضرت سودہؓ کی عمر پچاس سال تھی ایک زمانہ میں آنحضرت ﷺ نے بعض حالات کے تحت ان کو طلاق دینی چاہی مگر پھر ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے اپنا ارادہ منسوخ کر دیا تھا اور اسی وقت سے انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی ان کا انتقال ۱۹ھ کے ماہ شوال میں مدینہ میں ہوا جب کہ ایک روایت میں ان کا سن وفات ۵۴ھ اور ایک روایت میں ۴۱ھ منقول ہے۔

سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خصوصیت

حضرت حفصہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی ہیں ان کی ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا یہ پہلے خنیس بن حذافہ سہمی کے نکاح میں تھیں' اپنے خاوند حضرت خنیسؓ

کے ساتھ مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ آ گئی تھیں غزوہ بدر میں حضرت حبیشؓ شہید ہو گئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا لیکن ان دونوں نے انکار کر دیا تب رسول اللہ ﷺ نے اپنا پیغام ڈالا اور شعبان ۳ ھ میں ان سے نکاح کیا۔ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک طلاق دے دی تھی لیکن جب آپ ﷺ کے پاس وحی آئی کہ حفصہؓ سے رجوع کر لیجئے کیونکہ وہ بہت عبادت گزار بہت روزہ دار عورت ہے اور وہ جنت میں آپ ﷺ کی زوجہ ہے تو آنحضرت ﷺ نے رجوع کر لیا۔ صحابہؓ و تابعینؒ کی ایک جماعت ان سے آنحضرت ﷺ کی احادیث نقل کرتی ہے انہوں نے بعمر ۶۰ سال شعبان ۴۵ ھ میں وفات پائی۔

سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ زمانہ جاہلیت ہی سے ام المساکین کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں ان کا پہلا نکاح عقیل سے اور دوسرا عبیدہ سے ہوا۔ ان دونوں کے بعد تیسرا نکاح حضرت عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا۔ عبداللہ بن جحشؓ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو ۳ ھ میں آنحضرت ﷺ نے زینب سے نکاح کر لیا لیکن نکاح کے چند ہی ماہ بعد انتقال کر گئیں۔

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا اصل نام ہند تھا نبی کریم ﷺ سے پیشتر حضرت ابو سلمہؓ عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں تھیں۔ ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد جو جنگ احد کے زخموں کی تاب نہ لا کر موت شہادت سے ہمکنار ہوئے تھے۔ اسی سال یا ۴ ھ میں آنحضرت ﷺ نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا ان کا انتقال بعمر ۸۴ سال مدینہ منورہ میں ۵۹ یا ایک روایت

کے مطابق ۲۲ ھ اور ایک روایت کے مطابق ۶۰ ھ میں ہوا اور بقیع میں دفن کی گئیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش

ان کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ یہ پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا ان کا اصل نام برہ تھا جس کو بدل کر آنحضرت ﷺ نے زینبؓ نام رکھا ان کا انتقال ۵۲ سال یا ایک روایت کے مطابق ۵۷ سال کی عمر میں مدینہ میں ہوا۔ ان کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا کہنا تھا میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی جو دین میں زینب سے بہتر اور اللہ کا خوف ان سے زیادہ رکھنے والی ہو ان سے زیادہ سچ بولنے والی ہو، ناتے داروں سے ان زیادہ حسن سلوک کرنے والی ہو، اللہ کی راہ میں اور اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال اور اپنا نفس ان سے زیادہ لگانے والی ہو۔

سیّدہ امّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا اصل نام رملہ تھا ابوسفیان بن صخر کی بیٹی ہیں ان کی ماں کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔ ان کے پہلے شوہ عبیداللہ بن جحشؓ کے انتقال کے بعد حبشہ میں جا کر عیسائی ہو گیا تھا اور بحالت ارتدا وہیں فوت ہوا۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ۶ ھ میں ان کا نکاح آنحضرت ﷺ سے ک ان کا انتقال ۴۴ ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا۔

سیّدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت جویریہ بنت الحارث جب غزوہ مریسیع میں اسیر ہو کر آئیں تو حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی تھیں کیونکہ انہوں ہی نے ان کو اسیر کیا تھا پھر حضرت ثابت بن قیس نے ان کو مکاتب کر دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا زر کتابت ادا کر کے ان کو آزاد کر دیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔ ان کا اصل نام برہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ تبدیل کر کے جویریہ کر دیا تھا ۵۶ھ میں بعمر ۶۵ سال ان کی وفات ہوئی۔

سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صفیہؓ بنت حیی بن اخطب بن شعبہ سبط ہارون سے ہیں، ان کا پہلا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق یہودی سے ہوا تھا جنگ خیبر (محرم ۷ھ میں) کنانہ مارا گیا اور صفیہؓ اسیر ہو کر آئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے لئے مخصوص کر لیا لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت دحیہ کلبی کے حصے میں آئی تھیں بعد میں آنحضرت ﷺ نے ان کو دحیہ کلبیؓ سے خرید لیا پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا ان کی آزادی کو آنحضرت ﷺ نے مہر قرار دیا تھا۔ ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا اصل نام بھی برہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے بدل دیا اور میمونہ نام رکھا یہ پہلے مسعود بن عمرو ثقفی کے نکاح میں تھیں، کچھ دنوں بعد مسعود بن عمرو نے ان کو چھوڑ دیا

تو پھر ابو درہم کے مرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے مکہ سے دس کوس کے فاصلہ پر مقام سرف میں نکاح کیا جب کہ آپ عمرۃ القضا کے سفر میں تھے اور اتفاق کی بات ہے کہ ۶۱ھ میں یا ایک روایت کے مطابق ۵۱ھ میں ان کا انتقال بھی اس مقام سرف میں ہوا۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ آنحضرت ﷺ کی آخری زوجہ مطہرہ ہیں ان کی بہن تو ام الفضل ہیں جو عباسؓ کی بیوی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ ایک اور بہن حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں جو حضرت جعفر طیار کے گھر میں تھیں۔

خواتین عالم میں سے چار افضل ترین خواتین

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حَسْبُکَ مِنْ نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَدِیْجَۃُ بِنْتُ خُوَیْلِدٍ وَفَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَاٰسِیَۃُ امْرَاَۃُ فِرْعَوْنَ (رواہ الترمذی)

جامع الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ' باب فضل خدیجۃ' ح ۳۸۱۳

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمام جہان کی عورتوں میں سے چار عورتوں کے مناقب وفضائل کا جان لینا تمہارے لئے کافی ہے اور وہ ہیں: مریم بنت عمران یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ' خدیجہؓ بنت خویلد' فاطمہ بنت محمد ﷺ اور فرعون کی بیوی آسیہ''۔ (ترمذی)

ظاہر یہ ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سے افضل ترین چار خواتین کا ذکر اس حدیث میں جس ترتیب سے ہوا ہے وہی ترتیب ان چاروں کے درمیان فرق مراتب کی بھی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیوں نہیں ہوا تو اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کا بھی افضل ترین خواتین میں سے ہونا چونکہ بعض دوسری حدیثوں میں مذکور ہے اس لئے یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ نے یہ حدیث شاید وقت ارشاد فرمائی ہو گی کہ جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ مقام کمال اور آنحضرت ﷺ کے وصال کا شرف حاصل نہیں ہوا ہوگا۔ جس سے ان کی افضلیت کا تعین ہوتا ہے تاہم یہاں وہ حدیث

بھی سامنے رہنی چاہئے جس کو احمدؒ' بخاریؒ' مسلمؒ' ترمذیؒ اور ابن ماجہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مردوں میں تو بہت سے لوگ درجہ کمال کو پہنچے لیکن عورتوں میں سے فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران کے علاوہ کوئی کامل نہیں ہوئی اور اس میں تو کچھ شبہ نہیں کہ تمام عورتوں میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت اور عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دوسرے کھانوں پر۔

سیوطیؒ نے نقایہ میں لکھا ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام جہاں کی عورتوں میں سب سے افضل فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں سب سے افضل خدیجہؓ اور عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ پھر ان میں سے کون زیادہ افضل ہے۔ اس بارے میں ایک قول تو حضرت خدیجہؓ کی افضلیت کا ہے اور دوسرا قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا ہے اور تیسرا قول توقف کا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے سیوطیؒ کے ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے اور میرا کہنا ہے کہ صرف حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے بارے میں نہیں بلکہ ان سب مذکورہ خواتین کے بارے میں توقف یعنی سکوت کرنا اولیٰ ہے کیونکہ اس مسئلہ میں کوئی قطعی دلیل وارد نہیں ہے جس کی بنیاد پر حتمی طور سے کہا جا سکے کہ ان میں سے فلاں خاتون زیادہ افضل ہے اور جو ظنی دلیلیں موجود بھی ہیں وہ باہم متعارض ہیں اور ان کا عقائد کے باب میں کہ جو یقینیات پر مبنی ہیں کوئی فائدہ نہیں۔

وَعَنْ عَآئِشَۃَ اَنَّ جِبْرَئِیْلَ جَآءَ بِصُوْرَتِھَا فِیْ خِرْقَۃٍ مِنْ حَرِیْرٍ خَضْرَآءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ھٰذِہٖ زَوْجَتُکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (رواہ الترمذی)

جامع الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ' باب من فضل عائشۃ' ح ۳۸۱۵

''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سبز

ریشمی کپڑے پر ان کی یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دکھانے لائے اور کہا کہ یہ تمہاری بیوی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی"۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

سبز ریشمی کپڑے پر اس سے معلوم ہوا کہ پیچھے کی حدیث میں خرقۃ من حریر کے جو الفاظ گزرے اس کی واحد مراد سفید ریشمی کپڑا لینا ٹھیک نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات نے بیان کیا ہے ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح کا خواب آپ نے متعدد بار دیکھا تو پھر اس مراد میں کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک روایت میں سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ کے الفاظ میں خِرْقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ کے الفاظ نقل ہونا راوی کا اشتباہ ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَلَغَ صَفِيَّةَ اَنَّ حَفْصَةَ قَالَتْ لَهَا بِنْتُ يَهُوْدِيٍّ فَبَكَتْ فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ فَقَالَتْ قَالَتْ لِيْ حَفْصَةُ اِنِّيْ ابْنَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ وَاِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ وَاِنَّكِ تَحْتَ نَبِيٍّ فَفِيْمَ تَفْتَخِرُ عَلَيْكِ ثُمَّ قَالَ اتَّقِي اللّٰهَ يَا حَفْصَةُ.

جامع الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ' باب فضل ازواج النبی' ح ۳۸۳۹

"اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کو معلوم ہوا کہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودی کی بیٹی کہا ہے تو وہ رونے لگیں اور جب رسول کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے آئے تو وہ اس وقت بھی رو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے کہا میرے بارے میں حفصہؓ نے کہا کہ میں

یہودی کی بیٹی ہوں۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم ان کے کہنے کا غم نہ کرو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم پیغمبر کی بیٹی ہو تمہارا چچا بھی پیغمبر تھا اور اب تم ایک پیغمبر کی یعنی میری بیوی ہو پھر آپ نے حفصہ کو متنبہ کیا کہ اے حفصہ تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے"۔ (ترمذی' نسائی)

سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دِلداری:

حضرت حفصہؓ کا باپ حیی بن اخطب دراصل حضرت ہارون پیغمبر کی اولاد سے تھا اور حضرت ہارونؑ' حضرت موسیٰ کے بھائی تھے اس اعتبار سے حضرت صفیہؓ کے باپ یعنی جد اعلیٰ بھی پیغمبر ہوئے اور ان کے چچا بھی پیغمبر ہوئے یا یہ بات اپنے جد اکبر یعنی حضرت اسحٰق کے اعتبار سے فرمائی کہ گویا حضرت صفیہؓ کو حضرت اسحٰق کی بیٹی کہا اور حضرت اسمٰعیل کو ان کا چچا کہا اور اب تم ایک پیغمبر کی بیوی ہو یعنی حفصہؓ کو سوچنا چاہئے کہ تمہاری ان سب اعلیٰ واشرف نسبتوں کے مقابلہ پر خود ان کو اور کون سی اس سے بھی بڑی نسبت حاصل ہے اور ایسی کون سی بڑی فضیلت ان میں ہے کہ تم وہ پر فخر کرتی ہیں اور نسب ونسل میں تمہیں اپنے سے کمتر سمجھتی ہیں۔ واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد حضرت صفیہؓ کی دلداری اور اس تنقیص وتحقیر کا ازالہ کرنا تھا جو حضرت حفصہؓ کے الفاظ سے حضرت صفیہؓ نے محسوس کی تھی جب کہ وہ صفیہؓ نہ صرف اپنی ذات کی اعتبار سے ایک سردار خاندان کی معزز خاتون تھیں بلکہ اپنے دینی محاسن اور اوصاف کے اعتبار سے بھی ایک جامع شخصیت تھیں یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کے حق میں یہ باتیں دوسری ازواج مطہرات پر ان کی کسی فضیلت و بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے فرمائی تھیں کیونکہ نسبتوں کا یہ شرف تنہا حضرت صفیہؓ کا حصہ نہیں تھا۔ اس شرف میں تو دوسری ازواج مطہرات بھی اس اعتبار سے شریک ہیں کہ وہ بھی تو ایک پیغمبر حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں جو حضرت اسحٰق کے بھائی تھے اور وہ سب بھی آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہیں۔

تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے یعنی صفیہ کی مخالفت یا عداوت کے جذبہ سے تمہیں ایسی باتیں زبان سے نہیں نکالنی چاہئیں جو زمانہ جاہلیت کی یادگار ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ کسی حالت میں پسند نہیں کرتا۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا فَاطِمَةَ عَامَ الْفَتْحِ فَنَاجَاهَا فَبَكَتْ ثُمَّ حَدَّثَهَا فَضَحِكَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلْتُهَا عَنْ بُكَائِهَا وَضِحْكِهَا فَقَالَتْ اَخْبَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ يَمُوْتُ فَبَكَيْتُ ثُمَّ اَخْبَرَنِیْ اَنِّیْ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ فَضَحِكْتُ.

(رواہ الترمذی)

جامع الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ' باب فضل ازواج النبی' ح ۳۸۲۸

"اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے سال ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب بلایا اور ان سے چپکے چپکے کچھ باتیں سن کر رونے لگیں پھر آنحضرت ﷺ نے دوبارہ ان سے اسی سرگوشی کے انداز میں باتیں کیں تو اب وہ ہنسنے لگیں اور پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا تو ایک روز میں نے ان کے اس دن کے رونے اور پھر ہنسنے کا سبب دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ پہلے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے بارے میں مجھ کو آگاہ کیا تھا جس کو سن کر میں رونے لگی تھی پھر آپ ﷺ نے جب مجھ کو بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا جنت کی ساری عورتوں کی سردار ہوں تو ہنسنے لگی تھی"۔ (ترمذی)

حضرت مریم بنت عمران کا ذکر:

اسی طرح کی روایت پیچھے گزر چکی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے کہ انہوں نے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رونے اور ہنسنے کا ماجرا پوچھا تو انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا تھا لیکن حضور ﷺ کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تھا اور یہاں بھی حضرت اُم سلمہؓ نے بھی ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا۔ تاہم اس حدیث میں حضرت ام سلمہؓ کا اس واقعہ کو فتح مکہ کے سال کا ذکر کرنا ایک بڑا سہو ہے کیونکہ تحقیقی اور تاریخی طور پر اس قصہ کا وقوع فتح مکہ کے سال میں ثابت نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ یا تو آنحضرت ﷺ کے حجۃ الوداع کے زمانہ کا ہے یا مرض الموت کے دوران کا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ کہ آپ نے مجھ کو جب یہ بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا جنت کی ساری عورتوں کی سردار ہوں تو ہنسنے لگی۔ مذکورہ سابق روایت کے منافی نہیں ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی کہا تھا کہ میرے اہل بیت میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آکر ملو گی۔

اس روایت کے تحت ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کو اس باب سے کیا مناسبت ہے اس میں چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی منقبت وفضیلت کا ذکر ہے۔ لہٰذا یہ حدیث مناقب اہل بیت کے باب میں نقل کی جانی چاہئے تھی نہ کہ اس باب میں جو ازواج مطہرات کے مناقب کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو واقعہ یہ ہے کہ ظاہری طور پر کوئی مناسبت سمجھ میں نہیں آتی۔ بس یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت ضمناً اس روایت سے متعلق ہے جو اس فصل دوم کی پہلی روایت ہے اور جس میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت مریم کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی ذکر ہے۔ اس کو یوں کہہ لیجئے کہ اس فصل کے شروع میں جو روایت نقل کی گئی اس کے بعض حصہ کے بارے میں چونکہ کچھ مزید باتیں اس حدیث سے معلوم ہوتی تھیں اس لئے اس کو یہاں نقل کر دیا گیا۔

اگر چہ حدیث اصلاً اس سے تعلق نہیں رکھتی اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس حدیث کو اس باب میں نقل کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہو جو حضرتؓ کے بارے میں نقل ہوئی ہے کہ وہ جنت میں آنحضرت ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ مَا اَشْکَلَ عَلَیْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَدِیْثٌ قَطُّ فَسَاَلْنَا عَآئِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا

(رواہ الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح غریب)

جامع الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ' باب من فضل عائشةؓ ح ۳۸۱۸

''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول ﷺ کو جب بھی کسی حدیث یا دینی مسائل سے متعلق کسی بات میں کوئی اشکال پیش آتا تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرتے اور ہمیں اس حدیث یا مسئلہ سے متعلق کافی علم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مل جاتا۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی علمی عظمت:

مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو بے پناہ علم آنحضرت ﷺ سے سن کر اپنی قوت اجتہاد سے حاصل کیا تھا اس کے ذریعہ وہ صحابہؓ کے مشکل علمی سوال حل کر دیتی تھیں اور حدیث وغیرہ کے بارے میں جو بھی اشکال ان کو پیش آتا تھا اس کو دور کر دیتی تھیں۔

وَعَنْ مُوْسَی بْنِ طَلْحَةَ قَالَ مَارَاَیْتُ اَحَدًا اَفْصَحَ مِنْ عَآئِشَةَ۔

(رواہ الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح غریب)

جامع الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ' باب من فضل عائشةؓ ح ۳۸۱۹

''اور حضرت موسیٰ بن طلحہؒ تابعی کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں پایا۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک فصیح خاتون:

ابن طلحہؒ نے یہ بات یا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی انتہائی تعریف میں کہی ہے یا واقعتا انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح کوئی شخص نہ دیکھا اور نہ پایا ہو۔

اسلام میں نکاح کی ضرورت واہمیت

{۱} شادی سماجی ومعاشرتی ضرورت:

مردوعورت اس جہان رنگ وبو کے معمارِ زندگی کے سنگ بنیاد اور معاشرے کی دیوار کے خشت اول ہیں جن سے کائنات کی شان وشوکت' آب وتاب اور چہل پہل ہے۔ مردوعورت کے اختلاط سے ہی معاشرہ وجود میں آتا ہے' مردوعورت کا یہ رشتہ افزائش کے بعد ماں باپ' بیٹا بیٹی' بہن بھائی میں تبدیل ہوجاتا ہے جو بعدازاں دیگر عزیز واقارب' پڑوسی اور پھر عام انسانی برادری میں تقسیم ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمانے کے بعد ان کے لئے ایک رفیقۂ حیات یعنی حضرت حواؑ کو پیدا فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ (الاعراف:۱۸۹)

''وہی اللہ ہے جس نے تم کو ایک ذی روح سے پیدا فرمایا اور اس کے لئے خود اس کی جنس سے ایک رفیقۂ حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ اس سے تسکین حاصل کرے''۔

حضرت آدم وحوا کے رشتۂ زوجیت میں منسلک ہونے سے حضرت حواؑ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوتا اور ایک لڑکی' پہلے پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح دوسری پیدا ہونے والی لڑکی سے منعقد ہوجاتا اور دوسرے پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح پہلی پیدا ہونے والی لڑکی سے کردیا جاتا اس طرح یہ نسل انسانی آہستہ آہستہ آفتاب کی شعاعوں اور بادصبا کی طرح بڑھتی چلی گئی اور پھر پوری روئے زمین پر پھیل گئی۔ چنانچہ

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾ (النساء:۱)

''اے لوگو! اس اللہ سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا''۔

معاشرے کی تشکیل کے لئے ایک مرد اور ایک عورت کا ہونا ضروری ہے تاکہ آپس کے ملاپ سے ایک ایسا مبارک خلیہ تعمیر کرسکیں جس میں نوخیز نسل کی پرورش ہوسکے اور ایک مسلم معاشرہ پروان چڑھ سکے' اس لئے اسلام میں شادی کو نہایت اہمیت دی گئی۔

{۲} شادی فطری وطبعی ضرورت:

اسلام دین فطرت ہے اور اسلامی تعلیمات فطرت انسانی سے قریب تر بلکہ عین مطابق ہیں' شادی بھی ایک فطری ضرورت ہے اس لئے اسلام نے اس فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مردوعورت کو شادی کے بندھن میں باندھ دیا اور آزاد حیوانی زندگی گزارنے سے منع کرتے ہوئے عورت کو مرد کا اور مرد کو عورت کا لباس قرار دیا۔ قرآن پاک نے مردوعورت کے اس فطری اور مستقل ازدواجی تعلق کی بہت ہی لطیف اور پُراشتیاق تصویر کشی کی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرہ:۱۸۷)

''عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو''۔

مردوعورت دونوں کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے' دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں' دونوں کا سکون ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے'

دونوں ایک دوسرے کے لئے محبت و الفت' سکون و اطمینان کا ذریعہ ہیں اور ایک کا دوسرے سے الگ رہنا فطری تقاضوں کو پاش پاش کرنا ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر ایک کی زندگی دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھوری بن کر رہ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مرد مرد رہتے ہوئے عورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور عورت عورت کے لباس میں رہتے ہوئے مرد کے بغیر مطمئن زندگی نہیں گزار سکتی۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

((مَنْ اَحَبَّ فِطْرَتِیْ فَلْیَسْتَنَّ بِسُنَّتِیْ وَاِنَّ مِنْ سُنَّتِی النِّکَاحُ))

(بیہقی)

''جو شخص میری فطرت اسلام سے محبت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ میری سنت اختیار کرے اور نکاح میری سنت ہے''۔

۳ شادی جنسی و عقلی ضرورت:

انسان کی سرشت میں جنسی میلان رکھا گیا ہے بلوغت کے بعد جنسی میلان کے آثار کا ظہور شروع ہو جاتا ہے اور بتدریج شدت پذیر ہوتے ہوئے تقاضے کا روپ دھار لیتا ہے۔ سوتے جاگتے' چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے ہر وقت انسان اسی احساس کو اپنے اوپر غالب و مستولی پاتا ہے۔ دل اور عقل میں جنگ جاری رہتی ہے۔ طبیعت حدود کی پرواہ کئے بغیر ابھارتی ہے کہ خواہش پوری ہو خواہ جس ذریعہ سے بھی ہو مگر عقل خواہش پر لگام لگاتی ہے۔

الغرض طبیعت اور عقل کی اس کشمکش میں کبھی عقل کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور کبھی طبیعت ہی عقل کو دبا دیتی ہے غیر ازدواجی زمانہ خصوصاً ایام شباب میں یہی کشمکش ہے جس سے گزرنے والے گزرتے رہتے ہیں مگر انسان جب شادی کر لیتا ہے اور جائز راستہ حصول خواہش کے لئے پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس خود آفریدہ کشمکش سے نجات پا

جاتا ہے اور لاحاصل خیالات کی ادھیڑ بن سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسلام میں ازدواجی زندگی کو اختیار کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمان ذی شان ہے:

﴿وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ﴾

(النور:۳۲)

''اور تم میں سے جو مجرد ہیں خواہ مرد ہوں یا عورت ان کے نکاح کر دو' اسی طرح تمہارے غلام اور باندیوں میں جو حقوق زوجیت کے قابل ہوں ان کا بھی نکاح کر دو''۔

یہ آیت واضح طور پر رشتۂ ازدواج کے قیام کی تاکید کرتے ہوئے تمام مردوں اور عورتوں کو جنسی و عقلی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے شادی کرنے کا حکم دیتی ہے اور شادی کی اہمیت کا احساس پیدا کرنے کے لئے یہ ذمہ داری قوم کے دوش اور سرپرست کے کندھے پر ڈالتی ہے اور کسی کو اس سے بریٔ الذمہ نہیں قرار دیتی۔

۴ شادی اخلاقی و روحانی ضرورت:

اسلام سے قبل مرد و عورت کے ازدواجی تعلق کو اخلاق و روح کی ترقی کے لئے رکاوٹ سمجھا جاتا اور قرب خداوندی سے مانع خیال کیا جاتا تھا' فطری خواہشات کا گلا گھونٹنے اور جنسی جذبات کے کچلنے میں روحانیت اور اخلاق کی پاکیزگی تصور کی جاتی تھی۔ عیسائیت میں تجرد' (ترک نکاح) اور عورت سے بے تعلقی کو روحانی کمال کا ذریعہ تسلیم کیا جاتا تھا' اسلام نے ترک دنیا کے بجائے دین اور دنیا کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے کی تعلیم دی اور ترک نکاح کے راہبانہ نظریہ کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ازدواجی زندگی پر زور دیا۔

قرآن پاک میں ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾

(الرعد:٣٨)

''اے پیارے پیغمبر! ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے انہیں بیویاں اور اولاد عطا فرمائی''۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ انبیاء دعوت وتبلیغ کا مقدس فریضہ سرانجام دیتے ہوئے مخلوق کو خالق سے ملایا کرتے مگر بیوی' بچے ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا:

((لَا رَہْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ))

''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے''۔

یعنی اگر عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارو گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے راستے میں تمہارے لئے ممد ومعاون ثابت ہوگی' راہب بن کر جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنے سے معرفت الٰہی حاصل نہ ہوگی۔ گویا اسلام نے رہبانیت کے بجائے معاشرت کا سبق دیا اور اس بات کو پختہ (Established) کر دیا کہ ازدواجی زندگی سے فرار درحقیقت روحانیت سے فرار ہے۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ اَلتَّبَتُّلَ وَلَوْاَذِنَ لَهٗ لَاخْتَصَيْنَا. (متفق علیه)

صحیح بخاری' کتاب النکاح' باب ما یکرہ التبتل' ح ٥٠٧٣۔

''اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو تبتل (یعنی نکاح نہ کرنے) سے منع کر دیا تھا' اگر آنحضرت ﷺ ان کو تبتل کی اجازت دے دیتے تو ہم بھی خصی ہو جاتے''۔

(بخاری ومسلم)

ترکِ نکاح کی ممانعت

"تبتّل" کے معنی ہیں "عورتوں سے انقطاع اور ترک نکاح" نصاریٰ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین) کے ہاں تبتل ایک اچھا اور پسندیدہ فعل ہے کیونکہ ان کے نزدیک دینداری کی آخری حد یہ ہے کہ انسان عورتوں سے اجتناب کرے اور نکاح وغیرہ سے پرہیز کرے۔ لیکن جس طرح عیسائیت یا بعض دوسرے مذاہب میں نکاح کو ترک کر دینا اور لذائذ زندگی سے کنارہ کش ہو جانا عبادت اور نیکی و تقویٰ کی آخری حد سمجھا جاتا ہے اس طرح کی کوئی بات اسلام میں نہیں ہے بلکہ شریعت اسلامیہ نے نکاح کو انسانی زندگی کے لئے ایک ضرورت قرار دے کر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ لذائذ زندگی سے مکمل کنارہ کشی اور خود ساختہ تکالیف برداشت کرنا عبادت نہیں ہے بلکہ "رہبانیت" ہے جسے اس دین فطرت میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔

ہاں امام شافعیؒ اتنا ضرور کہتے ہیں کہ بغیر نکاح زندگی گزارنا افضل ہے لیکن امام شافعیؒ کا یہ قول بھی نکاح کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے بنیادی منشاء کے منافی نہیں ہے کیونکہ اول تو اس کا تعلق صرف افضلیت سے ہے اور دوسرے یہ کہ افضلیت بھی نفس نکاح (یعنی کرنے یا نہ کرنے) کے بارے میں نہیں ہے بلکہ صرف تخلی للعبادۃ (یعنی عبادت کے لئے مجرد رہنا) کے نکتہ نظر سے ہے گویا امام شافعیؒ کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عبادات میں مشغول رہنا نکاح کی مشغولیت سے افضل ہے۔

چنانچہ ملا علی قاریؒ نے مرقات میں امام شافعیؒ کی دلیلیں نقل کرنے کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی دلیلیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تجرد (بغیر نکاح رہنے) کے مقابلہ میں تاہل (نکاح کرنا) ہی افضل ہے۔

بہر کیف حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جب آنحضرت ﷺ سے

تبتل کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اسلام مسلمانوں کے ہاں نکاح کے ذریعہ افزائش نسل کو پسند کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ خدا کے حقیقی نام لیوا موجود رہیں اور وہ ہمیشہ کفر و باطل کے خلاف جہاد کرتے رہیں۔ اسی سلسلہ میں حدیث کے راوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تبتل کی اجازت دے دیتے تو ہم سب اپنے آپ کو خصی کر ڈالتے تاکہ ہمیں عورتوں کی ضرورت پڑتی اور نہ ہمیں عورتوں سے متعلق کسی برائی میں مبتلا ہو جانے کا خوف رہتا۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس موقع کے مناسب تو یہ تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ کہتے کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تبتل کی اجازت دے دیتے تو ہم بھی تبتل کرتے مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ کہنے کی بجائے یہ کہا کہ ہم سب اپنے آپ کو خصی کر ڈالتے لہٰذا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بات دراصل بطور مبالغہ کہی یعنی اپنی اس بات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دیتے تو ہم بھی تبتل میں اتنا مبالغہ اور اتنی سخت کوشش کرتے کہ آخر کار خصی کی مانند ہو جاتے۔ گویا اس جملہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مراد حقیقتاً خصی ہو جانا نہیں تھا کیونکہ یہ فعل (یعنی اپنے آپ کو خصی کر ڈالنا) جائز نہیں ہے۔

اور علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ ان کا گمان یہ تھا کہ خصی ہو جانا جائز ہے حالانکہ ان کا یہ گمان حقیقت و واقعہ کے خلاف تھا کیونکہ خصی ہو جانا انسان کے لئے حرام ہے خواہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا۔

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین آدمی امہات المومنین کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پردے کے پیچھے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفلی عبادت کے متعلق سوال کیا جب انہیں بتایا گیا کہ آپؐ اس انداز سے عبادت کرتے ہیں تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہ عبادت تھوڑی ہے۔ تاہم انہوں نے کہا ہماری آنحضرت ﷺ سے کیا نسبت؟ ان کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں وہ تو اگر زیادہ عبادت نہ بھی کریں تو کوئی بات نہیں ہمیں تو بہت زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے ایک بولا میں ہمیشہ رات بھر نماز تہجد پڑھا کروں گا' دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا کسی دن ناغہ نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں گا جب آپؐ کو ان باتوں کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

((اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ))

(بخاری)

"تم لوگوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ خوف خدا اور تقویٰ رکھتا ہوں لیکن میں نفلی روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں' رات کو نماز تہجد بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور بیویوں سے ہمبستری بھی کرتا ہوں پس جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں"۔

﴿۵﴾ شادی شرعی ونفسیاتی ضرورت:

نفس میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں اگر ان کے پورا ہونے کے لئے ایک محل بھی تجویز نہ کیا جائے تو پھر انسان تقاضے کو ہر جگہ پورا کرے گا اور اس طرح اس کی بے حیائی کا عیب نمایاں ہوگا۔ اسی لئے شریعت نے نکاح تجویز کیا ہے جس میں نفس کے

تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک محل کی تعیین کی ہے اور اس تجویز میں شریعت کا عقل سے زیادہ خیر خواہ ہونا ثابت ہے کیونکہ اگر عقل سے استفسار کیا جائے تو عقل نکاح کو تجویز نہیں کر سکتی کیونکہ ایک اجنبی مرد کے سامنے ایک اجنبی عورت کا اس طرح بے حجاب ہونا عقل کے نزدیک بالکل قبیح ہے مگر عقل کی اس تجویز پر اگر عمل کیا جاتا تو زیادہ فتنہ برپا ہوتا کہ ابھی تو ایک ہی اجنبی مرد وعورت بے حجاب ہو رہے تھے پھر نہ معلوم کتنے مرد اجنبی عورتوں کے ساتھ بے حجاب ہوتے اور کتنی عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے حجاب ہوتیں کیونکہ آخر مرد وعورت ایک دوسرے سے کہاں تک صبر کرتے' ان عواقب پر نظر کر کے شریعت سماویہ نے نکاح کو تجویز کیا تا کہ اس تقاضے کو پورا ہونے کا محل محدود ومتعین ہو کر فتنہ نہ پڑے اور یہی علامت ہے اس مذہب کے سماوی (آسمانی) ہونے کی کہ اس کی نگاہ عواقب پر (انجام کو محیط) ہوتی ہے اور جو قوانین محض عقل سے بنائے جاتے ہیں ان کی نظر عواقب پر محیط نہیں ہوتی' چنانچہ عقل تو مطلقاً حیا کو مطلوب سمجھتی ہے اور نکاح کو خلاف حیا بتلاتی ہے مگر شارعؒ نے نکاح کا قانون حیا ہی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے کیونکہ اگر ایک جگہ بھی حیا کو ترک نہ کیا جائے گا تو پھر انسان پورا بے حیا ہو جائے گا۔

حدیث پاک میں آتا ہے:

((اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ اَلْحَيَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ)) (ترمذی)

"چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں: (۱) حیا یعنی تمام انبیاء علیہم السلام با حیا ہوا کرتے تھے۔ (۲) تعطر یعنی تمام انبیاء خوشبو استعمال کیا کرتے تھے۔ (۳) مسواک یعنی تمام انبیاء مسواک فرمایا کرتے تھے۔ (۴) نکاح یعنی تمام انبیاء ازدواجی زندگی بسر کیا کرتے تھے"۔

⑥ شادی دینی وایمانی ضرورت:

شادی ایک ایسی عبادت ہے جس کا تسلسل حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت اور اس کے بعد جنت تک باقی رہے گا۔

حدیث پاک کا مفہوم ہے:

((اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي)) (مشكوٰة)

"جب آدمی شادی کر لیتا ہے تو وہ اپنا نصف دین مکمل کر لیتا ہے اب اسے چاہئے کہ بقیہ نصف دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک غیر شادی شدہ آدمی خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو جائے وہ ایمان کے کامل رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک وہ ازدواجی زندگی میں داخل ہو کر حقوق زوجیت ادا نہ کرے تب تک اس کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے دین اسلام کے نقطۂ نظر سے غیر شادی شدہ مرد وعورت مسکین ہیں۔

((عَنِ ابْنِ اَبِیْ نُجَيْحٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِسْكِيْنٌ مِسْكِيْنٌ رَجُلٌ لَيْسَتْ لَهُ امْرَأَةٌ قَالُوْا وَاِنْ كَانَ كَثِيْرَ الْمَالِ قَالَ وَاِنْ كَانَ كَثِيْرَ الْمَالِ مِسْكِيْنَةٌ مِسْكِيْنَةٌ امْرَأَةٌ لَيْسَ لَهَا زَوْجٌ قَالُوْا وَاِنْ كَانَتْ كَثِيْرَةَ الْمَالِ قَالَ وَاِنْ كَانَتْ كَثِيْرَةَ الْمَالِ)) (مجمع الفوائد)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ آدمی مسکین ہے مسکین ہے جس کی بیوی نہیں، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خواہ وہ مالدار ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں خواہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو، پھر فرمایا وہ عورت مسکینہ ہے، مسکینہ

ہے جس کا خاوند نہیں، صحابہؓ نے عرض کیا خواہ وہ مالدار ہو تب بھی آپؐ نے فرمایا: ہاں وہ مالدار ہو تب بھی وہ مسکینہ ہے"۔

ان تمام احادیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں شادی کرنے کی کتنی غیر معمولی ضرورت واہمیت ہے تاکہ جنسی میلان کو حدود میں رکھ کر عفت وعصمت کے انمول سرمایہ کی حفاظت کی جائے۔

اچھا رشتہ مل جائے اِس کے لئے کچھ

دُعائیں

یہ تمام دعائیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ماخوذ و مقتبس ہیں۔

عطا کر ہم کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک:

ربنا هب لنا من ازواجنا و ذريتنا قرة اعين واجعلنا للمتقين اماما.

''اے ہمارے رب! عطا کر ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہم کو متقیوں (پرہیزگاروں) کا مقتدا کر۔''

اے اللہ مجھے مال، بیوی اور نیک اولاد عطا فرما:

اللّٰهم انى اسئلك من صالح ماتوتى الناس من المال والاهل والولد غير ضال ولا مضل.

''اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اچھی اور نیک چیز کا جو تو لوگوں کو دے، مال ہو یا بیوی یا اولاد کہ نہ گمراہ ہوں اور نہ گمراہ کرنے والا۔''

برے رشتے سے بچنے کی

دُعائیں

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں بری بیوی سے:

اللّٰهم انى اعوذبك من امراة تشيبنى قبل المشيب واعوذبك من ولد يكون على وبالا و اعوذبك من مال يكون على عذابا.

''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی عورت سے کہ جو مجھے بوڑھا کر دے بڑھاپے سے پہلے اور تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی اولاد سے جو میرے لئے وبالِ جان ہو اور پناہ چاہتا ہوں ایسے مال سے جو مجھ پر عذاب جان ہو۔''

مشورہ کا اہتمام کرنا

مشورہ کی اہمیت:

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے جس شخص نے کسی کام کا ارادہ فرمایا اور اس میں مشورہ لے کر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ارشد امور کی طرف ہدایت فرمادے گا یعنی اس کا رخ اللہ تعالیٰ اسی طرف پھیر دے گا جو اس کے لئے انجام کار خیر اور بہتر ہوگا ایک اور روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی جب کوئی قوم مشورہ سے کام کرتی ہے تو ان کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت کردی جاتی ہے۔ (بخاری)

مشورہ کے فضائل:

مشورہ کے عقلی ونقلی بہت سے فوائد وفضائل ہیں (۱) مشورہ کرنا سنت الٰہی ہے' رب العالمین نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانا چاہا تو فرشتوں سے مشورہ فرمایا:

﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ (البقرہ: ۳۰)

ہم زمین میں اپنا نائب پیدا کرنا چاہتے ہیں''۔

یہ مشورہ تھا اپنے ارادے کا' محض اطلاع نہ تھی اسی لئے فرشتوں کو یہ سن کر اپنی رائے ظاہر کرنے کی جرأت ہوئی کہ عرض کیا کیا ایسے کو اپنی خلافت عطا فرمائیں گے جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور زمین میں قتل وخونریزی کرے گا؟ پھر اپنی رائے پیش فرمائی۔

ہم تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں ہم ہی خلافت الٰہیہ کے زیادہ حقدار ہیں اگرچہ ان کی یہ رائے قبول نہ ہوئی اور فرمایا گیا۔

﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۳۰)

''ہم وہ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے''۔

اگر یہ مشورہ نہ ہوتا تو ملائکہ کبھی اپنی رائے پیش نہ کرتے ان کی صفت یہ ہے کہ ﴿یفعلون ما یومرون﴾ جس کا حکم ملتا ہے اس کی اطاعت کرتے ہیں بہرحال یہ مشورہ تھا جس میں بندوں کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ ہم علیم وخبیر ہوتے ہوئے مشورہ فرماتے ہیں تم بھی کاموں میں مشورہ کرلیا کرو۔

۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر علم وحکمت' فہم ودانائی کے ہوتے ہوئے اللہ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾

(آل عمران: ۱۵۹)

''اے محبوبؐ اپنے جانثاروں سے مشورہ لے لیا کریں اور جب عزم فرمالیں تو اللہ پر توکل فرمائیں''۔

مشورے کے کام:

کام تین طرح کے ہیں ایک وہ ہے جس کا حکم یا ممانعت شریعت میں آگئی یعنی احکام منصوصہ' دوسرے اسرار' تیسرے کاروبار دینی یا دنیاوی۔ پہلے دو میں مشورہ کی گنجائش نہیں۔ تیسرے میں مشورہ کی ضرورت ہے اگر تمام دنیا نماز چھوڑ دینے' زکوٰۃ نہ دینے' حج نہ کرنے اور جہاد بند کرنے کا مشورہ دے تو غلط ہے' یہ سارے کام ضرور کئے جائیں گے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ان کا حکم دے دیا پھر مشورہ کیسا؟ دیکھو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اسلام کے وقت سارے جہان کی رائے تھی کہ شرک کیا جائے' توحید کا اعلان صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وہ تمام مشورے باطل ہوئے اور ایک ذات کریم نے توحید کا ڈنکا بجایا رب کے معاملہ میں سب کی نہ مانو تو اس قسم کے احکام کے لئے وہ آیت ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۳۶)

''مومن یا مومنہ کو اللہ اور رسول کے فیصلے کی موجودگی میں کوئی اختیار نہیں''۔

دیکھو نبوت میں کسی کے مشورہ کی ضرورت نہیں مگر سلطنت کے لئے مشورہ درکار ہے۔

اسی طرح راز و نیاز کی خبروں میں کسی سے مشورہ نہ کرو بلکہ کسی پر ظاہر بھی نہ کرو کہ راز بتانے کی چیز ہی نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیؐ سے دو قسم کے علم حاصل کئے: (۱) ایک وہ جو تم میں پھیلا دیا۔ (۲) دوسرا وہ جو اگر کچھ بھی ظاہر کروں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔ معلوم ہوا کہ اغیار سے اسرار چھپائے جاتے ہیں باقی کاموں میں مشورہ بڑی برکت کا باعث ہے۔ (۳) مشورہ کے کام میں اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ وغیرہ جیسے اہم کاموں میں انصار و مہاجرین سے مشورہ فرماتے تھے معلوم ہوا کہ مشورہ سنت نبویؐ ہے اور اس مشورہ سے امت کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ ہم صاحب وحی ہوتے ہوئے مشورہ کرتے ہیں تو تم بھی مشورہ کر لیا کرو۔

ایک شخص کی رائے اس کچے دھاگے کی طرح ہے جس سے کوئی مضبوط کام نہیں ہو سکتا مگر مشورہ کے لئے جب چند رائیں مل جائیں گی تو اس مضبوط رسی کی طرح ہوں گی جس سے بڑی بھاری چیزیں باندھ لی جاتی ہیں اسی لئے فرمایا گیا: **يد الله على الجماعة** یعنی جماعت پر اللہ کا دست کرم ہے۔

آدم علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت:

مروی ہے کہ آدمؑ نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کو پانچ چیزوں کی وصیت کی اور یہ بھی فرمایا کہ آئندہ نسل کو بھی تاکید کریں:

① اپنی اولاد سے کہہ دو دنیا پر کبھی مطمئن نہ ہونا میں نے جنت پر اطمینان کیا تھا مگر اللہ کو پسند نہ آیا اور مجھے وہاں سے سفر کرنا پڑا۔

② اپنی بیویوں کی خواہشات پر کبھی عمل نہ کرنا میں نے اپنی بیوی کی خواہش پر عمل کرتے ہوئے درخت کا پھل کھایا تھا اس پر ندامت دیکھنا پڑی۔

③ جو کام بھی کرنے کا ارادہ ہو پہلے اس کا انجام سوچ لو اگر انجام سوچ لیا تو جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ نہ دیکھنا پڑے۔

④ جب کوئی چیز دل میں کھٹکتی ہو تو اس سے اجتناب کرو کہ درخت کا پھل کھاتے وقت میرے دل میں بھی کھٹک تھی مگر میں نے خیال نہ کیا تو ندامت اٹھانا پڑی۔

⑤ اہم امور میں مشورہ کر لیا کرو اگر میں نے ملائکہ سے مشورہ کر لیا ہوتا تو وہ ابتلا نہ ہوتا جو بعد میں ہوا۔ (آداب معاشرت)

استخارہ کرنا

(۱) استخارہ کی اہمیت:

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ كَمَا يُعَلِّمُنَا سُوْرَةً مِّنَ الْقُرْآنِ))

"حضور ﷺ ہمیں استخارہ اس طرح اہتمام سے سکھلاتے تھے جس طرح قرآن پاک کی سورت سکھلاتے تھے"۔

(۲) جب حضرت زینب ؓ کو حضور ﷺ نے اپنے لیے پیغام نکاح دیا تو انہوں نے حضور ﷺ کی رضامندی ہونے کے باوجود عرض کیا: لا حتی استشیر ربی میں ابھی نکاح کرنے کے بارے میں کچھ نہیں کہتی جب تک اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں اور پھر استخارہ کیا۔

(۲) استخارہ کی حقیقت:

استخارہ ایک دعا ہے جس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ میں جو کچھ بھی کروں اسی کے اندر خیر ہو اور جس کام میں میرے لئے خیر نہ ہو وہ نہ کرنے دیجئے۔

استخارہ سے متعلق چند ضروری ہدایات:

(۳) استخارہ ارادے سے پہلے:

استخارہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ارادہ بھی کرلو پھر برائے نام استخارہ بھی کرلو

استخارہ ارادے سے پہلے کرنا چاہئے تاکہ ایک طرف قلب کو سکون پیدا ہو جائے اس میں لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں درست طریقہ یہ ہے کہ ارادہ سے پہلے استخارہ کرنا چاہئے پھر استخارہ سے جس طرف قلب میں ترجیح پیدا ہو جائے وہ کام کرنا چاہئے۔

(۴) استخارہ کا موقع ومحل:

استخارہ ان امور میں مشروع ہے کہ جس کی دونوں جانب اباحت میں مساوی (برابر) ہوں اور جس فعل کا حسن وقبح (اچھائی یا برائی) دلائل شرعیہ سے متعین ہو اس میں استخارہ مشروع نہیں نیز استخارہ ایسے معاملہ میں ہوتا ہے جس میں نفع وضرر دونوں کا احتمال ہو اور جس میں عادتاً' شرعاً یا یقیناً ضرر ہو اس میں استخارہ نہیں جیسے کوئی نماز نہ پڑھنے کے لئے استخارہ کرنے لگے یا دونوں وقت کھانے پینے یا چوری کرنے کے لئے استخارہ کرنے لگے۔

(۵) استخارہ کے مفید ہونے کی ضروری شرط:

استخارہ اس شخص کا مفید ہوتا ہے جو خالی الذہن ہو ورنہ جو خیالات ذہن میں بھرے ہوتے ہیں ادھر ہی قلب مائل ہو جاتا ہے اور وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ بات مجھ کو استخارہ سے معلوم ہوئی حالانکہ خواب یا قوت متخیلہ میں اس کے خیالات ہی نظر آتے ہیں۔

(۶) استخارہ کا مقصد:

استخارہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جس کام میں تردد ہو رہا ہے کہ یہ کام ہمارے لئے خیر ہے یا نہیں استخارہ کرنے سے یہ تردد رفع ہو جائے گا اور ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ کام ہمارے لئے خیر ہے یا شر پھر جو خیر ہوگا اس کو اختیار کریں گے۔ چنانچہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعض اوقات استخارہ کے بعد وہ تردد ختم نہیں ہوتا اور یہ معلوم نہیں ہوتا

کہ دونوں باتوں میں سے کون سی بات مفید ہے معلوم ہوا کہ استخارہ کا مقصد یہ نہیں کہ کوئی بات اس کے ذریعہ سے معلوم کر لی جائے جس میں تردد (شک) ختم ہو جائے اور اس کام کی دونوں شقوں میں سے ایک شق کی ترجیح ضرور قلب میں آ جائے۔

﴿۷﴾ استخارہ کا وقت:

استخارہ کا کوئی وقت مقرر نہیں بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ رات کو سوتے وقت ہی کرنا چاہئے ایسا کوئی ضروری نہیں کہ رات ہی کو کیا جائے بلکہ جب بھی موقع ملے اس وقت استخارہ کر لے نہ رات کی کوئی قید ہے اور نہ جاگنے کی کوئی قید ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ کرنے کے بعد کوئی خواب آئے گا اور خواب کے ذریعہ ہمیں یہ بتایا جائے گا کہ یہ کام کرو یا نہ کرو۔ یاد رکھئے! خواب آنا کوئی ضروری نہیں کہ خواب میں کوئی بات ضرور بتائی جائے یا کوئی اشارہ ضرور دیا جائے بعض مرتبہ خواب میں آتا ہے اور بعض مرتبہ نہیں آتا۔

﴿۸﴾ استخارہ کا نتیجہ:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہوتا ہے جس طرف رجحان ہو جائے وہ کام کرے اور بکثرت ایسا رجحان ہو جاتا ہے لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف دل میں رجحان نہ بھی ہو بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارہ کا مقصد حاصل ہے اس لئے کہ بندہ کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے پتہ بھی نہیں ہوتا بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اچانک ہی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو بندے سے پھیر دیتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے پیدا فرما دیتے ہیں کہ پھر وہی ہوتا ہے جس میں

بندے کے لئے خیر ہوتی ہے اب خیر کس میں ہے؟ انسان کو معلوم نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتے ہیں تمہارے حق میں یہی بہتر تھا اب جب وہ کام ہو گیا تو ظاہری اعتبار سے بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نظر نہیں آ رہا ہے دل کے مطابق نہیں ہے تو اب بندہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہے کہ یا اللہ میں نے آپ سے مشورہ کیا تھا مگر کام وہ ہو گیا جو میری مرضی اور طبیعت کے خلاف ہے اور بظاہر یہ کام اچھا معلوم نہیں ہو رہا ہے اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرما رہے ہیں کہ ارے نادان تو اپنی محدود عقل سے سوچ رہا ہے کہ یہ کام تیرے حق میں بہتر نہیں ہوا لیکن جس کے علم میں ساری کائنات کا نظام ہے وہ جانتا ہے کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور کیا بہتر نہیں تھا اس نے جو کیا وہ تیرے حق میں بہتر تھا بعض اوقات تجھے دنیا میں پتہ چل جائے گا کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور بعض اوقات پوری زندگی میں کبھی پتہ نہیں چلے گا جب آخرت میں پہنچے گا تب وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ واقعتاً یہی میرے لئے بہتر تھا۔

استخارہ کا طریقہ اور اس کی دعا

استخارہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے۔ نیت یہ کرے کہ میرے سامنے دو راستے ہیں ان میں سے جو راستہ میرے حق میں بہتر ہو' اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما دیں۔ پھر دو رکعت پڑھے اور نماز کے بعد استخارہ کی وہ مسنون دعا پڑھے۔ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے۔ یہ بڑی عجیب دعا ہے' پیغمبر ہی یہ دعا مانگ سکتا ہے اور کسی کے بس کی بات نہیں' اگر انسان ایڑی چوٹی کا زور لگا لیتا تو بھی ایسی دعا کبھی نہ کر سکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔

دُعا یہ ہے:

((اللّٰهم انی استخيرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسئلك من فضلك العظيم' فانك تقدر ولا اقدر' وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب' اللهم ان كنت تعلم ان هذا الامر خير لی فی دينی و معيشتی و عاقبة امری فيسره لی ثم بارك لی فيه' وان كنت تعلم ان هذا الامر شر لی فی دينی و معيشتی وعاقبة امری فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخير حيث كان ثم ارضنی به)) (ترمذی كتاب الصلوة)

''اے اللہ! میں آپ کے علم کا واسطہ دے کر آپ سے خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر میں اچھائی پر قدرت طلب کرتا ہوں' آپ غیب کو جاننے

والے ہیں۔ اے اللہ! آپ علم رکھتے ہیں' میں علم نہیں رکھتا' یعنی یہ معاملہ میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں' اس کا علم آپ کو ہے مجھے نہیں اور آپ قدرت رکھتے ہیں اور میرے اندر قوت نہیں۔ یا اللہ! اگر آپ کے علم میں ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائے جس کے لئے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں بہتر ہے' میرے دین کے لئے بھی بہتر ہے' میری معاش اور دنیا کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے تو اس کو میرے لئے مقدر فرما دیجئے اور اس کو میرے لئے آسان فرما دیجئے اور اس میں میرے لئے برکت پیدا فرما دیجئے۔ اور اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ معاملہ میرے حق میں برا ہے' میرے دین کے حق میں برا ہے یا میری دنیا اور معاش کے حق میں برا ہے یا میرے انجام کار کے اعتبار سے برا ہے تو اس کام کو مجھ سے پھیر دیجئے اور مجھے اس سے پھیر دیجئے' اور میرے لئے خیر مقدر فرما دیجئے جہاں بھی ہو۔ یعنی اگر یہ معاملہ میرے لئے بہتر نہیں ہے تو اس کو تو چھوڑ دیجئے اور اس کے بدلے جو کام میرے لئے بہتر ہو اس کو مقدر فرما دیجئے' پھر مجھے اس پر راضی بھی کر دیجئے اور اس پر مطمئن بھی کر دیجئے''۔

دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لی تو بس استخارہ ہو گیا۔

آئیے پاکیزہ زندگی گزارنے کے

گُر سیکھئے

حرفِ اعتزار:

میں نے نکاح کی ترغیب دلانے کی بابت تو شروع ہی میں کافی مواد تحریر کر دیا اور اب پھر کچھ تحریر کرنے لگا ہوں لیکن ایک یاددہانی کی ضرورت پیش آئی اور ایک ''اعتزار'' کی......یاددہانی تو یہ ہے کہ آج کل کی نوجوان بچیوں میں شادی دیر سے کرنے کا جو رجحان چل پڑا ہے اور جس طریقے سے آپ بچیاں اپنے والدین ''کٹ حجتیاں'' کر کے نکاح کرنے سے ٹالتی ہیں کہ ابھی تو ہماری تعلیم پوری نہیں ہوئی' پیارے ابا جان آپ نے ہماری اتنی خدمت کر ڈالی اب ہم بھی تو کچھ کما کر آپ کا بوجھ بانٹ دیں۔

فرمانبردار بچیو!

یاد رکھنا! نہ تو والدین کو آپ کے یا لڑکوں کے پیسوں کی کوئی ضرورت ہوتی ہے نہ ہی کوئی ''ہاتھ بٹوانے'' کی حاجت۔ وہ تو اپنے مُنہ کا نوالہ بھی آپ کو کھلا دیتے ہیں اور پھر بھی ماتھے پہ شکن نہیں آتی۔ ارے بچیو! یہ تو آپ اولاد کی تابعداری ہے کہ اگر آپ کچھ اچھی سوچ رکھتی ہیں لیکن ایسی جگہ پہ یہ سوچ ہرگز مناسب نہیں۔ اگر آپ کے والدین کو اللہ نہ کرے بعد میں کوئی مشکل پیش آئی تو آپ اپنے خاوند کے سکھ چین کا خیال رکھئے' نیک صورت کے ساتھ نیک سیرت بن کر دکھایئے تو یاد رکھئے کہ ایک بیٹی کے ساتھ اُن کو ایک بیٹا بھی مل جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ سب سے قبل جو دعا تحریر کی 'اچھا تو یہی ہے کہ آپ کے شوہر صاحب یہ دعا یاد کر کے پڑھیں' (وگرنہ دیکھ کر ہی

پڑھ لیں) اگر ان کی توجہ اس بابت نہ ہوئی ہو تو آپ انہیں اس دعا کی بابت یاددہانی کرا دیجئے' اللہ آپ کو اجرِ عظیم سے نوازے گا۔

نکاح کی دُعا:

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَةً اَوِاشْتَرٰى خَادِمًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاِذَا اشْتَرٰى بَعِيْرًا فَلْيَاْخُذْ بِذِرْوَةِ سَنَامِهٖ وَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَفِىْ رِوَايَةٍ فِى الْمَرْاَةِ وَالْخَادِمِ ثُمَّ لِيَاْخُذْ بِنَاصِيَتِهَا وَلْيَدْعُ بِالْبَرَكَةِ

(رواہ ابو داود وابن ماجۃ)

ابو داود' کتاب النکاح' باب ما فی جامع النکاح' ح ۲۱۶۰۔

''اور حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد (حضرت شعیبؒ) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ) سے اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی غلام خریدے تو وہ یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس (کی ذات) کی بھلائی مانگتا ہوں اور بھلائی اس چیز کی جس پر تو نے ان کو پیدا کیا (یعنی اچھے اخلاق) اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا (یعنی برے اخلاق وافعال) اور جب اونٹ خریدے تو اس کے کوہان کی بلندی کو پکڑ کر اسی طرح کہے یعنی مذکورہ بالا دعا پڑھے۔ ایک

اور روایت میں عورت اور غلام کے بارے میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”پھر عورت یا غلام کی پیشانی کے بال پکڑ کر خیر و برکت کی دعا کرے“۔

”خیر و برکت کی دعا“ سے بھی مذکورہ بالا دعا ہے جیسا کہ حصن حصین سے مفہوم و معلوم ہوتا ہے۔

نکاح کے فوائد:

یوں تو نکاح کے بے شمار فوائد ہیں لیکن بنیادی طور پر دو فوائد ہیں جو باقی تمام فوائد کا جوہر ہیں راحت و آسائش اور بقائے نسل انسانی۔ ذیل میں ہم ان کی قدرے تفصیل پیش کرتے ہیں۔

﴿۱﴾ نکاح راحت و آسائش کا ذریعہ:

مرد کے دل میں جب جنسی جذبات امنڈتے ہیں اور نفسانی خواہشات انگڑائیاں لیتی ہیں تو عورت مرد کے سارے احساسات و رجحانات کو اپنے سینے سے لگا لیتی ہے اور محبت و الفت کا آئینہ بن کر اس کے متحرک جذبات کو اپنے آبگینے میں مرکوز کر لیتی ہے جس کی بدولت مرد کی جنسی پیاس بجھ جاتی ہے اور اسے قلبی سکون ملتا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ (الاعراف ۱۸۹)

”وہ خدا ہی ہے جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے سکون حاصل کرے“۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ (الروم: ۲۱)

”اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ ان سے تسکین پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کی“۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ عورت قدرت کا ایک عظیم شاہکار اور زندگی کی ایک حسین تصویر ہے، روح کی نکہت اور قلب کی راحت ہے، آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے، قدرت کی بہترین تخلیق اور مرد کے دل کی تسکین ہے۔ اسلام عورت کی نسوانیت کو کتنا بلند اور محترم مقام عطا کرتا ہے۔

﴿۲﴾ شادی بقائے نسل انسانی کا ذریعہ:

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر جاندار کے جوڑے بنا دیئے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہونا نظام کائنات کا بنیادی اصول ہے یہ اصول جدید سائنس کی بنیاد ہے جدید تحقیق سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ نباتات میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں۔ دنیا میں ہر چیز کا جوڑا پیدا کرنے کی غرض و غایت ہی افزائش نسل اور بقائے نسل ہے جبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس کی نسل کی بقا ضروری ہے اس لئے اسلام نے بقائے نسل کے لئے نکاح کا دستور دیا اور یہ وہ دستور ہے جو تمام دستوروں سے برتر ہے۔

ہر انسان کی یہ طبعی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کا کوئی نہ کوئی نام لیوا ہو اس کا کوئی جانشین ہو اس کی نسل ہو اسلام نے اس طبعی خواہش کو ازدواجی زندگی سے پورا کیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً وَّرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ (النحل: ۷۲)

''اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے ہی جسموں سے شریک حیات بنائیں اور تمہاری ان شریک حیات سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا''۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً﴾ (النساء: ۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا تخلیق کیا اور ان دونوں کے ذریعہ بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں''۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ وَتَنَاسَلُوْا فَاِنِّیْ مُبَاہٍ بِکُمُ الْاُمَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) (ابن کثیر)

''بہت زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ اس لئے کہ میں قیامت کے دن تمہاری وجہ سے فخر کروں گا (کہ میری امت اتنی زیادہ ہے)۔

اس حدیث میں شادی کا حکم دیتے ہوئے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شادی کا منشاء توالد و تناسل اور نسل انسانی کی بقا ہے تاکہ افرادِ امت کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو۔

یاد دہانی!

دیکھئے میں ابھی قبل ازیں ہی ''عورت بحیثیت ماں'' میں یہ بات مختلف حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ آپ کے لئے ماں بننا ہی سب سے بڑا اعزاز ہے اور یہاں پر

نبی کریم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ نے اس پہ مہر تصدیق ثبت کر دی۔ فرمانبردار بچیو! اللہ عزوجل آپ کو سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قابل قدر کردار:

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

((اِنِّیْ لَا تَزَوَّجُ الْمَرْاَۃَ وَمَالِیْ بِھَا حَاجَۃٌ وَاَطَؤُھَا وَمَالِیْ فِیْھَا مِنْ شَھْوَۃٍ قِیْلَ فَمَا یَحْمِلُکَ عَلٰی ذٰلِکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ اُحِبُّ اَنْ یَّخْرُجَ مِنِّیْ مَنْ یُّکَاثِرُ بِہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ))

''میں شادی کرتا تو ہوں مگر مجھے اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور میں صحبت کرتا ہوں مگر مجھے کچھ خواہش نہیں ہوتی' آپ سے دریافت کیا گیا: امیر المؤمنین! پھر کیا چیز آپ کو شادی پر آمادہ کرتی ہے؟ فرمایا: میں چاہتا ہوں مجھ سے بکثرت اولاد پیدا ہو تاکہ قیامت کے دن حضور ﷺ فخر کریں''۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اسلام نے چار وجوہ کی بناء پر اولاد کی پیدائش اور پرورش کی ترغیب دی ہے۔

① اصل خالق اللہ تعالیٰ ہے والدین صرف پیدائش کا ظاہری سبب ہیں لیکن چونکہ وہ اللہ کے ایک خاص مقصد یعنی بقائے نسل انسانی کا سبب بنتے ہیں لہٰذا ان کا مقام بہت بلند ہے۔

② حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اپنی امت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا اس لئے والدین حضور ﷺ کے اس فخر کا باعث بنتے ہیں اور آپ ﷺ کی محبت حاصل کرتے ہیں۔

③ آدمی کے مرجانے کے بعد نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے اور وہ اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کرتی ہے۔

④ اگر اولاد بچپن میں مرجائے تو وہ والدین کی شفاعت کرے گی۔

③ شادی دو خاندانوں میں ملاپ کا ذریعہ:

دو خاندانوں میں عاداتی' روایاتی اور طبقاتی فرق کے باوجود نکاح انہیں جوڑ دیتا ہے اور معاشرے کے مختلف افراد کو باہم رشتۂ ازدواج میں پرو دیتا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ)) (مشکوة کتاب النکاح)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو ٹوک محبت کرنے والوں کے لئے نکاح سے بڑھ کر تم نے کوئی چیز نہیں دیکھی''۔

یعنی دو خاندانوں میں ملاپ اور جوڑ پیدا کرنے میں نکاح کا بندھن سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہے' محبت بڑھانے اور باقی رکھنے میں نکاح سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں' دو خاندانوں اور دو جانوں میں یگانگت اور تعاون کا جذبہ پروان چڑھانے میں نکاح لاثانی ہے' کسی خاندان کا مرد اور کسی خاندان کی عورت دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوتے ہیں لیکن جب نکاح ہو جاتا ہے تو ہر ایک دوسرے پر نثار ہوتا ہے اور محبت والفت وہ رنگ لاتی ہے کہ عمر بھر ساتھ نہیں چھوٹتا' دونوں زندگی بھر کے لئے ایک دوسرے کے ہمدرد' دکھ سکھ کے ساتھی اور آرام و تکلیف کے شریک ہو جاتے ہیں' ایک سمدھی دوسرے سمدھی سے گلے مل رہا ہے' عورت کا بھائی اپنی بہن کے شوہر کی تیمارداری میں لگا ہوا ہے' داماد ساس کو حج کے لئے لے جا رہا ہے' سسر داماد کو کاروبار کے لئے رقم دے رہا ہے۔

غرضیکہ ایک محبت تو علاقہ قرابت سے ہوتی ہے خون کے رشتے کی یہ محبت قدرتی ہوتی ہے اس کے علاوہ میاں بیوی کے درمیان جو محبت نکاح سے ہوتی ہے ایسی محبت کہیں نہیں دیکھی' عورت جب عقد نکاح میں آجاتی ہے تو اس کے ماں باپ' بہن بھائیوں کی محبت پر خاوند کی محبت غالب آجاتی ہے اور رفتہ رفتہ مرد کی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے اور اقرباء کی محبت گھٹتی جاتی ہے یہاں تک کہ میاں بیوی یک جان دو قالب ہو جاتے ہیں یہ محبتیں' خدمتیں اور کیفیتیں ایک شرعی نکاح ہی کی بدولت ہیں۔ سبحان اللہ! کیا عجب چیز ہے نکاح۔

④ شادی احساس ذمہ داری کا ذریعہ:

قرآن مجید میں نکاح کو میثاقاً غلیظاً (پختہ عہد و پیمان) کہا گیا ہے اس معاہدہ کی رو سے مرد و عورت اپنے کندھوں پر بعض اہم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کا اقرار کرتے ہیں اس طرح شادی سے مرد میں ایک احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے جو بغیر شادی کے پیدا نہیں ہوتا کیونکہ غیر شادی شدہ آدمی کی توجہ کا مرکز صرف اس کی اپنی ذات ہوتی ہے لیکن شادی کے بعد گھر کی دیکھ بھال' بیوی کے حقوق کی ادائیگی' آرام و آسائش' اصلاح و تربیت' صبر و تحمل وغیرہ کی ذمہ داری مرد کے دوش پر آ پڑتی ہے پھر اولاد پیدا ہونے پر یہ ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔ مرد ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے اپنی تمام تر استعداد بروئے کار لاتا ہے اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن سعی کرتا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

((اِلْتَمِسُوا الْغِنٰى فِى النِّكَاحِ)) (ابن کثیر)

''نکاح کے ذریعہ غنیٰ تلاش کرو''۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے:

((اِلْتَمِسُوا الرِّزْقَ بِالنِّكَاحِ)) (مدارک)

''رزق شادی میں تلاش کرو''۔

ان فرمودات سے مراد یہ ہے کہ احساسِ ذمہ داری سے انسان جدوجہد پر مجبور ہو جاتا ہے اور عمل وکوشش سے ان وسائل کو تلاش کرتا ہے جو رزق کی فراخی کا سبب ہیں۔ مجرد آدمی میں اس قسم کا احساس پیدا نہیں ہو سکتا اسی احساسِ ذمہ داری کو مسلمانوں کے دلوں میں جاگزین کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کا جوابدہ ہے' مرد اپنے بیوی بچوں کا ذمہ دار ہے اور اس کو اس ذمہ داری کا جواب دینا پڑے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور بچوں کی ذمہ دار ہے اور اپنی اس ذمہ داری کے لئے اسے جوابدہ ہونا پڑے گا''۔ (بخاری ومسلم)

﴿۵﴾ شادی حصول غناء کا ذریعہ:

اسلام نے انسان کی سب سے فطری خواہش شادی کی تکمیل کے لئے نہ صرف نکاح کا حکم دیا بلکہ نکاح کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو لوگ خواہ مخواہ معاشی خطرات کو محسوس کرتے ہوئے ازدواجی زندگی سے گریز کرنا چاہتے ہیں ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا کہ نکاح فقر وافلاس' تنگدستی و بدحالی کا باعث ہے اور تجرد وترکِ نکاح' خوشحالی وفراخ دستی کا موجب ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے اس خام خیال کی تردید کے لئے قرآن پاک میں نکاح کرنے کا حکم دیا گیا:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ

يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

(النور: ۳۲)

''اور تم میں سے جو مجرد ہیں خواہ مرد ہوں یا عورت ان کے نکاح کر دو' اسی طرح تمہارے غلام اور باندیوں میں جو حقوقِ زوجیت کے قابل ہوں ان کا بھی نکاح کر دو' اگر وہ تنگدست ہوں تب بھی نکاح کرو اللہ ان کو اپنے فضل وکرم سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت وسعت دینے والے خوب جاننے والے ہیں''۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ محمود آلوسیؒ روح المعانی میں فرماتے ہیں:

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے شادی کرنے پر تونگری کا وعدہ معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ فقر وافلاس کا بہانہ کر کے نکاح سے گریز کرنا چاہتے ہیں ان کی بہانہ جوئی کا سدِ باب مقصود ہو۔

اور خدا کی دو صفات واسع اور علیم ذکر کر کے بتلایا گیا ہے کہ رزق کی فراخی وتنگی کا دارومدار نکاح کرنے یا نہ کرنے پر موقوف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم وحکمت کے مطابق جس پر چاہتے ہیں رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں تنگدستی میں مبتلا کر دیتے ہیں' چونکہ اسباب کی اسیر طبیعتوں میں یہ بات رچ بس گئی ہے کہ اہل وعیال کا ہونا فقر وافلاس کا اور نہ ہونا فراوانی کا سبب بنا کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس بے بنیاد خیال کی غلطی بھی واضح کر دی جائے۔

واقعات کی شہادت اس پر موجود ہے کہ کبھی مال کی فراوانی اور اولاد کی کثرت دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے پاس نہ مال ہوتا ہے نہ زن و فرزند' تو معلوم ہوا کہ عموماً انسان کی قوت واہمہ نے ان دونوں باتوں (کثرت اولاد و تنگدستی اور خوشحالی وتنہائی) میں جو تلازم سمجھ رکھا ہے وہ غلط ہے بلکہ خوشحالی وتنگدستی دونوں اللہ تعالیٰ (جو مسبب الاسباب ہے) کے ارادہ ومشیت پر موقوف ہیں۔

قرآن پاک نے ایک دوسری آیت میں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اِنْ شَآءَ﴾

(التوبہ:۲۸)

''اگر تمہیں تنگدستی کا اندیشہ ہے تو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہیں اپنے فضل وکرم سے غنی کردے گا اگر اسے منظور ہوا''۔

دیکھئے اس آیت میں بھی خوشحالی اور فراخی کو مشیت ایزدی پر معلق کیا گیا ہے جب بندے کو یقین کامل ہو جائے گا کہ میرے رزق کا معاملہ میرے پروردگار کے ہاتھ میں ہے تو نکاح کرنے سے نہیں ڈرے گا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تاثر:

آیت مذکورہ کی تفسیر کے بعد علامہ محمود آلوسیؒ نے متعدد احادیث اور اقوال صحابہؓ بھی ذکر کئے ہیں جن سے نکاح کا باعث خیر وبرکت ہونا نیز فقر وافلاس دور کرنے اور باعث خوشحالی وفراخی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

① ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ فِيْمَا اَمَرَكُمْ بِهٖ مِنَ النِّكَاحِ يُنْجِزْ لَكُمْ مَا وَعَدَكُمْ مِّنَ الْغِنٰى

''لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم نکاح کی تعمیل کرو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ (غنی بنانے کا) پورا کردیں گے۔

② ((عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْكِحُوا النِّسَآءَ فَاِنَّهُنَّ يَاْتِيْنَكُمْ بِالْمَالِ))

''حضرت ہشام بن عروہ اپنے باپ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں سے نکاح کرو وہ تمہارے لئے مال لائیں گی''۔

③ ((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمْ اَلْمُكَاتَبُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْاَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْعَفَافَ وَالْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

''حضرت ابوہریرہؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ کے ذمہ ہے ایک غلام جو بدل کتابت ادا کرنا چاہتا ہو دوسرا عفت وپاکدامنی کے ارادے سے شادی کرنے والا' تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا''۔

④ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِلْتَمِسُوا الْغِنٰى فِي النِّكَاحِ

''نکاح کے ذریعہ غنا تلاش کرو''۔

اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

اِنِّيْ لَاَعْجَبُ مِمَّنْ يَدَعُ النِّكَاحَ بَعْدَ سَمْعِهٖ لِهٰذِهِ الْاٰيَةِ))

(مجمع الزوائد)

''مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو یہ آیت سننے کے بعد بھی نکاح نہیں کرتا''۔

ان فرمودات پر غور کیا جائے تو واقعات وحقائق اس حقیقت کی صداقت پر شاہد ہیں۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ شادی ہو جانے کے بعد گھر کی دیکھ بھال' بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی' نان ونفقہ کی ذمہ داری مرد کے کندھوں پر آ پڑتی ہے' مرد ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے اپنی تمام تر استعداد بروئے کار لاتا ہے اور ان

ذمہ داریوں کو نبھانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں فقر وافلاس دور ہو جاتا ہے اور خوشحالی وفراوانی ڈیرے ڈال لیتی ہے۔

اور یہ بھی عام مشاہدہ میں ہے کہ اونچے اور خوشحال گھرانے کے مرد سے شادی عورت کی کایا پلٹ دیتی ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کی زندگی سنور جاتی ہے بلکہ بسا اوقات تو اس کے بہن بھائیوں اور والدین کے معاشی حالات بھی فقط اسی سنت نبوی پہ عمل کرنے سے سنور جاتے ہیں۔

⑥ شادی عزت وعظمت کا ذریعہ:

جس طرح لباس مرد وعورت کی زینت ہے اسی طرح شوہر بیوی کی زینت ہے اور بیوی اپنے شوہر کی زینت ہے۔

عورت سے مرد کی زینت یہ ہے کہ شادی شدہ آدمی لوگوں کی نظر میں معزز ہوتا ہے جبکہ غیر شادی شدہ آدمی کی دنیا والوں کی نظر میں عزت کم ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ شادی شدہ آدمی سے لوگ اپنے بیوی، بچوں پر خطرہ محسوس نہیں کرتے جبکہ غیر شادی شدہ سے ہر شخص کو اپنے بیوی بچوں اور عزت وآبرو کا خطرہ رہتا ہے۔

اور مرد سے عورت کی زینت یہ ہے کہ لوگ اس پر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کرتے مرد خواہ پاس رہے یا پردیس میں رہے جبکہ نکاح سے پہلے عورت کی عزت وآبرو ہر وقت خطرے میں رہتی ہے۔

⑦ شادی تحفظ صحت کا ذریعہ:

تمام اطباء اور ڈاکٹر حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ شادی انسانی صحت کے لئے ضروری ہے اور انسان کی صحت برقرار رکھنے میں ازدواجی زندگی کو بڑا دخل ہے اگر مادۂ تولید ایک عرصہ تک رکا رہے تو قسما قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

جبکہ جالینوس اپنی کتاب حفظ الصحت میں لکھتے ہیں:

مادۂ تولید کا اخراج معتدل صحت پر خوشگوار اثرات مرتب کرتا ہے، بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہے۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں: بیوی سے اختلاط مخصوص اعتدال کے ساتھ تندرستی کے مختلف ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے اور بہت سے امراض کے لئے شفاء ہے۔

⑧ شادی عفت وعصمت کی حفاظت کا ذریعہ:

انسان کا سب سے قیمتی جوہر اس کی عفت وپاکدامنی ہے اس گوہر نایاب کو محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بے شمار قواعد وضوابط مقرر فرمائے ہیں جن میں سے ازدواجی زندگی ایک بنیادی ذریعہ ہے۔ قران پاک نے نکاح کو احصان سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ (النسا: ۲۴)

''اور محرمات کے علاوہ دیگر عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں اس طرح کہ تم انہیں اپنے مال کے عوض عقد نکاح میں لانے والے بنو محض خواہش پوری کرنے والے نہ بنو''۔

گویا نکاح مرد وعورت کے لئے ایک قلعہ ہے جہاں سے شیطان ان پر حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کو ایک دوسرے کے لئے لباس قرار دیا ہے چنانچہ فرمان ذی شان ہے۔

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرہ: ۱۸۷)

''عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو''۔

جس طرح لباس انسانی جسم کی پردہ پوشی کرتا ہے اسی طرح مرد و عورت جب عقد نکاح میں آ جاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے جوہر عفت کی حفاظت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَۃَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَإِنَّہٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْہِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّہٗ لَہٗ وِجَاءٌ))

(مشکوٰۃ کتاب النکاح)

''اے نوجوانو! تم میں سے جو حقوقِ زوجیت ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ اس سے نگاہ پست رہتی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے حق میں ڈھال ہے۔ ایک دوسری حدیث کا مفہوم ہے:

((مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّلْقَی اللّٰہَ طَاھِرًا مُّطَھَّرًا فَلْیَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ۔))

(مشکوٰۃ کتاب النکاح)

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے صاف ستھرا بن کر ملاقات کرنے کا خواہشمند ہے اسے چاہئے کہ شریف عورتوں سے شادی کرے''۔

اسلام میں عفت و عصمت کی اہمیت:

① عفت و عصمت زندگی کا ایک ایسا مقدس ہیرا ہے جسے انسان کبھی لٹتا ہوا گوارا نہیں کر سکتا' اس کے تحفظ کی خاطر اپنی پوری قوت صرف کر دیتا ہے حتیٰ کہ جان تک کی بازی لگا دیتا ہے اور اپنی عزت و آبرو پر آنچ نہیں آنے دیتا۔

قرآن پاک نے متعدد مقامات میں عفت و عصمت اور سیرت و کردار کی ترغیب دی ہے۔ ایک مقام پر عفت و عصمت اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (الاحزاب:۳۵)

''اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے''۔

دیکھئے! اس آیت میں کتنی وضاحت سے فرمایا گیا ہے کہ جو خواتین و حضرات گوہر عصمت اور جوہر عفت کا تحفظ کرتے ہیں' دل و دماغ میں تعفن پیدا نہیں ہونے دیتے' حدودِ خداوندی میں رہتے ہوئے جنسی خواہشات پوری کرتے ہیں اور حدود اللہ کو توڑنے سے اجتناب کرتے ہیں ایسے افراد کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت و بخشش اور اجر عظیم کی لازوال نعمت تیار کر رکھی ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک بڑی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنی عزت و آبرو' عفت و عصمت پر بدکرداری کا سیاہ دھبہ نہیں لگنے دیتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ﴾ (الفرقان:۶۸)

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جو کسی انسان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے''۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عفت وعصمت اور پاکدامنی انسان کی ایک ایسی صفت ہے جو سیرت وکردار اور اخلاق واعمال کی روح رواں ہے۔ جس طرح غیر اللہ کی پرستش سے توحید کی رگ جان کٹ جاتی ہے اور آدمی کافر ہو جاتا ہے اور قتل ناحق سے آدمی کی ظاہری اور موجودہ زندگی کا تعلق ختم ہو جاتا ہے اسی طرح زنا و بدکاری انسان کی عفت وعصمت اور سیرت وکردار کی مٹی پلید کر کے عزت وآبرو خاک میں ملا کر ابدی نیند سلا دیتی ہے۔

نکاح کی اہمیت کا بین الاقوامی طور پر تسلیم کیا جانا

مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں مختلف دانشوروں کی ایک کانفرنس ہوئی جس کا موضوع تھا ''شادی کے فوائد'' اس کانفرنس میں شریک ماہرین نے جو دلائل دیئے وہ کچھ یوں تھے۔

شادی انسان کی فطری ضرورت ہے۔

شادی شدہ افراد کی صحت غیر شادی شدہ افراد کے مقابلے میں عموماً بہتر ہوتی ہے اور ۵۵ فیصد افراد میں خطرناک بیماریوں کی وجہ غیر شادی شدہ ہونا یا طلاق کے بعد تنہا رہنا ہے۔

شادی کرنے سے لوگ کئی نفسیاتی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ شادی کرنا بذات خود نفسیاتی اور ذہنی صحت کی علامت ہے۔ شادی شدہ افراد نفسیاتی بیماریوں سے عموماً محفوظ رہتے ہیں۔

۵۵ سے ۶۰ سال کی عمر کے نو ہزار افراد پر تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ بڑھاپے کے امراض سے محفوظ اور تندرست رہنے کا سب سے بڑا راز خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنا ہے۔

یہ بات اب بین الاقوامی طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ شادی شدہ افراد کی عمریں غیر شادی شدہ افراد کی نسبت بہت زیادہ طویل ہوتی ہیں۔

شادی شدہ افراد اعصابی اضطراب سے عموماً محفوظ رہتے ہیں' وہ غمگین وافسردگی اور نفسیاتی دباؤ کا شکار نہیں ہوتے۔

نکاح نہ کرنے کے نقصانات

فرمانبردار بچیو!

آج کل آپ نے دُنیاوی زندگی کے دوڑ میں اپنے آپ پر طرح طرح کی پابندیاں لگا رکھی ہیں اور ہر پابندی کی تان یہی آ کر ٹوٹتی ہے کہ میں ابھی نکاح کے بندھن میں نہیں بندھنا چاہتی۔ ابھی تو میری پڑھائی ہی پوری نہیں ہوئی۔ ابھی تو میں نے عملی زندگی کی بابت کچھ سیکھا ہی نہیں اور جن کا یہ بہانا نہیں چلتا وہ اپنے والدین کو ''لالچ'' میں مبتلا کئے ہوئے ہیں کہ ساری زندگی آپ نے میری پڑھائی پہ ''انوسٹمنٹ'' کی میرا ابھی تو کچھ فرض ہے کہ آپ کا ہاتھ بٹاؤں۔

او نادان بچیو!

والدین اپنی اولاد پر کبھی بھی اس لئے صرف نہیں کرتے کہ انہیں اس کے بدلے کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ یہ سوچ آپ کی صرف اسی وقت تک برقرار ہے جب تک آپ خود ماں نہیں بن جاتیں۔

خدارا!

ان باتوں کا بہانہ بنا کر اپنے آپ کو ان ''مشکلات'' میں پڑنے سے بچانے کے بہانے مت تراشیے۔ یاد رکھئے! انہی ''مشکلات'' سے گزر کر آپ کی جنت کا راستہ جاتا ہے۔ پیاری بیٹیو! چاہے آپ کو برا لگے لیکن میں تو بار بار یہ باتیں کہتا ہی رہوں گا۔ اب جبکہ آپ اس بندھن میں بندھ چکی تو دوسری بہنوں کو بھی آگاہ کرنا آپ کا فرض ہے کہ شادی جلدی کرنے میں کتنے فوائد ہیں اور انہیں اس رشتے کے positive

پہلو بتایئے نہ کہ اپنی زندگی تو انجوائے کرتی رہیے اور انہیں ڈراتی جایئے۔

شادی میں دیر کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا ہم یہاں پر کچھ ذکر کئے دیتے ہیں:

① بدکاری وزناکاری کا فروغ:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ مادۂ تولید کی پیداوار میں جب زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوبصورت مردوں کو دیکھنا عورت کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگتی ہے' اس بخار کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف بھی آتا ہے جس کی وجہ سے تقاضے میں شدت پیدا ہوتی ہے اور مقاربت کی قوت ابھرتی ہے اور یہ عموماً نوجوانی کے دور میں ہوتا ہے اور شادی نہ ہونے کی صورت میں بالآخر یہ چیز زنا کے لئے ابھارتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں نکاح نہیں ہوگا وہاں سفاح (زنا) ہوگا۔

زنا اور اس کی تباہ کاریاں:

مولانا ظفیر الدین اپنی کتاب اسلام کا نظام عفت وعصمت میں امام رازی کے حوالہ سے زنا کے مفاسد کی نشان دہی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

① زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہو جاتا ہے آدمی یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ زانیہ کی اولاد کس مرد سے ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بچہ کی پرورش کا کوئی مرد بھی ذمہ دار نہیں بنتا بچہ ضائع ہو جاتا ہے یا خود ماں ایسے بچہ کو مار ڈالتی ہے اور پھینک دیتی ہے یا وہ غریب بچہ سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے نتیجتاً تباہ و برباد ہو جاتا ہے جو عالم کی ویرانی اور انقطاع نسل انسانی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

② زانیہ عورت کو زنا کی لت پڑ جاتی ہے طبع سلیم رکھنے والے مرد کو ایسی عورت سے گھن

معلوم ہوتی ہے پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی سلیم الطبع اس سے شادی تک کرنے کے لئے اپنے کو آمادہ نہیں کرسکتا محبت والفت تو خیر دور کی بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو عورت زنا میں مشہور ہو جاتی ہے اس سے لوگ عموماً نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور سوسائٹی میں وہ حقیر اور ذلت آمیز نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

③ زنا کا دروازہ جب کھل جاتا ہے کوئی مستقل قاعدہ وقانون باقی نہیں رہتا تو پھر کسی خاص مرد کو کسی خاص عورت سے کوئی خاص لگاؤ باقی نہ رہے گا، جس کو جہاں موقع مل گیا اور جس نے جس کو بلایا وہاں دونوں مل گئے اور جو کچھ کرنا ہو کر گزریں اور یہی حال حیوانات کا ہے پھر انسان وحیوان میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔

④ عورت سے صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ اس سے جنسی تقاضے پورے کئے جائیں بلکہ مقصد یہ بھی ہے کہ دو جان مل کر ایک دوسرے کے رفیق حیات ہوں گھر کے کاموں میں بھی، کھانے پینے میں بھی، بچوں کی تعلیم وتربیت میں بھی اور زندگی کی دوسری ضروریات میں بھی، پھر غم میں بھی اور خوشی میں بھی اور یہ ساری باتیں اس وقت تک قطعاً پیدا نہیں ہوسکتی ہیں جب تک عورت کسی ایک کی جائز طریقہ پر ہو کر نہ رہے اور اس کی شکل یہی ہوسکتی ہے کہ زنا کو بالکلیہ حرام قرار دے دیا جائے اور نکاح کے قانونی دائرہ میں مرد وعورت کے تعلقات کو محدود کر دیا جائے۔

بوقتِ زنا ایمان کی حالت:

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

((اِذَا زَنَی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِیْمَانُ فَکَانَ فَوْقَ رَأْسِهٖ کَالظُّلَّةِ فَاِذَا خَرَجَ مِنْ ذٰلِکَ الْعَمَلِ یَرْجِعُ اِلَیْهِ الْاِیْمَانُ))

(مشکوٰۃ باب الکبائر)

''بندہ جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے

سر پر سائبان کی طرح سایہ فگن ہوتا ہے اور جب عمل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا اتنی بری چیز اور اس قدر معیوب فعل ہے کہ اس کے ارتکاب کے وقت ایمان کانپ اٹھتا ہے اور گھبرا کر قالب چھوڑ دیتا ہے اس کی غیرت برداشت نہیں کرتی کہ اس حالت میں بندہ سے چمٹا رہے ہاں جب وہ فارغ ہوتا ہے اس کا قلب اس کو ملامت کرتا ہے اور جب قلب منفعل ہوتا ہے تو پھر وہ ترس کھا کر پلٹ آتا ہے اور ایمان کو غیرت کیوں نہ آئے کہ خود رب العزت کو ایسے فعل پر غیرت آتی ہے۔

غیرتِ خداوندی:

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابیؓ نے دریافت کیا اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لے تو کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا چار عینی گواہ پیش کرے، مگر سعد بن عبادہؓ جو فطرتاً غیر معمولی غیور تھے بول اٹھے اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو میری غیرت برداشت نہ کر سکے گی میں اسی وقت تلوار اٹھا کر اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعدؓ کی غیرت پر تعجب کیوں کرتے ہو؟ خدا گواہ ہے میں خود سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور میری غیرت سے بڑھ کر خود اللہ رب العزت کی غیرت ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی تمام فواحش کو حرام قرار دیا ہے۔

ایک نوجوان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کی یہ گستاخی بہت بری معلوم ہوئی چنانچہ اس کو سب ہی

لوگوں نے ڈانٹا اور اس کے اس سوال پر نفرت کا اظہار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا قریب آ جاؤ وہ قریب آ گیا۔ آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گیا اب آپؐ نے اس کو سمجھانے کے لئے سوال و جواب شروع کر دیئے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم اس (زنا کے) کام کو اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو؟ نوجوان نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرے لوگ بھی اس برائی کو اپنی ماں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا: اس زنا کو تم اپنی لڑکی کے حق میں اچھا جانتے ہو؟ نوجوان نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اس بدکاری کو اپنی لڑکیوں کے لئے اچھا نہیں جانتے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اس برے کام کو اپنی بہن کے حق میں برداشت کر سکتے ہو؟ نوجوان نے عرض کیا یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اس گندگی کو اپنی بہنوں کے لئے برداشت نہیں کرتے۔

اس طرح جب یہ مسئلہ اس کے ذہن نشین کرا چکے تو آپؐ نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھ کر دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَاحْصِنْ فَرْجَهُ)) (ابن کثیر)

''اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما دے' اس کا دل پاک فرما دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما''۔

راوی کا بیان ہے کہ اس ترغیب اور دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ اس شخص کو کبھی بھی اس واقعہ کے بعد زنا کا خیال نہ آیا۔

ذرا غور کیجئے! بات بھی کتنے پتہ کی بیان کی گئی ہے کوئی ایسی عورت ہے جو کسی کی ماں نہ ہو' بیوی نہ ہو' بیٹی نہ ہو' بہن نہ ہو' پھوپھی نہ ہو' خالہ نہ ہو' پھر کیا یہ انسانیت ہے کہ

انسان کسی کی ماں' بہن' بیٹی اور پھوپھی وغیرہ سے ناجائز کام کرے۔

زنا جرم عظیم ہے:

زنا ایک ایسا جرم عظیم ہے جسے نہ کبھی معاشرے نے بخشا ہے اور نہ شریعت اسلام نے' نہ کسی مذہب نے برداشت کیا ہے اور نہ ہی کسی قانون نے' زنا صالح معاشرے اور صالح خاندان کی عزت و آبرو کو مجروح کر دیتا ہے' جس سے انسانیت کے عفیف دامن پر بدکرداری کا سیاہ داغ لگ جاتا ہے' نسل انسانی کی بنیادیں مجروح ہو جاتی ہیں اور تعمیر انسانیت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

زنا کی سزا:

زنا کی سنگینی کا اندازہ اس کی سزا سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کیونکہ جس قدر گناہ سنگین ہوگا اس کی سزا اسی قدر شدید ہوگی۔

چنانچہ اس جرم کی پاداش میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (النور:۲)

''زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ان دونوں پر ذرا رحم نہ آنا چاہئے' اگر اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کو سزا دیتے وقت مومنین کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے''۔

اللہ اکبر! لب و لہجہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے یہاں اپنی ساری نرمی اٹھا رکھی ہے اور اس کے غضب کی تلوار بے نیام ہے' حاکم وقت کو بھی تنبیہ کی

جارہی ہے اور اسے ہدایت دی جا رہی ہے کہ ایسے مجرموں پر رحم اور ترس کھانا بھول جاؤ۔

اس شخص پر بھلا کیسے رحم کیا جائے اور ترس کھایا جائے جس کے سامنے اسلام نے عفت و عصمت کی اہمیت واضح بیان کی' ساتھ ہی زنا کے مفاسد اور اس کے دینی و دنیوی نقصانات ظاہر کئے اور جائز طریقے سے جنسی جذبات اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کی اجازت مرحمت کی بایں ہمہ پھر اس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا۔

یاد رکھئے! اس موقع پر رحم اور ترس نہ کھانے کی تاکید غالباً اس لئے ہے کہ عموماً ایسے موقع پر آدمی کو یہ سوچ کر رحم آجاتا ہے کہ یہ انسان کی فطری خواہش ہے جس سے کبھی مغلوب ہو جاتا ہے اور یہ خیال بھی گزرتا ہے کہ جو کچھ ہوا دونوں کی باہمی رضامندی سے ہوا۔ آیت میں اس شیطانی وسوسہ کو دور کر دیا۔

زنا کی سزا کی تشہیر:

بے دردی اور بے رحمی سے کوڑے مارنے کے علاوہ یہ بھی قرآنی ہدایت ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مرد نے جب اپنی عفت وعصمت کو داغدار کیا اور شرم وحیا کو تار تار کیا تو پھر ان کی سزا پردہ میں کیوں ہو بلکہ خوب تشہیر ہو جس کی صورت یہ ہے کہ سزا دیتے وقت کھلے میدان میں ایمان والوں کا ایک ہجوم ہو تا کہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی عبرت و بصیرت بن جائے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی موجودگی سے یہ مقصود ہو کہ عوام کو پتہ چل جائے کہ اس مجرم نے عذابی کیڑوں کو جذب کر لیا ہے اور ممکن ہے وہ اسے معاف نہ کریں اور دوبارہ جرم پر آمادہ کر دیں اس لئے اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

قرآن پاک کی ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ

مُشْرِكٌ﴾ (النور)

”زانی مرد نکاح بھی بجز زانیہ یا مشرکہ کے کسی اور کے ساتھ نہیں کرتا اور زانیہ عورت کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے“۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زنا کار کی اول نظر زنا ہی پر جاتی ہے اور زنا کا خیال اس کی طبیعت میں رچ بس جاتا ہے اس لئے ایسے شخص سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے بہر حال زانی مرد اور زانیہ عورت کے ساتھ ایسا سلوک ہو کہ انہیں محسوس ہو کہ جو کچھ ہم نے کیا برا کیا' اتنا برا کہ سماج اور معاشرہ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا اس طرح وہ اپنے کئے پر پچھتائیں' کسی لفظ سے ان کے اس برے فعل پر تائید کا پہلو پیدا نہ ہونے پائے تا کہ دوسروں پر بھی یہ معاملہ اثر انداز ہو۔

واضح رہے کہ اگر زنا کے مرتکب مرد و عورت شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں سنگسار یعنی پتھر مار مار کر قتل کر دیا جائے۔

حد زنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ دو آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت عالیہ میں اپنا جھگڑا لے کر پیش ہوئے۔ ایک نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق فرما دیجئے۔ دوسرا بولا جو پہلے سے کچھ سمجھدار تھا جی ہاں! یا رسول اللہ ﷺ ہمارا فیصلہ اللہ کی کتاب کے موافق فرما دیجئے۔ مجھے کچھ عرض کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہو وہ کہنے لگا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدوری کرتا تھا۔ اس نے اس شخص کی بیوی کے ساتھ زنا کر لیا۔ مجھے لوگوں نے بتایا کہ تیرے بیٹے کو رجم ہوگا۔ میں نے سو بکریاں اور ایک باندی فدیہ میں دے دی پھر اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہوگی۔ اس کی بیوی

پر رجم ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ تیری بکریاں اور باندی تجھے واپس ملے گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہوگی۔ آپ ﷺ نے حضرت انیس اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی بیوی کے پاس جا کر دریافت کرو اگر وہ اعتراف کر لے تو رجم کر دو۔ چنانچہ عورت نے اقبال جرم کر لیا۔ اس پر حد رجم جاری کر دی گئی۔

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے لیے زنا کی سزا:

حدیث شریف سے زنا کا حکم معلوم ہو گیا ہے کہ زانی مرد یا عورت جب کہ شادی شدہ نہ ہوں تو ان پر سو کوڑے لازم ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے: ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ کہ زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

﴿وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾ [النور: ۲]

''اور تم لوگوں کو ان پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہیے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں تم پر شفقت اور مہربانی کا غلبہ نہیں ہونا چاہیے کہ کہیں حدود اللہ کو ہی ختم کر دو حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر تم سے کہیں زیادہ مہربان ہیں اور اس کے باوجود اس نے زانیوں کو حد لگانے کا حکم فرمایا جس پر دنیا میں حد قائم نہ ہوئی قیامت کے دن سر عام اسے آگ کے کوڑے لگائے جائیں گے۔ پھر ارشاد مبارک ہے:

﴿إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾

''یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہو تو حد کو معطل نہ کرو۔''

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾

''اور حد قائم کرتے وقت مؤمنوں کا ایک گروہ موجود ہونا چاہیے۔''

تاکہ سزا میں شدت پیدا ہو اور لوگوں کے سامنے خوب شرمندگی ہوگی۔ اس طرح آئندہ کو باز رہیں گے اور جرم کا اعادہ نہ کریں گے۔ یہ غیر شادی شدہ کی حد کا بیان ہے اور اگر مرد شادی شدہ ہے کہ نکاح کے بعد مباشرت کر چکا ہے۔ یا عورت ایسی ہے کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ مباشرت بھی کر چکا ہے پھر وہ زنا کر لیں تو ان کی سزا رجم ہے۔

حدِ رجم ☆

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ بن مالک کو رجم کی سزا دی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر زنا کا اقرار کیا اور اسی گناہ سے اسے حمل بھی تھا۔ آپ ﷺ نے بچہ پیدا ہونے تک اسے واپس فرما دیا۔ ولادت سے فارغ ہو کر وہ پھر حاضر ہوئی تو اسے رجم کی سزا دی گئی۔

(مسلم ۱۶۹۵۔ ابوداؤد ۴۴۴۲۔ احمد ۲۱۸۷۱۔ دارمی ۲۲۲۱)

یہ دنیا کی سزا ہے اگر دنیا میں مل گئی تو درست ہے ورنہ آخرت میں ملے گی۔ آخرت کا عذاب بہت ہی شدید اور دیرپا ہے۔ لہٰذا زنا سے بہت ہی بچنا چاہیے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾

[بنی اسرائیل: ۳۲]

''اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ زنا نہ کرو اور اس سے بہت ہی بچو کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ

تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔ یعنی اہل زنا کے لیے بدترین راستہ ہے جو انہیں جہنم کی طرف لے جا رہا ہے اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [انعام: ۱۵۱]

''اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہو خواہ پوشیدہ۔''

بدنظری بھی زنا ☆

ظَهَرَ سے مراد بڑا گناہ۔ یعنی زنا اور بَطَنَ سے بوس وکنار وغیرہ مراد ہے۔ یہ سبھی زنا ہی میں داخل ہیں۔ (ابوداؤد ۲۱۵۲۔ احمد ۳۷۱۷)

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ہاتھ زنا کرتے ہیں اور آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ [النور: ۳۰، ۳۱]

''آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مردوں اور عورتوں کو نگاہیں پست رکھنے اور اپنی شرمگاہوں کو حرام سے محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے اور زنا کو تورات، انجیل، زبور اور فرقان کی بہت سی آیات میں حرام قرار دیا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ بھلا کسی مومن کی عزت وآبرو لوٹنے سے بڑھ کر اور ان کے نسب کو خراب کرنے سے بڑا اور کیا

گناہ ہوگا۔

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے جاہلیت میں بھی زنا نہیں کیا اور کہا کرتے تھے کہ جب مجھے یہ گوارا نہیں کہ کوئی شخص میری عزت کو پامال کرے تو میں کسی کی عزت کیسے پامال کرسکتا ہوں۔

زنا میں چھ بُری خصلتیں ☆

بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ زنا سے بہت بچو کہ اس میں چھ خصلتیں ہیں۔ تین دنیا میں تین آخرت میں۔ دنیا کی تو یہ ہیں:

① رزق میں کمی اور بے برکتی ہوجاتی ہے۔
② نیکی کی توفیق سے محرومی ہوجاتی ہے۔
③ لوگوں کے دلوں میں اس سے نفرت ہوجاتی ہے۔

آخرت کی تین یہ ہیں:

① اللہ کا غضب۔
② عذاب کی سختی۔
③ دوزخ میں داخلہ جسے اللہ تعالیٰ نے اَلنَّارُ الْكُبْرٰى فرمایا ہے کہ وہ سب سے بڑی آگ ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ تمہاری یہ آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔
(مسلم ۲۸۱۳۔ ترمذی ۲۵۸۹۔ حدیث حسن صحیح۔ ابن ماجہ ۴۳۱۸۔ احمد ۷۰۲۵۔ دارمی ۲۷۲۳)

دوزخ کا حال حضرت جبرائیل علیہ السلام کی زبانی ☆

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ دوزخ کا کچھ حال سناؤ کہنے لگے۔ اے پیغمبر ﷺ وہ انتہائی سیاہ اور تاریک ہے اگر سوئی کے سوراخ کے برابر بھی اس کی آگ باہر آجائے تو روئے زمین کی ہر چیز جل

جائے۔ اس کے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا اگر زمین و آسمان کے درمیان لٹکا دیا جائے تو تمام زمین والے اس کی بدبو سے مر جائیں اور اس کے زقوم کا ایک قطرہ اگر زمین پر ڈال دیا جائے تو زمین والوں کے تمام اسباب حیات تباہ ہو کے رہ جائیں اور ان انیس فرشتوں میں سے جن کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے اگر کوئی ایک فرشتہ زمین پر نمودار ہو جائے تو سب اہل زمین اس کی ہیبت سے مر جائیں اور اس کی زنجیروں کا ایک حلقہ اگر زمین پر گرا دیا جائے تو وہ اسے نیچے تک دھنساتا چلا جائے۔ کہیں نہ رکے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جبرائیل بس کافی ہے اور رونے لگے اور جبرائیل بھی رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرائیل تم کیوں روتے ہو تمہارا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت اونچا مقام ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کیا بھروسہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی مقام پر رہوں گا یا مجھے بھی ہاروت ماروت اور ابلیس کی طرح کسی امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

(ترمذی ۲۵۸۵۔ ابن ماجہ ۴۳۲۵۔ احمد ۲۵۹۹۔)

ذرا سوچیے! ☆

جب جبرائیل علیہ السلام اور مقربین فرشتے بارگاہ خداوندی میں روتے ہیں تو ایک گنہگار آدمی کو تو بہت ہی رونا چاہیے۔ دیکھنا کہیں اپنی حیات اور صحت کے دھوکہ میں نہ رہنا کہ دنیا تو ختم ہونے والی ہے اور عذاب بہت طویل ہے۔ زنا سے بچتے رہو کہ وہ غضب ناراضگی اور دردناک عذاب لاتا ہے۔ انتہائی سنگین وہ زنا ہے جس میں کوئی شخص مسلسل لگا رہتا ہے۔ مثلاً اپنی بیوی کو طلاق دے کر یونہی بطور حرام اپنے پاس ٹھہرائے رکھتا ہے۔ رسوائی کے ڈر سے لوگوں میں ظاہر نہیں کرتا۔ ایسے شخص کو آخرت کی رسوائی کے خوف کی وجہ سے زنا سے بہت ہی بچنا چاہیے اس پر ہرگز اصرار نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مقابلہ کی تاب کس کو ہے۔ خوب توبہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور توبہ اور ندامت کا وقت دنیوی زندگی تک ہی

ہے۔ مرنے کے بعد نہ توبہ کچھ فائدہ دے گی اور نہ ہی ندامت کام آئے گی۔

اہلِ ایمان کون؟ ☆

اللہ تعالیٰ نے ان اہل ایمان کی مدح فرمائی ہے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ﴾ [المؤمنون: ۵-۷]

''اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی لونڈیوں سے تو ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ کا طلبگار ہو ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں۔''

یعنی یہ لوگ نافرمان ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خود بھی زنا سے توبہ کرے اور لوگوں کو بھی اس سے روکتا رہے۔ کیونکہ جس خطے میں زنا عام ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ وہاں پر طاعون جیسی وبائی امراض عام کر دیتے ہیں۔

جب دیکھو کہ...... ☆

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابن عباسؓ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب یہ حالات دیکھنے میں آئیں کہ تلواریں سونتی ہوئی ہیں اور خون بہائے جا رہے ہیں۔ تو یقین کرلو کہ ان لوگوں نے اللہ پاک کے حکم کو ضائع کیا ہے۔ جس کا انتقام ایک دوسرے کے ذریعہ لیا جا رہا ہے اور جب دیکھو کہ بارش بند ہو رہی ہے تو سمجھ لو کہ لوگوں نے زکوۃ بند کر دی ہے جس کی

وجہ سے اللہ پاک نے اپنی بارش روک لی ہے جب دیکھو کہ وبا پھیل رہی ہے تو یقین کر لو کہ زنا عام ہو رہا ہے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحَدُ هُمَا اِقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَجَلْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَائْذَنْ لِیْ اَنْ اَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ اِنَّ ابْنِیْ كَانَ عَسِيْفًا عَلٰى هٰذَا فَزَنٰى بِامْرَاَتِهٖ فَاَخْبَرُوْنِیْ اَنَّ عَلَى ابْنِیَ الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَبِجَارِيَةٍ لِّیْ ثُمَّ اِنِّیْ سَاَلْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ فَاَخْبَرُوْنِیْ اَنَّ عَلَى ابْنِیْ جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبَ عَامٍ وَاِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَاَتِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَاَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ اَمَّا غَنَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَاَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ عَامٍ وَاَمَّا اَنْتَ يَا اُنَيْسُ فَاغْدُ عَلَى امْرَاَةِ هٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا .)) [متفق عليه]

صحیح بخاری' کتاب الایمان والنذور' باب کیف کانت یمین النبی' ح ۶۶۳۳۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ کی خدمت میں دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئے' ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے دوسرے نے بھی

عرض کیا کہ ہاں' یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ قضیہ کی صورت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا' لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دے دی' پھر جب میں نے اس بارے میں علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ محصن یعنی شادی شدہ نہیں ہے اس لئے اس کی سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے رسول کریم ﷺ نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ آگاہ رہو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کروں گا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی تمہیں واپس مل جائے گی اور اگر خود ملزم کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کیلئے جلاوطن کر دیا جائے گا پھر آپ ﷺ نے حضرت انیس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ انیس تم اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دو۔ چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا"۔ (بخاری ومسلم)

"کتاب اللہ" سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں رجم وسنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے' لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت رجم کے الفاظ قرآن کریم سے منسوخ التلاوت نہیں ہوئے تھے۔

ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شادی شدہ زناکار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک

سال کے لئے جلاوطن بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جا سکتا ہے بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں یہی حکم نافذ و جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ: الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا : چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس رضی اللہ عنہ نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس ''اقرار'' کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحتاً ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

کتب یہود میں بھی زنا ایک جرم عظیم:

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ الْيَهُوْدَ جَاءُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا لَهُ اَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ وَامْرَاَةً زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجِدُوْنَ فِي التَّوْرَاةِ فِيْ شَاْنِ الرَّجْمِ قَالُوْا نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُوْنَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبْتُمْ اِنَّ فِيْهَا الرَّجْمَ

فَاْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوْهَا فَوَضَعَ اَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلٰى اٰيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَاَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ ارْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَاِذَا فِيْهَا اٰيَةُ الرَّجْمِ فَقَالُوْا صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ فِيْهَا اٰيَةُ الرَّجْمِ فَاَمَرَ بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ ارْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَاِذَا اٰيَةُ الرَّجْمِ تَلُوْحُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ فِيْهَا اٰيَةَ الرَّجْمِ وَلٰكِنَّا نَتَكَاتَمُهُ بَيْنَنَا فَاَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا .(متفق عليه)

صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب ما یجوز من تفسیر التوراۃ، ح ۷۵۴۳۔

''اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن یہودیوں کی ایک جماعت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے یہ بیان کیا کہ ان کی قوم میں سے ایک عورت اور ایک مرد جو دونوں محصن (شادی شدہ) تھے نے زنا کیا؟ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے تورات میں رجم کے بارے میں کیا پڑھا ہے؟ یہودیوں نے کہا کہ ہم زنا کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے مارے جاتے ہیں ان کی یہ بات سن کر حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو، تورات میں بھی رجم کا حکم مذکور ہے تورات لاؤ میں تمہیں رجم کا حکم دکھاتا ہوں چنانچہ جب تورات لائی گئی اور اس کو کھولا گیا تو یہودیوں میں سے ایک شخص نے جھٹ سے اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں رجم کے بارے میں آیت تھی یعنی اس نے اپنے ہاتھوں سے رجم کی آیت کو چھپانے کی کوشش کی اور اس کے آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن سلام نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ اس نے

اپنا ہاتھ اٹھایا تو دیکھا گیا کہ وہاں رجم کی آیت موجود تھی' اس آیت کو چھپانے والے نے کہا کہ اے محمد! تورات میں رجم کی آیت موجود ہے مگر ہم آپس میں اس کو ظاہر نہیں کرتے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ دونوں سنگسار کر دیئے گئے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے (کہ جس نے رجم کی آیت کو اپنے ہاتھ کے نیچے چھپانے کی کوشش کی تھی) کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ اور پھر جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو دیکھا گیا کہ وہاں رجم کی آیت موجود تھی' اس آیت کو چھپانے والے نے کہا کہ' اے محمد! تورات میں رجم کی آیت موجود ہے مگر ہم آپس میں ظاہر نہیں کرتے''۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیئے گئے''۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلے یہودی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں راہ ہدایت پر گامزن کیا اور وہ مسلمان ہو گئے' ان کا شمار بڑے اونچے درجہ کے علماء یہود میں ہوتا تھا تورات پر عبور رکھتے تھے' چنانچہ مجلس نبوی میں جب یہودیوں نے اپنی روایتی تلبیس وتحریف سے کام لیا اور آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کہ تورات میں زنا کے مرتکب کو سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ہم نے تورات میں یہ پڑھا ہے کہ جو شخص زنا کا ارتکاب کرے اس کو تعزیر کے ذریعہ ذلیل ورسوا کیا جائے اور کوڑے مارے جائیں تو حضرت عبداللہ بن سلام نے اس کی تکذیب کی اور یہ بتایا کہ تم جو بات کہہ رہے ہو وہ سراسر تحریف ہے تورات میں رجم کا حکم موجود ہے اور پھر جب انہوں نے تورات منگائی اس میں مذکورہ رجم کی آیت دکھانی چاہی تو اس موقع پر بھی یہودیوں نے اپنی عیاری ومکاری دکھانی چاہی اور ان میں سے ایک شخص نے ایک روایت کے مطابق جس کا نام عبداللہ بن صوریا تھا' اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں رجم کی آیت مذکور تھی اور

اس کے آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا' مگر عبداللہ بن سلام نے ان کی اس عیاری کا راز بھی طشت از بام کر دیا۔

اگر یہاں یہ اشکال پیدا ہو کہ رجم (سنگسار) کا سزاوار ہونے کے لئے محصن شادی شدہ ہونا شرط ہے اور محصن ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے یعنی سنگساری کی سزا اسی زانی کو دی جا سکتی ہے جو محصن ہو اور محصن کا اطلاق اسی شخص پر ہو سکتا ہے جو مسلمان ہو تو آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو جو مسلمان نہیں تھے رجم کا حکم کیوں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان یہود کو رجم کا جو حکم دیا وہ تورات کے حکم کے تحت تھا اور یہودیوں کے مذہب میں رجم کے سزاوار کے لئے محصن ہونا شرط نہیں تھا' پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ اس بارے میں پہلے تورات کے حکم پر عمل کرتے تھے مگر جب قرآن میں اس کا حکم نازل ہو گیا تو تورات کا حکم منسوخ ہو گیا۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک محصن ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے یعنی ان کے مسلک کے مطابق محصن کا اطلاق اس شادی شدہ آدمی پر بھی ہو سکتا ہے جو مسلمان نہ ہو' نیز حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسف کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ایک اشکال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے محض یہودیوں کے کہنے پر ان دونوں کو کیسے سنگسار کرا دیا کیونکہ یہودیوں کی گواہی سرے سے معتبر ہی نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف ان یہودیوں کے کہنے پر ہی حکم نافذ کیا ہو' بلکہ بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو خود ان دونوں نے زنا کا اقرار کیا ہو گا یا ان کے زنا کی چار مسلمانوں نے گواہی دی ہو گی اور اسی پر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرایا ہو گا۔

اس موقع پر ملا علی قاری نے بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے یہاں اس کا

خلاصہ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح' مکتبہ حقانیہ والے عربی نسخے سے ترجمہ کر کے) نقل کیا گیا ہے اہل علم ان کی کتاب ''مرقاۃ'' سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

بدنظری:

بالغ لڑکے اور لڑکی کی جب بروقت شادی نہ ہو تو انہیں غیر لڑکوں اور غیر لڑکیوں کے محاسن اور ان کے اعضائے صنفی پر غلط نگاہ ڈالنے کی لت پڑ جاتی ہے' دل و دماغ میں ہیجانی کیفیت اور اعضائے صنفی میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اسی انتشار و ہیجان اور بدنظری کو شریعت میں اعضاء کا زنا قرار دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

((اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُمَا الْكَلَامُ وَالْيَدَانِ زِنَاهُمَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلَانِ زِنَاهُمَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ اَوْ يُكَذِّبُهُ)) (صحيح مسلم)

''آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' کانوں کا زنا سننا ہے' زبان کا زنا بات کرنا ہے' ہاتھ کا زنا پکڑنا اور پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل کا کام آرزو و تمنا کرنا ہے اور شرمگاہ اس کی عملاً تائید یا تردید کرتی ہے''۔

حافظ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ اور شہوت کی حفاظت ہے' جس نے نظر کو آزاد کر دیا اس نے اسے ہلاکت میں ڈال دیا اور نظر ہی ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے کیونکہ نظر کھٹک پیدا کرتی ہے' پھر کھٹک فکر کو وجود بخشتی ہے اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے' شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے' ارادہ قوی ہو کر عزیمت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عزیمت میں مزید پختگی ہو کر فعل واقع ہوتا ہے جس سے منزل پر پہنچ کر اس وقت کوئی چارہ کار نہیں رہتا جب کوئی مانع

حائل نہ ہو۔

سب سے بڑی چیز جو ایک مرد کو عورت کی طرف یا عورت کو مرد کی طرف مائل کرتی ہے وہ نگاہ ہے عقلی طور پر سنجیدگی سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آنکھوں میں ایسا زہر پوشیدہ ہے جو موقع پا کر انسانی دل و دماغ میں تیزی سے سرایت کرنے کی سعی پیہم کرتا ہے اور جب سرایت کر جاتا ہے تو دل و دماغ کو ماؤف کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا اور سنا ہوگا کہ اجنبی مرد نے جب کسی اجنبی عورت کو زینت میں دیکھا اور بار بار دیکھا تو اس کی دبی چنگاری انگارے میں تبدیل ہوگئی' نگاہ کی اسی تاثیر کے پیش نظر اسلام نے مرد و عورت دونوں کو حکم دیا ہے کہ اپنی نظریں پست رکھیں۔

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ (النور)

''اے پیغمبر! آپ مسلمان مردوں سے فرما دیجئے اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں''۔

اس کے بعد عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾

''اے پیغمبر! آپ مؤمن عورتوں سے فرما دیجئے اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں''۔

معاشرے کو جنسی ہیجان اور انتشار سے پاک صاف رکھنے کے لئے چہرہ کا پردہ ایک ظاہری تدبیر ہے جبکہ نگاہیں پست رکھنے کا حکم باطنی تدبیر ہے۔

اسلام نے ان سوتوں اور سوراخوں کو ہی بند کر ڈالا جہاں سے فتنہ کا چشمہ ابلتا تھا اور معاشرتی اخلاق پر جہاں سے ضرب پڑتی تھی' کائنات کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے

کے لئے جائز حد تک نظر اٹھانے کی اجازت دی اور اس کے بعد پہرہ بٹھا دیا تاکہ نہ کسی خوبصورت دلربا کی ادا لبھائے اور نہ کوئی مرغ بسمل کی طرح تڑپتا رہے۔ غور کریں اسلام نے قوانین عفت وعصمت مرتب کرکے دنیا اور اہل دنیا پر کس قدر احسان عظیم کیا ہے۔

نامحرم کو دیکھنا:

((عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ)) (بیہقی)

"حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو اپنی عورت کے علاوہ کسی اجنبی عورت کو قصداً دیکھے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس عورت پر لعنت کرے جو بلا ضرورت اپنا آپ کسی نامحرم کو دکھائے"۔

پاک نظری کی تعلیم:

((عَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ یَا عَلِیُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَاِنَّ لَکَ الْاُوْلٰی وَلَیْسَتْ لَکَ الْاٰخِرَةُ)) (ترمذی، ابوداود)

"حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: اے علی! غیر عورت پر دوسری مرتبہ نظر نہ ڈالنا کیونکہ پہلی نظر جو اچانک پڑ گئی ہے وہ تیرے حق میں معاف ہے (البتہ دوسری مرتبہ قصداً نہ دیکھو) دوسری نظر معاف نہ ہوگی (بلکہ دوسری نظر پہلی تصور ہوگی)"۔

پاک نظری کا ثمرہ:

((عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَنْظُرُ اِلٰی مَحَاسِنِ امْرَاَةٍ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ یَغُضُّ بَصَرَہٗ اِلَّا اَحْدَثَ اللّٰہُ لَہٗ عِبَادَةً یَجِدُ حَلَاوَتَہَا)) (رواہ احمد)

"حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کی کسی اجنبی عورت کے حسن و جمال پر نظر پڑی اور اس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی نظر نیچی کر لی تو ایسے ایماندار مرد کو اس کے عوض ایسی عبادت نصیب ہوگی جس کی حلاوت و مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا"۔

اسی طرح ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ:

((اَلنَّظْرُ سَہْمٌ مِنْ سِہَامِ اِبْلِیْسَ مَنْ تَرَکَہَا مَخَافَتِیْ اَبْدَلْتُہٗ بِہَا اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَہٗ فِیْ قَلْبِہٖ)) (بخاری)

"نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس نے میرے خوف سے نظر بد کو چھوڑ دیا میں اس کے بدلہ میں اسے ایسا ایمان عطا فرماؤں گا جس کی حلاوت و شیرینی اپنے دل میں پائے گا"۔

لمحہ فکریہ:

ہر سلیم الفطرت شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میری بیوی بلا شرکت غیرے خالص میری ہی ہو کر رہے اگر خدانخواستہ آپ کی نظریں اجنبی عورت پر ہوں تو پھر اخلا آپ کی بیوی بھی آپ کی پابند نہیں ہو سکتی اور نہ ہی آپ اس کی آزادی میں خلل اندا ہونے کا کوئی حق رکھتے ہیں جب آپ خالص اس کے نہیں ہیں تو وہ کیسے آپ کے لـ خالص ہو سکتی ہے؟

عریانی وفحاشی:

آج جس معاشرے میں نکاح سے فرار اختیار کرتے ہیں یعنی شادی کرنے سے اوائڈ کرتے ہیں آپ دیکھئے وہاں جنسی تسکین کے لئے فحاشی کے اڈے کھلے ہوئے ہیں' جنسی تسکین اور لذت حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں نہ قانون کی رکاوٹ نہ مذہب کی' نہ اخلاق کی رکاوٹ نہ معاشرے کی رکاوٹ ہے۔ مغربی معاشرے میں ایک مرد اور عورت آپس میں ایک دوسرے سے لذت حاصل کرنا چاہیں تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے جائیں کوئی رکاوٹ نہیں۔

اسلام عریانی وفحاشی کو معاشرتی ترقی کے لئے تباہ کن قرار دیتا ہے اس لئے اسلام نے مرد وعورت کو نکاح کے بندھن میں باندھ دیا اور آزاد حیوانی زندگی گزارنے سے منع کرتے ہوئے پردہ کا حکم دیا تاکہ مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط نہ ہو سکے۔

اختلاط مرد وزن:

کسی مرد وعورت کا تنہائی میں ایک دوسرے سے ملنا جس قدر خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ عورتوں اور مردوں کا آزادانہ ملنا جلنا اور مخلوط تعلیم کی بدولت نوجوانوں کا عشق ومحبت ایک طرۂ امتیاز بن گیا ہے۔ اختلاط مرد وزن دونوں صنفوں میں آرائش حسن' جذبۂ نمائش اور جلوہ آرائی جیسی فطری کمزوریوں کو بیدار کرنے کا بہت بڑا محرک ہے' مخلوط محفلوں اور پروگراموں میں پرکشش چہرے نظروں ہی نظروں میں کتنی منزلیں طے کر لیتے ہیں اور پھر چوری چھپے خفیہ ملاقاتوں' عشق ومحبت کے وعدوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو گھر سے فرار' اغوا برائے تاوان' کورٹ میرج' مقدمہ بازی سے ہوتا ہوا انتقام اور قتل وغارت تک جا پہنچتا ہے۔ اسلام نے جن ذرائع کو حرام قرار دیا ہے ان میں سے ایک اجنبی عورت کے ساتھ خلوت وتنہائی میں رہنا ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں ان خیالات ووساوس سے دلوں کو پاک رکھا جائے جو عورتوں کے اختلاط سے مردوں کے دل میں اور مردوں کے اختلاط سے عورتوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں' کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ خود اعتمادی سے کام لیتے ہوئے کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں رہے۔

چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطٰنُ))

(مشکوٰۃ کتاب النکاح)

''جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں ان دونوں کے علاوہ تیسرا شیطان بھی ضرور موجود ہوتا ہے''۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے:

((عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِيْ مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ قُلْنَا وَمِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَمِنِّيْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمُ))

(ترمذی' مشکوٰۃ)

''حضرت جابرؓ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن عورتوں کے خاوند باہر گئے ہوئے ہوں ان کے پاس علیحدگی میں مت جاؤ کیونکہ شیطان تمہاری رگ رگ میں ایسے دوڑتا ہے جیسے خون دوڑتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ پر بھی شیطانی اثر ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں وہ داؤ تو مجھ پر بھی چلاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ دے دیا ہے میں اس کے شر سے محفوظ رہتا ہوں (وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ

سکتا)''۔

ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے:

((اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ)) (مشكوٰة)

''عورتوں کے پاس آنے سے بچو۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! دیور کیسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دیور تو موت ہے''۔

یعنی جس طرح زہر کھانے سے موت واقع ہو جاتی ہے اسی طرح دیور' جیٹھ کا بے تکلف گھر آنا جانا اور بھابی کے ساتھ تخلیہ میں رہنا ایمان کے لئے زہر قاتل ہے۔

الغرض اسلام ان تمام امور کو ناجائز اور ممنوع قرار دیتا ہے جو اسلامی معاشرہ میں عریانی اور فحاشی پیدا کرنے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں اور جنسی میلان میں ہیجانی کیفیت کی وجہ بن سکتے ہیں۔ انسانی فطرت ہے کہ محل ستر دیکھنے سے جنسی میلان میں ہیجان پیدا ہوتا ہے خواہ مرد مرد کا ستر دیکھے یا عورت عورت کا یا مرد عورت کا ستر دیکھے اور عورت مرد کا اور جب جنسی میلان میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو انسان بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے' دل میں ایک غلط جذبہ پروان چڑھنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں کبھی مرد کو مرد سے اور کبھی عورت سے محبت ہو جاتی ہے اور یہی حال عورت کا ہے کبھی آپس میں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہیں اور کبھی کسی مرد سے آنکھیں دوچار ہو جاتی ہیں بالآخر موقع پا کر گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اس لئے شریعت نے مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے پردہ ضروری قرار دیا ہے۔

((عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فِيْ ثَوْبٍ

وَّاحِدٍ وَلَا تُفْضِي الْمَرْاَةُ اِلَى الْمَرْاَةِ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ))

(مسلم)

''حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: کوئی مرد کسی مرد کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی عورت کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اور نہ دو مرد (ننگے ہو کر) ایک کپڑے میں لیٹیں اور نہ دو عورتیں (ننگی ہو کر) ایک کپڑے میں لیٹیں''۔

یعنی جس طرح عورت کا مرد سے پردہ ہے اسی طرح مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے بھی پردہ ہے' ناف سے لے کر گھٹنوں تک مرد کو مرد کی طرف اور عورت کو عورت کی طرف دیکھنا اور کھولنا حرام ہے۔

شادی نہ کرنا رہبانیت ہے:

حافظ مبشر حسین صاحب اپنی کتاب ہدیۃ العروس میں رقمطراز ہیں۔

بعض لوگ اس غلط فہمی کی بناء پر مجرد (غیر شادی شدہ) رہنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اس طرح مجرد رہنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور عبادت خداوندی کا زیادہ سے زیادہ وقت اور موقع مل جاتا ہے جبکہ شادی کی وجہ سے معاشی و معاشرتی ذمہ داریاں بڑھ جانے کی وجہ سے عبادت و ریاضت کا زیادہ موقع نہیں مل پاتا اور دوسری بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے بقول جسمانی لذت اور نفسانی شہوات کی تسکین سے حیوانیت و بہیمیت کو تقویت ملتی ہے جبکہ شادی نہ کرنے سے روحانیت کو جلا اور اخلاق کو پاکیزگی ملتی ہے۔ چنانچہ اس فلسفہ کی بنیاد پر نہ صرف یہ کہ شادی سے گریز کی غیر فطری کوششیں کی جانے لگیں بلکہ شادی کو نجس و نحس خیال کیا جانے لگا۔

انسانی تاریخ میں اس فلسفہ کی ابتدا عیسائی راہبوں سے ہوئی جنہوں نے رہبانیت (ترک دنیا) کے لبادہ میں نہ صرف یہ کہ دین عیسوی میں تحریف کا ارتکاب کیا

ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ یہ سن کر آپؐ خاموش رہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے دوبارہ یہی درخواست کی مگر آپؐ نے خاموشی ہی اختیار فرمائی' تیسری مرتبہ پھر یہی گزارش کی تو آپؐ نے سکوت توڑا اور فرمایا: اے ابوہریرہ! جو کچھ ہونے والا ہے وہ (لوح محفوظ) میں لکھا جاچکا ہے تم خصی ہو یا خصی ہونے سے باز رہو یعنی اگر تمہاری تقدیر میں گناہ لکھا ہے تو وہ خصی ہونے کے باوجود تم سے صادر ہو کر رہے گا اور اگر گناہ نہیں لکھا ہوا تو پھر خصی نہ ہونے کے باوجود تم گناہ سے محفوظ رہو گے۔ پھر خواہ مخواہ ایک موہوم خدشہ کی بناء پر غلط اقدام کی اجازت طلب کرتے ہو؟ اسی بنیاد پر اسلام میں اپنے آپ کو خصی کر لینا ناجائز ہے۔

③ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے آپؐ کے سامنے خصی ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں اور رات دن عبادت الٰہی میں مشغول رہیں مگر آپؐ نے ان کے اس جذبے کی تردید فرمائی بالآخر حضرت عثمان بن مظعونؓ کو اپنے ارادے سے باز رہنا پڑا۔

④ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی خولہ بنت حکیمؓ پرانے' بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس میلی کچیلی حالت میں ازواج مطہرات کی خدمت میں گئیں تو ازواج مطہرات نے ان سے دریافت فرمایا: ''تم نے اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے؟ انہوں نے اپنے خاوند کی شکایت کرتے ہوئے بتلایا کہ وہ رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں دن بھر روزہ رکھتے ہیں' ازواج مطہرات نے یہ بات آپ تک پہنچا دی' آپؐ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ سے فرمایا:

((یاعثمان ان الرہبانیة لم تکتب علینا افمالک فی اسوة

فواللہ ان اخشاکم واحفظکم لحدودہ لانا))

(طبقات ابن سعد' کنز العمال)

''اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی' کیا تمہارے لئے میری ذات کامل نمونہ نہیں ہے؟ اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور حدودِ خداوندی کی حفاظت کرتا ہوں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صحابی کی تعبدی زندگی اور ازدواجی زندگی کے درمیان اعتدال و توازن قائم رکھنے کا حکم فرماتے حتیٰ کہ یہ اعتدال اور توازن صحابہ کرامؓ کی طبیعت اور فطرت ثانیہ بن گئی اگر اس سے آزاد ہو کر کوئی عبادت و زہد اور معاشرتی حقوق کی ادائیگی سے کنارہ کشی میں مبالغہ کرتا تو صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں اس کا واقعہ ذکر کرتے۔

حضرت سلمان اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کا واقعہ:

جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارہ قائم فرمایا اور حضرت سلمان فارسیؓ کو حضرت ابودرداءؓ کا بھائی بنا دیا۔ حضرت سلمان کبھی کبھی اپنے بھائی سے ملاقات کر لیا کرتے' ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لئے تشریف لائے تو وہ گھر پر موجود نہیں تھے' ان کو معلوم ہوا کہ ام درداءؓ میلی کچیلی رہتی ہیں اور صاف ستھرا کپڑا پہننا چھوڑ دیا ہے تو پوچھا آپ کا یہ کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا آپ کے بھائی ابودرداءؓ کو دنیا کی کوئی ضرورت نہیں۔ اتنے میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے۔ معانقہ کیا اور ان کی تشریف آوری پر اظہار مسرت فرمایا' ان کے لئے کھانا پکوا کر پیش کیا اور فرمایا آپ کھائیے میرا تو روزہ ہے۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا بخدا میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ جب تک آپ میرے ساتھ نہ کھائیں۔ حضرت ابودرداءؓ نے اپنا

روزہ توڑ کر ان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ جب رات ہوگئی تو حضرت ابودرداؓ نے ان کے لئے بستر بچھا دیا اور خود نماز میں مشغول ہوگئے حضرت سلمانؓ نے ان سے فرمایا کہ جب تک آپ آرام نہیں کریں گے میں بھی آرام نہیں کروں گا۔ حضرت ابودرداؓ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد کھڑے ہونے لگے تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا ابھی اور آرام کیجئے۔ جب آخری رات ہوئی تو حضرت سلمانؓ نے ان سے فرمایا کہ اب آپ کھڑے ہوجایئے' دونوں حضرات نے نماز ادا فرمائی' پھر حضرت سلمانؓ نے حضرت ابودرداؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجَتِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَاَعْطِ كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ)) (بخاری)

''بے شک آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کے نفس کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے لہٰذا ہر ایک کا حق ادا کیجئے۔ جب اس بات کی خبر آپ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا صدق سلمان کہ سلمان نے سچ کہا''۔

بہر حال پیغمبر اسلام نے اس شدومد کے ساتھ نکاح سے کنارہ کشی کرنے والوں کے جذبہ کی اس لئے تردید فرمائی کہ یہ اقدام نہایت غلط اور اسلام کی روح کے منافی تھا' ایک ایسی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ودیعت فرمائی ہے یہ کسی طریقہ سے اس کے مناسب نہ تھا اگر خدانخواستہ اس بات کی اس وقت تردید نہ کی جاتی تو آج اس کا بڑا خطرناک انجام ہوتا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی معاشی حالت نکاح کی ذمہ داریاں قبول کرنے کی اجازت نہ دیتی ہو تو اسے روزے رکھ کر جنسی میلان کے زور کو توڑنا چاہئے لیکن اسلام اختصاء اور رہبانیت کی اجازت قطعاً نہیں دیتا۔

رہبانیت فطرت سے متصادم ہے:

یہ رہبانیت (ترک دنیا) جس کی عیسائی راہب دعوت دیتے ہیں اور اپنے دین کا شعار اور علامت بتاتے ہیں' اس پر فخر کرتے ہیں' اسے قرب خداوندی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور ترک نکاح کو روحانیت کی ترقی خیال کرتے ہیں۔ انسانی فطرت سے ٹکراتی ہے اور کائنات میں نسل انسانی کی بقا کے منشائے خداوندی کے بالکل خلاف ہے' یہ صرف پادریوں اور راہبوں کی ایجاد کردہ ایک من گھڑت بات ہے۔ عرصہ دراز تک یورپ سینٹ پال کی ایجاد کردہ مسیحیت کے دامن میں گرفتار رہے۔ جس نے حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیمات میں تحریف کر کے تجرد و ترک نکاح کو انسانی زندگی کا آئیڈیل قرار دیا' عوام سے قطع نظر خود چرچ اپنی عظمت کے دور عروج میں مثالی جنسی بے اعتدالیوں کا شکار رہا بڑے بڑے پادری شرافت و اخلاق کی تمام حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شہوت پرستی میں ڈوبے رہتے تھے۔ صلیب لٹکائے ایک خاص ڈھب کے سفید لباس میں ملبوس مردوں اور عورتوں کو آپ نے دیکھا ہوگا یہ دنیائے عیسائیت کے راہب اور رہبائیں ہیں جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ابدی نجات اور خوشیاں حاصل کرنے کے لئے دنیاوی شہوتیں اور لذتیں خود پر حرام ٹھہرا لیتے ہیں۔ ان کو پادری یا فادر کہا جاتا ہے اور کلیساؤں کے اندر پھیلی ہوئی روحانی فضاؤں اور مراقبوں کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ ان سے خدا خوفی' دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے لیکن واقعات راز جب اس کا پردہ اٹھاتے ہیں تو اس معصومیت اور پاکیزگی کے پیچھے کتنی خباثت اور بے رحمی چھپی ہوئی نظر آتی ہے اس کی دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

پادری کا بچوں کے ساتھ فعل بد:

امریکہ کے ایک شہر میں ایک سابق رومن کیتھولک پادری نے عدالت کے روبرو

اس امر کا کھلا اقرار کیا ہے کہ اس نے اپنی ملازمت کے دوران تقریباً ۱۰۰ بچوں کے ساتھ برا فعل کیا۔

راہبہ کی بچوں کے ساتھ زیادتی:

ایک راہبہ کیتھرائن اپنے مقامی چرچ میں بچوں کو مذہبی تعلیم دینے پر مامور تھی' تین سال قبل اس کے پاس کچھ بچے بغرض تعلیم آئے جن سے اس نے مذہبی تعلیم کی آڑ میں ناجائز تعلقات استوار کر لئے جو مسلسل تین سال تک جاری رہے جس سے تین بچے ذہنی انتشار کا شکار ہو گئے جنہیں والدین نے ماہر نفسیات کو دکھایا تو انہوں نے اس راہبہ کے خلاف عدالتی کارروائی کرنے کو کہا' راہبہ نے بھی پولیس تفتیش کے دوران اپنی زیادتی کا اعتراف کر لیا ہے' بچے ابھی تک نارمل نہیں ہو سکے۔ (نوائے وقت' لاہور)

چنانچہ قرآن پاک میں ان کی مذمت اور شکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحدید:۲۷)

''اور وہ رہبانیت جس کو نصاریٰ نے اپنی طرف سے گھڑ لیا تھا اس کو ان پر ہم نے فرض نہیں کیا تھا مگر انہوں نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (ایجاد کیا تھا) پھر انہوں نے اس کی رعایت نہیں کی جیسا کہ رعایت کرنے کا حق تھا''۔

چونکہ رہبانیت فطرت سے متصادم ہے اس لئے تاریخ کے کسی دور میں بھی کامیاب نہ ہو سکی بلکہ عیسائیوں میں بھی یہ رواج صرف رومن کیتھولک عقیدہ کے لوگوں تک محدود ہے۔

رہبانیت کی ابتداء:

رہبانیت حضرت مسیحؑ کے قریباً دوسال بعد مروج ہوئی۔ ابتداء میں حضرت مسیحؑ کو ماننے والے بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے وہ حرص و ہوس اور مال دنیا کو کوئی وقعت نہ دیتے تھے۔ وہ دنیاوی معاملات کے متعلق بات چیت کرنے سے قبل عبادات سے فارغ ہو جاتے تھے اس کے بعد آنے والے عیسائیوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوا جس کے لوگ بغیر مال و متاع اور زن و اولاد کے زندگی بسر کرتے تھے وہ کھجوریں وغیرہ کھا کر گزارہ کرتے تھے پھر وہ لوگ بھی اس گروہ میں شامل ہونے لگے جو زندگی اور دنیا کی مشکلات وصعوبات سے گھبرا کر راہ فرار اختیار کرتے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں گبن لکھتا ہے کہ وہ نشاط زندگی اور فرائض دنیوی سے بالکل دستبردار ہو جاتے تھے۔ وہ نہایت سادہ غذا کھاتے۔ جو اکثر مانگ کر حاصل کی جاتی یا انہیں پیش کی جاتی وہ گوشت نہیں کھاتے تھے اور نہ شراب پیتے تھے وہ جسم کو ہر ممکن طریق سے اذیت پہنچاتے' محبت' تعیش' آرام اور مسرت کو گناہ تصور کرتے اور تجرد کو تقدس کا درجہ دیتے تھے۔ پھر مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے لئے یہ بات ناپسندیدہ تصور کی جانے لگی کہ وہ شادی کریں۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ مسیحی رہبانیت کا بانی ''انطونی'' تھا جس نے اپنی دولت اور کنبہ سے کنارہ کشی اختیار کر کے رہبانیت کی زندگی گزارنے کے لئے صحرا میں چلہ کشی اور ریاضت شروع کر دی۔ جلد ہی اس کی درویشی کی شہرت پورے مصر میں پھیل گئی۔ ہزاروں لوگوں نے اس کی تقلید میں رہبانیت کو اپنا لیا اور انطونی کو اپنا قائد تسلیم کر لیا اس طرح رہبانیت ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی اور اسے زور پکڑتے دیکھ کر کلیسا نے اس کی حمایت کر دی پھر راہبوں نے اپنی خانقاہیں قائم کر لیں اور رفتہ رفتہ صحرائے لیبیا اور وادی نیل میں ہزاروں خانقاہیں نظر آنے لگیں۔ شمالی نیل میں جو پہلی خانقاہ قائم ہوئی اس میں چودہ سو

راہب رہبانیت کی زندگی گزارتے تھے اور قلیل عرصہ میں ان کی تعداد پچاس ہزار ہوگئی ان سے تیاگ' جسمانی اذیت' ریاضت اور دنیاوی تعیش سے اجتناب کا عہد لیا جاتا تھا۔ پھر روم اور شام میں بھی خانقاہیں نظر آنے لگیں۔ ادھر ''ہلبرین'' نے بارہ سال تک دنیاوی آلائشوں سے کنارہ کشی کر کے مقبولیت حاصل کر لی تو اس کے بے شمار مریدین شام میں راہبانہ زندگی کی تبلیغ کرنے لگے پھر عیسائیت جہاں بھی گئی رہبانیت بھی اس کے ساتھ ساتھ رہی۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ لوگ فوجی زندگی کے مصائب سے بچنے کے لئے خانقاہوں میں پناہ لیتے تھے بعض روسا، جب اپنی سیاہ کاریوں سے تنگ آ جاتے تو سزائے اعمال کے خوف سے رہبانیت اختیار کر لیتے تھے تاکہ انہیں موت کے بعد بھی جنت کا لطف اٹھانے کا موقع مل سکے۔ بتایا جاتا ہے کہ خانقاہوں میں عورتیں اکثر راہبوں کی ہوس کاریوں کا شکار ہوتی تھیں۔

جدید تحقیقات کی روشنی میں

شادی نہ کرنے کے نقصانات

جالینوس کا قول ہے کہ مادۂ تولید پر آگ اور ہوا غالب ہے اور اس کی طبیعت گرم تر ہے' اس کا فاضل حصہ جب روک لیا جاتا ہے اور ایک عرصہ تک رکا رہتا ہے تو اس سے خراب قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں' کبھی وسواس کی بیماری ہوتی ہے' کبھی جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور کبھی مرگی کی بیماری پیدا ہوتی ہے' نیز مادہ تولید کا اخراج معتدل صحت پر خوشگوار اثر ڈالتا ہے' بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زیادتی کے وقت انسانی طبیعت اس کے باہر نکالنے پر مجبور ہوتی ہے۔

علامہ نفیسی لکھتے ہیں کہ مادۂ تولید کا خارج کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر اسے ترک کر دیا جائے اور وہ ظرف میں زیادہ ہو جائے تو یہ حرارت غریزی کا گلا گھونٹ دے گا اور اسے بجھا دے گا اور لازم ہوگا کہ وہ خود ٹھنڈا پڑ جائے اور بدن کو بھی ٹھنڈا کر دے' مادۂ تولید کا حبس اور اس کے نقصانات یہیں ختم نہیں ہو جاتے بلکہ اور بھی مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔

مادۂ تولید زہر آلود طبیعت میں بدل جاتا ہے اور یہ زہر آلود مادہ دل و دماغ کی طرف زہر آلودی بخارات کو روانہ کرتا ہے جو غشی' مرگی اور اس طرح کی دوسری بیماریوں کا موجب بنتا ہے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مقاربت سے بالکل کنارہ کش نہ ہونا چاہئے ورنہ جس

طرح اس کنوئیں کا پانی خراب ہو جاتا ہے جس کا پانی نکالا نہیں جاتا یہی حشر کلی پرہیز کا بھی ہوگا۔

محمد بن زکریا فرماتے ہیں ترک مقاربت سے اعصابی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں' اس کے سوتے بند ہو جاتے ہیں اور عضو تناسل سکڑ کر رہ جاتا ہے۔

ایک موقع پر علامہ نوویؒ لکھتے ہیں مرد پر جنسی میلان کا تقاضا بسا اوقات مستولی ہو جاتا ہے اگر اس تقاضے کی تکمیل میں تاخیر سے کام لیا جائے گا تو اس کا نقصان بدن کو بھی پہنچتا ہے اور دل کو بھی اور بینائی کو بھی۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کرنا ضروری ہے کیونکہ مادۂ تولید کا اخراج تقاضے کی شدت کے وقت اگر نہ کیا جائے گا تو صحت بھی بگڑتی ہے اور اس کے علاوہ دینی و دنیاوی نقصانات کا بھی آدمی نشانہ بن جاتا ہے۔

نکاح

نکاح کی لغوی تشریح:

نکاح لغت میں ضم کرنے (merge) کے معنی میں مستعمل ہے۔ پھر وطی کے معنی میں نقل کر لیا گیا۔ وطی کے ضم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے' پھر عقد نکاح کی طرف نقل کر لیا گیا۔ اس لئے کہ عقد سبب ضم ہے گویا عقد مجاز المجاز ہے۔ لفظ نکاح کا اطلاق مجامعت کرنے اور ''عقد'' کے معنی پر بھی ہوتا ہے کیونکہ مجامعت اور عقد دونوں ہی میں ''جمع ہونا اور ملنا'' پایا جاتا ہے لہٰذا اصول فقہ میں نکاح کے یہی معنی یعنی جمع ہونا بمعنی ''مجامعت کرنا'' مراد لینا چاہئے بشرطیکہ ایسا کوئی قرینہ نہ ہو جو اس معنی کے خلاف دلالت کرتا ہو۔

اقسام نکاح:

نکاح شرعی کی تین قسمیں ہیں: سنت مؤکدہ' واجب' مکروہ۔ مہر' نفقہ اور وطی پر قدرت کی صورت میں نکاح سنت مؤکدہ ہے۔ عورتوں کی طرف شدت اشتیاق کے وقت واجب ہے۔ جس وقت ظلم کا غالب گمان ہو اور فرائض و سنن کے ترک کا تو ایسی صورت میں نکاح مکروہ ہے۔

فقہی تشریح:

علماء فقہ کی اصطلاح میں ''نکاح'' اس خاص عقد و معاہدہ کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے دونوں کے درمیان زوجیت کا باہمی رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔

نکاح کی اہمیت:

نکاح یعنی شادی صرف دو افراد کا ایک سماجی بندھن' ذاتی ضرورت' ایک طبعی میلان اور صرف ایک ''ذاتی معاملہ'' ہی نہیں ہے بلکہ یہ انسانی معاشرے کے وجود و بقاء کا ایک بنیادی ستون بھی ہے اور شرعی نقطۂ نظر سے ایک خاص اہمیت وفضیلت کا حامل بھی ہے۔ نکاح کی اہمیت اور اس کی بنیادی ضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے شریعت محمدی ﷺ تک کوئی ایسی شریعت نہیں گزری ہے جو نکاح سے خالی رہی ہو اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ ایسی کوئی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک مشروع ہو اور جنت میں بھی باقی رہے سواء نکاح اور ایمان کے چنانچہ ہر شریعت میں مرد وعورت کا اجتماع ایک خاص معاہدہ کے تحت مشروع رہا ہے اور بغیر اس معاہدہ کے مرد وعورت کا باہمی اجتماع کسی بھی شریعت و مذہب نے جائز قرار نہیں دیا ہے' ہاں یہ ضرور ہے کہ اس معاہدہ کی صورتیں مختلف رہی ہیں اور اس کے شرائط واحکام میں تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں اسلام نے جو شرائط مقرر کی ہیں' جو احکام نافذ کئے ہیں اور جو قواعد وضوابط وضع کئے ہیں اس باب سے ان کی ابتدا ہو رہی ہے۔

نکاح کے فوائد وآفات:

نکاح کا جہاں سب سے بڑا عمومی فائدہ نسل انسانی کا بقاء اور باہم توالد وتناسل کا جاری رہنا ہے وہیں اس میں کچھ مخصوص فائدے اور بھی ہیں جن کو ترتیب وار اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

فوائدِ نکاح ☆

① نکاح کر لینے سے ہیجان کم ہو جاتا ہے۔ یہ جنسی ہیجان انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک

ہلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو اپنے سکون کی خاطر مذہب واخلاق ہی کی نہیں شرافت و انسانیت کی بھی ساری پابندیاں توڑ ڈالنے سے گریز نہیں کرتا' مگر جب اس کو جائز ذرائع سے سکون مل جاتا ہے تو پھر یہ پابند اعتدال ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جائز ذریعہ صرف نکاح ہی ہو سکتا ہے۔

② نکاح کرنے سے اپنا گھر بستا ہے' خانہ داری کا آرام ملتا ہے گھریلو زندگی میں سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور گھریلو زندگی کے اس اطمینان وسکون کے ذریعہ حیات انسانی کو فکر وعمل کے ہر موڑ پر سہارا ملتا ہے۔

③ نکاح کے ذریعہ سے کنبہ بڑھتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو مضبوط و زبردست محسوس کرتا ہے اور معاشرہ میں اپنے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لئے اپنا رعب داب قائم رکھتا ہے۔

④ نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہوتا ہے کیونکہ گھر بار اور اہل وعیال کی خبر گیری و نگہداشت اور ان کی پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں جدو جہد کرنا پڑتی ہے اس مسلسل جدو جہد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے عملی اور لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے جو اس کے لئے دنیاوی طور پر بھی نفع بخش ہے اور اس کی وجہ سے وہ دینی زندگی یعنی عبادات وطاعات میں بھی چاق وچوبند رہتا ہے۔

⑤ نکاح ہی کے ذریعہ صالح ونیک بخت اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا سب سے گراں مایہ سرمایہ اس کی صالح اور نیک اولاد ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ صرف دنیا میں سکون واطمینان اور عزت ونیک نامی کی دولت حاصل کرتا ہے بلکہ اخروی طور پر بھی فلاح وسعادت کا حصہ دار بنتا ہے۔

یہ تو نکاح کے فائدے تھے لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو نکاح کی وجہ سے بعض لوگوں کے لئے نقصان وتکلیف کا باعث بن جاتی ہیں اور جنہیں نکاح کی آفات کہا جاتا ہے چنانچہ ان کو بھی ترتیب وار اس طرح بیان کیا گیا ہے:

آفاتِ نکاح ☆

① طلب حلال سے عاجز ہونا یعنی نکاح کرنے کی وجہ سے چونکہ گھر بار کی ضروریات لاحق ہو جاتی ہیں اور طرح طرح کے فکر دامنگیر رہتے ہیں اس لئے عام طور پر طلب حلال میں وہ ذوق باقی نہیں رہتا جو ایک مجرد و تنہا زندگی میں رہتا ہے۔

② حرام امور میں زیادتی ہونا۔ یعنی جب شوہر کے آجانے اور بال بچوں کے ہو جانے کی وجہ سے زندگی کی مصروفیات بڑھ جاتی ہیں تو بسا اوقات اپنی زندگی کا وجود معیار برقرار رکھنے کے لئے حرام امور کے ارتکاب (شوہر سے) کروانے تک سے گریز نہیں کیا جاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ذہن و عمل سے حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور بلا جھجک حرام چیزوں کو اختیار کیا جاتا ہے۔

③ مردوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا۔ اسلام نے مردوں کو جو بلند و بالا حقوق عطا کئے ہیں ان میں شوہر کے ساتھ اچھے سلوک اور حسن معاشرت کا ایک خاص درجہ ہے لیکن ''مساواتِ انسانی کی آڑ میں'' شوہروں کے حقوق کی پامالی اور ان کے ساتھ برے سلوک و برتاؤ بھی ایک ''ذاتی معاملہ'' سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا حالانکہ یہ چیز ایک انسانی اور معاشرتی بداخلاقی ہی نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر بڑے گناہ کی حامل ہے اور اس سے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔

⑥ شوہر و بچوں کی وجہ سے حقوق اللہ کی ادائیگی سے باز رہنا یعنی ایسی کم ہی خواتین ہوتی ہیں جو اپنی گھریلو زندگی کے استحکام اور شوہر، بچوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ ساتھ اپنی دینی زندگی کو پوری طرح برقرار رکھتی ہوں جب کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ شوہر و بچوں اور گھر بار کے ہنگاموں اور مصروفیتوں میں پڑ کر دینی زندگی مضمحل و بے عمل ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو عبادات و طاعات کا خیال رہتا ہے نہ حقوق اللہ کی ادائیگی پورے طور پر ہو پاتی ہے۔

نکاح کے ان فوائد و آفات کو سامنے رکھ کر اب یہ سمجھئے کہ اگر یہ دونوں مقابل ہوں۔ یعنی فوائد و آفات برابر، برابر ہوں۔ تو جس چیز سے دین کی باتوں میں زیادتی ہوتی ہوا سے ترجیح دی جائے مثلاً ایک طرف تو نکاح کا یہ فائدہ ہو کہ اس کی وجہ سے جنسی ہیجان کم ہوتا ہے اور دوسری طرف نکاح کرنے سے یہ دینی نقصان سامنے ہو کہ عورت کی بدمزاجی پر صبر نہیں ہو سکے گا تو اس صورت میں نکاح کرنے ہی کو ترجیح دی جائے کیونکہ اگر نکاح نہیں کرے گا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ چیز عورت کی بدمزاجی پر صبر نہ کرنے سے کہیں زیادہ دینی نقصان کا باعث ہے۔

نکاح کے مستحبات:

جب کوئی شخص نکاح کرنا چاہے خواہ مرد ہو یا عورت تو چاہئے کہ نکاح کا پیغام دینے سے پہلے ایک دوسرے کے حالات کی اور عادات و اطوار کی خوب اچھی طرح جستجو کر لی جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی ایسی چیز معلوم ہو جو طبیعت و مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے زوجین کے درمیان ناچاقی و کشیدگی کا باعث بن جائے۔

یہ مستحب ہے کہ عمر، عزت، حسب اور مال میں بیوی، خاوند سے کم ہو اور اخلاق و عادات، خوش سلیقگی و آداب، حسن و جمال اور تقویٰ میں خاوند سے زیادہ ہو۔ مرد کے لئے یہ بھی مسنون ہے کہ وہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کو نکاح سے پہلے دیکھ لے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ میں اگر اس کو پیغام دوں گا تو منظور ہو جائے گا۔

مستحب ہے کہ نکاح کا اعلان کیا جائے اور نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کی جائے جس میں دونوں طرف سے اعزہ و احباب نیز بعض علماء و صلحاء بھی شریک ہوں۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح پڑھانے والا نیک بخت و صالح ہو اور گواہ عادل و پرہیزگار ہوں۔

ایجاب وقبول اوران کے صحیح ہونے کی شرائط:

نکاح' ایجاب وقبول کے ذریعے منعقد ہوتا ہے اور یہ ایجاب وقبول دونوں ماضی کے لفظ کے ساتھ ہونے چاہئیں (یعنی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے یہ بات سمجھی جائے کہ نکاح ہو چکا ہے) جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا' یا عورت کا ولی' مرد سے یہ کہے کہ میں نے فلاں عورت کا جس کا نام یہ ہے' تمہارے ساتھ نکاح کیا اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے منظور کیا یا ایجاب و قبول میں سے کوئی ایک ماضی کے لفظ کے ساتھ ہو جیسے عورت یہ کہے کہ مجھ سے نکاح کرلو یا عورت کا ولی' مرد سے یہ کہے کہ فلاں عورت سے جس کا نام یہ ہے نکاح کرلو اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے نکاح کرلیا یا اس کا برعکس ہو' جیسے مرد یہ کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنا نکاح کرلیا اور اس کے جواب میں عورت یہ کہے کہ میں منظور کرتی ہوں اور اگر مرد عورت سے یوں کہے کہ'' کیا تم نے اپنے آپ کو میری زوجیت میں دیا؟ یا کہے کہ'' کیا تم نے مجھے قبول کیا'' اور اس کے جواب میں عورت (ہاں میں نے دیا یا ہاں میں نے قبول کیا کہنے کی بجائے) صرف یہ کہے کہ ہاں دیا۔ یا ہاں قبول کیا (یعنی لفظ ''میں'' نہ کہے) تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ البتہ گواہوں کے سامنے صرف یہ کہنے سے کہ'' ہم بیوی خاوند ہیں'' نکاح نہیں ہوتا۔

جس طرح ایجاب وقبول میں ماضی کا لفظ استعمال کرنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب وقبول میں خاص کر نکاح اور تزویج کا لفظ استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے تمہارے ساتھ نکاح کیا یا تمہارے ساتھ تزویج کی یا نکاح و تزویج کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا جائے جو نکاح کا مطلب صراحۃً ادا کرتا ہو جیسے مرد یوں کہے کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنالیا یا یوں کہے کہ میں تمہارا شوہر ہوگیا۔ یا یوں کہے کہ تم میری ہوگئیں اور نکاح و تزویج یا اس کا ہم معنی لفظ صراحۃً استعمال نہ کیا

جائے بلکہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے کنایتاً نکاح کا مفہوم سمجھا جاتا ہو تو یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ لفظ ایسا ہو جس کے ذریعہ سے کوئی ذات کامل کی ملکیت فی الحال حاصل کی جاتی ہو جیسے ہبہ کا لفظ' یا صدقہ کا لفظ' یا تملیک کا لفظ' یا بیع وشراء کا لفظ جیسے بیوی یوں کہے کہ میں نے اپنی زوجیت تمہیں ہبہ کردی' یا میں نے اپنی ذات تمہیں بطور صدقہ دے دی۔ یا میں نے تمہیں اپنی ذات کا مالک بنا دیا' یا یوں کہے کہ میں نے تمہیں اس قدر روپیہ کے عوض خرید لیا اور ان سب کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کیا''۔ لیکن اس کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ متکلم نے اس لفظ سے نکاح مراد لیا ہو اور کوئی قرینہ اس پر دلالت کرتا ہو اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو قبول کرنے والے نے متکلم کی مراد کی تصدیق کردی ہو' نیز گواہوں نے بھی سمجھ لیا ہو کہ اس لفظ سے مراد نکاح ہے خواہ انہوں نے کسی قرینہ سے سمجھا دیا ہو یا بتا دینے سے سمجھا ہو۔

ایجاب وقبول کے وقت عاقدین (دولہا و دُلہن) میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کا کلام سننا ضروری ہے خواہ وہ بالاصالۃ (یعنی خود) سنیں خواہ بالوکالۃ سنیں (یعنی ان کا وکیل سنے) اور خواہ بالولایۃ سنیں (یعنی ان کا ولی سنے)۔

ایجاب وقبول کے وقت دو گواہوں کی موجودگی' نکاح صحیح ہونے کی شرط ہے اور یہ گواہ خواہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں' گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے۔ لونڈی یا غلام گواہوں کی گواہی معتبر نہیں ہوگی' اسی طرح گواہوں کا عاقل اور مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں کی گواہی ہر حال میں کافی ہوگی خواہ وہ پرہیزگار ہوں یا فاسق ہوں اور خواہ ان پر حد قذف لگائی جا چکی ہو۔ گواہوں کا بینا ہونا یا زوجین کا رشتہ دار نہ ہونا شرط نہیں ہے' چنانچہ اندھوں کی گواہی اور زوجین کے رشتہ داروں کی گواہی معتبر ہوگی خواہ وہ زوجین کے یا ان میں سے کسی ایک کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں ایجاب وقبول کے الفاظ کو ایک ساتھ سنیں اور سن کر یہ سمجھ لیں کہ نکاح ہو رہا ہے گو ان الفاظ کے معنی نہ سمجھیں (مثلاً ایجاب وقبول کسی ایسی زبان

میں ہو جسے وہ نہ جانتے ہوں) اگر دونوں گواہ ایجاب وقبول کے الفاظ ایک ساتھ نہ سنیں بلکہ الگ الگ سنیں تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ میری فلاں نابالغ لڑکی کا نکاح فلاں شخص کے ساتھ کردو اور اس شخص نے اس لڑکی کا نکاح اس باپ اور ایک دوسرے مرد کی موجودگی میں کیا تو یہ جائز ہوگا لیکن اگر باپ موجود نہ ہو تو پھر دونوں مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوگا۔

غیر کفو (بے جوڑ) شادیوں کا انجام

کفاءت کا قرآنی تصور:

قرآن پاک نے میاں بیوی کے بارے میں جو تصور دیا ہے یقیناً اس کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ مناسب اور مطلب خیز کوئی دوسری تعبیر نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں میاں بیوی کے درمیان استوار رابطہ کو بڑے خوبصورت اور لطیف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرہ ۱۸۷)

''عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو''۔

لباس سے تشبیہ دینے میں ایک حکمت یہ ہے کہ لباس کو انسان کے بدن میں زبردست اہمیت حاصل ہے' یہی لباس انسان کے قد وقامت پر اس طرح چست ہوتا ہے کہ نہ کہیں سے چھوٹا ہوتا ہے نہ بڑا ہوتا ہے۔ پھر مرد وعورت ایک دوسرے سے قطعی ہم آہنگ ہوتے ہیں جب ان کا آپس میں ملاپ ہوتا ہے تو دونوں اس طرح یک جان دو قالب ہوتے ہیں اور یوں آپس میں شیر وشکر ہو جاتے ہیں کہ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کس کی حد کہاں اور کس کا زاویہ کیا ہے؟ اس اعتبار سے لباس میں جس قدر مناسبت کا خیال رکھا جاتا ہے دیگر ضروریات زندگی اور اسباب آسائش میں شاید ہی اس قدر خیال رکھا جاتا ہو' جب چند مہینے زیب تن کئے جانے والے لباس میں اس قدر مناسبت کی رعایت ملحوظ ہوتی ہے تو جس لباس کا زندگی بھر کے لئے انتخاب کیا جائے اس میں بدرجۂ اتم مناسبت کی رعایت ملحوظ ہونا ضروری ہے اسی مناسبت کی رعایت رکھنے کو فقہی اصطلاح میں کفاءت وکفو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بالعموم دو اشخاص کو ایک دوسرے کا کفو کہا جاتا ہے جو آزاد ہوں' مال اور خاندان

ہیں مساوی حیثیت کے مالک ہوں' ہم پیشہ' ہم مذہب اور ہم عمر ہوں۔

فقہی اصطلاح میں کفاءت سے مراد مرد وعورت کا آپس میں اسلام' خاندان' آزادی' پیشہ' سیرت وکردار' مال اور عمر میں برابر ہونا ضروری ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض لوگ کفاءت کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اسلام بھی غیر مذاہب کی طرح ذات پات کی تفریق' حسب ونسب اور اونچ نیچ کا قائل ہے۔

یاد رکھئے! اسلام نے انسانیت کے بیچ اونچ نیچ کی دیوار قطعاً کھڑی نہیں کی بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ہر شخص برابر ہے خواہ امیر ہو یا غریب' تخت شاہی پر بیٹھنے والا ہو یا فٹ پاتھ پر بھیک مانگنے والا ہو لہٰذا انسانی برادری کے مابین کسی بھی بنیاد پر امتیاز یا اظہار برتری غلط ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

((لَمْ يَثْبُتْ فِيْ اِعْتِبَارِ الْكَفَاءَةِ بِالنَّسَبِ حَدِيْثٌ))

''حسب ونسب میں کفاءت کے معتبر ہونے سے متعلق کوئی بھی صحیح حدیث نہیں''۔

بلکہ اس کے برخلاف کتب احادیث کے ذخیرہ میں ایسی روایات وآثار ملتے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں نسبی کفاءت کو کسی قسم کی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

ذیل میں چند آثار وروایات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سگی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح حضرت زید بن حارثہؓ سے کیا جو غلام تھے۔

② فاطمہ بنت قیسؓ جو قریش سے تھیں ان کا نکاح حضرت اسامہ بن زیدؓ سے ہوا تھا جو غلام ابن غلام تھے۔

③ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی بہن ہالہ بنت عوفؓ کا نکاح حضرت بلالؓ سے ہوا تھا جو حبشی النسل تھے۔

④ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ سے نکاح کے لئے حضرت سلمان فارسیؓ کو پیش کش کی تھی جو فارسی النسل اور غلام رہ چکے تھے۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ نسب میں کفاءت معتبر نہیں اور کفاءت فی النسب میں شدت اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف قبائل اور خاندانوں کو دنیا میں باہمی تعارف کا ذریعہ بنایا ہے اسلام میں اس کا کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں عزت وشرافت کا معیار تقویٰ ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾

(الحجرات ۱۳)

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہارے مختلف خاندان اور قبائل بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے''۔

کفاءت کو فقہاء کیوں اہمیت دیتے ہیں:

اسلام چونکہ دین فطرت ہے جو ہر ہر موڑ پر فطرت سلیمہ کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے بالخصوص نکاح جیسے اہم معاملے میں چند عقلی مصالح کے پیش نظر کفاءت میں حسب نسب کی رعایت کا خیال رکھا۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ماحول انسان پر اثر انداز ہوتا ہے

ماحول کے اختلاف سے عادات و مزاج میں بھی اختلاف پایا جانا لازمی امر ہے۔ ایک مخصوص ماحول میں پلی بڑھی' مخصوص طرز زندگی گزارنے والی لڑکی جب اپنے سے مختلف ماحول میں بیاہ دی جائے گی تو اس سے عملی زندگی میں مندرجہ ذیل خرابیاں اور پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔

① مرد کے خاندان میں وہ عورت بے قدر رہتی ہے۔
② اہل برادری اس کو اپنے برابر کا نہیں سمجھیں گے۔
③ اولاد کی شادی میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔
④ مرد و عورت کی نظر میں ایک دوسرے کی وقعت نہیں رہتی۔
⑤ غیرت و مصلحت کے بھی خلاف ہے۔

اسی مصلحت کے پیش نظر شریعت نے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان نکاح ممنوع قرار دیا ہے۔

غیر مسلم سے رشتہ:

اولاً اسلام مومن مرد و عورت کو مشرک مرد و عورت سے شادی بیاہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیوں کہ جہاں مومن شوہر یا بیوی کے اثر سے مشرک شوہر یا بیوی پر، اس کے خاندان اور اس کی نسل پر اسلامی عقائد اور مومنانہ طرزِ حیات کا نقش ثبت ہو سکتا ہے وہاں یہ بھی امکان غالب ہے کہ مشرک شوہر یا بیوی کے اثر سے مومن شوہر اور بیوی پر اس کے خاندان اور اس کی نسل پر باطل عقائد' مشرکانہ طرزِ زندگی اور کافرانہ طور و طریق چھا جائے۔

چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کی حیات میں نہایت ہی خوبرو' دیدہ زیب اور خوب صورت عناق نام کی ایک عورت تھی وہ کسی کے ساتھ نکاح کرنے پر راضی نہ تھی۔ حضرت ابن ابی مرثد غنوی صحابی تھے صرف ان سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی لیکن چونکہ وہ مسلمان

نہ تھی اس لئے ابن مرثد نے سرکار دو عالم ﷺ سے عناق کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ ان کا اجازت طلب کرنا تھا کہ مندرجہ ذیل آیت نازل ہوگئی:

﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ﴾ (البقرة)

''تم مشرک عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن باندی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بھلی معلوم ہوتی ہوں اس طرح تم اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں ایک مومن غلام مشرک شریف زادے سے بدرجہا بہتر ہے اگرچہ وہ مشرک مرد تمہیں بھاتا ہی کیوں نہ ہو' مشرک مرد اور مشرک عورتیں یہ سب دوزخ کی طرف لے جانے والے ہیں اور اللہ اپنی مغفرت اور جنت کی طرف بلا رہا ہے''۔

مذکورہ آیت و روایت میں کافر مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کی صراحتاً ممانعت کی گئی ہے کیونکہ زن وشو کی زوجیت کا تعلق اتنا نازک اور لطیف ہوا کرتا ہے کہ اگر مومن مرد و عورت کا رشتہ مشرک مرد و عورت کے ہاں جوڑ دیا جائے تو زوجین میں اختلاف مذاہب کی وجہ سے باہم محبت و رافت پیدا نہ ہوگی اور ازدواجی زندگی کا لطف اٹھ جائے گا اور اگر باہم محبت و رافت' پیار و الفت بھی قائم ہوگی تو مشرک شوہر یا بیوی کے کافرانہ رسم و رواج' مراسم اور لوازمات اور ان کے شرک سے چشم پوشی کرنی پڑے گی' اور یہی چشم پوشی مومن مرد و عورت کے دین و ایمان کو تباہ کر ڈالے گی اور آہستہ آہستہ مشرکانہ عقائد و خیالات رسوم و روایات ان کے ذہن و دماغ اور رگ و ریشہ میں سرایت

کر جائیں گے اور مشرکانہ عقائد و خیالات اور کافرانہ رو اسم و روایات جہنم کی طرف لے جانے کے زبردست سامان ہیں۔

یہی وہ وجہ ہے کہ مسلمان غلام اور مسلمان باندی کو ان آزاد غیر مسلم مردوں اور عورتوں پر آیت و روایت میں ترجیح دی گئی ہے کہ ان کافر غیر مسلم مردوں اور عورتوں سے اچھے تو یہ تمہارے غریب مسلمان غلام اور باندیاں ہیں ان سے نکاح کرلو۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر مالک بن نضر ایمان نہیں لائے اور مذاہب کے اختلاف نے مزاج اور حالات میں بھی اختلاف پیدا کر دیا۔ مگر مالک بن نضر کسی قیمت پر اپنا آبائی مذہب ترک کرنے کو تیار نہ تھے حضرت ام سلیم ہمیشہ انہیں سمجھاتی تھیں اور اسلام کے حلقہ میں لانے کی کوشش کرتیں مگر مالک بن نضر ہمیشہ ان کی بات رد کر دیتے اور لڑتے جھگڑتے اس لئے کشیدگی حد درجہ بڑھ گئی اور مالک بن نضر ناراض ہو کر مدینہ سے شام چلے گئے اور کچھ عرصہ بعد ان کا وہاں انتقال ہو گیا۔ پھر ایک عرصہ بعد ابوطلحہ انصاریؓ نے حضرت ام سلیمؓ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا مگر حضرت اُم سلیمؓ نے ابوطلحہؓ سے یوں فرمایا:

''میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائی ہوں اور تم مشرک ہو میں تمہارے ساتھ نکاح کس طرح کر سکتی ہوں۔ جو لکڑی زمین سے پیدا ہوتی ہے تم اس لکڑی سے بنے ہوئے بت کو پوجتے ہو' جس کو حبشی غلام بسولے سے گھڑ کر تیار کرتا ہے وہ بے جان لکڑی کا بت جو تم کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان افسوس کہ تم اللہ کو نہیں پوجتے جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمینوں پر ہے اور جو حقیقت میں قادر مطلق ہے''۔

حضرت اُم سلیمؓ کی ایمان افروز باتیں ابوطلحہ کے دل میں گھر کر گئیں اور وہ مشرف باسلام ہو گئے۔ چنانچہ ابوطلحہ کے اسلام لانے کے بعد حضرت اُم سلیمؓ نے ان سے نکاح کر لیا۔

الغرض اسلام مسلمان عورت کو کسی غیر مسلم مرد سے اور اسی طرح کسی مسلمان مرد کو کسی غیر مسلمہ عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتا یہ اسی وقت ہو گا جب کہ دونوں مسلمان ہو جائیں۔ جیسا کہ ابھی مذکورہ واقعہ سے بھی معلوم ہوا اور انہیں سب وجوہات کی بنا پر مسلمان غلام اور مسلمان باندی کو ان آزاد غیر مسلمان مردوں اور عورتوں پر آیت و روایت میں ترجیح بھی دی گئی کہ ان کافر غیر مسلمان مردوں اور عورتوں سے اچھے تو یہ تمہارے غریب مسلمان غلام اور باندیاں ہیں۔ ان سے نکاح کرلو۔

مؤمن اور بدکار مسلمان سے رشتہ:

اسلام صالح مسلمان مردوں کو بدچلن' بدکار اور بازاری مسلمان عورتوں سے اور پاک دامن مسلمان عورتوں کو رذیل' دنی الطبع اور بدکار مسلمان مردوں سے بھی رشتہ طے کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ جہاں صالح مرد اور پاکباز عورتیں بدچلن مرد اور بدکار عورتوں پر اپنا اثر ڈال سکتے ہیں وہیں پر بدچلن مرد اور بدکار عورتیں صالح مردوں اور پاکباز عورتوں پر اپنا اثر جما سکتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے:

''بدکار مرد صرف بدکار عورت سے ہی نکاح کر سکتا ہے یا مشرک عورت سے اور یہی زانیہ عورت تو اس سے صرف بدکار مرد ہی نکاح کر سکتا ہے یا مشرک مرد یہ سب کے سب مومنوں پر حرام ہیں''۔ (النور)

خلاصہ ☆

معلوم ہوا کہ قرآن اپنے ان واضح بیانات اور نافع ہدایات کے ذریعہ کفر اور اسلام خیر اور شر پاکیزگی اور گندگی کی ملی جلی مرکبات سے مسلمانوں کو روک کر صالح مردوں اور پاکیزہ عورتوں سے رشتہ حیات اور بدکار مردوں اور بدچلن عورتوں کے رشتہ ازدواج کے درمیان ایک امتیاز قائم کرتا ہے ہر ایک کو اس کا مناسب درجہ اور مقام بخشتا

ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ﴾ (النور)

"بدچلن عورتیں بدکار مردوں کے لئے اور بدکار مرد بدچلن عورتوں کے لئے ہیں اور پاکدامن عورتیں مردوں کے لئے اور صالح مرد پاکدامن عورتوں کے لئے ہیں"۔

اپنی ذات غلط یا اپنے سے اونچی ذات بتانا:

عموماً ہمارے ہاں لوگ اپنے سے اونچی ذات یا برادری میں شادی کرنے کے لئے اپنی ذات اور برادری غلط بتا دیتے ہیں یا جس کے ہاں اپنے لڑکے لڑکی کی شادی کرنا چاہتے ہیں اس کی ذات بتا دیتے ہیں۔ یاد رکھئے! یہ سراسر دھوکا اور گناہ کبیرہ ہے۔

((عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَرْغَبُوا عَنْ اٰبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ))

(بخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے باپ دادا کی ذات سے اعراض مت کرو جو شخص اپنے باپ دادا کی ذات سے اعراض کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے"۔

ایک دوسری حدیث میں یوں آتا ہے:

((عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ غَیْرُ اَبِیْہِ فَالْجَنَّۃُ عَلَیْہِ حَرَامٌ)) (مسلم)

"حضرت سعد بن ابی وقاص حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی ذات اپنے باپ دادا کی ذات کے علاوہ بتلاتا ہے اس پر جنت حرام ہے"۔

ہم ذیل میں مؤخر الذکر عمر میں مساوات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

لڑکی لڑکے میں عمر کا تناسب ایک شرعی چیز ہے:

عمر میں مساوات کی رعایت بہت ضروری ہے' خاص طور پر میاں بیوی میں یہ امر طبعی تو ہے ہی مگر کسی قدر شرعاً بھی مقصود ہے اور شریعت میں بھی قابل التفات ہے۔

قرآن پاک میں حوروں کے تذکرے میں ہے:

﴿قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ﴾ (الزمر: ۵۲)

"یعنی حوریں نظریں نیچی رکھنے والی ہم عمر ہوں گی"۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا﴾ (الواقعہ: ۳۶،۳۷)

"ہم نے حوروں کو کنواری' پیار کرنے والی' ہم عمر پیدا کیا ہے"۔

تفاوت عمر کے اثر سے اجنبیت ہوتی ہے آپ دیکھئے بچہ سے بچہ کو جیسی محبت ہوتی ہے بڑے سے نہیں ہوتی۔

لڑکے اور لڑکی کا ہم عمر ہونا:

((خَطَبَ اَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فَاطِمَۃَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہَا صَغِیْرَۃٌ فَخَطَبَہَا عَلِیٌّ فَزَوَّجَہَا مِنْہُ))

"حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے یکے بعد دیگرے حضرت فاطمہؓ سے نکاح

کا پیغام دیا (چونکہ ان دونوں حضرات کو یہ شرف حاصل تھا کہ ان کی صاحبزادیاں حضور ﷺ کے حرم پاک میں داخل تھیں اس لئے انہوں نے سوچا کہ یہ شرف بھی ان ہی کو حاصل ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ کے داماد بنیں مگر) آپؐ نے فرمایا کہ وہ کم سن ہے' پھر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کا پیغام دیا تو آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تناسب بین العمرین یعنی لڑکے' لڑکی کی عمر میں تناسب ملحوظ رکھنا ضروری ہے اگر لڑکی چھوٹی ہو تو لڑکے کی عمر زیادہ نہ ہونی چاہئے۔

لڑکے اور لڑکی کی عمر میں فرق:

سیدہ فاطمہؓ کا نکاح جب حضرت علیؓ سے ہوا تو اس وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر ساڑھے پندرہ سال اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس برس تھی۔ لڑکی اور لڑکے کی عمر میں تناسب ملحوظ رکھنے کے ساتھ بہتر یہ ہے کہ لڑکا کسی قدر عمر میں لڑکی سے بڑا ہو۔

بے جوڑ نکاح کے مضمرات

کم سن لڑکی کا زیادہ عمر والے لڑکے سے رشتہ کرنے کے نقصانات:

اگر لڑکی کم سن اور مرد مسن (زیادہ عمر والا) ہو تو غالب یہ ہے کہ وہ بے چاری بہت جلد بیوہ ہو جائے گی' لوگ ہم عمری کا قطعی خیال نہیں کرتے' بے زبان کنواری لڑکی یا تیرہ چودہ برس کی لڑکیوں کو ساٹھ ساٹھ برس کے بوڑھوں کے ساتھ بیاہ دیتے ہیں' یہاں بھی درج ذیل مفاسد پیش آتے ہیں۔

اگر عورت عفیفہ' پاکدامن اور خود کو پارسا رکھنے والی ہوئی تب تو وہ تمام عمر کے لئے قید میں مبتلا ہو گئی اور اگر اس صفت سے خالی ہوئی تو بدکاری میں مبتلا ہوئی اور دونوں حالتوں میں میاں بیوی میں ناگوار رنجش اور نا اتفاقی ضرور ہو گی۔ دوسری صورت میں دونوں کی بے آبروئی بلکہ دونوں کے خاندان کی بھی ساتھ ساتھ رسوائی ہے۔

اور سب سے بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اکثر بوڑھا پہلے مر جاتا ہے اور وہ مظلومہ اکثر رسم ورواج میں جکڑا ہونے کی وجہ سے بیوہ بیٹھی رہتی ہے۔

اور بعض اوقات یہ غریب کھانے پینے سے محتاج ہو جاتی ہے اگر عرفی شرافت ہے تو کسی کی مزدوری نہیں کر سکتی اور اگر مزدوری گوارا کی تو دوسرے کے گھر بسا اوقات رہنا پڑتا ہے اور چونکہ اس کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا برے خیالات کے لوگ اس بے چاری کے درپے ہو جاتے ہیں' کبھی لالچ اور کبھی ڈرا دھمکا کر اور کبھی کسی حیلہ بہانہ سے اس کی آبرو اور دین خراب کر دیتے ہیں بالخصوص جب اس عورت میں بھی نفسانی تقاضا ہو۔

کم عمر لڑکے کی زیادہ عمر والی لڑکی سے رشتہ کرنے کی خرابی:

بعض قوموں میں اس کے برعکس یہ عام رواج پایا جاتا ہے کہ لڑکا چھوٹا ہوتا ہے اور

لڑکی بڑی اب لڑکی تو پہلے جوان ہوگئی اور لڑکا ابھی چوں چوں کا بچہ ہے بلکہ کہیں اتنا تفاوت ہوتا ہے کہ لڑکا اس کی گود میں کھلانے کے لائق ہوتا ہے ان بے عقلوں نے یہ نہ دیکھا کہ سب تعلقات کی بنیاد زوجین کی باہمی موافقت ہے جبکہ اس صورت میں خود اسی کی امید نہیں، چنانچہ ایسے مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لڑکی میں جوانی کا تقاضا پیدا ہوگیا اور لڑکا کسی قابل ہی نہیں یا تو وہ کسی اور سے خراب ہوگئی یا گھٹ گھٹ کر تپ دق میں مبتلا ہو گئی۔

بے جوڑ شادی میں لڑکی کو انکار کر دینا چاہئے:

آج کل اس کو بے شرمی سمجھتے ہیں کہ ماں باپ نکاح کرنا چاہیں اور لڑکی انکار کر دے حالانکہ شادی کی فرمائش کرنا بے شرمی ہے انکار کرنا بے شرمی نہیں بلکہ یہ تو عین حیا ہے کہ بیاہ کے نام کو پسند نہیں کرتی دیکھ لو یہ عقل کی بات ہے یا نہیں تو ایسے موقع پر لڑکیوں کو ضرور انکار کر دینا چاہئے۔

کم عمر میں شادی کر دینے سے قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں:

آج کل قویٰ بہت ضعیف ہیں جس کی زیادہ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کل شادی کم عمری میں ہو جاتی ہے، اعضاء میں پورا نمو (کمال و پختگی) نہیں ہونے پاتا جلدی شادی کرنے کی وجہ یا تو چوچلا پن ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو دولہا دلہن دیکھنے کا ارمان ہے اور کہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ہم مر جائیں اور بیٹے کی شادی نہ دیکھ سکیں اور کہیں ماں باپ کا قصور نہیں ہوتا بلکہ خود بچے ہی ماں باپ کے پیٹ سے نکلتے ہی مستیاں شروع کر دیتے ہیں جس سے ماں باپ کو ان کی شادی کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

اگلے زمانے کے لوگ بڑے قوی ہوتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی شادی نمو ختم ہونے کے بعد ہوتی تھی یعنی جب ان کے بدن میں پوری جوانی، کمال اور پختگی ہو جاتی

تھی اسی وجہ سے ان کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں۔

بچپن میں شادی کر دینے کی خرابیاں:

ایک کوتاہی بعض قوموں میں یہ ہے کہ بہت تھوڑی عمر میں نکاح کر دیتے ہیں جس وقت لڑکے لڑکی کو کچھ تمیز بھی نہیں ہوتی کہ نکاح کیا چیز ہے اور اس کے کیا حقوق ہوتے ہیں اس میں بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں بعض اوقات لڑکا نالائق نکلتا ہے جس کو منکوحہ سیانی ہو کر یا لڑکی کے اولیاء پسند نہیں کرتے اب فکر ہوتی ہے تفریق کی، کوئی مسئلہ پوچھتا ہے کوئی بے مسئلہ پوچھے ہی دوسری جگہ نکاح کر دیتا ہے اور لڑکا ہے کہ نہ اس کے حقوق ادا کرتا ہے نہ اس کو طلاق دیتا ہے۔

بعض جگہ کم سنی میں نکاح کرنے سے یہ ہوا کہ نکاح ہونے کے بعد وہ لڑکی اس لڑکے کو پسند نہیں وہ اپنے لئے کہیں اور تلاش کر لیتا ہے اور اس کی نہ خبر گیری کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے اور عذر کر دیتا ہے کہ مجھ کو خبر ہی نہیں کہ میرا نکاح کب ہوا؟ جنہوں نے کیا وہ ذمہ دار ہیں اور طلاق دینے کو عرفاً عار سمجھتا ہے۔

بعض اوقات دونوں بچپن میں ایک جگہ کھیلتے اور لڑتے ہیں جس کا اثر بعض جگہ یہ ہوتا ہے کہ آپس میں نفرت اور بغض پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ شروع ہی سے دونوں ساتھ رہے ہیں اس لئے شوہر کو کوئی خاص میلان کیفیت شوقیہ کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ بالغ ہونے کے بعد نئی بیوی کے ملنے سے ہوتا ہے اور اس کا ثمرہ بھی ہر طرح برا ہی برا ہے کیا ان خرابیوں سے بچنے کی کوشش ضروری نہیں ہے۔

رشتوں کی تلاش میں خودساختہ رکاوٹیں

پاکستان میں اس وقت تقریباً ہر خاندان دو پریشان کن مسئلوں سے دوچار ہیں۔ پہلا یہ کہ اس کے نوجوان بے روزگار ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان کے گھروں میں شادی کے قابل اور جوان بیٹیاں ہیں جن کے مناسب رشتے نہیں آ رہے۔ یوں مسائل بڑھتے چلے جاتے ہیں اور والدین نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ جس صورت حال کا ہمیں آج سامنا ہے' ایسی پہلے کبھی نہ تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے لڑکیوں کے رشتوں کا مسئلہ بھی پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے حالانکہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے شادی دفتروں کی ایک بڑی تعداد بھی مصروف عمل ہے اگرچہ ان کا مقصد اپنا کاروبار چلانا اور پیسہ کمانا ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر الجھے ہوئے مسائل کے اسباب کی نشان دہی کی جائے تو ان مسائل کو حل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہم ان مختلف وجوہ کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں جن کی بنیاد پر رشتے ملنے میں تاخیر ہو رہی ہے اور لڑکیوں کی عمریں گزرتی جا رہی ہیں۔ آیئے اب ہم ان مسائل پر غور کریں۔

والدین کی ایک بڑی تعداد یہ عذر کرتی ہے کہ مناسب رشتہ ہی نہیں ملتا تو کیا کسی کو بھی ہاتھ پکڑا دیں؟ یہ عذر اگر حقیقت میں درست ہوتا تو ٹھیک تھا۔ یعنی سچ مچ اگر مناسب رشتہ نہ آتا تو یہ شخص واقعی معذور تھا لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جو رشتے آتے ہیں کیا وہ سب ہی نامناسب ہوتے ہیں؟

اصل بات یہ ہے کہ نامناسب کا مفہوم خود ہم نے اپنے ذہن میں بنا رکھا ہے جو ان سخت اور بے جا خواہشات ومعاملات پر مبنی ہے:

- حسب ونسب میں حضرت حسینؓ جیسا ہو
- اور اخلاق میں جنید بغدادی جیسا ہو

- اور علم میں اگر دینی علم ہے تو ابوحنیفہؒ کے برابر ہو' اگر دنیاوی علم ہے تو ڈاکٹر عبدالقدیر کا ثانی ہو
- حُسن میں یوسف علیہ السلام کا ہم پلہ ہو' وہ حُسن جس کے آگے باقی سب چراغ بجھ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مائیں اپنے بیٹوں کی خاطر ایک گھر کے بعد دوسرا گھر تلاش کرتے کرتے لاتعداد لڑکیوں کو دیکھتی ہیں اور ان سب ومسترد کر دیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جہاں مناسب رنگت والی لڑکیاں بھی نظر میں نہ جچ چکیں تو ذرا دبے ہوئے رنگ والی کہاں مقام حاصل کر سکتی ہیں۔ رنگت پر اتنا زور تو شاید لڑکے خود بھی نہیں دیتے لیکن لڑکوں کی ماؤں اور بہنوں کو ہم نے آسمانی حور کی تلاش میں دنیا چھانتے ہوئے خود دیکھا ہے۔
- مناسب رشتے نہ ملنے کے سبب لڑکیوں کے والدین اپنی بیٹیوں کو مزید تعلیم کے حصول کے لئے یونیورسٹی وغیرہ بھیج دیتے ہیں لیکن اس سے جہاں لڑکی کو ایم۔اے اور ایم۔ایس۔سی کی ڈگری مل جاتی ہے وہیں عمر اور تعلیم ہو جانے کے سبب ان کے ہم پلہ رشتے ملنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔
- آج کی دنیا میں لڑکوں کو معیار زندگی بلند کرنے کی بہت فکر رہتی ہے۔ وہ اگر تعلیم حاصل کر رہے ہوں تو مزید تعلیم کی خاطر اور اگر ملازمت کر رہے ہوں تو زیادہ بہتر ملازمت کی خاطر شادی سے گریز کرتے ہیں۔ فی زمانہ زندگی اتنی مہنگی ہو گئی ہے کہ لڑکوں کی اچھی آمدنی حاصل کرنے تک شادی سے انکار بڑی حد تک درست بھی ہے کم آمدنی میں ایک نئے کنبے کا قیام بہرحال بہت سارے مسائل کھڑے کرنے کا باعث بنتا ہے۔ تاہم لڑکوں کی اس تاخیر کی وجہ سے لڑکیوں کی شادی پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے اور ان کے رشتے ملنے میں تاخیر ہونے لگتی ہے۔
- ایک اور سبب لڑکیوں کے والدین کا اپنی بیٹیوں کے لئے ڈاکٹر اور انجینئر کے حصول پر بے جا اصرار بھی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ والدین ان پیشوں کے لئے کسی قدر

جنون کا عالم رکھتے ہیں۔ اس بے جا دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیٹیوں کے لئے ان کے والدین کے پاس اگر دیگر اچھے رشتے آتے بھی ہیں تو وہ انہیں ناپسند کرتے ہوئے مسترد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ ان کی شادی کی عمریں بیت جانے کا خود ہی بڑا سبب بن جاتے ہیں۔

❁ اگرچہ حالات کے جبر کے تحت حسب ونسب اور ذات پات کی شرائط آج بہت کمزور پڑ گئی ہیں تاہم آج بھی والدین کی خاصی تعداد اپنے ہونے والے داماد میں ان صفات کا پایا جانا لازم سمجھتی ہے اور ان کے مقابلے میں کسی دوسری برادری اور ذات کے رشتوں کو قطعی اہمیت نہیں دیتی۔ یہ بھی ہمارے معاشرے کا ایک عجیب لطیفہ ہے کہ صاحب زدگان یورپ سے کسی عیسائی' یہودی نومسلم لڑکی کو اپنی بیوی بنا کر گھر لے آتے ہیں لیکن والدین اس کا برا ماننے کی بجائے فخر سے جھومنے لگتے ہیں۔ وطن سے باہر ایک یہودی لڑکی بھی ہماری عزت و وقار میں چار چاند لگانے کا باعث بنتی ہے لیکن وطن کے اندر ایک عزت دار برادری کی حسین وجمیل لڑکی بھی حسب ونسب کو خراب کر دیتی ہے۔

❁ اس کا ایک بنیادی سبب لڑکے والوں کے جہیز کے بھاری بھرکم مطالبے بھی ہیں۔ یہ مطالبے تو خیر شروع ہی سے ہوتے آئے ہیں لیکن اس میں کاروباریت نئے دور کی ایجاد ہے۔ لڑکے والے تو اب کار' پلاٹ' مکان اور بیرون ملک بلاوے وغیرہ کے مطالبات بھی بلا جھجک کرنے لگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے مطالبات پورے کرنا ہر ماں باپ کے بس کی بات نہیں ہوتی' چنانچہ لڑکیوں کی عمریں بیتنے لگتی ہیں اور رشتے ملنے میں رکاوٹ ہونے لگتی ہے۔

❁ رشتوں میں پیچیدگیاں اس وجہ سے بھی پیدا ہونے لگی ہیں کہ اب تبادل رشتے عام طور پر پسند نہیں کئے جاتے۔ لڑکی کے والدین کے پاس اس قسم کے رشتے آتے تو رہتے ہیں لیکن وہ مسلسل انکار کرتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ بیٹیوں کے ساتھ ان کے

بیٹوں کی عمریں بھی تیس سے پینتیس اور ۳۵ سے ۴۰ سال تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ اس طرح کے رشتے عمومی طور سے کامیاب کم ہی ثابت ہوتے ہیں لیکن اسے ایک کلیہ قرار دینا بھی درست نہیں ہے۔

❁ ہمارے معاشرے میں بعض پرانی قدریں کئی لحاظ سے اب تک مستحکم ہیں۔ بھائی بہنوں کی خاطر اپنی ذات کی قربانی دیتے رہتے ہیں اور بہنوں کے مناسب رشتے آنے تک خود بھی شادی پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ ایک طرف جہاں پہلے گھر کی لڑکی متاثر ہو رہی ہوتی ہے' وہیں بھائی کی شادی نہ کرنے کے باعث دوسرے گھر کی لڑکی بھی متاثر ہوتی ہے۔ رشتوں کی تلاش میں یہ معاملہ بھی رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔

❁ دورِ جدید کے تحفوں میں سے ایک تحفہ یہ بھی ہے کہ اس نے رشتے داریوں میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔ ایک بھائی دوسرے بھائی سے اور ایک بہن دوسری بہن سے سخت متنفر ہیں یہاں تک کہ ان کا ایک دوسرے کے گھر میں آنا جانا بھی بند ہو چکا ہوتا ہے۔ پہلے خاندانوں میں باہمی شادیاں بہت آسانی سے ہو جایا کرتی تھیں بلکہ انہیں ترجیح دی جایا کرتی تھی لیکن تفرقوں کی وجہ سے رشتے گھر میں موجود ہونے کے باوجود شادیوں کا سلسلہ قائم نہیں ہو پاتا۔

❁ شادی بیاہ کرتے وقت آج کل لڑکے والوں کا یہ پہلو بھی نظر میں رکھا جاتا ہے کہ ان کا کنبہ بڑا نہ ہوتا کہ بیٹی پر کام کا زیادہ بوجھ نہ ہو سکے۔ نزاکتیں بڑھ گئی ہیں اور کنبے مختصر ہونے لگے ہیں اس لئے رشتوں کی تلاش میں چھوٹے خاندان کی تلاش بھی ایک ضروری امر بن گیا ہے۔ بے شک ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے تاہم اکثر اوقات اس کی وجہ سے بھی رشتوں کے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

❁ مہنگائی نے انسان کے کس بل نکال دیئے ہیں اور محض ایک فرد کی آمدنی سے خاندان چلانا کٹھن ہو گیا ہے اس لئے آج کل کے لڑکے اکثر اوقات ایسی شریک

حیات تلاش کرتے ہیں جو معاشی بوجھ میں بھی ان کی ہم سفر بن سکے یعنی انہیں ملازمت کرنے والی لڑکیوں کی تلاش رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر خاندان کی لڑکیاں تو ہمارے معاشرے میں ملازمت نہیں کرتی ہیں اس لئے باوجود اچھا لڑکے ہونے کے ملازمت نہ کرنے والی معصوم غریب لڑکی خواہ مخواہ بیٹھی رہ جاتی ہے۔

❁ آج کل جہاں نوجوانوں میں بہتر تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ تیز ہوا ہے وہیں ٹی وی۔ وی سی آر اور کاہلی کی وجہ سے ان میں ملازمت کی جانب سے لاپرواہی کا عنصر بھی بڑھ گیا ہے۔ لڑکوں کی ایک بڑی تعداد یا تو ملازمت کا رجحان ہی نہیں رکھتی یا پھر انتہائی غیر ذمے دارانہ رویے کے باعث ایسے لڑکے اپنی ملازمتیں بار بار چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں اور ماں باپ کی آمدنی سے فیض اٹھانے لگتے ہیں۔ اس زمانے میں جب کہ رشتوں کا کال ہے اس طرح کے لڑکے مزید مسائل کا سبب بنتے ہیں اور رشتوں میں تاخیر ہوتی ہے۔ ان میں سے کئی اسباب ایسے ہیں جن کے باعث ہم خود اپنی بیٹیوں کے رشتے نامنظور کر دیتے ہیں۔ خوب سے خوب تر کی تلاش بہت اچھی چیز ہے لیکن اس کی بھی کوئی حد ہونی چاہئے۔ زیادہ مال و دولت' حُسن اور مختصر کنبے کی تلاش بہت ساری خرابیاں جنم دینے کا باعث بنتی ہے مناسب تحقیقات کے بعد اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے لڑکے اور لڑکی دونوں کو ابتدائی عمر ہی میں بیاہ دینا چاہئے' اسی میں ہم سب کی بہتری ہے۔

وٹہ سٹہ کی شرط

بعض مسلمان برادری کے خول میں جکڑے ہوئے وٹہ سٹہ کی شرط بھی لگا دیتے ہیں چنانچہ کتنے ہی علاقوں میں یہ رواج عام پایا جاتا ہے کہ تم ہمیں اپنی بہن' بیٹی کا رشتہ دے دو ہم تمہیں اپنی بہن یا بیٹی کا رشتہ دے دیں گے اور بسا اوقات وہ بچی ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی ہوتی۔ ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا کے مصداق اس کی متوقع پیدائش کا انتظار کیا جاتا ہے اور لڑکے لڑکیاں یوں انتظار میں بوڑھے ہو جاتے ہیں پھر خدا خدا کر کے انتظار ختم ہوا اور شادی کی نوبت آ ہی جائے تو جوڑے میں علم و عمل' سیرت و کردار کا اتنا تفاوت ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جذبات' احساسات کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے جس سے پھر طلاق تک نوبت آ جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی مشروط شادیوں سے منع فرمایا ہے۔

بہو خوبصورت بھی ہونی چاہیے اور ''کماؤ پوت'' بھی:

اچھا رشتہ ہر کوئی چاہتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ملک کی معاشی حالت اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی شرح نے خود نوجوان لڑکوں کی سوچ کو بھی متاثر کیا ہے اور ان کے والدین بھی بیٹوں کے لئے ایسے رشتے تلاش کرتے ہیں جو لڑکے کے معاشی حالات کو سدھارنے میں مددگار ثابت ہوں یعنی یا تو لڑکی ڈاکٹر' لیکچرار ہو تا ہم اگر لڑکے کے والدین کا سماجی مقام سفید پوش یا اس سے بھی کم ہو تو پھر تان ٹیچر پر آ کر ٹوٹتی ہے۔ بالفرض اگر یہ سب کچھ نہ بھی ہو تو پھر لڑکی کے والدین کا دولت مند ہونا یا بیرون ملک کام کرنا بھی لڑکے والوں کے لئے پُرکشش ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے خیال میں لڑکی والے اپنے ہونے والے داماد کو بیرون ملک روزگار فراہم کروا سکتے ہیں اگر بات یہی ہو تو کچھ زیادہ بری نہیں' اگر آپ لڑکے کی عملی زندگی کو بہتر راستے پر ڈالنے میں مدد دیں گے تو اس

کا فائدہ خود لڑکی کو بھی ہو گا' لیکن بری بات یہ ہے کہ لڑکی والوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ لڑکا کم عمر ہونے کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت اچھی شکل وصورت کے ساتھ اعلیٰ عہدے پر بھی فائز ہو یا پھر بڑا کاروبار ہو۔ اب آپ خود فیصلہ کرلیں کہ جب یہ سوچیں لے کر ان ذہنی معیارات کے ساتھ ہم ایک پاکیزہ سماجی وشرعی بندھن کو باندھنے کا آغاز کریں گے تو پھر اچھا رشتہ کہاں ملے گا؟

یاد رکھئے! لڑکے کا برسر روزگار نہ ہونا بھی ایک خواہ مخواہ کا بہانہ ہے کتنے ہی لوگ شادی کے بعد بے روزگار ہو جاتے ہیں تو کیا ان کی عورتیں گھر چھوڑ کر میکے چلی آتی ہیں؟ اسباب ووسائل کے اسیر' اعداد وشمار کے پیمانے سے ناپنے والے اور بہت زیادہ حسابی ذہنیت رکھنے والے ایسے لوگوں کے موہوم خیال کو دور کرنے کے لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ......﴾

(النور:۳۲)

''اور تم میں سے جو مجرد ہیں خواہ مرد ہوں یا عورت ان کے نکاح کر دو' اسی طرح تمہارے غلام اور باندیوں میں جو حقوق زوجیت کے قابل ہوں ان کا بھی نکاح کر دو اگر وہ تنگ دست ہوں تب بھی نکاح کر دو' اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل وکرم سے غنی کر دے گا''۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں: لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو اس کے عوض اللہ تعالیٰ (خوشحالی وغنی اور روزگار مہیا ہونے) کا اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔

دنیاوی تعلیم کا نہ ختم ہونے والا گورکھ دھندا:

ہمارے ہاں اعلیٰ تعلیم کا حصول بھی شادی میں رکاوٹ اور تاخیر کا ایک بڑا سبب

ہے' عام طور پر ماں باپ زیر تعلیم لڑکے' لڑکیوں کی تعلیم کے اختتام کے بعد معاشی مسئلہ کے مستقل حل تک شادی کو ملتوی رکھتے ہیں' دوران تعلیم اگر کوئی رشتہ آ جائے تو یہ کہہ کر رشتہ سے انکار کر دیا جاتا ہے کہ ابھی تو ہمارے بچے پڑھ رہے ہیں اور مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہے۔ بالفرض اگر ماں باپ بچوں کی شادی کرنے پر آمادہ ہوں تو بچے تعلیم کا بہانہ کر کے شادی کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

لڑکی جب اعلیٰ تعلیم حاصل کر لیتی ہے اور نوکری بھی شروع کر دیتی ہے تو پھر وہ زمین پر دیکھنا ہی چھوڑ دیتی ہے ہر وقت افسانوی دنیا میں مگن رہتی ہے' فضاؤں اور خیالاتی ہواؤں میں اڑان بھرتی ہے اور کسی رومانوی سٹوری کی طرح سوچتی ہے کہ کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ شہزادہ اس کی زندگی میں آئے گا اور اسے ڈولی میں سجا کر بہت بڑے محل میں لے جائے گا جہاں وہ رانی بن کر راج کرے گی جو حقیقی دنیا میں رہتے ہوئے تو ناممکن ہے۔

الغرض اعلیٰ تعلیم کے حصول کے چکر تک لڑکی کی جوانی آدھی سے زیادہ گزر چکی ہوتی ہے اگر پھر بھی کوئی رشتہ آئے تو لڑکی اور اس کے ماں باپ یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں ہماری لڑکی ٹھیک ٹھاک پڑھی لکھی اور عمدہ جاب کرتی ہے ہمیں تو اپنی لڑکی کے لئے اپنی لڑکی جیسا اعلیٰ تعلیم یافتہ اچھے عہدے پر فائز لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ادھر لڑکے والے بھی لڑکی والوں سے کم نہیں ہوتے وہ بھی اپنے لڑکے کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ کم عمر لڑکی کے چکر میں نخرے سے اس بڑی عمر کی لڑکی کو ٹھکرا دیتے ہیں اور تقریباً ۹۰ فیصد لڑکیاں حسرت بھری امیدیں لئے ساری زندگی ماں باپ کی دہلیز پر گزار دیتی ہیں۔

اتنا پڑھ لیا ہے اب کچھ کما بھی تو لوں:

ہمارے ہاں بالخصوص دیہات میں ملازم پیشہ خواتین کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ پہلے زمانے میں خواتین کی ملازمت کو گھر بھر اور رشتہ داروں کے لئے ایک طمانچہ سے کم نہ سمجھا جاتا تھا' لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم بھی خاندان کے لئے ایک گالی کی حیثیت

ہوتی' ملازمت کا حق صرف مردوں کو ہوتا تھا' عورت بحالت مجبوری صرف دو جگہ سکول میں ٹیچرز کی اور ہسپتال میں نرس کی حیثیت سے ملازمت کر سکتی تھی اس کے علاوہ عورت چادر و چار دیواری کے تقدس کی خاطر گھر سے باہر قدم نہ رکھ سکتی تھی' اگر عورت کو گھر سے باہر قدم مجبوراً رکھنا پڑتا تو ایک بڑی سی چادر میں لپٹی' بغیر پردے کے گھر سے نکلنا عورت کا کردار مشکوک بنا دیتا تھا۔ مردوں سے آنکھ ملانا' بات کرنا تو دور کی بات مردوں کے قریب سے بھی نہ گزرتی تھی۔ مگر آج عورت زندگی کے ہر شعبے میں کام کرنا اپنا پیدائشی حق اور فرض منصبی سمجھتی ہے' مردوں کے شانہ بشانہ بلکہ مردوں سے آگے بڑھنے کے چکر میں ضروریاتِ زندگی کے ہر شعبے میں عبور حاصل کرنے کے چکر میں کورسز کرتی ہے۔

مانا کہ دور جدید میں مرد و عورت دونوں طبقے ایک ہی راستے پر گامزن ہیں مگر پھر بھی فحاشی اور عریانی کے شیوع کے اس دور میں لوگ ملازمت پیشہ عورت کو اپنے عقد میں لینا ناپسند کرتے ہیں خواہ وہ کتنی ہی عفیفہ اور پاکدامن کیوں نہ ہو' اس کی سیرت و کردار کو مشکوک سمجھتے ہیں اس کا رشتہ لینا گوارا نہیں کرتے اگر کوئی رشتہ لے بھی لے تو ساری زندگی اسے طعنوں کی بھینٹ چڑھائے رکھتا ہے۔ یہ کہاں کا تقدس ہے کہ عورت کے ذمہ دوہری ڈیوٹی سونپی جائے' وہ گھر بھی سنبھالے اور ملازمت بھی کرے جبکہ خاوند فارغ رہے یا ایک ڈیوٹی کرے۔ یاد رکھئے! ملازمت پیشہ عورت صرف دولت کما سکتی ہے وہ پُرسکون زندگی نہیں دے سکتی۔

بڑی گھر بیٹھی ہے تو چھوٹی کو کیونکر بیاہ دیں؟

ہمارے ہاں عموماً یہ رواج ہے پہلے بڑی لڑکی کی شادی کی جاتی ہے بعد میں چھوٹی لڑکی کی باری آتی ہے۔ بڑی لڑکی کی شادی سے قبل چھوٹی لڑکی کا رشتہ کرنا معیوب تصور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے اگر لڑکے والوں کو چھوٹی لڑکی پسند آ گئی اور بظاہر لڑکا بھی اچھی شکل و صورت' عمدہ اخلاق و اعمال کا مالک ہے تو چھوٹی لڑکی کا رشتہ کر دینے

میں کوئی قباحت نہیں یوں چھوٹی لڑکی کی جب شادی ہو جائے گی تو اب رشتے کے لئے آنے والے بڑی لڑکی کا رشتہ پسند کر لیں گے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ دیکھنے بڑی گئے مگر پسند چھوٹی آ گئی اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو پھر بڑی لڑکی کے ساتھ ساتھ چھوٹی لڑکی کی شادی کی عمر سے گزر جاتی ہے اور پھر لڑکیاں ماں باپ کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتی ہیں۔

(مسنون شادی مروجہ رکاوٹیں بحذف و اختصار)

بندہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ بڑی لڑکی کو بٹھا کر چھوٹی لڑکی کے جوڑ کا خاوند مل جانے کی صورت میں اگر خاندان' رشتہ دار' اہل محلہ کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر رشتہ کر دیا جائے تو ان شاء اللہ خیر و برکت ہوگی اور بڑی لڑکی کے لئے بھی جلد یا بدیر بہت اچھے رشتے کا انتظام ہوگا۔

ہمارا دورخہ معیار رشتہ نہ ملنے کی سب سے بڑی وجہ:

شعبۂ تعلیم میں چالیس کا عرصہ گزارنے کے بعد ہیڈ مسٹریس کے طور پر ریٹائرڈ ہونے والی اصغری خالہ کہتی ہیں: اس دور میں اچھے رشتے نہ ملنے کا سب سے بڑا سبب خود ہمارا دورخہ معیار ہے۔ اگر ہم اپنے بیٹے کے لئے رشتہ تلاش کرتے ہیں تو لڑکی اور اس کے گھرانے کا ایک بلند معیار ہم اپنے ذہن میں قائم کر لیتے ہیں۔ یہ معیار خود ہمارے اپنے سماجی معیار سے بھی کہیں اونچا ہوتا ہے' لیکن جب ہم خود اپنی بیٹی کے لئے آنے والے رشتے کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے معیار بالکل بدل جاتے ہیں' ہم چاہتے ہیں کہ لڑکے والے خواہ ان کا سماجی و معاشی مقام ہم سے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو صرف ہماری بیٹی کی شرافت' سگھڑپن اور اس کی سیرت کو دیکھ کر رشتہ کر دیں' لیکن ذرا آپ خود سوچئے' جب ہم بیٹے والے بن کر لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں تب ہم خود یہ سب کچھ کیوں نہیں سوچتے؟ اس وقت شرافت' سلیقہ شعاری اور سیرت کے بجائے ہم ان کے والدین کے سماجی و معاشی قد کاٹھ سے اپنے ذہن میں قائم خود ساختہ معیار کا موازنہ

کیوں کرنے لگتے ہیں۔ میری نظر میں لڑکیوں کی شادی میں تاخیر اور اچھے رشتوں کے نہ ملنے کا رونا وہی لوگ روتے ہیں' جن کی زندگی کے معیار دورخہ ہوتے ہیں۔ جو لوگ بدلتی ہوئی سماجی اقدار کے باوجود اس خیال سے متفق ہوتے ہیں کہ رشتے بنائے نہیں جاتے بلکہ یہ آسمانوں پر طے ہو جاتے ہیں' زمین پر تو صرف ان کا ملن ہوتا ہے' ایسے لوگ کبھی پریشانی کا شکار نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے گھروں کے آنگن خوشیوں سے محروم رہتے ہیں' لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اگر بیٹی کے لئے کوئی رشتہ آتا ہے تو صرف ان کی خاندانی شرافت اور لڑکے میں کسب کمال کی صلاحیت کو اپنے مدنظر رکھیں' کیونکہ جس شخص میں اپنی محنت سے دو وقت کی روٹی کما لینے کی صلاحیت ہو تو وہ دنیا بھر کی آسائش بھی خدا کی مرضی سے وقت آنے پر حاصل کر ہی لیتا ہے۔

مسز رفعت تحسین ۵۰ سالہ خاتون بینکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہماری بیجا توقعات ہی اچھے رشتے نہ ملنے کا سبب ہوتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''جب ۳۲ برس قبل میری شادی ہوئی تو میری عمر صرف اٹھارہ برس تھی اور میں نے ان ہی دنوں ایف اے کا امتحان پاس کیا تھا' میرے شوہر قلیل تنخواہ پانے والے ایک پرائمری سکول ٹیچر تھے۔ ہم جوائنٹ فیملی میں رہتے تھے' لہٰذا جیسے تیسے گزارہ ہو رہا تھا۔ مکان بھی کرائے کا تھا۔ یہ سب باتیں مجھے پریشان کرتی تھیں' میں نے اپنے شوہر سے گریجویشن کرنے کی اجازت مانگی جو انہوں نے دے دی' میں نے پرائیویٹ طور پر گریجویشن کیا اور پھر یونیورسٹی سے ایم اے کیا' ایم اے کے بعد میں نے اپنے شوہر سے ملازمت کرنے کی اجازت لے لی اور بینک میں مجھے ملازمت مل گئی۔ ہم دونوں نے رزق حلال سے اپنی دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کی شادی کی۔ اللہ نے ہمیں اپنا ذاتی مکان بھی دیا' اور آج اللہ کے فضل سے ہم نہایت خوش حال زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارے سامنے چونکہ ہماری اپنی زندگی کی مثال تھی' لہٰذا جب ہماری بیٹیوں کے رشتے آئے تو ہم نے صرف یہ دیکھا کہ لڑکا آیا کہ باصلاحیت ہے یا نہیں اور جب بیٹے کی باری آئی تو لڑکی کے والدین کے سماجی مرتبے کے بجائے

ہم نے لڑکی کی تعلیم اور اس کی سلیقہ شعاری کو اپنا معیار بنایا۔ مجھے ان والدین سے جو بیٹیوں کے لئے اچھے رشتے نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں' بس یہی کہنا ہے کہ خدارا! صرف لڑکے کی صلاحیت کو دیکھیں' اگر لڑکا باصلاحیت ہے تو آنے والے برسوں میں خدا اسے محنت کا پھل ضرور دے گا کیونکہ جو لڑکا آج اپنی عملی زندگی شروع کر رہا ہے اسے منزل پر پہنچنے میں دیر تو لگے گی لیکن منزل ملے گی ضرور۔

رضوان الحق قریشی ملک گیر سطح پر خواتین کے حقوق اور ان کے مسائل پر کام کرنے والی ایک این جی او سے وابستہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''شادی کی عمر کو پہنچ جانے والی لڑکیوں کے والدین کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے گھر بار کی ہو جائیں۔ ہم نے بڑے شہروں سے لے کر دور دراز کے دیہاتوں میں اس مسئلے کا مشاہدہ کیا ہے' لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ صورت حال دن بدن تشویش ناک ہوتی جا رہی ہے۔ یہ مسئلہ نہایت گمبھیر صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ اچھا رشتہ ہر کوئی چاہتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ملک کی معاشی حالت اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی شرح نے خود نوجوان لڑکوں کی سوچ کو بھی متاثر کیا ہے اور ان کے والدین بھی بیٹوں کے لئے ایسے رشتے تلاش کرتے ہیں جو لڑکے کے معاشی حالات کو سدھارنے میں مددگار ثابت ہوں۔ یعنی کہ یا تو لڑکی ڈاکٹر' لیکچرار ہو تا ہم اگر لڑکے کے والدین کا سماجی مقام سفید پوش یا اس سے بھی کم ہے تو پھر تان ٹیچر پر آ کر ٹوٹتی ہے۔ بالفرض اگر یہ سب کچھ بھی نہ ہو تو پھر لڑکی کے والدین کا دولت مند ہونا یا لڑکی کے بھائیوں یا پھر باپ کا بیرون ملک کام کرنا بھی لڑکے والوں کے لئے پُرکشش ہو جاتا ہے' کیونکہ ایسے والدین سمجھتے ہیں کہ لڑکی والے ہونے والے داماد کو بیرون ملک روزگار فراہم کروا سکتے ہیں۔ اگر بات یہی ہو تو کچھ زیادہ بری نہیں ہوتی۔ اگر آپ لڑکے کی عملی زندگی کو بہتر راستے پر ڈالنے میں مدد دیں گے تو اس کا فائدہ خود لڑکی کو بھی ہو گا' لیکن بری بات یہ ہے کہ لڑکی والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکا کم عمر کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت اچھی شکل و

صورت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ عہدے پر بھی فائز ہو یا پھر بڑا کاروبار ہو۔ اب آپ خود فیصلہ کرلیں کہ جب یہ سوچیں لے کر ان ذہنی معیارات کے ساتھ ہم ایک پاکیزہ سماجی و شرعی بندھن کو باندھنے کا آغاز کریں گے تو پھر اچھا رشتہ کہاں ملے گا۔

لبنیٰ مقبول' ایک اشاعتی ادارے سے وابستہ نوجوان نسل کی نمائندہ ہیں۔ یہ کہتی ہیں کہ "سب کہتے ہیں کہ لڑکیوں کے لئے اچھے رشتے نہیں ملتے' لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھے رشتے کا معیار کیا ہے؟ بہو کی تلاش ہو یا داماد کا انتخاب۔ میرے خیال میں ایک اچھا رشتہ وہ ہوتا ہے جو تعلیم یافتہ ہو' روشن خیال ہو' حالات کو قسمت کا لکھا سمجھ کر صابر وشاکر ہونے کے بجائے حالات کو ہی بدلنے کا سوچے' دولت ہی صرف مرکز نگاہ نہیں ہونی چاہئے"۔ لبنیٰ مقبول مزید کہتی ہیں کہ "انسان کی زندگی تین چیزوں کے حصول کے گرد گھومتی ہے اور انہی کی مطابقت سے ہم "اچھے رشتے" کا تصور قائم کرلیتے ہیں۔ پہلی چیز ہے ضرورت' دوسری ہے آسائش اور تیسری ہے تعیش۔ انسان کی سب سے اہم چیز ضرورت ہے' جو ضرورت کو آسان کرنے کا حل ڈھونڈ لیتا ہے میرے خیال میں وہ اچھا رشتہ ہوتا ہے۔ یہ کلیہ بہو اور داماد دونوں کے لئے یکساں ہے۔ مثلاً اگر بیوی تعلیم یافتہ' سلیقہ شعار اور باشعور ہے تو وہ بخوبی سمجھتی ہے کہ شوہر "ضرورت" تو پوری کرلیتا ہے مگر اب آسائش کے لئے دونوں مل جل کر کام کرلیں تو بچوں کو پُرتعیش اور پُرسکون ماحول مل سکتا ہے' لہٰذا وہ اپنے شوہر کا ہاتھ بٹا کر صرف چند برسوں میں ہی بہت کچھ کرسکتی ہے۔ یوں دونوں اور ان دونوں کے آنے والوں کی زندگی بھی مطمئن ہوجاتی ہے' لہٰذا والدین کو بہو میں تعلیم' سلیقہ اور شعور جب کہ لڑکی والوں کو داماد میں ایک کوالٹی ڈھونڈنی چاہئے' وہ یہ کہ کیا وہ شخص آنے والی زندگی کے دور کی ضروریات پوری کرسکتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں کچھ اور ہی سوچ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ لڑکی سسرال میں آئے تو لڑکے اور اس کے گھر والوں کے لئے آسائش اور تعیشات کے سارے لوازمات جہیز کی شکل میں ساتھ لے کر آئے۔ دوسری جانب لڑکی والوں کی سوچ ہوتی ہے کہ ہماری بیٹی اپنے گھر

میں جیسی بھی زندگی بسر کرتی رہی وہ الگ ہے' لیکن سسرال جائے تو اسے تمام تعیشات بہم ہوں۔ بس یہی بنیادی چیز ہے کہ ہم اچھے رشتوں کے بروقت نہ ملنے کا رونا روتے رہتے ہیں۔ لڑکی کم عمر ہوتی ہے اور زیر تعلیم ہوتی ہے کہ رشتے آنے شروع ہوجاتے ہیں' لیکن غریب والدین اس آس میں کہ بیٹی پڑھ لکھ کر کوئی نوکری کرلے' پھر جہیز جمع کر کے شان سے شادی کردیں گے' سوچ کر رشتوں کو انکار کرتے رہتے ہیں اور پھر جب سب کچھ ان کے حسب منشاء ہوجاتا ہے تو پھر لڑکی کے رشتے نہیں آتے اور وہ والدین کی دہلیز پر ہی بوڑھی ہونے لگتی ہے۔ اگر ہم شریعت محمد ﷺ پر چلیں' سادگی کو اپنائیں اور مروجہ جہیز کی لعنت کو ختم کرلیں تو آج ہمیں جو سماجی مسئلہ درپیش ہے وہ کبھی کا ختم ہوجائے گا' لیکن اس کے لئے پہل خود ہمیں اپنے گھر سے ہی کرنی ہوگی۔ انتظار ہے تو بس یہ کہ پہلا پتھر کون پھینکے۔

مناسب رشتہ نہ ملنے کا فضول عذر:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں بعض لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ کہیں سے موقع کا رشتہ ہی نہیں آتا تو کیا کسی کے ہاتھ پکڑا دیں؟ یہ عذر اگر واقعی ہوتا تو صحیح تھا یعنی سچ مچ اگر موقع کا رشتہ نہ آتا تو واقعی یہ شخص معذور تھا لیکن خود اسی میں کلام ہے کہ جو رشتے آتے ہیں کیا وہ سب ہی بے موقع ہیں؟ بات یہ ہے کہ بے موقع کا مفہوم خود انہوں نے اپنے ذہن میں تصنیف کر رکھا ہے جس کے اجزاء یہ ہیں: (۱) حسب و نسب حضرات حسنین جیسا ہو۔ (۲) اخلاق میں جنید جیسا ہو۔ (۳) دینی علم ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے برابر ہو اگر دنیوی علم ہے تو بوعلی سینا کا مثل ہو۔ (۴) حسن میں یوسفؑ کا ثانی ہو۔ (۵) ثروت وریاست میں قارون وفرعون کے ہم پلہ ہو۔ غلو ہر امر میں مذموم ہے ایک ہی شخص میں تمام صفات کا مجتمع ہونا شاذ و نادر ہے' جن صفات کو جس درجہ میں تم دوسروں میں ڈھونڈتے ہو تم کو جس شخص نے لڑکی دی تھی جس کی بدولت آج اپنی لڑکی

کے باپ بن کر یہ جوانیاں دکھا رہے ہو کیا اس شخص نے تمہارے لئے ایسی ہی تفتیش و تحقیق کی تھی اگر وہ ایسا ہی کرتا تو تم کو عورت ہی میسر نہ ہوتی ' اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو تم نے یا تمہارے باپ نے دوسرے مسلمان بھائی کی بدخواہی کیوں کی؟ باوجود تمہارے اندر ان صفات کے پورے طور سے مجتمع نہ ہونے کے اس کی لڑکی پر نکاح کے ذریعہ قبضہ کر لیا (جو چیز تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہ دوسروں کے لئے کیوں نہیں پسند کرتے) اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ دوسرے یہ کہ جب تم اپنی لڑکی کے لئے ان صفات کا حامل شوہر تلاش کرتے ہو انصاف کرو تم نے جب اپنے لڑکے کے لئے کسی لڑکی کی درخواست کی تھی یا کرنے کا خیال ہے کیا اپنے صاحبزادے میں بھی یہ صفات اسی درجہ کی دیکھ لیں یا دیکھنے کا ارادہ ہے؟ تیسرے یہ کہ جس طرح لڑکوں میں بے شمار خوبیاں ڈھونڈی جاتی ہیں اگر دوسرا شخص تمہاری لڑکیوں میں اس سے دسواں حصہ خوبیاں اور ہنر دیکھنے لگے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تمام عمر ایک لڑکی بھی نہ بیاہی جائے گی۔ غرض یہ عذر کہ رشتہ موقع مناسب کا نہیں ملتا اکثر حالتوں میں بے موقع ہوتا ہے۔

رسوم ورواج کی قباحتیں

رسم صرف اس بات کو نہیں کہتے جو نکاح اور تقریبات میں کی جاتی ہے بلکہ غیر ضروری چیز کو ضروری سمجھ لینے کا نام رسم ہے خواہ شادی بیاہ کی تقریبات میں ہو یا روزمرہ کے معمولات میں۔ رسم وغیر رسم کا معیار: اس میں صرف دو چیزیں دیکھنی ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ رسم کسی غیر مسلم قوم کی دیکھا دیکھی تو کسی مسلم علاقے میں رائج نہیں ہوئی؟ دوسرے یہ کہ اس میں کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی تو نہیں پائی جاتی؟ اگر مسلمانوں کے کسی بھی علاقائی رواج میں غیر مسلموں کی مشابہت یا شریعت کی خلاف ورزی کا پہلو نہیں ہے تو ایسے رواجوں پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعنوان دیگر جب نہ رسم کی نیت ہو اور نہ رسم والوں کے طریقہ پر کریں تو وہ رسم نہیں نہ حقیقتاً نہ صورۃً یہی معیار فرق ہے۔

رسم ورواج بھی گناہ میں داخل ہیں:

بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کی طرف آج خیال بھی نہیں جاتا بلکہ چھوڑنے سے جی گھبراتا ہے اور یوں تو گناہ سب ہی برے ہیں لیکن ایسے گناہ زیادہ خطرناک ہیں جو عموماً عادت اور رواج میں داخل ہو گئے ہیں کیونکہ طبیعتیں ان سے مانوس ہو گئی ہیں حتیٰ کہ ان کی برائی ذہن سے دور ہو گئی ہے ان کے چھوٹنے کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ آدمی چھوڑتا تو اس چیز کو ہے جس کی برائی ذہن میں ہو اور جس چیز کی برائی ذہن سے نکل جاتی ہے پھر اس کو کیوں چھوڑنے لگا؟

یہ وہ حقیقت ہے جس کو موت قلب (دل کی موت) کہتے ہیں اس کے بعد توبہ کی بھی کیا امید ہے کیونکہ توبہ کی حقیقت ندامت ہے یعنی پشیمانی اور پشیمانی اس کام سے ہوا کرتی ہے جس کی برائی ذہن میں ہو اور جب گناہ دل میں ایسا رچ گیا کہ اس پر فخر کرتے

ہیں تو پشیمانی کہاں؟

ان (رسوم) نے ایسا رواج پایا ہے جیسے سالن میں ہلدی، مصالحہ، نمک، مرچ ان کے بغیر سالن بنتا ہی نہیں حتیٰ کہ جو لوگ مرچ زیادہ کھاتے ہیں ان سے کوئی ماہر طبیب بھی کہے کہ مرچ میں یہ نقصان ہے تو بھی ان کا دل قبول نہ کرے گا اور یہی جواب دیں گے کہ میاں طب کو رہنے دو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ساری عمر کھاتے ہو گئی کوئی بھی نقصان نہیں ہوا اور بے مرچ کے لطف ہی کیا؟

اسی طرح مسلمان غیر قوموں کی صحبت سے رسموں کے ایسے خوگر ہو گئے ہیں کہ بغیر ان کے کسی تقریب (شادی) میں لطف ہی نہیں آتا چاہے گھر ویران ہو جائے لیکن رسمیں نہ قضاء ہوں اصل یہ ہے کہ اعتقاد میں ان کا معصیت اور گناہ ہونا ہی نہیں رہا حتیٰ کہ اگر کوئی رسم رہ جاتی ہے تو مرتے مرتے وصیت کر جاتے ہیں۔

کیسا حس باطل ہوا ہے؟ آپ کے بے حس ہو جانے سے معصیت طاعت نہیں بن جائے گی خدا تعالیٰ کے یہاں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو گا یہ حالت بہت اندیشہ کی چیز ہے کہ معصیت کا برا ہونا بھی ذہن سے اٹھ جائے۔

آج کل کی رسموں کے ممنوع اور ناجائز ہونے کے شرعی دلائل:

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ گناہ کیا چیز ہے گناہ کی حقیقت ہے خدا کے احکام کو بجا نہ لانا۔ آپ نے جو فہرست گناہوں کی بنائی ہے اس میں بہت سی کوتاہیاں ہیں۔ شریعت کی دی ہوئی فہرست میں اور بھی گناہ ہیں آپ کی نظر چونکہ اپنی فہرست پر ہے اس واسطے رسموں کو گناہ نہیں سمجھتے میں نے بتا دیا کہ شریعت کی فہرست میں ایک گناہ تفاخر بھی ہے، یہ جس عمل میں پایا جائے گا اس کو فاسد کر دیتا ہے۔

(خوب) سمجھ لیجئے کہ شریعت نے جو گناہوں کی فہرست دی ہے اس میں اور بھی گناہ ہیں جو آپ کی رسوم کا جز ہیں یعنی اس میں تکبر اور تفاخر وغیرہ بھی داخل ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمان: ۱۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ ایسوں کو پسند نہیں کرتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں، شیخی کی باتیں کرتے ہوں''۔

اور فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنَ الْكِبْرِ))

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا''۔

اور دوسری حدیث میں ہے:

((مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ)) (مشكوٰة)

''جو شخص شہرت کے واسطے کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا (اور قیامت کے دن اس کو رسوا کرے گا)''۔

اور ایک حدیث میں ہے:

((من لبس ثوب شهرة البسه الله ثوب الذل يوم القيامة))

''جو شخص دکھاوے اور شہرت کی غرض سے کوئی کپڑا پہنے گا خدا تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا''۔

ان آیات اور احادیث سے عجب اور تکبر اور تصنع اور دکھاوے کی برائی واضح ہے اب دیکھ لیجئے کہ رسوم کی بناء ان ہی پر ہے یا نہیں ہے۔

ہمارے پاس دلیل موجود ہے جس کی بنا پر ہم ان رسوم کو برا کہتے ہیں وہ دلیل یہ ہے کہ تکبر و تفاخر اور دکھلاوے کو شریعت نے معصیت قرار دیا ہے جس فعل میں یہ معصیت موجود ہوگی وہ بھی معصیت ہوگا۔

اب آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کی رسموں کا یہ جز اعظم ہے یا نہیں؟ دیکھئے کپڑا پہننا جائز ہے مگر جب تفاخر شامل ہو جائے تو جائز نہیں' کھانا کھلانا جائز ہے مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں' کسی کو لینا دینا' رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا سب سے اچھا مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں' یہ تفاخر حلال چیزوں کو ایسا گندہ کرتا ہے جیسے نجاست کنویں کو جس کو آپ نے بہت سہل سمجھ رکھا ہے اور اس کا نام ہی اپنی فہرست سے اڑا دیا ہے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو رسموں کی بناء اور اصل بھی تفاخر ہے حتیٰ کہ بیٹی کو جو چیز جہیز میں دی جاتی ہے اس کی اصل بھی یہی ہے بیٹی لخت جگر کہلاتی ہے ساری عمر تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ رکھا کہ چھپا چھپا کر اس کو کھلاتے تھے دوسرے کو دکھانا پسند نہ تھا شاید نظر لگ جائے' نکاح کا نام آتے ہی ایسی کایا پلٹی کہ ایک ایک چیز مجمع کو دکھائی جاتی ہے برتن اور جوڑے اور صندوق حتیٰ کہ آئینہ' کنگھی تک شمار کر کے دکھائے جاتے ہیں اگر آپ غور کریں گے تو اس کی وجہ صرف تفاخر پائیں گے برادری کو دکھانا ہے کہ ہم نے اتنا دیا یہ منظور نہیں ہوتا کہ ہماری بیٹی کے پاس سامان زیادہ ہو جائے اسی واسطے تمام جہیز ایسا تجویز کیا جاتا ہے کہ ظاہری بناوٹ میں بہت اجلا ہو۔

بیاہ شادی کی رسموں کے ناجائز ہونے کی قوی دلیل:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ﴾ (المائدہ:۹۱)

''شیطان کی جوئے اور شراب سے یہ غرض ہے کہ آپس میں دشمنی ڈال دے اور ذکر اللہ اور نماز سے روک دے''۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں جوئے اور شراب کے دو نقصان بتلائے ہیں ایک یہ کہ شیطان ان کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں نفاق ڈال دے۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عداوت اور بغض نماز اور ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں آتی ہیں اور آلہ اور علت ایک ہی چیز ہے اسی واسطے اس کی شرح میں جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: كل ما الهاك عن ذكر الله فهو ميسر ''یعنی جو چیز تجھ کو ذکر اللہ سے غافل کر دے وہ سب جوا ہے''۔ حدیث میں جو اس کو جوا کہا گیا ہے وہ علت کے اشتراک کی بنا پر ہے اس کی تصریح ہوگئی کہ نہی عن الخمر والمیسر کی علت الہاء عن ذکر اللہ (یعنی اللہ کے ذکر اور نماز سے غفلت کرنا) پایا جائے گا اور وہ سب حکماً خمر اور میسر (یعنی شراب اور جوا کے حکم میں) ہوگا۔

اب اسی سے اپنی رسموں کا حکم نکال لیجئے۔ حدیث کے الفاظ صاف کہتے ہیں کہ (جو چیز نماز اور ذکر سے غافل کر دے) ان کا حکم بھی جوئے اور شراب کا سا ہے کیونکہ نماز سے غافل ہونے کا سبب ہوگئیں۔

اگر اور دلیلوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو یہ دلیل میں نے ایسی پیش کی ہے کہ اس کے سامنے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں اور اس کا جواب آپ کچھ بھی نہیں دے سکتے' جب چاہے مشاہدہ کر لیجئے کہ جہاں یہ رسمیں ہوتی ہیں وہاں نماز کی (پابندی) نہیں ہوتی۔

جب برادری میں خبر مشہور ہوتی ہے کہ فلاں گھر میں تقریب ہے تو ہر بی بی کو نئے قیمتی جوڑے کی فکر ہوتی ہے کبھی خاوند سے فرمائش ہوتی ہے کبھی خود۔ بزاز (کپڑے بیچنے والے) کو دروازہ پر بلا کر اس سے ادھار لیا جاتا ہے یا سودی قرض لے کر اس سے خریدا جاتا ہے۔ شوہر کو اگر وسعت نہیں ہوتی تب بھی اس کا عذر قبول نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے یہ جوڑا محض ریا اور تفاخر کے لئے بنتا ہے' اس غرض سے مال خرچ کرنا اسراف ہے۔

خاوند پر اس کی وسعت سے زیادہ بلاضرورت فرمائش کرنا اس کو ایذا پہنچانا ہے اگر خاوند کی نیت ان فرمائشوں سے بگڑ گئی اور حرام آمدنی پر اس کی نظر پہنچی کسی کا حق تلف کیا رشوت لی اور فرمائشیں پوری کیں اب سب گناہوں کا باعث یہ بی بی بنی۔ ان رسموں کے پورا کرنے میں اکثر مقروض بھی ہوتے ہیں گو باغ ہی فروخت یا گروی ہو جائے اور گو سود دینا پڑے اس میں التزام مالا یلزم اور نمائش' شہرت اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں اس لئے یہ بھی ممنوعات میں داخل ہیں۔ (اصلاح الرسوم)۔

برامت منایئے لیکن......! رسوم ورواج کی جڑ آپ عورتیں ہی ہیں:

جتنے سامان بیاہ شادی کے ہیں سب کی بناء تفاخر اور نمود (شہرت) پر ہے اور یہ تفاخر گو مرد بھی کرتے ہیں مگر اصل جڑ اس میں عورتیں ہی ہیں یہ اس فن کی امام ہیں اور ایسی شاق اور تجربہ کار ہیں کہ نہایت آسانی سے تعلیم دے سکتی ہیں۔ جو آدمی جس فن کا ماہر ہوتا ہے اس کو اس فن کے کلیات خوب معلوم ہوتے ہیں' یہ ایک کلیہ (قاعدہ) میں سب کچھ سکھا دیتی ہیں' جب ان سے پوچھا جائے کہ بیاہ شادی میں کیا کیا کرنا چاہئے تو ایک ذرا سا کلیہ چٹکلہ سا سمجھا دیتی ہیں کہ زیادہ نہیں اپنی شان کے موافق تو کر لو۔ یہ کلیہ نہیں بلکہ کلیہا ہے اور کلیہا بھی ایسی ہے کہ ہاتھ بھی اس میں سما جائے۔ یہ تو اتنا سا جملہ کہہ کر الگ ہو گئیں کرنے والوں نے جب اس کی شرح پوچھی تو وہ اتنی طویل ہوئی کہ ہزاروں جزئیات اس میں سے نکل آئیں جن سے دنیا کی بھی بربادی ہوئی اور آخرت کا بھی کوئی گناہ نہیں بچا۔ انہوں نے تو صرف ایک لفظ یہ کہہ دیا تھا کہ اپنی شان کے موافق کر لو جس کو مردوں نے شرح کرا کرا اتنا بڑھا لیا کہ ریاستیں کی ریاستیں غارت ہو گئیں' ہزاروں گناہ کبیرہ سرزد ہو گئے۔

عورتوں کے جمع ہونے کے مفاسد اور خرابیاں:

مستورات (عورتوں) کے جمع ہونے میں بہت سی خرابیاں اور گناہ ہیں جو عقل مند

دیندار کو مشاہدہ اور غور کرنے سے بے تکلف معلوم ہو سکتے ہیں اس لئے میری رائے یہ ہے کہ ام المفاسد (تمام برائیوں کی جڑ) یہ عورتوں کا جمع ہونا اس کا انسداد (بندوبست) سب سے زیادہ ضروری ہے۔ میں رائے دیتا ہوں کہ عورتوں کو آپس میں ملنے نہ دیا کرو خربوزہ سے دوسرا خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔

میری رائے بلاشک وشبہ قطعی طور سے یہ ہے کہ ان عورتوں کو ایک جگہ جمع ہی نہ ہونے دیں اور اگر کسی ایسی ضرورت کے لئے جمع ہوں جس کو شارع نے بھی ضرورت قرار دیا ہو تو مضائقہ نہیں مگر اس میں بھی خاوندوں کو چاہئے کہ عورتوں کو اس پر مجبور کریں کہ کپڑے بدل کر مت جاؤ جسطرح اور جس حالت میں باورچی خانہ میں بیٹھی ہو چلی جاؤ۔

تقریبات میں عورتیں چند موقعوں پر جمع ہوتی ہیں اس اجتماع میں جو خرابیاں ہیں ان کا شمار نہیں مثال کے طور پر بعض کا بیان ہوتا ہے۔

بیاہ شادیوں میں عورتوں کے مفاسد کی تفصیل:

① تیجی عورتوں کی گویا سرشت میں داخل ہے اٹھنے بیٹھنے میں' بولنے میں' چلنے میں کہیں جائیں گی تو بے دھڑک اتر کر گھر میں داخل ہوں گی یہ احتمال نہیں کہ شاید گھر میں کوئی نامحرم مرد پہلے سے ہو اور بار ہا ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر نامحرم کا سامنا ہو جاتا ہے مگر عورتوں کو تمیز ہی نہیں کہ پہلے گھر میں تحقیق کر لیا کریں۔

② اب گھر میں پہنچیں حاضرین کو سلام کیا' بعضوں نے زبان کو تکلیف ہی نہیں دی فقط ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا بس سلام ہو گیا جس کی ممانعت حدیث میں آئی ہے۔ بعضوں نے لفظ سلام کہا تو صرف لفظ سلام یہ بھی سنت کے خلاف ہے' السلام علیکم کہنا چاہئے۔ اب جواب ملاحظہ فرمایئے جیتی رہو۔ ٹھنڈی رہو' سہاگن رہو' بھائی جئے' بچہ جئے' غرض کنبہ بھر کی فہرست شمار کرنا آسان اور وعلیکم السلام کہنا مشکل جو سب کو

جامع ہے۔

③ وہاں پہنچ کر ایسی جگہ بیٹھیں گی کہ سب کی نظر ان پر پڑے' ہاتھ کان ضرور دکھلائیں گی ہاتھ کسی چیز میں گھرا ہوا ہو تب بھی کسی بہانہ سے نکالیں گی اور کان گو ڈھکے ہوئے ہوں مگر گرمی کے بہانہ سے یا کسی ضرورت کے بہانہ سے کھول کر ضرور دکھلائیں گی کہ ہمارے پاس اتنا زیور ہے۔ اگر کسی کی نظر نہ بھی پڑے تو کھجلی اٹھا کر کان تو دکھا ہی دیں گی جس سے اندازہ کیا جائے کہ جب اتنا زیور ان کے کانوں میں ہے تو گھر میں نا معلوم کتنا ہو گا؟

④ اب مجلس جمی تو شغل اعظم یہ ہوا کہ گپیں شروع ہوئیں' بیٹھتے ہی سوائے غیبت کے کوئی اور دوسرا مشغلہ ہی نہیں جو سخت ممنوع اور قطعی حرام ہے ان عورتوں کو شخی کے دو موقع ملتے ہیں ایک خوشی کا ایک غمی کا انہی دو موقعوں پر اجتماع ہوتا ہے۔

⑤ باتوں کے درمیان ہر بی بی اس کوشش میں ہے کہ میری پوشاک اور زیور پر سب کی نظر پڑ جانی چاہئے ہاتھ سے پاؤں سے زبان سے غرض تمام بدن سے اس کا اظہار ہوتا ہے جو صریح ریا ہے اور جس کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے۔

⑥ اور جس طرح ہر بی بی (دوسروں کو اپنا زیور) دکھاتی ہے اسی طرح دوسروں کی مجموعی حالت دیکھنے کی بھی کوشش کرتی ہے چنانچہ اگر کسی کو اپنے سے کم پایا تو اس کو حقیر اور ذلیل سمجھا اور اپنے کو بڑا یہ صریح تکبر اور گناہ ہے اور اگر دوسری کو اپنے سے بڑھا ہوا پایا تو حسد' ناشکری اور حرص اختیار کی یہ تینوں گناہ ہیں۔

⑦ اکثر اس طوفان اور بے ہودہ مشغولی میں نمازیں اڑ جاتی ہیں ورنہ وقت تو ضرور تنگ ہو جاتا ہے۔

⑧ اکثر تقریب والے گھر کے مرد بے احتیاطی اور جلدی میں بالکل دروازہ میں گھر کے روبرو کھڑے ہو جاتے ہیں (بلکہ گھر کے اندر گھس جاتے ہیں) اور بہتوں پر نگاہ پڑتی ہے ان کو دیکھ کر کسی نے منہ پھیر لیا کوئی آڑ میں آ گئی' کسی نے سر نیچا کر لیا بس

پردہ ہو گیا۔

⑨ فراغت کے بعد جب گھر جانے کو ہوتی ہیں تو یاجوج ماجوج کی طرح وہ تموج ہوتا ہے کہ ایک پر دوسری اور دوسری پر تیسری غرض دروازہ پر سب لپٹ جاتی ہیں کہ پہلے میں سوار ہوں۔

⑩ پھر کسی کی کوئی چیز گم ہو گئی تو بلا دلیل کسی کو تہمت لگانا' اس پر تشدد کرنا اکثر شادیوں میں پیش آتا ہے۔

لباس' زیور' میک اپ (زینت) کا مقصد:

① غضب یہ ہے کہ ایک شادی کے لئے ایک جوڑا بنا وہ دوسری شادی کے لئے کافی نہیں۔ اس کے لئے پھر دوسرا جوڑا چاہئے۔ یہ تو پوشاک کی تیاری تھی اب زیور کی فکر ہوئی۔ اگر اپنے پاس نہیں ہوتا تو مانگ مانگ کر پہنا جاتا ہے اور اس کی عاریت (مانگا ہوا) ہونے کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ اس کو اپنی ہی ملکیت ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کا جھوٹ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بہ تکلف اپنی آسودگی (خوشحالی) ظاہر کرے ایسی چیز سے جو اس کی نہیں ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دو کپڑے جھوٹ اور فریب کے پہن لئے' یعنی سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا۔

پھر اکثر ایسا زیور پہنا جاتا ہے جس کی جھنکار دور تک جائے تاکہ محفل میں جاتے ہی سب کی نگاہیں انہیں کے نظارہ میں مشغول ہو جائیں بجتا زیور پہننا خود ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر باجے کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔

② بعض عورتیں ایسی بے احتیاط ہوتی ہیں کہ ڈولی (سواری) سے پلہ لٹک رہا ہے یا کسی طرف سے پردہ کھل رہا ہے یا عطر و پھلیل اس قدر ملا ہے کہ راستہ میں خوشبو مہکتی جاتی ہے یہ نامحرموں کے روبرو زینت ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو عورت گھر سے عطر لگا کر نکلے یعنی اس طرح کہ دوسروں کو بھی خوشبو پہنچے تو وہ ایسی ویسی ہے (یعنی

بدکار زانیہ ہے)۔

بیوی کن لوگوں کے سامنے خوشبو لگا سکتی ہے:

میں ان صفحات میں آپ کے سامنے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات نقل کر رہا ہوں لیکن اسی بیچ میں مناسب جانا کہ آپ ؒ نے خوشبو کی بابت کچھ تحریر فرمایا تو یہاں خوشبو کی بابت کچھ تحریر کردو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ عالی شان ہے:

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اَرْكَبُ الْاُرْجُوَانَ وَلَا اَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ وَلَا اَلْبَسُ الْقَمِيْصَ الْمُكَفَّفَ بِالْحَرِيْرِ وَقَالَ اَلَا وَطِيْبُ الرِّجَالِ رِيْحٌ لَا لَوْنَ لَهُ وَطِيْبُ النِّسَاءِ لَوْنٌ لَا رِيْحَ لَهُ (رواہ ابوداود احمد المسند۔

"اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں ارغوانی یعنی سرخ رنگ کے ازین پوش پر سوار نہیں ہوتا نہ میں کسم کا رنگا ہوا کپڑا پہنتا ہوں اور نہ میں ایسا پیرہن (کرتا وغیرہ) پہنتا ہوں جس پر ریشمی سنجاف (یعنی ریشمی گوٹ وبیل وغیرہ) لگی ہوئی ہو اور پھر فرمایا یاد رکھو مرد جو خوشبو لگائیں وہ ایسی ہونی چاہئے جس میں مہک تو ہو رنگ نہ ہو جیسے گلاب اور عطر وغیرہ تاکہ رنگ دار خوشبو لگانے سے کپڑے رنگین نہ ہوجائیں اور عورتیں جو خوشبو لگائیں وہ ایسی ہونی چاہئے جس میں رنگ تو ہو مہک نہ ہو جیسے زعفران ومہندی وغیرہ تاکہ ان کی مہک باہر نکل کر مردوں کے لئے فتنہ وابتلاء کا سبب نہ بن جائے"۔

خوشبو کا مسئلہ:

میری تو سمجھ سے باہر ہے کہ چلئے کپڑوں وغیرہ کی بابت تو ہوسکتا ہے کہ کبھی شوہر کو احساس نہ ہو یا عورت ہی کو ہوسکتا ہے کہ احساس نہ ہو (اگرچہ یہ محض میری خوش فہمی ہے) کہ کپڑے ذرا باریک ہیں یا دوپٹہ سوچ کر پہن لے کہ چلو اوپر تو پردہ ہے وغیرہ وغیرہ لیکن خوشبو کا مسئلہ تو سب کو معلوم ہے پھر مرد اس بابت اپنی بیویوں کو باہر لے جاتے وقت کوئی احتیاط کا مطالبہ نہیں کرتے۔

یاد رکھئے!

ایک زندہ حقیقت ہے مرے سینے میں مستور ☆ کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی! ☆ نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد

گزشتہ حدیث میں سرخ کپڑا مراد ہے خواہ وہ ریشمی ہو اور یا غیر ریشمی اور گویا یہ ارشاد گرامی اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس حکم کو زیادہ سے زیادہ تاکید کے ساتھ واضح کررہا ہے کہ مردوں کو سرخ رنگ کا لباس پہننے سے اجتناب کرنا چاہئے، جب کہ آپ خواتین کی بابت کوئی ایسی ممانعت نہیں۔

اور نہ میں پہنتا ہوں...... کا مطلب یہ ہے کہ میں ایسا کرتا یا جبہ وغیرہ نہیں پہنتا جس میں ریشمی سنجاف چار انگشت سے زیادہ ہو یہ ارشاد گرامی تقویٰ اور احتیاط پر محمول ہے۔

"جس میں رنگ تو ہو مہک نہ ہو" کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو اپنے گھر سے باہر نکلتے وقت ایسی کوئی چیز استعمال کرنی درست نہیں ہے جس میں مہک اور خوشبو ہو ہاں گھر کے اندر رہتے ہوئے اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حدیث میں خوشبو کے سلسلے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا ظاہری اسلوب بیان "خبر" کا ہے لیکن معنی میں امر یعنی حکم کے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے جیسا کہ ترجمہ میں بھی واضح کیا گیا ہے کہ مرد جو خوشبو استعمال کریں اس میں رنگ کی آمیزش نہ ہونی چاہئے۔ اس کر برخلاف عورت

جو خوشبو استعمال کرے اس میں مہک نہ ہونی چاہئے۔ اسی طرح شمائل ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ مردوں کی خوشبو ایسی چیز ہونی چاہئے جس سے مہک تو نکلتی ہو لیکن اس کا رنگ ظاہر نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو ایسی چیز ہونی چاہئے جس کا رنگ تو ظاہر ہو لیکن اس سے مہک نہ نکلتی ہو۔ اس روایت کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عورت گھر سے باہر نکلتے وقت کوئی ایسی چیز استعمال نہ کرے جس کی مہک پھیلتی ہو کیونکہ اگر یہ مطلب نہیں لیا جائے گا تو عبارت کا مفہوم اس لئے غیر واضح ہو جائے گا کہ کوئی بھی ''خوشبو'' بغیر مہک کے نہیں ہو سکتی اس صورت میں اس کی طرف ''مہک'' کی نسبت غیر ضروری اور بے فائدہ ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ کچھ خوشبوئیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں بالکل مہک نہیں ہوتی اور عورتوں کے لئے ایسی ہی خوشبوؤں کا استعمال جائز کیا گیا ہے تو یہ بات بالکل غیر حقیقی اور غیر صحیح ہوگی۔

عورتوں کو بناؤ سنگھار میں کچھ ایسی چیزوں کی ممانعت جس میں وہ بہت زیادہ مبتلا ہیں:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَعَنْ اَبِیْ رَیْحَانَةَ قَالَ نَہٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْرٍ عَنِ الْوَشْرِ وَالْوَشْمِ وَالنَّتْفِ وَعَنْ مُکَامَعَةِ الرَّجُلَ بِغَیْرِ شِعَارٍ وَمُکَامَعَةِ الْمَرْاَةِ الْمَرْاَةَ بِغَیْرِ شِعَارٍ وَاَنْ یَّجْعَلَ الرَّجُلُ اَسْفَلَ ثِیَابِهٖ حَرِیْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ اَوْ یَجْعَلَ عَلٰی مَنْکِبَیْهِ حَرِیْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ وَعَنِ النُّہْبٰی وَعَنْ رُکُوْبِ النُّمُوْرِ وَلُبُوْسِ الْخَاتَمِ اِلَّا لِذِیْ سُلْطَانٍ (رواہ ابو داود والنسائی)

احمد المسند۔

''اور حضرت ابو ریحانہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دس باتوں سے منع فرمایا ہے: دانتوں کو تیز کرنے سے، جسم کے کسی حصہ کو گودنے سے، بال اکھاڑنے سے، مرد کو مرد کے ساتھ سونے سے اگر درمیان میں کپڑا حائل نہ ہو اور آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ مرد اپنے کپڑے کے نیچے ریشم (کا استر) لگائے جیسا کہ عجمی لوگ لگاتے ہیں یا عجمی لوگوں کی طرح مونڈھوں پر ریشمی کپڑا لگائے اور آپ ﷺ نے کسی کا مال لوٹنے اور چیتے کی زین پر سونے سے منع فرمایا نیز آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص مہر والی انگوٹھی پہنے الا یہ کہ صاحب حکومت ہو''۔ (ابوداؤد نسائی)

عرب میں یہ دستور تھا کہ بوڑھی عورتیں، جوان عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے کے لئے اپنے دانت کے کناروں کو تیز اور باریک کیا کرتی تھیں لہٰذا آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ اسی طرح ایک روایت یہ بھی تھا کہ عورتیں اپنے جسم کے بعض حصوں کو سوئی سے گود کر اس میں نیل یا سرمہ بھر دیتی تھیں (جیسا کہ ہمارے یہاں بھی بعض غیر مسلم میں یہ دستور ہے کہ جسم کے کسی حصہ خاص طور سے ہاتھ پر نام وغیرہ گودتے ہیں) آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا۔ بال اکھاڑنے سے منع فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ آرائش وزینت کی خاطر داڑھی اور سر کے سفید بال چننا ممنوع ہے یا یہ کہ عورتوں کا اپنے چہرہ یعنی پیشانی کے بال چننا ممنوع ہے۔ ان چیزوں کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اول تو ان سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر کرنا لازم آتا ہے دوسرے یہ چیزیں آرائش وزینت کے لئے بے جا اور برے قسم کے تکلفات کا مرتکب ہونے کا باعث ہیں اگر چہ زیب وزینت اختیار کرنا عورتوں کے لئے جائز ہے مگر اس طرح کے مذموم تکلفات ان کے لئے بھی ممنوع ہیں۔

بناؤ سنگھار کی بابت دلہنوں کی زبردست غلطی:

یہ عجیب بات ہے کہ گھر میں تو بھنگنوں اور ماماؤں کی طرح رہیں اور ڈولی (گاڑی وغیرہ) آتے ہی بن سنور کر بیگم صاحب بن جائیں کوئی ان سے پوچھے کہ اچھے کپڑے پہننے کی غرض کیا صرف غیروں کو دکھانا ہے؟ تعجب ہے کہ جس کے واسطے یہ کپڑے بنے اور جس کے دام لگے اس کے سامنے کبھی نہ پہنا جائے اور غیروں کے سامنے پہنا جائے حیرت ہے کہ خاوند سے کبھی سیدھے منہ بات نہ بولیں، کبھی اچھا کپڑا اس کے سامنے نہ پہنیں اور کپڑے کے اچھے ہونے کے دو مرتبے ہیں ایک یہ کہ برا نہ ہو جس سے اپنا دل خوش ہو اور دوسرے کے سامنے ذلیل نہ ہونا پڑے اس کا کچھ حرج نہیں۔

اور ایک یہ کہ دوسروں سے بڑھا چڑھا ہو کہ اس کی طرف نظریں اٹھیں یعنی دوسرے کی نظر میں بڑا ہونے کے لئے پہنا جائے یہ برا اور ناجائز ہے۔

رسوم کی پابندی میں بوڑھی عورتوں کی کوتاہی:

بعض عورتوں نے مجھ سے مرید ہونا چاہا تو میں نے ان سے شرط لگادی کہ رسمیں چھوڑنا پڑیں گی، کہنے لگیں کہ میرے کچھ ہے ہی نہیں نہ بال نہ بچہ میں کیا رسمیں کروں گی؟ میں نے کہا کرو گی تو نہیں لیکن صلاح (مشورہ تو ضرور) دو گی۔

یہ پرانی بوڑھیاں (رسموں کے معاملہ میں گویا) شیطان کی خالہ ہوتی ہیں خود اگر نہ کریں تو دوسروں کو بتلاتی ہیں۔ چنانچہ دیکھتا ہوں کہ جن عورتوں کے خاوند نہیں وہ خود تو کچھ نہیں کرتیں لیکن دوسروں کو تعلیم دیتی ہیں۔ کوئی پوچھے تو اس کو کیا شامت سوار ہوئی ہے، اس کو تو یہ مناسب تھا کہ تسبیح لے کر مصلے پر بیٹھ جاتی کچھ فکر تو ہے نہیں اللہ تعالیٰ نے سب فکروں سے خالی رکھا تھا۔ (کاش) وقت کی قدر جانتیں مگر یہ ہرگز نہ ہوگا بس یہ مشغلہ ہوگا کہ کسی کی غیبت کر رہی ہیں کسی کو رائے دے رہی ہیں گویا یہ بڑی بختی ہیں۔ بات بات میں دخل دیتی ہیں۔

یادرکھو زیادہ بولنے سے کچھ عزت نہیں ہوتی عزت اسی عورت کی ہوتی ہے جو خاموش رہے اگر خاموش ہو کر ایک جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام لے کر (تسبیح پڑھے) تو اس کی بڑی قدر اور وقعت ہوتی ہے مگر باتیں کرنے کی جن کو عادت ہو جاتی ہے یہ کیسے چھوٹ سکتی ہے خواہ ذلت وخواری ہو کوئی ان کی بات بھی کان لگا کر نہ سنے لیکن ان کو اپنی ہانکنے سے کام عورتیں اس کو سن کر کہا کرتی ہیں کہ بیٹھ تو جائیں لیکن کوئی چین تو لینے دے میں کہتا ہوں کہ تم اپنے منہ کو جب لگام لگا کر بیٹھو گی (یعنی بالکل خاموش رہو گی تو کیا کسی کا سر پھرا ہے (کوئی پاگل ہے) جو تم سے مزاحمت (مقابلہ) کرے زیادہ فساد اور گناہ بولنے ہی سے ہوتے ہیں۔

واقعی زیادہ گناہ ہم لوگوں کے اس زبان ہی کی بدولت ہوتے ہیں۔ اس مضمون کو مرد اور عورتیں سب یاد رکھیں، لیکن آج کل مشکل یہ ہے کہ آنسو بہالیں گے آہیں بھرلیں گے اور سن کر کہیں گے کہ بس جی ہمارا کیا ٹھکانہ ہے؟

صاحبو! ان باتوں سے کام نہیں چلتا کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے پس کام کرو اور باتیں نہ بھگارو۔

عورتوں کی رسوم میں اصل قصور سرپرستوں کا ٹھہرتا ہے:

جس کی وجہ یہ ہے کہ جن کاموں سے عورتوں کو منع کرتے ہیں ان کاموں میں مردوں کو بھی حظ (مزہ) آتا ہے ان کا منع کرنا برائے نام ہوتا ہے حتیٰ کہ عورتیں جب رسمیں کرتی ہیں اور مرد ان کو منع کرتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہیں کہ مجھے کیا مل جائے گا تمہارا ہی نام کروں گی۔ بس اس وقت مرد خاموش ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ نام کرنے کی خواہش ان کو خود بھی ہے جب ان ہی کے افعال میں کوتاہی ہے تو ان کے محکوموں کے افعال میں کیوں نہ ہوگی؟

آپ یہ نہ کہیں کہ عورتیں راہ پر آتی ہی نہیں (بات مانتی ہی نہیں) کیونکہ خدا تعالیٰ

نے آپ کو حاکم اور ان کو محکوم بنایا ہے۔

الرجال قوامون علی النساء مرد عورتوں پر حاکم ہیں حاکم کا محکوم پر بڑا قبضہ ہوتا ہے یہ صرف حیلہ ہے کہ وہ مانتی نہیں اس کو ہم یچ جب سمجھیں کہ وہ کھانے میں نمک تیز کر دیں اور آپ دو چار مرتبہ کہنے کے بعد چپکے بیٹھ کر کھالیا کریں مگر دنیا کے کاموں میں یہ کبھی نہیں ہو سکتا سستا تو دین ہے کہ اس کو جس طرح چاہیں رکھیں بات درحقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو ایک دو بار نصیحت کر کے خاموش ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا منع کرنا برائے نام ہوتا ہے (ورنہ) ان کاموں میں مردوں کو بھی حظ (لطف) آتا ہے۔

مردوں کے سر کا تاج:

مردوں نے ان کاموں میں امام بھی عورتوں ہی کو بنا رکھا ہے خود کچھ بھی نہیں کرتے تقریبات (بیاہ شادی) کے تمام کام عورتوں سے پوچھ پوچھ کر کرتے ہیں۔

کانپور میں ایک بارات آئی تو لڑکی والے سے احباب نے پوچھا کہ بارات کہاں ٹھہرائیں؟ اس نے کہا اس میں تمہیں کیا دخل ہے منی کی اماں سے پوچھ لو اتنی سی بات کے لئے چنی منی کی اماں سے پوچھنے کی ضرورت تھی۔

غرض مردوں نے ایسی اپنی مہار (نکیل) عورتوں کے ہاتھوں میں دے دی ہے کہ اتنی اتنی سی بات میں بھی ان کے خلاف نہیں چل سکتے حالانکہ ان کو شریعت سے پوچھ کر کام کرنا چاہئے تھا۔ بت کدہ سے نکل کر مسجد میں آنا چاہئے تھا مگر یہ تو پیرانی صاحب سے پوچھ رہے ہیں کہ مدرسہ سے کعبہ کی طرف جاؤں یا میکدہ کی طرف کبھی کسی مرد نے کسی مولوی سے جا کر نہ پوچھا کہ شادی میں فلاں فلاں کام کریں یا نہ کریں یہ استفتاء عورتوں ہی سے ہوتے ہیں پھر جیسی وہ مفتی ہیں ویسے ہی فتوے بھی ہوتے ہیں مردوں کو تو بے وقوف بناتی ہیں اور خود تقریبات میں ایسی منہمک ہوتی ہیں کہ کچھ بھی ہوش نہیں رہتا۔

رسوم سے منع کرنے والے دو قسم کے لوگ:

تعجب ہے کہ اکثر مرد بھی عورتوں کے رسوم میں ان کے تابع ہو جاتے ہیں اور بعض مرد جو اس میں مخالفت کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو اہل دین جو دین کی حیثیت سے ان کی مخالفت کرتے ہیں دوسرے انگریزی تعلیم یافتہ جو دینی حیثیت سے ان کی مخالفت نہیں کرتے ہاں عقل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ سو پہلے لوگ قابل قدر ہیں۔ باقی دوسروں کی مخالفت ایسی ہے کہ فر من المطر ووقف تحت المیزاب یعنی بارش سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے کھڑے ہو گئے۔

وجہ یہ ہے کہ عورتیں تو رسوم میں دو تین بار ہی عمر بھر میں خرچ کرتی ہوں گی اس پر ان کو ملامت کی جاتی ہے کہ بہت فضول خرچی کرتی ہو اور خود رات دن اس سے بڑھ کر فضول میں مبتلا ہیں کہیں فوٹوگراف آ رہا ہے کہیں ہارمونیم ہے کہیں ولایتی فضول چیزوں سے کمرہ سجایا جا رہا ہے چھ چھ جوڑے جوتے رکھے ہیں' فیشن کے کپڑے قیمتی قیمتی سلوائے جا رہے ہیں۔ بعض لوگوں کے کپڑے لندن سلنے اور دھلنے جاتے ہیں یہ لوگ رات دن اسی قصہ میں مشغول ہیں خود کی تو یہ حالت ہے اور عورتوں کو فضول خرچ بتاتے ہیں۔

یہ حضرات جو عورتوں کو رسوم سے روکتے ہیں تو صرف اسلئے کہ دو طرف خرچ نہ ہوں یہ روکنا قابل قدر نہیں ہاں دین کی وجہ سے روکنا البتہ مطلوب ہے جس میں روکنے والا اپنے نفس کو بھی شریک رکھتا ہے یعنی وہ بھی اس کا عامل (اس کے مطابق عمل کرنے والا) ہے۔

مردوں سے شکایت:

عورتوں کی کیا شکایت میں مردوں کو بھی کہتا ہوں کہ شاذ و نادر ایسا ہوتا ہوگا کہ ایک بات کو کسی کا جی چاہے پھر وہ اتنا سوچ لے کہ یہ کام اللہ و رسول ﷺ کے حکم کے موافق

ہے یا نہیں بس جو جس کے جی میں آتا ہے وہ کر گزرتا ہے، کبھی کسی مرد نے کسی مولوی سے جا کر نہ پوچھا کہ شادی میں فلاں فلاں کام کریں یا نہ کریں۔

اور اگر اس کام (رسم وغیرہ) میں دنیا کی بھی کوئی مصلحت ہو تو اس صورت میں یہ خیال آنا تو در کنار کہ یہ کام اللہ و رسول ﷺ کے خلاف ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یاد بھی دلائے کہ یہ کام جائز نہیں تو کبھی نہ سنے اور جو سنے بھی تو کھینچ تان کر اس کو جائز ہی کر کے چھوڑے ویسے کرنا تو ایک ہی گناہ تھا اب یہ جہل مرکب ہو گیا اور اصرار علی المعصیت کا مرتبہ اور (گناہ) ہو گیا۔

رسوم ورواج کے ختم کرنے کے طریقے:

① ان رسوم کو ختم کرنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ سب برادری والے متفق ہو کر یہ سب بکھیڑے موقوف کر دیں دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اسی طرح چند روز میں یہ طریقہ عام ہو جائے گا اور کرنے کا ثواب اس شخص کو ملے گا اور مرنے کے بعد بھی وہ ثواب لکھا جاتا رہے گا۔

② دیندار کو چاہئے کہ نہ خود ان رسموں کو کرے اور جس تقریب میں یہ رسمیں ہوں ہرگز وہاں شریک نہ ہو صاف انکار کر دے برادری کنبہ کی رضامندی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے روبرو کچھ کام نہ آئے گی۔

③ اس بات کا التزام کر لو کہ بلا پوچھے اور بلا سمجھے محض اپنے نفس کے کہنے سے کوئی کام نہ کرو تا کہ کمال ایمان میسر ہو۔ اسی کو جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى تَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش ان احکام کے تابع نہ ہو جائے جن کو میں لایا ہوں۔

(بعض لوگ) کہتے ہیں کہ ہم تو دنیا دار ہیں ہم سے کہیں شریعت نبھ سکتی ہے؟ کیوں

صاحبو! جس وقت جنت سامنے کی جائے گی اس وقت یہ کہہ دو گے کہ ہم تو دنیا دار ہیں ہم کیسے اس میں جائیں شریعت کو ایسی ہولناک چیز فرض کر لیا ہے کہ جو دنیا داروں کے بس کی نہیں۔ (حالانکہ) شریعت میں بہت وسعت ہے۔

رسوم ورواج کو ختم کرنے کا شرعی طریقہ:

رسوم ورواج میں عمل کی تبدیلی بھی ضروری ہے (کیونکہ) سینہ سے حرج (اور لوم) نکلتا نہیں مگر عمل کو ایک مدت تک بدل دینے سے اسی لئے اخراج حرج (یعنی دل سے اس کی برائی ختم کرنے کے لئے) ایسا کرنے سے ضرور عند اللہ ماجور ہوگا۔ اس کی نظیر میں حدیث شریف موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ بعض روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرما دیا تھا پھر فرماتے ہیں: ((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ فَانْبِذُوْا فِيْهَا فَإِنَّ الظَّرْفَ لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَّلَا يُحَرِّمُ)) یعنی پہلے میں نے روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کر دیا تھا اب اس میں نبیذ بنایا کرو اور علت ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ برتن نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے اور نہ حلال کرتا ہے پھر اس کے باوجود منع فرما دیا تھا وجہ صرف یہ تھی کہ لوگ شراب کے عادی ہیں تھوڑے سے نشہ کو محسوس نہ کر سکیں گے اور ان برتنوں میں پہلے شراب بنائی جاتی تھی اس لئے خمر (شراب) سے پورا اجتناب نہ کر سکیں گے اور گنہگار ہوں گے پس پورے اجتناب (بچنے) کا طریقہ یہی ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے مطلقاً روک دیا جائے جب طبیعتیں شراب سے بالکل متنفر ہو جائیں اور ذرا سے نشہ کو پہچاننے لگیں تو پھر اجازت دے دی جائے۔

اسی طرح ان رسموں کی حالت ہے کہ ظاہری اباحت کو دیکھ کر لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں اور ان منکرات کو نہیں پہچانتے جو ان کے ضمن میں پائے جاتے ہیں تو اس کے لئے اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ چند روز تک اصل عمل ہی کو

ترک کردیں اور یہ بات کہ اصل عمل باقی رہے اور منکرات عام طور سے دور ہو جائیں سو ہمارے امکان سے تو باہر ہے جب رسول اللہ ﷺ ہی نے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا تو ہم کیا کریں کہ اس کے سوا تدبیریں اختیار کرتے پھریں جب ایک تدبیر عقلاً بھی مفید معلوم ہوتی ہے اور نقلاً بھی ثابت ہو چکی تو ضرورت ہی کیا ہے کہ اس سے عدول کیا جائے؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رسموں کی بابت ایک صائب رائے:

ایک شخص نے شادی کی رسموں کے متعلق مجھ سے کہا تھا کہ ایک دم سے سب رسموں کو منع نہ کیا کرو ایک ایک کر کے منع کرو' میں نے کہا سلام ہے جب میں ایک کو منع کروں گا ایک کو منع نہ کروں گا تو مجھ سے بدگمان ہوں گے کہ رسوم ہونے میں تو دونوں برابر ہیں پھر ایک کو کیوں منع کیا اور ایک کو کیوں منع نہ کیا؟ پھر بار بار منع کرنے سے قلب میں تنگی پیدا ہوگی کہ یہ تو روز ایک بات کو منع ہی کرتے رہتے ہیں خدا جانے کہاں تک تیار کریں گے اس لئے منع تو سب کو کروں گا مگر مجبور نہیں کرتا کہ سب کو ایک دم سے چھوڑ دو' تم چھوڑنے میں ایک ایک کر کے چھوڑ دو۔

بہر حال اگر کسی میں بہت سے عیوب ہوں تو بتا تو دے سب کو مگر پہلے ایک کو چھڑا دے پھر دوسرے کو چھڑا دے پھر تیسرے کو چھڑا دے۔

رسوم کے خلاف ڈٹ جانے والا اللہ کا مقبول بندہ:

بعض لوگ طعن و تشنیع کے خوف سے رسوم پر عمل کر لیتے ہیں مگر جس شخص میں احکام کی تعمیل کا مادہ ہوگا وہ رسوم کو ترک کرنے میں کسی کی طعن و تشنیع کا کبھی خیال نہ کرے گا اور گویا باہمت مسلمان سے یہ کچھ بعید نہیں لیکن آج کل مخالفت عامہ کی وجہ سے ایسا شخص قابل تعریف ہے ایسا شخص آج کل ولی اور خدا کا مقبول بندہ ہے۔

رسوم کے پابند موجب لعنت:

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا چھ شخصوں پر میں اور حق تعالیٰ اور فرشتے لعنت کرتے ہیں منجملہ ان کے ایک وہ شخص ہے جو رسم جاہلیت کو تازہ کرے۔

(ایک حدیث میں) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ بغض اللہ تعالیٰ کو تین شخصوں کے ساتھ ہے ان میں سے ایک یہ بھی فرمایا جو شخص اسلام میں آ کر جاہلیت کا کام برتنا چاہے۔ مضامین مذکورہ کی بہت سی احادیث موجود ہیں۔

اس بارے میں تم لوگ شریعت کا مقابلہ کر رہے ہو خدا کے لئے ان کفار کی رسوم کو چھوڑ دو۔

ہر مسلمان مرد عورت پر لازم ہے کہ ان سب بیہودہ رسموں کو مٹانے پر ہمت باندھے اور دل و جان سے کوشش کرے کہ ایک رسم بھی باقی نہ رہے اور جس طرح حضرت محمد ﷺ کے مبارک زمانہ میں سادگی سے سیدھے سادھے طور پر کام ہوا کرتے تھے اس کے موافق اب پھر ہونے چاہئیں جو مرد و عورت یہ کوشش کریں گے ان کو بڑا ثواب ملے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

((مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ))

(بخاری)

''جو شخص میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت پر جما رہے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے''۔

بہنوں اور بیٹیوں سے ایک دردمندانہ درخواست:

میں عورتوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کو چاہئے کہ جالینوس مردوں کو رسوم

سے روکیں ان کا روکنا بہت مؤثر ہے ایک تو اس وجہ سے کہ ان رسم ورواج کی اصل بانی وہی ہیں جب یہ خود رکیں گی اور مردوں کو روکیں گی تو کوئی بھی قصہ نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ ان کا لب ولہجہ اور کلام بے حد مؤثر ہوتا ہے ان کا کہنا دل میں گھس جاتا ہے اس لئے عورتیں چاہیں تو بہت جلد مردوں کو روک سکتی ہیں اور سارے رسم ورواج ختم ہوجائیں۔

(اسلامی شادی)

موجودہ دَور میں شادی بیاہ کی مروجہ رسومات

① مائیوں بٹھانے کی رسم:

شادی سے چند دن قبل گھر کی خواتین جمع ہوکر بے چاری دُلہن کو الگ کمرے میں محبوس کردیتی ہیں۔ یہ خالص ہندوانہ رسم ہے اور چند خرافات سے مرکب ہے (۱) دلہن کو الگ کمرے میں بٹھانے کو ضروری سمجھنا خواہ گرمی ہو یا حبس مگر یہ فرض قضاء نہ ہو۔ (۲) گھر کے ایک کونے میں بند کردینا' سارے گھر والوں سے بول چال' بات چیت بند کردینا' اپنی ضروریات میں دوسروں کی محتاج ہونا' حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کے لئے خود نہ جاسکنا اور وضو کے لئے اپنے منہ سے پانی نہ مانگ سکنا۔ (۳) غضب بالائے غضب یہ ہے کہ حیا و بے حیائی کا امتحان لینے کے لئے گدگدی کرنا اگر وہ ہنس پڑے تو بے حیا اور نہ ہنسے تو باحیا۔

دین سے قطع نظر یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے کہ اس کو انسان سے حیوان بلکہ جمادات (پتھر) بنادیا جائے' اس لئے ان منکرات کے ہوتے ہوئے اسلام میں اس رسم کی گنجائش نہیں ہے۔

② رسم حنا:

شادی سے دو تین روز پیشتر پہلے دولہا والوں کی طرف سے خواتین دلہن کے لئے مہندی لے کر جاتی ہیں پھر دلہن والوں کی طرف سے خواتین دولہا کے لئے مہندی لے کر آتی ہیں۔

مہندی کی رسم بھی چند منکرات سے مرکب ہے۔ (۱) رسم مہندی کی یہ تقریب بڑے لاؤ لشکر اور بہت بڑے جلوس کی شکل میں انجام دی جاتی ہے۔ خصوصاً عورتوں کا

اس قدر بن سنور کا شریک ہونا جیسے وہ زرق برق لباسوں کی نمائشوں یا حسن کے مقابلے میں جا رہی ہوں۔ (۲) مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط ہوتا ہے۔ (۳) ناچ گانے اور ڈھول باجے کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ حضور ﷺ تو فرمائیں مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ تمام دنیا سے راگ، باجہ مٹا دوں اور ہم حضور ﷺ کے امتی ہونے اور آپ ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود ناچ گانے اور راگ باجے کی محفل میں شریک ہوں۔ (۴) اگرچہ دلہن کو مہندی لگانا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے مگر دولہا کو مہندی لگانا جائز نہیں ہاں البتہ صرف سر اور داڑھی کے بالوں میں مہندی لگا سکتا ہے (بطور زینت) حدیث پاک میں آتا ہے:

((طِيْبُ الرِّجَالِ مَا خَفِيَ لَوْنُهُ وَظَهَرَ رِيْحُهُ وَطِيْبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ رِيْحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ))

"مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ پوشیدہ ہو اور خوشبو ظاہر ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ واضح ہو اور خوشبو پوشیدہ ہو۔"

(۵) اس پر طرہ یہ کہ ویڈیو فلم بنائی جاتی ہے۔ (۶) بے حیائی اور بے پردگی کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے، پردے کا یا شرم و حیا کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ (۷) علاوہ ازیں فضول خرچی کا بھی خوب مظاہرہ ہوتا ہے۔

۳ سہرا بندی:

شادی کے دن بارات کی روانگی سے پہلے دولہا عروسی لباس زیب تن کر کے سر پر سہرا سجا کر سٹیج پر براجمان ہوتا ہے۔

۴ ہار پہنانا:

دولہا کو سہرے کے ساتھ نوٹوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں اس مقصد کے لئے پہلے سے طے شدہ انتظام کے تحت وسیع و عریض میدان میں شامیانے لگا کر نیچے سٹیج بنایا جاتا

ہے اور باراتیوں کے لئے کرسیاں لگا دی جاتی ہیں ہر آنے والا باراتی حسب استطاعت دو سو سے دس ہزار تک اصلی قیمتی نوٹوں پر مشتمل ہار دولہا کو پہناتا ہے حتی کہ دوست احباب، رشتہ دار اور پڑوسی دولہا کو اس قدر ہار پہناتے ہیں کہ دولہا ہاروں کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے، گرمی ہو یا سردی دولہا کو بہر حال ہار پہننا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

۵ گھوڑی چڑھانا:

شادی بیاہ میں دولہا کو گھوڑی پر چڑھانا یا قدرتی اور مصنوعی پھولوں سے سجی سجائی گاڑی پر سوار ہونا بھی لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے اس کے بغیر بارات کی روانگی کو اپنی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے حالانکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس کی بھی ضرورت نہیں یہ سوائے اسراف اور فضول خرچی کے اور کچھ نہیں۔ نیز اس میں مقابلہ بازی، فخر و ریاء اور تکبر و غرور کا جذبہ بھی موجزن ہوتا ہے اس لئے اس سے بھی حتی الامکان گریز ہی بہتر ہے۔

۶ آتش بازی/ چراغاں:

دولہا کے گھر سے بارات کی روانگی اور دلہن کے گھر تک پہنچنے کے دوران اور پھر رخصتی کے وقت انار، پٹاخے اور آتش بازی کا مظاہرہ بھی بڑے جوش و خروش سے کیا جاتا ہے، یہ اپنی جان اور مال کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کے لئے بھی نقصان کا باعث ہے۔

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ آتش بازی اپنا مال اپنے ہاتھوں نذر آتش کر دینے کے مترادف ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الاعراف)

"اور فضول خرچی مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

دوسری جگہ ارشاد پاک ہے:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا o اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْآ اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾

(بنی اسرائیل: ۲۶ ۔ ۲۷)

''اور فضول خرچی مت کرو بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں''۔

اور بسا اوقات آتش بازی سے کوئی نہ کوئی شخص نذر آتش ہو جاتا ہے ورنہ ہاتھ پاؤں کے جلنے کا اندیشہ یا مکان میں آگ لگ جانے کا خوف تو ہوتا ہی ہے اور اپنی جان اور مال کو ایسی ہلاکت اور خطرے میں ڈالنا خود شریعت میں برا ہے نیز یہ واضح طور پر ہندوؤں کی رسم دیوالی سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ آتش پرستوں کی نقل ہے کیونکہ خوشی کے موقع پر چراغاں کرنا مجوسیوں کا شعار ہے۔ یہ رسم ہندوستان کے بت پرستوں نے آتش پرستوں سے لی اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اختیار کرنے لگے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

﴿۷﴾ پیسے لٹانا:

شادی کے موقع پر پیسے لٹا کر اپنے فخر وریاء کے جذبے کو تسکین دینا بھی ایک لازمی امر ہے نیز دولہا کے سر پر پیسے گھما کر مراثیوں' بھانڈوں کو دینا نیک شگون خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے نیک شگون لینا حقیقت سے بالاتر ہے کاش! یہی رقم غرباء ومساکین کو تقسیم کردی جاتی یا مسجد ومدرسہ میں صدقہ وخیرات کردی جاتی۔

شگون کی حقیقت:

آیئے یہاں آپ خواتین کو شگوک (اچھے یا برے) کی بات کچھ تحریر کردوں۔
نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ قَالَهُ ثَلٰثًا وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ (رواہ ابوداود والترمذی وقال سمعت محمد بن اسمعيل يقول كان سليمان بن حرب يقول في هذا الحديث) وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ هٰذَا عِنْدِيْ قَوْلُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ابوداود والترمذی)

ابوداود' کتاب الطب' باب فی الطیرہ' ح ۳۹۱۰۔

''حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: طیرہ شرک ہے۔ آپ نے یہ بات تین دفعہ کہی۔ (مبالغہ کے طور پر تا کہ لوگ اس فعل سے بچیں) اور ہم میں سے جو بھی شخص ایسا ہوتا کہ (جس کے دل میں تردد وخلجان پیدا ہوتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پر بھروسہ واعتماد کرنے سے روک دیتا ہے۔ یعنی یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ کسی کام وسفر کے قصد وارادہ کے وقت کوئی ایسی چیز ظاہر ہو جائے جس سے بتقاضائے بشریت دل ودماغ میں کوئی وہم وتردد پیدا ہوا تو اس وہم وتردد پر قطعاً بھروسہ واعتماد نہ کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل ویقین رکھتے ہوئے اس کام کو کیا جائے یا اس سفر پر چلا جائے۔

شگون بد لینا شرک ہے اور یہ مشرکوں کی رسمیں ہیں اور موجب شرک خفی ہیں اگر یوں شگون لیا جائے اور پورے وثوق سے کہا جائے یوں ہی ہوگا تو کفر ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِيَدِ مَجْذُوْمٍ وَفَوْضَعَهَا مَعَهُ فِي الْقَصْعَةِ وَقَالَ كُلْ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَتَوَكُّلًا عَلَيْهِ (رواہ ابن ماجة)

ابن ماجہ' کتاب الطب' باب الجذام' ح ۳۵۴۲۔

''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو کھانے کے پیالے میں اپنے ساتھ شریک کیا اور فرمایا کھاؤ میرا اللہ پر اعتماد اور بھروسہ ہے اور میں اس کی ذات پر توکل کرتا ہوں''۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ توکل ویقین کا مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد جذامی سے بھاگنا اور اس سے دور رہنا ضروری نہیں۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا هَامَةَ وَلَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَاِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِىْ شَىْءٍ فَفِى الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْاَةِ (رواہ ابوداود)

ابوداود' کتاب الطب' باب فی الطیرة' ح ۳۹۲۱۔

''حضرت سعید بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نہ ہامہ کوئی چیز ہے اور نہ ایک سے دوسرے کو بیماری کا لگنا کوئی حقیقت رکھتا ہے نہ بدشگونی کی کوئی اصل ہے اگر کسی چیز میں شگون بد ہوتا تو گھر میں گھوڑے اور عورت میں ہوتا''۔

بدشگونی کوئی چیز نہیں:

سعید بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہامہ عدوی اور شگون بد بے حقیقت ہیں طیرہ کے متعلق مختلف احادیث منقول ہیں۔ جن احادیث سے طیرہ کے اثرات کی نفی اور اس اعتبار و اعتقاد کی ممانعت آئی ہے ان کی تعداد زیادہ ہے بعض احادیث سے عورت' گھوڑے اور گھر میں طیرہ کا ثبوت یقینی ہے۔ اِنَّمَا الشُّؤْمُ فِىْ ثَلٰثٍ اَلْفَرَسِ وَالْمَرْاَةِ وَالدَّارِ یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ تین چیزوں میں نحوست ہے گھر' گھوڑا اور عورت میں۔ ایک دوسری روایت میں وہ تینوں

چیزیں زمین' خادم اور گھوڑا بیان کی گئی ہیں۔ ساتھ لفظ شرط کے آیا جیسا کہ اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری احادیث کے الفاظ ہیں کہ اگر بدشگونی اور نحوست کوئی چیز ہوتی تو ان چیزوں میں پائی جاتی۔ جیسا کہ حدیث ابن ابی ملیکہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیا ہے کہ ان چیزوں میں نحوست پائے جانے کا اعتقاد زمانہ جاہلیت کے خیالات ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے روایت ہے۔ بدشگونی اور نحوست کے متعلق اس کا وجہ مطابقت اور خلاصہ یہ ہے کہ تطیر اور کسی چیز کو منحوس سمجھنا بالکل بے حقیقت ہے۔ بالفرض یہ یقین کر لیا جائے کہ چیزوں میں نحوست ہے تو اس کا گمان موقع ومحل قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسا کہ اس روایت میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **لو کان شی سابق القدر لسبقة العین** یعنی اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لانے والی ہوتی تو وہ نظر بد ہوتی''۔

یہ اس طرح کا کلام ہے۔ قاضی نے کہا کہ حدیث میں پہلے تو طیرہ کا انکار کرنا اور اس کے بعد یہ شرطیہ جملہ کہ اگر شگونِ بد ہوتا تو وہ گھر گھوڑے اور عورت میں ہوتا۔ لیکن اس کا بھی وجود ثابت نہیں ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں اگر ان چیزوں میں نحوست کا مفہوم ہوتا تو ایسی عورت جس کا بچہ نہ ہوتا ہو یا وہ اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہو یا اگر وہ مکروہ بدشکل ہو تو اس اعتبار سے اس کو منحوس کہا جاتا ہے۔ گھر میں نحوست ہونے کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ اس کے ہمسائے برے ہوں۔

گھوڑے کی نحوست اس کی سرکشی' کم مائیگی اور ست رفتاری ہے یعنی وہ اپنے مقاصد پورے نہ کرتا ہو۔

خادم کی نحوست یہ ہے کہ وہ بھی اپنے مقاصد پر پورا نہ اترتا ہو' بعض چیزوں میں نحوست کا ہونا مفہوم کے اعتبار سے ہوتا ہے اور نحوست سے مراد ان چیزوں کا طبعی طور پر یا کسی شرعی قباحت کی بنا پر غیر پسندیدہ ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نیک فال لینے کے لئے اچھے ناموں کا سننا پسند فرماتے تھے۔

جب یہ بات سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بیان کی گئی تو انہوں نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ تم نے عورت کو جانور کے ساتھ ملا دیا۔ اسی وجہ سے علماء اس حدیث پہ کلام کرتے ہیں کہ اگر یہ بات نبی کریم ﷺ سے ثابت ہوتی تو سیّدہ رضی اللہ عنہا ایسی بات ہرگز ارشاد نہ فرماتیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعْجِبُہٗ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَۃٍ اَنْ یَّسْمَعَ یَارَاشِدُ یَانَجِیْحُ

(رواہ الترمذی)

الترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء فی الطیرۃ، ح ۱۶۱۶۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی کام کے لئے باہر نکلتے تو آپ کو یہ اچھا معلوم ہوتا کہ آپ کسی زبان سے یہ سنیں یا اے راشد، اے نجیح! یعنی کسی کام کے لئے جاتے وقت اس طرح کے نام و الفاظ سننا نیک فال ہے''۔

وَعَنْ بُرَیْدَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَتَطَیَّرُ مِنْ شَیْءٍ فَاِذَا بَعَثَ عَامِلًا سَاَلَ عَنْ اِسْمِہٖ فَاِذَا اَعْجَبَہٗ اِسْمُہٗ فَرِحَ بِہٖ وَرُؤِیَ بِشْرُ ذٰلِکَ فِیْ وَجْہِہٖ وَاِذَا دَخَلَ قَرْیَۃً سَاَلَ عَنْ اِسْمِہَا فَاِذَا اَعْجَبَہٗ اِسْمُہَا فَرِحَ بِہٖ وَرُؤِیَ بِشْرُ ذٰلِکَ فِیْ وَجْہِہٖ وَاِنْ کَرِہَ اسْمَہَا رُؤِیَ کَرَاہِیَۃُ ذٰلِکَ فِیْ وَجْہِہٖ (رواہ ابوداود)

ابوداود، کتاب الطب، باب فی الطیرۃ، ح ۳۹۲۰۔

''اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی چیز سے شگون بد نہ لیتے تھے اور جب آپ کسی عامل کو روانہ کرنے لگتے تو اس

کا نام دریافت کرتے اگر اس کا نام اچھا ہوتا تو آپ اس سے خوش ہوتے اور آپ کی خوشی آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی اور اگر اس کا نام برا معلوم ہوتا تو اس سے آپ ﷺ کی ناگواری آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی اور اسی طرح جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس بستی کا نام پوچھتے اگر آپ کو اس کا نام اچھا معلوم ہوتا تو اس سے خوش ہوتے اور آپ کی خوشی آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی اور اگر اس کا نام برا معلوم ہوتا تو آپ کی ناگواری آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی''۔

طبائع پر اسماء کا اثر:

کسی برے نام کو سن کر ناگواری ہونا تطیر نہیں تطیر تو اس صورت میں ہوتا جب آپ برے نام کو سن کر اپنے کام یا اپنے سفر کو ترک کر دیتے۔ جیسا کہ شگون بد لینے کی صورت میں ہوتا ہے تاہم کسی شخص یا آبادی کا برا بھلا نام سن کر آپ کے چہرہ مبارک سے ناگواری کے اثرات نمایاں ہوتا ہے کیونکہ طبیعت کا اچھائی و برائی سے متاثر ہونا اور اس کے نتیجے میں خوشی یا ناخوشی کا ظاہر ہونا تفاؤل و تطیر سے قطع نظر ایک فطری بات ہے۔

ابن ملک کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد یا اپنے خادم کے لئے اچھے نام واختیار کرنا سنت ہے کیونکہ بعض اوقات برے نام تقدیر کے موافق ہو جاتے ہیں اور اس کے نتائج دوررس اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کا نام خسارہ رکھے تو ہو سکتا ہے کہ کسی موقع پر خود وہ شخص یا اس کا وہ بیٹا تقدیر الٰہی خسارہ میں مبتلا ہو جائے اور اس کے نتیجہ میں لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ اس کا خسارہ میں مبتلا ہونا نام کی وجہ سے ہے اور بات یہاں تک پہنچے کہ لوگ اس کو منحوس جاننے لگیں اور اس کی صحبت و ہم نشینی تک سے احتراز کرنے لگیں۔

ایسا ہی ایک واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک خاتون مسئلہ پوچھنے حاضر

ہوئی تو اُس نے اپنا نام معصومہ بتایا تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنا نام بدل۔ تیرے معصومہ ہونے یا نہ ہونے کا تو فقط اللہ ہی کو علم ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّاكُنَّا فِيْ دَارٍ كَثُرَفِيْهَا عَدَدُنَا وَاَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا اِلٰى دَارٍ قَلَّ فِيْهَا عَدَدُنَاوَاَمْوٰلُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَرُوْهَا ذَمِيْمَةً

(رواہ ابو داود)

ابوداود' کتاب الطب' باب في الطيرة' ح ٣٩٢٤۔

''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن بارگاہ رسالت میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ پہلے ہم ایک مکان میں رہا کرتے تھے جس میں ہمارے افراد کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ہمارے پاس مال بھی بہت تھا پھر ہم ایک دوسرے مکان میں منتقل ہو گئے تو اس میں ہمارے آدمیوں کی تعداد بھی کم ہو گئی اور ہمارا مال بھی تھوڑا ہو گیا آپ ؐ نے فرمایا اس مکان کو چھوڑ دو جو برا ہے۔''

بدشگونی کا کہہ کر شوہر کو ''ناجائز'' طور پر اس کے والدین سے الگ نہ کیجئے:

آنحضرت ﷺ نے اس کا مکان کو چھوڑ دینے کا حکم اس مکان کو منحوس سمجھنے کی بناء پر نہیں تھا۔ بلکہ اس مکان کی آب و ہوا اور اس کی سکونت چونکہ مکینوں کو راس نہیں آئی اس لئے آپ ؐ نے بہتر یہی سمجھا کہ وہ اس مکان کو چھوڑ دیں۔

خطابی ؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو مکان چھوڑ دینے کا حکم اس مصلحت کے پیش نظر دیا ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ سارے نقصان اور ساری چیزیں مکان میں ہے اگر ہم اس مکان میں نہ رہتے تو نہ ہمارے آدمیوں میں کمی آتی اور نہ ہمارے مال واسباب کا نقصان ہوتا۔ لہٰذا آپ ؐ نے ان کو مکان چھوڑ دینے کا حکم دینا

مناسب سمجھا تاکہ ان کے اس غلط خیال اور واہم کی جڑ ہی کٹ جائے اور یہ شرک خفی کے گرداب میں نہ پھنسیں۔

وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَنْ سَمِعَ فَرْوَةَ بْنِ مُسَيْكٍ يَقُوْلُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدَنَا اَرْضٌ يُقَالُ لَهَا اَبْيَنُ وَهِيَ اَرْضُ رِيْفِنَا وَمِيْرَتِنَا وَاِنَّ وَبَآءَ هَا شَدِيْدٌ فَقَالَ دَعْهَا عَنْكَ فَاِنَّ مِنَ الْقَرَفِ التَّلَفَ

ابوداود' کتاب الطب' باب في الطيرة' ح ٣٩٢٣۔

''اور حضرت یحییٰ بن عبداللہ بن بحیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول ﷺ نے بیان کیا کہ جس نے حضرت فروہ بن مسیک سے یہ روایت سنی کہ انہوں نے یعنی فروہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایک زمین ہے جس کو ابین کہا جاتا ہے اور وہ ہماری زراعت و غلہ کی زمین ہے لیکن اس زمین کی وبا سخت ہے۔ پس آپ ﷺ نے کہا اس کو چھوڑ دو کیں بے شک وبا کا قرب ہلاکت اور اتلاف کا باعث ہوتا ہے۔

زمین کا چھوڑنا فقط آب و ہوا کے ناموافق آنے کی وجہ سے ہونا چاہیے:

یحییٰ ؒ کہتے ہیں کہ اس زمین کو چھوڑنے کا حکم عدوی یعنی چھوت کے نقطہ نظر سے نہیں تھا بلکہ اصول طب اور حفظان صحت کے پیش نظر تھا کیونکہ وہاں کی آب و ہوا کا اچھا اوصاف اور موافق ہونا حفظان صحت کی بنیاد اور جسم و بدن کی تندرستی و سلامتی کے لئے ضروری اسباب میں سے ہے اسکے برعکس آب و ہوا کا خراب ہونا موافق ہونا صحت و تندرستی کیلئے انتہائی مضر اور بیماری و ہلاکت کا سبب ہوتا ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ وباء کی جگہ سے بھاگ جانا چاہئے وہ شاید اس مضمون حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان حضرات

کے مطابق اس شخص نے آنحضرت ﷺ سے وبا کی شکایت کی تھی کہ اس زمین میں وبائیں پھیلتی ہیں۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس زمین کو چھوڑ دو اور وہاں سے نکل جاؤ کیونکہ وبائی امراض کی قربت و مخالطت ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ حالانکہ حقیقت میں اس حدیث سے استدلال قطعاً غیر موزوں ہے۔ کیونکہ یہ حدیث اس صورت سے متعلق نہیں ہے کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی تھی اور آپؐ نے وہاں سے بھاگ جانے کو جائز رکھا بلکہ اس شخص کی شکایت کا تعلق اس بات سے تھا کہ وہ زمین ایسی ہے جہاں وبائیں پھیلتی رہتی ہیں۔ گویا اس شخص نے اس زمین کو مکروہ و منحوس جانا گویا اس کے باطنی احوال کی کمزوری کی وجہ سے اس کو یہ اجازت دینا بہتر سمجھا گیا کہ وہ اس زمین کو چھوڑ دے وہاں آنا جانا ترک کر دے تا کہ وہ ان وباؤں کو اس زمین کی نحوست سمجھ کر بے بنیاد عقیدے کا شکار نہ ہو جاؤ اور شرک خفی کا شکار نہ ہو۔ ویسے وبا کی جگہ کے مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال و مباحث ہیں۔ مگر جس صورت کو علماء نے زیادہ بہتر قرار دیا ہے اور جس پر عمل کیا جانا چاہئے وہ یہ ہے کہ پیش از وقوع تو احتراز کرنا چاہئے اور بعد از وقوع صبر و رضا اختیار کرنی چاہئے۔ اگر کسی بستی میں وباء پھیلے تو وہاں سے بھاگنے کے بجائے دعا و تضرع کرنا چاہئے تا کہ وہ وبا دفعہ ہو جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیثوں سے ثابت ہے۔ واضح رہے کہ وبا سے بھاگنے والے فعل کو جائز قرار دینے والے حضرات کا اس حدیث سے استدلال کرنا یوں بھی غیر مناسب ہے کہ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ جبکہ جو حدیثیں بھاگنے کی ممانعت کو ثابت کرتی ہیں ان کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے لہٰذا یہ حدیثیں بخاری و مسلم کی معارض نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ ازیں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ علماء نے فروہ ابن مسیک سے ایک دو حدیثوں کے علاوہ روایت نہیں کی بلکہ ان سے ایک دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ وہ بھی ایک ایسے راوی کے واسطے سے جو مجہول ہے اور یحیٰی بن عبداللہ ابن بحیر کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ وہ ثقہ راوی ہیں کہ نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ بے شک وبا سے ڈر کر

بھاگنا ممنوع اور گناہ ہے۔ اگر کوئی اس یقین کے ساتھ ٹھہرے کہ اگر میں یہاں استقامت کے ساتھ ٹھہرا رہا تو مر جاؤں گا۔ اگر یہاں سے نکل گیا تو نجات پاؤں گا تو ایسا آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ عقیدہ کے فساد کی وجہ سے۔ زلزلہ اور آگ لگنے کے وقت گھر سے باہر نکلنے کو اس پر قیاس کرنا فاسد ہے کیونکہ اس کے خلاف نص وارد ہے اور کیونکہ زلزلہ گھر کے گر پڑنے اور آگ لگنے کی صورت میں گھر میں موجود رہنا یقیناً ہلاکت کا باعث ہے جیسا کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اس کے برعکس وبا سے نہ بھاگنے کی صورت میں مر جانا قطعاً یقینی نہیں ہوتا فقط یہ کہا جا سکتا ہے کہ ظاہرا آثار و قرائن سے ہلاکت کا خوف لاحق ہو جاتا ہے۔

نوٹ ☆ [یہاں سے دوبارہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون نقل کر رہا ہوں]۔

(۸) بینڈ باجے، ناچ گانا:

شادی کے موقع پر بارات کے ساتھ بینڈ باجے، ڈھول ڈھمکے اور ناچ گانے کا اہتمام بھی ایک اہم امر کا درجہ رکھتا ہے پیشہ ور فنکاراؤں اور گلوکاروں کی خدمات حاصل کرنا عام معمول کی بات ہے۔ اسی طرح میوزیکل شو کا پروگرام بھی ہماری شادیوں میں بڑھتا جا رہا ہے۔

شادیوں میں سینکڑوں روپے گانے بجانے، رنڈیوں اور ڈومنیوں کے نچوانے گوانے پر خرچ کئے جاتے ہیں جس شادی میں ناچ گانا نہ ہو، شہنائیوں کی گونج اور ڈھولک کی تھاپ نہ ہو، بینڈ باجے والے نہ آئیں اسے پھیکا اور بے مزہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس کی حرمت قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت ہے۔

قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ (القمان:٦)

"اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو لہو الحدیث یعنی فضول باتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو بغیر علم اللہ کے راستے سے ہٹا دیں اور اسے ہنسی مذاق بنائیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے"۔

اس آیت میں لہو الحدیث سے مراد ہر ایسی بات اور ہر ایسا کام ہے جو انسان کو اپنے اندر مشغول کر کے دوسری چیزوں سے غافل کر دے۔

عام طور پر مفسرین اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں نضر بن حارث کا واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ اس نے ناچ گانے والی باندیاں اس مقصد کے پیش نظر خریدی تھیں تاکہ اسلام کی طرف مائل ہونے والے لوگوں کو اس طرف لگا کر اسلام سے ہٹانے کی کوشش کرے چنانچہ وہ راگ رنگ کی محفلیں جماتا تاکہ لوگوں کی توجہ قرآن سے ہٹ جائے اور ان فضولیات میں لگے رہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب لہو الحدیث کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے تین مرتبہ قسم کھا کر ارشاد فرمایا: "هُوَ وَاللّٰهِ الْغِنَاءُ" اللہ کی قسم! اس سے مراد گانا ہے۔

اب حدیث کو دیکھئے گانے بجانے کے متعلق حدیث میں کیا کہا گیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ)) (مشکوٰۃ)

"مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کا سامان مٹا دوں، بتوں اور صلیب کو توڑ دوں اور جاہلیت کی تمام رسومات کو ختم کر دوں"۔

دوسری حدیث میں سخت وعید وارد ہوئی ہے ارشاد گرامی ہے:

((يُمْسَخُ قَوْمٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ فِىْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قِرَدَةً

وَّخَنَازِيْرَ. قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ يَصُوْمُوْنَ وَيَحُجُّوْنَ وَيُصَلُّوْنَ قِيْلَ فَمَا بَالُهُمْ. قَالَ اتَّخَذُوا الْمَعَازِفَ وَالْقَيْنَاتِ))

"آنحضور ﷺ نے فرمایا: اخیر زمانے میں اس امت کے کچھ لوگوں کی صورتیں سور اور بندر جیسی بنا دی جائیں گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ لوگ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ کہتے ہوں گے؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ارے وہ لوگ حج کرتے ہوں گے، روزے رکھتے ہوں گے، نماز پڑھتے ہوں گے کہا گیا پھر ان کی حالت ایسی کیوں؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا: اس لئے کہ ان لوگوں نے گانے بجانے والی چیزیں بھی اختیار کر لی ہوں گی"۔

مغنیہ کی آواز سن کر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا عمل:

حضرات صحابہ کرامؓ بجائے گانوں باجوں کے شغل کے ان سب چیزوں سے اس حد درجہ محتاط تھے کہ خدانخواستہ کبھی باجے وغیرہ کی آواز کانوں میں پڑتی تو فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے اور اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتے اور جب تک احتمال رہتا کانوں میں انگلیاں ڈالے رہتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہیں جا رہے تھے گانے کی آواز سننے میں آئی تو فوراً انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اس راستہ کو چھوڑ کر کے دوسرے راستہ کو اختیار کر لیا اور پھر اپنے غلام حضرت نافع سے پوچھا کہ اب بھی وہ آوازیں آ رہی ہیں یا نہیں؟ چنانچہ جب آواز آنا بند ہو گئی تب انگلیاں نکالیں، پھر خود ہی فرمایا کہ میں نے اس طرح اس لئے کیا کہ ایک دفعہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اچانک بانسری کی آواز

سنائی دی تو آپ ﷺ نے فوراً کان مبارک میں اپنی بابرکت انگلیاں ڈال لیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ))

(بیہقی)

''راگ اور گانا دل میں نفاق اس طرح پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے''۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گانا باجا اور رقص وسرود یہ دونوں نفاق کو اس طرح اگاتے ہیں' جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے بے شک قرآن اور ذکر ایمان کو دل میں اس طرح اگاتے ہیں جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے۔ (دیلمی)

افسوس ہے کہ مدعیان اسلام ان چیزوں سے اپنی شادیوں کو سجاتے ہیں جن چیزوں کے مٹانے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے مقاصد میں شامل فرمایا اور مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ مسجدوں میں نمازیں ہوتی رہتی ہیں اور مائیک سے گانے نشر ہوتے رہتے ہیں اور پورے محلے میں گانوں کی ایک مصیبت کھڑی ہوجاتی ہے گانے کے شور شرابے میں مریض بھی عافیت سے آرام نہیں کرسکتا ایک زمانہ تھا جب مسلمان ہندوؤں سے بھڑ جاتے تھے اور مسجد کے سامنے باجا بجانے پر جان دینے اور لینے کے لئے تیار ہوجاتے تھے آج مسلمان خود ہی مسجد کے سامنے باجا اور موسیقی بجاتا ہے اور عین نماز کے وقت گانے کی آوازیں نمازیوں کے کانوں میں ٹھونستا ہے۔

وری لے کر جانا:

لڑکے والے روانگی بارات کے وقت ایک بھاری بھرکم صندوق یا بریف کیس لے جاتے ہیں جو کہ دلہن کے ملبوسات' زیورات اور کاسمیٹکس (میک اپ) کے سامان پر مشتمل ہوتا ہے۔ جسے بعد میں سب باراتیوں کے سامنے کھول کر ایک ایک چیز کا معائنہ کروایا جاتا ہے۔ یہ واضح طور پر فخر وریاء کے زمرے میں آتا ہے۔ نیز یہ سامان اگر دلہن یا اس کے گھر والوں کو پسند نہ آئے تو یہی رسم عموماً جھگڑے فساد کا سبب بھی بن جاتی ہے' اس لئے اس سے بھی احتراز ضروری ہے۔

نیوتہ:

شادی بیاہ میں دعوت طعام کے موقع پر ایک شخص رجسٹر لے کر کرسی یا چارپائی پر براجمان ہوجاتا ہے جو کھانے میں شرکت کرنے والوں سے کھانے کا معاوضہ وصول کرتا ہے اسے ''نیوتہ'' یا ''نیوندرا'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بے مروتی اور کمینگی کی انتہا ہے کہ کسی کو دعوت پر بلا کر اس سے کھانے کی قیمت وصول کی جائے۔ یہ رسم اس قدر اپنی جڑیں مضبوط کر گئی ہے کہ پیسے نہ دینے والے کو لعن طعن کا مستحق سمجھا جاتا ہے' بعض اوقات پیسے ادا نہ کرنے والوں کے ساتھ جھگڑا طول اختیار کر جاتا ہے اور اسے برادری سے علیحدگی کا پروانہ عطا کردیا جاتا ہے۔

بعض لوگ اس رسم کے جواز پر یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ ''صاحب خانہ'' کے ساتھ تعاون کی ایک صورت ہے' یہ سوائے حیلہ سازی کے اور کچھ نہیں' اس لئے کہ تعاون دل کی خوشی کے ساتھ کیا جاتا ہے' تعاون کے سلسلے میں کسی پر جبر واکراہ کرنا یہ کہاں کا تعاون ہے؟ نیز تعاون کرتے ہوئے یہ نظریہ مدنظر نہیں ہوتا کہ کسی موقع پر ہم اس سے دوگنا تعاون کروانے پر مجبور کریں گے جبکہ نیوتہ میں یہ نظریہ اور سوچ واضح ہوتی ہے اس لئے اسے تعاون کا نام دینا خوانخواہ ایک تحکم ہے۔ اگر یہ تعاون وہمدردی ہوتا تو رسول

اللہ ﷺ ضرور ایسا کرتے جبکہ نہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ صحابہ وتابعین نے کیا تعاون تو تب ہوتا جبکہ قرض نہ ہوتا۔ چلئے اگر مان لیں کہ ہمارے مطالبے کے بغیر لوگوں نے کچھ روپے نکال کر دیئے مگر بتایئے یہ بے عزتی ہے یا نہیں کہ کھانا کھلا کر قیمت وصول کی جائے؟ اگر کوئی کہے کہ اتنے آدمیوں کو اپنی گرہ سے کون کھلائے؟ تو بھائیو آپ کے سر کس نے یہ مصیبت ڈالی ہے کہ ضرور ہی اتنے لوگوں کو بلا کر ان کے پیسوں سے ان کی دعوت کی جائے اللہ کے رسولؐ نے تو جاہلیت کے طوق اور زنجیریں کاٹ دی تھیں آپ نے دوبارہ پہن لیں' البتہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی تحفہ پیش کر دے تو یہ کراہت سے خالی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں بھی واپس لینے کی نیت اور فریق ثانی کی طرف سے کچھ وصول نہ ہونے پر ناراضگی کا اظہار کار فرما نہ ہو۔

دولہا کے ساتھ غیر اخلاقی حرکات کرنا:

شادی کے موقع پر دولہا کے ساتھ بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ غیر اخلاقی حرکات کی جاتی ہیں مثلاً دولہا کو ٹوٹی ہوئی چارپائی یا کرسی پر بٹھانا' گرانے کی کوشش کرنا' نمک' مرچ ملا دودھ پلانا اور زور سے قہقہہ لگانا' اس کے ساتھ ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ کرنا' اس کی جوتی چرانا اور چرائی کا معاوضہ وصول کئے بغیر واپس نہ کرنا یہ سب نامناسب ہی نہیں بلکہ کھلی ہوئی بے حیائی نیز زبردست فتنے کے باعث حرام ہے۔

آخر کون سا طریقہ ہے؟ اول تو چوری دوسرے سینہ زوری' قدم قدم پر رقم بٹورنے کے حربے اور شادی بیاہ کے نام پر کھلی ڈکیتی۔

دروازے کی چوکھٹ پر چاول:

جب دلہن سسرال کے گھر میں اپنا پہلا قدم رکھتی ہے تو اس کے قدموں میں کسی

برتن کے اندر چاول یا دیگر غذائی اجناس ڈال کر رکھی جاتی ہیں' اس برتن کو دلہن پاؤں سے دھکیل کر اس میں موجود چیز کو گراتی ہے۔ (العیاذ باللہ) اس سے ایک شگون لیا جاتا ہے کہ اس طرح کرنے سے اس گھر میں رزق کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ پامال کیا جائے گا' کیا واہیات وخرافات ہے؟ یہ رسم ہمیں توہم پرست ہندو سے ورثے میں ملی ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن تو کہتا ہے ﴿لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید﴾ (ابراھیم:۷) ''اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ عطا کروں گا اور اگر ناقدری وناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے''۔ اس آیت کو سامنے رکھتے ہوئے غور سے دیکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ یہ رزق کی فراوانی کا سبب ہے یا کمی کا؟ افسوس قرآن تو کہتا ہے کہ نعمت کی قدردانی پر مزید نعمتیں حاصل ہوں گی مگر ہم قرآن کے حکم کو پس پشت ڈالتے ہوئے ہندوؤں کی رسم ورواج پر یقین کئے بیٹھے ہیں کہ رزق کے ساتھ اس طرح توہین آمیز رویہ اختیار کرنے پر فراوانی حاصل ہوگی۔ اس تفصیل میں تیل ڈالنے کی رسم بھی شامل ہے۔

ویڈیو فلم بنوانا یا تصاویر اتروانا:

شادی کے موقع پر دولہا دلہن اور حاضرین کی تصویریں بناتے ہیں اسی طرح گھر کے بعض حصوں میں تصویریں آویزاں کرتے ہیں یا تصویر والے کپڑوں سے سجاتے ہیں یہ فعل شریعت کے خلاف ہے۔ مجسم' غیر مجسم' شمعی' غیر شمعی' دستی' کیمرہ والی ہر طرح کی تصاویر بنانے کی اسلام نے مخالفت کی اور تصاویر بنانے والوں کے لئے سخت وعید فرمائی۔

اس ضمن میں تصاویر بنانے کے نقصانات پر تحقیق پیش کرتے ہیں۔

جو خواتین اخبارات یا رسائل میں اپنی تصاویر شائع کراتی ہیں ان کے لئے شریعت

کی کھلی خلاف ورزی کے باعث انتہائی گھناؤنے اور گھمبیر مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور ان کی زندگی اجیرن بن سکتی ہے۔

انٹرنیٹ پر بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دینے والے عناصر نے کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے ذریعے انتہائی مہارت سے شریف گھرانوں کی لڑکیوں کی عریاں تصاویر شائع کرنا شروع کردی ہیں جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کسی لڑکی کی عام سی تصویر حاصل کرتے ہیں اور پھر کمپیوٹر کے ذریعے اس کے چہرے کے ساتھ کسی عریاں عورت کا جسم جوڑ کرا سے انٹرنیٹ پر جاری کردیتے ہیں یوں شریعت کی خلاف ورزی کرنے والی عورتیں پوری دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتیں۔ یہ صورت حال عورتوں کے علاوہ مردوں کے ساتھ بھی پیش آسکتی ہے چہرہ کسی کا اور جسم کسی کا پھر یہ مرد بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔

بارات ایک بدعت

بارات ہندوؤں کی ایجاد اور ان کی رسم ہے:

اصل میں یہ بارات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانہ میں امن نہ تھا اکثر راہزنوں اور قزاقوں (ڈاکوؤں) سے دوچار ہونا پڑتا تھا اس لئے دولہا، دلہن اور اسباب زیور وغیرہ کی حفاظت کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور حفاظت کی مصلحت سے بارات لے جانے کی رسم ایجاد ہوئی اور اسی وجہ سے فی گھر ایک آدمی لیا جاتا تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی بات پیش آئے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو اور اب تو امن کا زمانہ ہے اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے؟ اب حفاظت وغیرہ تو کچھ مقصود نہیں صرف رسم کا پورا کرنا اور نام آوری مدنظر ہوتی ہے۔ (عضل الجاھلیہ)

بارات کی قطعاً ضرورت نہیں:

صاحبو! ان رسموں نے مسلمانوں کو تباہ کر ڈالا ہے اسی لئے میں نے منگنی کا نام قیامت صغریٰ اور شادی (بارات) کا نام قیامت کبریٰ رکھا ہے۔

اب تو بارات بھی شادی کا رکن اعظم سمجھا جاتا ہے (اور اس کے بغیر شادی ہی نہیں ہوتی) اس کے لئے کبھی دولہا والے اور کبھی دولہن والے بڑے بڑے اصرار اور تکرار کرتے ہیں اور اس سے غرض ناموری (شہرت) اور تفاخر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کا رشتہ کیا اور رشتہ (طے کرنے) کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے لیکن نکاح کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی موجود نہ تھے۔ بلکہ معلق نکاح ہوا تھا کہ ان رضی علی یعنی اگر علی رضی اللہ عنہ رضامندی ظاہر کریں چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا رضیت اب نکاح تمام ہوا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ اس قصہ کو سن کر دولہا بھاگ جایا کرے شاید بعض لوگ ایسی سمجھ کے بھی ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ بارات وغیرہ کے تکلف کی ضرورت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوشہ کے ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی پھر بارات کا ہونا کیوں ضروری سمجھا جائے؟

بارات کے چند مفاسد

بارات نااتفاقی اور ذلت کا سبب ہے:

اس بارات کے لئے کبھی دولہا والے کبھی دُلہن والے بڑے بڑے اصرار وتکرار کرتے ہیں اور اس سے مقصود صرف ناموری اور تفاخر ہے' اکثر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اور جا پہنچے سو' اول تو بن بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے۔

((مَنْ دَخَلَ عَلٰی غَیْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَّخَرَجَ مُغِیْرًا))

(ابوداؤد)

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بن بلائے کسی کے گھر چلا جائے وہ گیا تو چور ہو کر اور نکلا لٹیرا ہو کر یعنی ایسا گناہ ہوتا ہے جیسے چوری اور لوٹ مار کر لیا۔

پھر دوسرے شخص کی اس میں بے آبروئی بھی ہو جاتی ہے کسی کو رسوا کرنا یہ دوسرا گناہ ہوا۔

پھر ان امور کی وجہ سے اکثر جانبین میں ایسی ضد اضدی اور بے لطفی (کدورت بلکہ بسا اوقات رنجش) ہوتی ہے کہ عمر بھر قلوب میں اس کا اثر باقی رہتا ہے چونکہ نااتفاقی حرام ہے اس لئے اس کے اسباب بھی حرام ہوں گے اس لئے یہ فضول رسم ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ (اصلاح الرسوم)

اب تو ان رسموں کی بدولت بجائے محبت والفت کے جو کہ میل ملاپ سے اصلی مقصود ہے اکثر رنج وتکرار اور شکایت (کی نوبت آ جاتی ہے) پرانے کینوں کا تازہ کرنا اور صاحب تقریب کی عیب جوئی اور تذلیل کے درپے ہونا اور اسی طرح کی دوسری

خرابیاں دیکھی جاتی ہیں۔ اور چونکہ ایسا لینا دینا' کھانا کھلانا' عرفاً لازم ہوگیا ہے اس لئے کچھ فرحت و مسرت بھی نہیں ہوتی نہ دینے والے کو کہ وہ ایک بے گار سی اتارتا ہے نہ لینے والے کو کہ وہ اپنا حق ضروری یا معاوضہ سمجھتا ہے۔ پھر لطف (و محبت) کہاں اس لئے ان تمام خرافات کا حذف کرنا واجب ہے۔

بارات اور قابل فکر بات:

ذرا غور کیا جائے کہ جس طرح اپنی لڑکی یا اپنے گھر کی کسی لڑکی' پوتی یا نواسی' بھانجی یا بھتیجی کی شادی میں جب اپنی حیثیت اپنی وسعت اور اپنے انتظام اور بلاوے سے زیادہ لوگوں کی بارات آجاتی ہے تو خود ضرورت سے زیادہ پریشانیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ باراتیوں کی خاطر و مدارات' ضیافت و تواضع' اپنی عزت و ناموس کو بچانے کی خاطر باراتیوں کی پاسداری اور رواداری کی حد درجہ فکر لاحق ہوتی ہے اور ذہن ہر وقت متفکر رہا کرتا ہے کہ کس طرح عزت اور سہولت سے سارا کام نمٹ جائے۔

اسی طرح یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اپنی ہی طرح ہر شخص اپنی بہن' بیٹیوں' بھانجیوں اور نواسیوں کی شادیوں میں حیران و سرگرداں اور پریشان نظر آتا ہوگا۔ ہمارا بارات میں جانا آخر کس طرح درست ہوگا؟

اور اس بات پر بھی توجہ دیں کہ جس کے دروازے پر آپ اپنی یا اپنے بھائی کی شادی پر اپنے لڑکے یا اپنے پوتے لے جا کر اس کے سر کا بوجھ بنا رہے ہیں وہ خود ہی کل سے ہونے والا آپ کا عزیز رشتہ دار کہلائے گا اور اس کی بیٹی یا بہن' پوتی یا نواسی آپ ہی کی چہیتی بیوی یا بہو کہلائے گی۔

تو کیا آپ اس ہونے والی بیوی یا بہو کے گھر والوں اور رشتہ داروں کو مشقت اور پریشانیوں میں ڈالنا' ان کی ضرورتوں میں اضافہ کرنا اخلاقی حیثیت سے گوارا کر سکیں گے؟

قیام و طعام اور باراتیوں کا طرزِ عمل:

معاشرہ میں بارات کا مقصد فقط نوشہ کی عظمت' اس کی شان و شوکت' اس کے وقار اور اس کی خوشی کو دوبالا کرنا ہے' مگر باراتیوں کا مدعائے خاص عمدہ کھانا اور سونے کے لئے بہتر بچھونا اور شان و بان ہے' اگر یہ چیزیں انہیں خوش اسلوبی اور وقت سے مل گئیں تو تعریف اور مدحت سرائی کے جس قدر الفاظ چاہیں ان سے سن لئے جائیں۔

لیکن اگر برعکس ہوا کھانے پینے میں کوئی نقص پیدا ہوگیا یا قیام و طعام کے حسن میں کوئی فرق آگیا یا کوئی کمی رہ گئی ہو یا حسب منشا کھانا نہ ملا تو لعن و طعن' سب و شتم اور اخلاق سے گرے ہوئے ناشائستہ الفاظ سنے جائیں۔

حالانکہ ان کا یہ رعب' ان کا غصہ' ان کا تغیض اور ان کی نشتر زنی اور منہ بسورنا ہی ان کی بد اخلاقی کا حد درجہ ثبوت ہے اس لئے کہ ان کا جانا ہی اول غلط ہوا اور دوسرے گئے بھی تو ذرا ذرا سی باتوں پر طعنہ زن ہونا' قیام و طعام میں چہ میگوئیاں اور عیوب و نقائص پر انگلیاں اٹھانا' زبان کھولنا اور ایسا ویسا کہنا آدمیت اور انسانی رواداری نہیں ہے بلکہ خباست قلب' فرومائیگی اور بداخلاقی کا بدترین مظہر ہے۔

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ عَلَى أَخِيهِ الْمُسْلِمِ فَلْيَأْكُلْ مِنْ طَعَامِهِ وَلَا يَسْأَلْ وَيَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهِ وَلَا يَسْأَلْ)) (بیہقی)

"تم میں سے جب کوئی اپنے مسلمان بھائی کے ہاں آئے تو جو کچھ وہ کھلائے کھالے چہ میگوئیاں نہ کرے اور جو کچھ پلائے پی لے چوں چرا نہ کرے"۔

باراتی کھانا:

احادیث میں لڑکے کی طرف سے نکاح کے بعد بطور ولیمہ کھلانے کا ثبوت ملتا ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کیا اور اس کے کرنے کا حکم بھی دیا ہے اس کے علاوہ اور کسی طرح کے کھانے کا حکم شادیوں کے سلسلے میں نہیں ملتا' بارات کا تو نام و نشان بھی نہیں' چہ جائیکہ لڑکی والوں کی طرف سے کھلانے کا ذکر ملے۔

چنانچہ علماء نے بارات کا کھانا جو اگرچہ مباح ہے خلاف سنت قرار دیا ہے اور احمق خلاف سنت ہی نہیں بلکہ لڑکی والوں پر ظلم عظیم سمجھتا ہے۔ چنانچہ متقی اور پرہیزگار لوگ اول بارات میں جاتے ہی نہیں' اگر گئے بھی تو بارات کے کھانے میں شریک نہیں ہوتے تاکہ لڑکی والوں کے ہاں کھانے کی رسم ٹوٹ جائے۔

باراتی کھانے کا جواز آخر کس طرح؟

شرعی اور اخلاقی حیثیت سے باراتی کھانے کا ثبوت اور اس کا جواز کیسے مل سکتا ہے اور اس قدر تعداد میں لوگوں کو ایک ایسے شخص کے گھر جا کر کھانے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے جس کے دروازے سے بچپن کی پروردہ لڑکی اس کے آنکھوں سے اوجھل نئے لوگ ماحول اور نئے گھرانے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منتقل ہو رہی ہے' خدا جانے اس کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جائے گا یا اس کو گھر کی لونڈی یا دور جاہلیت کی طرح گائے بھینس کی مانند استعمال کرنے کا جانور سمجھا جائے گا؟ اس کی زندگی کے شب و روز سکون و طمانیت اور آرام و زینت کے شاداب پھولوں کی طرح گزریں گے یا دکھ درد اور رنج و مصیبت کی خطرناک جھاڑیوں میں بسر ہوں گے؟

چنانچہ اسی بیم و رجا کے گرداب میں پھنسنے والی لڑکی کی کشمکش حیات کے فرط غم اور اس کے اسباب رخصتی کے انتظام میں اس کے گھر والے خود ہی آشفتہ حال' پریشان اور سراسیمہ رہتے ہیں' وہ کیا بیچارے باراتیوں کی خاطر و تواضع' ان کی قدر و منزلت اور ان

کی عزت اور ان کا احترام صحیح معنوں میں کر سکیں گے؟ پھر بھی اگر کر دیتے ہیں تو بوجہ عزت اور غیرت۔

آپ ہی بتائیں کہ بچپن سے گود میں پلی ہوئی لڑکی کے جانے کا ایک غم تو اس پر خود لاحق ہے مزید سینکڑوں کی تعداد میں پہنچ کر دوسرا غم ڈالنا' درد سر بننا اور ان کے انتظامی امور میں افراتفری کرنا ہٹ دھرمی اور رزیل پن نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہی نسبت ہے؟

مروجہ جہیز ایک ہندوانہ رسم

شادی بیاہ کی بیشتر رسومات ہندوانہ کلچر سے مسلمانوں نے اخذ کی ہیں کیونکہ برصغیر میں مسلمانوں کی فتوحات اور آمد سے پہلے ہندوؤں کا راج تھا جو کروڑوں خداؤں کے پجاری' اربوں کھربوں رسومات میں جکڑے ہوئے اور کسی بھی سماوی دین سے کوسوں میل دور تھے حتیٰ کہ بے شمار ہندوؤں کے اسلام میں داخل ہونے کے باوجود ان کی زندگی سے ہندوانہ چھاپ کے اثرات محو نہ ہو سکے اور بے شمار قبیح رسومات اور فضول روایات مسلسل ان میں چلی آتی ہیں۔ علاوہ ازیں تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمان انہی ہندوؤں کے ساتھ بودوباش اختیار کرتے رہے' اگرچہ مسلمانوں نے ہمیشہ اسلامی تشخص کا امتیاز برقرار رکھنے کی کوششیں کیں لیکن تالاب میں ڈبکی لگا کر خشک ہی باہر آ جانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن سی بات ہے۔ بہرحال میں اس گہرائی میں نہیں جانا چاہتا کہ مسلمان ان ہندوانہ رسومات کے تالاب میں لوٹ پوٹ کر کس قدر ''کیچڑ'' اپنے ساتھ پاکستان لے آئے' تاہم جہیز کی رسم اس کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے جو ہندوانہ معاشرے سے بطور ''تحفہ'' مسلمان اپنے ساتھ لائے ہیں۔

دراصل ہندوانہ معاشرے میں والدین اپنی لڑکیوں کو وراثت میں شامل نہیں کرتے بالکل اسی طرح جس طرح دورِ جاہلیت میں اہل عرب اپنی لڑکیوں کو وراثت سے محروم کر دیتے تھے بلکہ دور جاہلیت کے اہل عرب میں وراثت کا حقدار صرف سب سے بڑا لڑکا ہوتا تھا جو باپ کی وراثت کے ساتھ اپنی سوتیلی ماں کا بھی 'وارث' قرار پاتا تھا' لیکن جب نبی کریم ﷺ اس معاشرے میں تشریف لائے تو دین اسلام کی سچی' نکھری اور سادگی پر مبنی تعلیمات کے ذریعے دور جاہلیت کے تمام طوقوں کو آپؐ نے کاٹ پھینکا اور ان تمام رسومات سے لوگوں کو آزادی دی جن کی وجہ سے معاشرے کا

ایک بہت بڑا حصہ ظلم وستم میں گھر رہا تھا' اسی احسان عظیم کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ فرمایا:

''وہ (نبیؐ) انہیں نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں' لہٰذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لا کر ان کی حمایت اور مدد کرتے ہیں اور اسی نور (ہدایت) کی پیروی کرتے ہیں جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے' ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں''۔ (الاعراف: ۱۵۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو امن وامان اور سکون وراحت بہم پہنچانے کے لئے جن سنہری احکام کا اجرا کیا ان میں سے ایک حق وراثت تھا یعنی بیٹی بھی باپ کے اثاثہ میں حقدار اور صاحب نصاب ہے۔ اس کے برعکس ہندوانہ معاشرے میں آج بھی یہ رسم قائم موجود ہے کہ بیٹی کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے لیکن اس کا فطری ردعمل یہ ہے کہ شادی کے موقع پر والدین زیادہ سے زیادہ سامان مہیا کر کے بیٹی کو رخصت کرنے کا اظہار کرتے ہیں کہ اب اس کا ہمارے ساتھ ہر طرح کا تعلق منقطع ہو رہا ہے تو اس کی دلجوئی کے لئے کچھ نہ کچھ سامان ضرور ہونا چاہئے۔ جسے ہندو ''دان'' (خیرات) سے موسوم کرتے ہیں اور مسلمانوں نے اسے ''جہیز'' کا نام دے لیا۔ یہ صرف لفظی مغایرت ہے ورنہ معنوی طور پر دان اور جہیز میں کوئی فرق نہیں۔

یہ بات حرفِ آخر ہے کہ جو لوگ انفرادی یا اجتماعی طور پر کتاب وسنت کی شاہراہ پر گامزن رہیں گے وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے اور اگر دین اسلام کی سچی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جائے تو دور جاہلیت کے ان گنت مسائل ومصائب از سر نو اسلامی معاشروں میں در آئیں گے اور فی الواقع اب ایسا ہو رہا ہے۔

ماہ عسل (ہنی مون):

دولہا دولہن شادی کے بعد نئی زندگی کے خوشگوار لمحات کو انجوائے کرنے کے لیے کچھ وقت علیحدہ گزارنا چاہیں یا ان ایام کو یادگار بنانے کے لئے کسی خوبصورت مقام کی سیر و سیاحت پر نکل جانا چاہیں تو اس میں کچھ حرج نہیں خصوصاً شادی کے ابتدائی ایام میں مشترکہ خاندانی نظام کی بھیڑ سے بچنے کے پیش نظر ایسے خاندان کے نئی شادی شدہ جوڑوں کے لئے مناسب ہے کہ کچھ وقت الگ ماحول میں گزاریں تا کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو سکیں اور ایک دوسرے کو بھرپور اعتماد میں لے سکیں۔ نیز ایک دوسرے سے کھل کھلا کر اظہار محبت کر سکیں۔

یوں بھی قرآن پاک میں جابجا عبرت و نصیحت کے نقطۂ نظر سے سیر و سیاحت کا حکم ملتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾

(الانعام:۱۱)

''اے پیغمبر! آپ فرمادیجئے (لوگو!) زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسے ہوا؟''

دوسری آیت میں ہے:

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ﴾

(النمل:۶۹)

''اے پیغمبر! آپ فرمادیجئے زمین میں سیر و سیاحت کرو اور دیکھو مجرموں کا انجام کیسے ہوا؟

پھر کیا بعید ہے کہ نیا شادی شدہ جوڑا اپنی سیر و سیاحت میں جنسی تسکین سے لطف

اندوز ہونے کے ساتھ عبرت و نصیحت کے پاکیزہ جذبات کو شامل نہ کر سکے۔ مگر ایک مسلمان شادی شدہ جوڑے سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ جنسیات کے پیچھے دیوانہ وار پڑ کر نماز و تلاوت' ذکر و اذکار اور دیگر شرعی ذمہ داریوں میں کوتاہی برتے اس لئے مناسب ہے کہ ماہ عسل کا اکثر حصہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں دین سیکھنے اور پھیلانے میں لگائیں تا کہ نئی زندگی کی ابتداء ہی نیک اعمال کی پابندی سے ہو اگر کچھ وقت بچے تو پھر اسی جگہ کے قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے میں اگر گزارنا چاہیں تو خوشی سے گزاریں۔ اگر گنجائش ہو تو ہنی مون منانے کی بجائے عمرہ کرنے چلے جائیں تا کہ ان مقدس مقامات میں اپنے لئے' ہونے والی اولاد کے لئے اور پوری امت کے لئے خوب دعا مانگیں۔

لیکن اگر محض یہود و نصاریٰ کی رسم ادا کرنا ہو تو پھر ماہ عسل ہنی مون منانا منع ہے۔

مناسب شوہر کا انتخاب

لڑکی کے نکاح کے بارے میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ لڑکے کی دینداری کو دیکھ لیا جائے کیونکہ بغیر دینداری کے حقوق کی ادائیگی نہیں ہوتی جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ جو لوگ دیندار نہیں وہ حقوق کی ادائیگی کی بالکل پرواہ نہیں کرتے اس لئے اگر لڑکا بے دین ہو تو اس کے ساتھ لڑکی کی شادی ہرگز نہ کریں خواہ وہ دنیاوی طور پر کیسا ہی صاحب کمال ہو۔ جب تک آدمی دین کا پابند نہ ہو تو اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر نہیں ہوگا۔ اگر دوستی اور محبت ہوگی تو وہ بھی حد سے بڑھی ہوئی ہوگی اور اگر کسی سے دشمنی اور نفرت ہوگی تو وہ بھی حد سے بڑھی ہوئی ہوگی۔

دینداری کی تعریف:

دینداری کو آج کل ہم نے صرف نماز روزے کے اندر منحصر کر رکھا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے بلکہ دین کے اصولی اجزاء پانچ ہیں:

نمبر ۱: عقائد۔ نمبر ۲: عبادات۔ نمبر ۳: معاملات۔ نمبر ۴: معاشرت۔ نمبر ۵: تہذیب اخلاق۔

جو شخص ان تمام امور کا خیال رکھے وہ صحیح طور پر دیندار کہلانے کا مستحق ہے۔

فقہاء کرام کی عبارات سے بھی ہمیں ایسی ہی تعلیمات ملتی ہیں۔ ردّ المحتار میں ہے:

والمراة تختار الزوج الدين الحسن والخلق الدوسعة ولا تتزوج فاسقًا

عورت ایسے مرد کو اپنا شوہر بنائے جو دیندار، با اخلاق اور وسیع الظرف ہو، عورت اس مرد کو شوہر نہ بنائے جو دین سے بے گانہ ہو۔

اسی طرح اگر باپ اپنی لڑکی کی شادی کرے تو وہ بھی ان ضروری باتوں کو پیش نظر رکھے جیسا رواج ہو گیا کہ جاہل اور لالچی باپ جب اپنی لخت جگر کے لئے شوہر کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی نگاہ دولت پر ہوتی ہے۔ عمر، صلاحیت اور ذاتی شرافت پر نہیں ہوتی۔ اس رواج سے بھی متنفر ہونا اور گریز کرنا انسانی فریضہ ہے۔ فقہاء کرام لکھتے ہیں:

ولا يزوج ابنته الشابة شيخًا كبيرًا ولا رجلاً دميما (ردالمحتار ايضًا)

باپ اپنی جوان لڑکی کو کسی بڈھے اور بدصورت مرد سے نہ بیاہے۔

ہم عمری کا لحاظ:

لڑکی کی شادی میں شوہر کے ہم عمر ہونے کا لحاظ بھی ولی کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔ سرور کائناتؐ نے اپنی جگر گوشہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں ہم عمری کا لحاظ رکھا تھا۔ نسائی نے ایک باب الگ باندھا ہے:

تزوج المراة مثلها في السن

یعنی عورت کی شادی اس کے ہم عمر سے کرنا۔ اور اس باب کے تحت میں حضرت بریدہؓ سے یہ روایت منقول ہے:

خطب ابوبكر و عمر رضى الله عنهما فاطمة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انها صغيرة فخطبها عليّ فزوجها منه (نسائی ج ۲ ص ۴۹)

حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے شادی کا پیغام بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ (فاطمہ) کمسن ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کرلئے پیغام دیا تو آپؐ نے ان سے حضرت فاطمہ

کی شادی کر دی۔

محدثین نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ ہم عمری کا لحاظ بڑی حد تک ضروری ہے اور یہ بڑے فوائد پر مشتمل ہے۔ گویا یہ بات مسلّم ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ سے ان کی کم سنی میں شادی کی مگر یہاں جو مقصد پیش نظر تھا وہ سب سے اہم تھا۔ دنیا کو اس کا علم ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ذریعہ دین کا کتنا بڑا حصہ پھیلا اور اسلام کی کتنی عظیم الشان خدمت اس سلسلہ سے انجام پذیر ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس مرد سے شادی ہو رہی ہے وہ ہر اعتبار سے مناسب و موزوں ہو دینی لحاظ سے بھی اور دنیوی پہلو سے بھی تاکہ باہم موافقت اور انس اور محبت قائم رہے۔ شرعی تعلیمات کی روشنی میں مردوں میں جن خوبیوں کا ہونا سمجھ میں آتا ہے ان کا اجمالی بیان یہ ہے:

❀ مرد دیندار اور نیک طینت ہو اسلامی عقائد میں شک وشبہ نہ ہو یا تمسخر واستہزاء سے پیش نہ آئے۔

❀ خوشی اور غم میں شریک ہونے والا اور نرم مزاج ہو اور اپنے متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی اس سے توقع ہو۔

❀ پاک دامن امانت دار مہذب اور شاکر وصابر ہو۔

❀ صالح اور باعزت خاندان کا رکن اور خود بھی تعلیم یافتہ ہو۔ نیک صفتوں کا مالک اور عیوب سے پاک ہو۔ طبیعت میں صلاحیت ہو کہ اہل علم اور بزرگوں کا ادب کرتا ہو۔

❀ بقدر ضرورت نان ونفقہ پر اس کا قادر ہونا ضروری ہے۔

❀ ان تین باتوں کا دیکھنا اور لحاظ کرنا بہت ضروری ہے۔

الف) قوت اکتساب (یعنی باہنر یا مستقل کمائی کا ذریعہ رکھتا ہو)

ب) کفاءت (برابری) میں زیادہ تفاوت نہ ہو

ج) دینداری

ان باتوں کو دیکھنے کے بعد زیادہ چھان بین چھوڑ دے ورنہ وہی بات پیش آئے گی جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے کہ جب اخلاق اور دین کے ساتھ مناسبت ہو تو نکاح کر دیا کرو ورنہ زمین میں بہت بڑا فساد پھیل جائے گا۔

نکاح میں لڑکی کی رضامندی

حد بلوغ تک پہنچنے کے بعد عاقل لڑکا اور لڑکی جس طرح دنیا کے دوسرے معاملات میں بڑی حد تک آزاد ہوتے ہیں اسی طرح اسلام نے ان کی شادی کرنے میں بھی حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادی بخشی ہے۔ والدین اور دوسرے اقربا اس شعبہ زندگی میں اپنے تجربات کی روشنی میں معتدل مشورے ضرور دے سکتے ہیں اور ان کو مشورہ دینا بھی چاہئے مگر یہ دباؤ اور جبر نہیں ڈال سکتے۔ شادی کرنے والے جوڑے کو چاہئے کہ اپنے بزرگوں کے مشوروں کو قبول کریں کہ ان کی رائے پختہ ہوتی ہے اور محبت اور شفقت میں ڈوبی ہوئی۔ بایں ہمہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان کو ان مشوروں کو قبول کرنے پر اسلام نے مجبور نہیں کیا ہے۔

عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں اختیار:

عورتیں جن کو ہم ہندوستان کے ماحول میں مجبور محض سمجھتے ہیں اسلام نے ان کو اتنا مجبور ہرگز نہیں کیا جتنا سمجھا جاتا ہے۔ بالغ لڑکوں کی طرح بالغ لڑکیوں کو بھی اس معاملے میں بڑی حد تک آزادی ہے۔ نکاح کے معاملے میں بالغ لڑکیوں کی رضامندی اور اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا تنکح الایم حتّٰی تسامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن

(بخاری: باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا)

بیوہ کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس کا حکم نہ لے لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی

اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔

دوسری حدیث اس سے بھی واضح ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

الایمۃ احق بنفسھا من ولیھا والبکر یستاذنھا فی نفسھا واذنھا صماتھا

بیوہ عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

تیسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ عورت جو ثیبہ ہے بذات خود ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرنے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔

ان حدیثوں میں جو لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے اور جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام کا منشاء کیا ہے؟ عورتوں کو شادی کے معاملے میں مختار بنایا گیا ہے یا ان کے اختیار کو سلب کر لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو ذرا بھی فہم وعقل عطا کی وہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہوں گے کہ اسلام نے عورتوں کی شادی کرنے کے سلسلہ میں مجبور محض نہیں بنایا ہے بلکہ ان کی منظوری کو ضروری قرار دیا ہے۔ بغیر عورت کی رضا حاصل کئے ہوئے اس کی شادی کسی مرد سے نہیں کی جا سکتی۔

ولی کی ذمہ داری:

ولی کا فریضہ ہے کہ پہلے بالغ سے رضا حاصل کرے پھر وہ کسی مرد سے اس کی شادی کی بات چیت طے کرے۔ حد یہ کہ باپ جو لڑکی کے حق میں سراپا رحیم وشفیق ہوتا

ہے اس کو بھی پیغمبر اسلام حکم دے رہے ہیں کہ لڑکی کی رائے معلوم کرے اور اس کی اجازت حاصل کرے پھر اس کی شادی پسند کے مطابق کرے۔

مگر اسلام نے جہاں لڑکی کی رضا اور اجازت کو ضروری قرار دیا ہے وہاں لڑکی کی حیاء اور شرم کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا بلکہ لڑکی کے سکوت کو بھی اجازت کا درجہ ہے اگر وہ کنواری ہے۔ ہاں اگر ثیبہ ہے تو اس کی صراحتاً اجازت کی ضرورت ہے۔

عورت کی عدم رضا سے نکاح کا رد عہد نبویؐ میں:

حدیث میں ایک صحابیہ حضرت خنساءؓ بنت حزام کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے باپ نے کسی شخص سے ان کی شادی کر دی۔ حضرت خنساءؓ کو یہ رشتہ پسند نہ آیا۔ دربار نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساءؓ کی درخواست قبول فرمائی اور ان کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو رد فرما دیا۔

دوسرا واقعہ عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک باکرہ عورت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں آئی اور بیان کیا کہ میرے باپ نے جس سے میری شادی کر دی ہے وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اختیار دے دیا جی چاہے رکھو، جی چاہے رد کر دو۔

باپ کو بھی جبر کا اختیار نہیں:

ایک واقعہ بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عورت دربار نبویؐ میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچا زاد بھائی سے کر دی ہے جو مجھے پسند نہیں ہے۔ اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری سن کر آپؐ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا کہ تم کو اس نکاح کے رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ عورت نے یہ سن کر اطمینان کی سانس لی اور بولی کہ میرے باپ نے جو کچھ کیا اس کی اجازت دے چکی ہوں لیکن اس وقت سوال کرنے اور حضورؐ سے جواب حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ

عورتوں کو سبق دوں کہ باپ کے ہاتھ میں یہ نہیں ہے کہ بالغ لڑکی کی رضا حاصل کیے بغیر شادی کرے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الاباء من الامر شئ

(ابن ماجہ: باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ)

عبدالرحمٰن بن یزید اور مجمع بن یزیدؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سے جو خدام کے نام سے مشہور تھے، انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی کی۔ ان کی لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ آیا چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا چنانچہ آپؐ نے اس کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو باطل قرار دے دیا اور پھر اس عورت نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے شادی کی۔

ان حدیثوں کو پڑھنے کے بعد اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ بالغہ عورت کی شادی میں اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کو شوہر کے انتخاب میں پورا اختیار ہے اور اس ساری کدوکاوش اور اختیارات کا مقصد یہ ہے کہ عفت و عظمت، محبت و مودت اور بقائے نسل انسانی جو نکاح کے بنیادی مقاصد ہیں، وہ بحسن وخوبی انجام پذیر ہوں۔

اجازت لینے کا طریقہ اور چند ضروری مسائل:

① اگر عورت خود وہاں (مجلس نکاح) میں موجود ہو اور اشارہ کر کے یوں کہہ دے کہ میں نے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کیا، وہ کہے کہ میں نے قبول کیا تب بھی نکاح ہو گیا، نام لینے کی ضرورت نہیں۔

② اور اگر وہ وہاں موجود نہ ہو تو اس کا بھی نام لے اور اس کے باپ کا بھی نام لے اتنے زور سے کہ گواہ سن لیں اور اگر باپ کو بھی لوگ جانتے نہ ہوں تو دادا کا نام لینا بھی ضروری ہے۔ غرض یہ کہ ایسا پتہ ہونا چاہئے کہ سننے والے سمجھ لیں کہ فلانی

(لڑکی) کا نکاح ہو رہا ہے۔

③ جوان کنواری لڑکی سے ولی نے آ کر کہا کہ میں تمہارا نکاح فلانے (لڑکے) کے ساتھ کئے دیتا ہوں۔ اس پر چپ رہی یا مسکرا دی یا رونے لگی تو بس یہی اجازت ہے۔ اب وہ ولی نکاح کر دے تو یہ نکاح صحیح ہو جائے گا' یہ نہیں کہ جب زبان سے کہے تب ہی اجازت سمجھی جائے۔ جو لوگ زبردستی کر کے زبان سے قبول کراتے ہیں وہ بہت برا کرتے ہیں۔

④ (البتہ اگر) ولی نے اجازت لیتے وقت شوہر کا نام نہیں لیا نہ اس کو پہلے سے معلوم ہوا تو ایسے وقت چپ رہنے سے رضامندی ثابت نہ ہوگی اور اجازت نہ سمجھیں گے بلکہ نام ونشان بتلانا ضروری ہے جس سے لڑکی اتنا سمجھ جائے کہ یہ فلاں شخص ہے۔ اسی طرح اگر مہر نہیں بتلایا اور مہر مثل سے بہت کم پر نکاح پڑھ دیا تو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح نہ ہوگا اس لئے قاعدہ کے موافق پھر اجازت لینی چاہیے۔

⑤ نکاح (صحیح) ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ کم سے کم دو مردوں کے یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے کیا جائے اور وہ لوگ اپنے کانوں سے نکاح ہوتے ہوئے وہ دونوں لفظ کہتے سنیں تب نکاح ہوگا (بہشتی زیور)۔

پیغام دینے کا پسندیدہ طریقہ

نسوانیت کے احترام' فطری حیاء اور صنفی نزاکت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ نکاح کی پیشکش عورت کی یا اس کے سرپرستوں کی طرف سے نہ ہو بلکہ مرد کی جانب سے ہو تاکہ وہ طالب اور پیشکش کرنے والا بنے اور عورت مطلوب ــــ اس لئے مناسب یہ ہے کہ پیغام مرد کی طرف سے جائے اور وہ بھی براہِ راست عورت کے پاس نہیں بلکہ اس کے (اگر سرپرست موجود ہیں تو) سرپرستوں کے پاس جائے اور یہ ذرا سی بے نیازی اور عزت نفس کا مظاہرہ کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل الانبیاء اور سید البشر ہونے کے باوجود متعدد ازواج مثلاً حضرت عائشہؓ' ام سلمہؓ' ام حبیبہؓ وغیرہ کو خود ہی پیغام بھیجا تھا۔ مگر بعض مخصوص موقعوں اور ضرورتوں پر عورت یا اس کے سرپرستوں کی طرف سے بھی پیغام بھیجا جا سکتا ہے۔ اس کی نظیریں بھی احادیث میں ملتی ہیں۔

مشہور محدث امام بخاریؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''صحیح بخاری'' میں باب عرض الانسان ابنته واخته علی اهل الخیر کا عنوان یہی بتانے کے لئے قائم کیا اور اس کے تحت حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ نقل کیا کہ جب ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئیں اور ان کے نکاح کی فکر ہوئی تو پہلے انہوں نے از خود حضرت عثمانؓ سے شادی کی پیشکش کی۔ حضرت عثمانؓ نے چند روز کے بعد معذرت کر دی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ تم پسند کرو تو حفصہ کو اپنی زوجیت میں قبول کر لو۔ وہ بھی خاموش رہے کیونکہ نبی اکرمؐ کے ارادہ نکاح کا انہیں علم ہو چکا تھا۔

اس عنوان اور واقعہ سے معلوم ہوا کہ بہتر اور مناسب موقع کے لئے عورت یا

اس کے اولیاء خود بھی پیشکش کر سکتے ہیں اور پیغام دے سکتے ہیں' اگرچہ اس زمانہ میں بھی عورت کی طرف سے پیغام دینا حیاء کے خلاف سمجھا جاتا تھا چنانچہ حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر کہ ایک خاتون نے رسول اللہؐ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی ہے' فرمایا تھا:

اما تستحی المرء اة ان تحصب نفسها للرجل۔

شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا

اسلام نے عفت اور عصمت کے تحفظ کے لئے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ ممکن ہو تو بغیر کسی خاص اہتمام کے عورت کو شادی سے پہلے دیکھا بھی جا سکتا ہے اور خواتین کو بھی چاہیے کہ اس کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائیں جیسا کہ آج کل تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہم کوئی بھیڑ بکریاں تھوڑی ہیں کہ کوئی دیکھے اور پسند کرے۔

ارے بچیو!

کیوں خود ہی احساس کمتری کا شکار ہو کر ذرا ذرا سی بات پر Complex کا شکار ہوئی جاتی ہو۔ آپ کو تو اسلام نے وہ مقام عطا کیا جس سے بڑھ کر رشتوں میں کوئی مقام ہی نہیں۔ اس دیکھنے کی بابت حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

اذا خطب احدکم المراۃ فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوہ الی نکاحھا فلیفعل

(رواہ ابو داؤد: مشکوۃ' کتاب النکاح)

تم میں سے جب کوئی عورت کو پیام نکاح دے اور وہ اس چیز کے دیکھنے پر قدرت رکھتا ہو جو اس عورت کے نکاح کی طرف داعی ہو تو اس کو ایسا کرنا چاہئے۔

معلوم ہوا نکاح سے پہلے مہذب اور شرعی طریقہ پر عورت کو دیکھ سکتا ہے تو دیکھ لے تاکہ تذبذب جاتا رہے اور شادی کرنے میں عورت کی طرف سے جو شکوک و شبہات ہیں' دور ہو جائیں۔ آئندہ کے لئے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ عورت کے متعلق کوئی ایسی بات

کہنے کا موقع نہ رہے گا جس سے عورت کی سبکی ہو اور اس طرح مقاصد نکاح بخوبی بروئے کار آ سکیں گے۔ گو یہ ضروری نہیں کہ خود ہی دیکھے، کوئی دوسرا دیکھ لے اور اس کے بیان پر اعتماد ہو تو یہی کیا جائے۔ مزید اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت کے متعلق جو معلومات حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے ـــــ دین، جمال، خاندان، خوشحالی اور اس طرح کی دوسری باتیں تا کہ اطمینان حاصل کیا جا سکے۔

دیکھنے کے لئے مشورۂ نبوی (ﷺ):

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شادی کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا: تو نے دیکھ لیا ہے؟ حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: نہیں یا رسول اللہ۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

فانظر الیھا فانہٗ احرٰی ان یودم بینکما (ترمذی: باب ما جاء فی النظر الی لمخطوبہ)

اس عورت کو دیکھ لو اس لئے کہ یہ باہمی تعلقات کی استواری کے لئے مناسب ہے۔

یہ فرمان نبویؐ کھلا ثبوت ہے کہ جس عورت سے شادی ہونے والی ہے اس کو دیکھ لینا اور کچھ نہیں تو مستحب ضرور ہے۔ ترمذی نے بھی لکھا ہے کہ بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ عورت کو دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں شادی سے پہلے بشرطیکہ اس کا وہ حصہ نہ دیکھا جائے جس کا دیکھنا حرام ہے اور یہی مذہب امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا ہے۔ پھر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

ومعنی ان یودم بینکما قال احرٰی ان تودم المؤدۃ بینکما

(ترمذی)

ان تودم بینکما کے معنی ہیں کہ تم میں پائیدار محبت رہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص جس

نے ایک عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا، پوچھا: انظرت الیھا (کیا تو نے اسے دیکھ لیا ہے؟) اس نے نفی میں جواب دیا۔ حضورؐ کو جب معلوم ہوا کہ اس نے دیکھا نہیں ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے تو آپؐ نے فرمایا:

اذھب فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئاً۔

(مسلم: باب ندب من اراد امرأۃ الی ان ینظر قبل خطبتھا: ج ۱ ص ۴۵۶)

امام نوویؒ کی شرح:

امام نوویؒ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس عورت کو دیکھنا جس سے شادی کرنے کا ارادہ کیا جائے، مستحب ہے۔ مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جمہور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ اس دیکھنے میں عورت کی رضا شرط نہیں ہے بلکہ بغیر اطلاع عورت کی غفلت پا کر بھی اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ عورت سے طلب اذن کی بھی شرط نہیں ہے، عورت سے بغیر اجازت حاصل کئے اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ اجازت کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور اس طرح کے معاملہ میں عورت کو اجازت دینے میں حیاء بھی دامن گیر ہوا کرتی ہے اور معاملہ دھوکا کا ہے یقینی نہیں کیونکہ عموماً ایسا ہوا کرتا ہے کہ عورت کو دیکھا جاتا ہے اور وہ پسند نہیں آتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا شادی نہیں کرتا ہے تو اگر اجازت کے حصول کے بعد دیکھا جائے تو شادی نہ کی جائے تو اس کو اس سے اذیت اور دلی تکلیف ہو گی اور اگر بغیر اطلاع دیکھ لی گئی اور اس سے شادی نہ کی گئی تو یہ فعل اس کے لئے موجب اذیت نہ ہو گا کیونکہ اس کو علم ہی نہیں ہے اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب (شوافع) کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ شادی کا پیغام بھیجنے سے پہلے ہی دیکھ لیا جائے تا کہ اگر پسند نہ آئے تو بغیر کسی تکلیف دیئے ہوئے معاملہ ختم ہو جائے گا بخلاف اس صورت کے کہ پیغام نکاح کے بعد دیکھی جائے اور پسند نہ آنے پر چھوڑ دی جائے۔

ہمارے اصحاب (شوافع) کا قول ہے کہ اگر خود دیکھنا ممکن نہ ہو تو کسی ایسی عورت کو دیکھنے کے لئے بھیجا جائے جس پر اعتماد اور وثوق ہو تا کہ وہ آ کر صحیح صحیح خبر دے اور یہ سب نکاح کی بات چیت کرنے سے پہلے ہونا چاہئے۔

محمد بن مسلمہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا القی اللّٰہ فی قلب امرء خطبة امرأ فلا باس ان ینظر الیها

(ابن ماجه: باب النظر الی المراة الخ)

اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کے دل میں کسی عورت سے نکاح کرنے کی خواہش ڈال دے تو اس کے لئے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دیکھنے میں اخلاص واعتدال:

ان تمام حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اچھا ہے ۔۔۔ خواہ خود اپنی آنکھوں سے ہو یا کسی معتمد عورت کے ذریعہ سے ہو۔ اس سے بڑی حد تک اطمینان قلب ہوتا ہے اور شادی کرنے میں شکوک وشبہات اور شیطانی وساوس پیدا نہیں ہوتے پھر اس سلسلہ کے ابتدائی فتنے سر نہیں اٹھاتے۔ البتہ لازمی شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو، دیکھنے سے منشا فتنہ پیدا کرنا نہ ہو۔ فقہاء بھی دیکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قالوا یجوز النظر الی المخطوبة کیلا ینجر الامر الی الفساد وقالوا یخلص النیة عند ابتداء النظر ثم یفوض الامر الی اللّٰہ

(العرف الشذی: باب النظر الی المخطوبة - ص ٣٩٠)

فقہاء نے کہا ہے کہ جس سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کو دیکھنا جائز ہے تا کہ معاملہ فساد برپا نہ کرے اور یہ بھی کہا ہے کہ دیکھتے وقت نیت میں خلوص ہو پھر معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔

شادی سے پہلے دیکھنا مستحب ہے:

اب یہ سوال کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا کیسا ہے؟ اس باب میں عموماً علماء مستحب کے قائل ہیں جسے وہ ندب کے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں، صرف مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے سنت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے مگر مقصد ایک ہی ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

سن للخاطب ان ینظر الی وجه المخطوبة وکفیها قبل النکاح اجماعًا (تفسیر مظهری: سورة النساء - ص ٦)

شادی کرنے والے کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے (عورت) مخطوبہ کو دیکھ لے۔ مخطوبہ کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا بالاتفاق جائز ہے۔ فقہ کی کتابوں میں عام طور پر ندب ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

یندب اعلانه .... والنظر قبله

(در مختار - ج ٢ ص ١)

نکاح کا اعلان اور نکاح سے پہلے دیکھنا مستحب ہے۔

ویندب نظر الزوج الی زوجته قبل العقد وان خاف الشهوة

(الکواکب المشرقه - ص ٣)

عقد سے پہلے شوہر کا بیوی کو دیکھنا مستحب ہے گو شہوت کا خوف ہو۔

حدیثیں جو نقل کی جا چکی ہیں وہی بنیاد ہیں۔ صحابہ کرام کا بھی اس پر عمل تھا' وہ بھی شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابر کا خود بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو شادی کا پیغام دیا اور میں نے چھپ کر اسے دیکھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گیا اور دیکھنے کے بعد اس میں کچھ ایسی باتیں دیکھیں کہ میں نے اس سے شادی کر لی۔

حضرت محمد بن مسلمہؓ فرماتے ہیں کہ میری نسبت ایک عورت سے ٹھہری' میں نے چھپ کر اس کو دیکھنے کی سعی کی۔ بالآخر میں نے ایک دن اس کو اپنے باغ میں دیکھ لیا۔ ان کی اس حرکت پر بہت لوگوں نے اعتراض کیا کہ رسول اللہ ؐ کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہو۔ محمد بن سلمہؓ کہتے ہیں: میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عمرؓ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو کہلا بھیجا کہ آپ کی لڑکی ام کلثوم سے شادی کا ارادہ رکھتا ہوں اور اس روایت کے اخیر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے ان کو دیکھ لیا تھا۔

دیکھنے کا شرعی طریقہ

مگر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی اجازت تو ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سلسلہ میں وہ رواج بھی ہمارے یہاں جائز ہے جو غیر قوموں میں ہے کہ شادی سے پہلے ہونے والے میاں بیوی ایک مدت تک بے باکی کے ساتھ مل جل زندگی گزارتے ہیں اور عشق اور محبت کی وادی طے کر کے نکاح کی منزل پر پہنچتے ہیں۔ یہ طریقہ اسلام میں بالکل جائز نہیں ہے۔ ابھی حضرت جابر کے دیکھنے کا واقعہ نقل کیا گیا' اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام میں دیکھنے کی کیا نوعیت تھی۔ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ اسلام میں شریف عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے چہرہ اور ہتھیلی یا زیادہ سے زیادہ قدمین (یعنی پاؤں) بھی' ان تین (چہرہ۔ ہتھیلی۔ قدمین) کے سوا دوسرے حصہ' جسم کا عورت کے لئے کھولنا غیر مرد کے لئے جائز نہیں جیسا کہ تفصیل کے ساتھ آئندہ معلوم ہوگا تو بس ہمارے یہاں اسی حد تک دیکھنا چاہئے۔ دیکھنے میں تجسس جائز نہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عورت کو علم ہو کہ مجھے دیکھا جا رہا ہے۔ مرد کو مخطوبہ کے متعلق یقین کے ساتھ کسی طرح ضروری معلومات ہو جانا چاہئے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا چاہئے چنانچہ لکھتے ہیں:

ثم انما يباح له النظر الى وجهها وكفيها فقط لانهما ليسا بعورة ولانه ليستدل بالوجه على الجمال وبالكفين على خصوبة البدن او عدمها (شرح مسلم: جلد نمبر ا۔ صفحہ نمبر ۴۵۶)

مرد کے لئے جائز ہے کہ مخطوبہ (جس سے شادی کرنا ہے) کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھ لے کہ یہ دونوں ستر میں نہیں ہیں اور اس لئے کہ چہرہ سے خوبصورتی معلوم ہو جائے گی اور ہتھیلی سے بدن کی تروتازگی کا اندازہ مل جائے گا۔ یہ بالکل درست ہے کہ چہرہ دیکھ کر

آدمی عورت کی تراش خراش کا بڑی حد تک اندازہ لگا سکتا ہے۔ خوبصورتی اور بدصورتی چہرہ سے عیاں ہو جاتی ہے بلکہ آدمی ذرا ذہین ہو تو صرف چہرہ سے اس کی زندگی کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ قدرت نے چہرہ کو ظاہری بدن کا قلب بنایا ہے اور اگر اسے آلہ باطن نما کہا جائے تو غلط نہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ثناء اللہ پانی پتی کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے' وہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے مخطوبہ کا چہرہ اور اس کی ہتھیلی دیکھ لی جائے۔ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ باقی قدمین- اس کا فقہاء نے بعض شرعی بنیاد پر اضافہ کیا ہے۔

گو اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ مخطوبہ کا کونسا اور کتنا حصہ دیکھا جائے۔ چہرہ' ہتھیلی پر تو اجماع ہے اس میں کسی کا بھی اور امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ مواضع لحم کو دیکھا جائے گا اور داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ غلیظ حصوں کے سوا تمام بدن کو دیکھنا جائز ہے۔

آپ آگے پڑھیں گے کہ شریعت اسلام میں پہلی نگاہ جو پڑ جائے اس کی اجازت ہے' باقی پھر دوبارہ نہ ڈالی جائے اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ کوئی مرد اجنبی عورت سے تنہائی میں ملے اور بات چیت کرے۔ بوقت ضرورت لوگوں کے سامنے البتہ مل سکتا ہے۔ یہ اور اس طرح کی بہت ساری ہدایات آپ وہاں پڑھیں گے۔ ان کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی گو اجازت ہے مگر ضرورت کی حد تک اور اعتدال کے ساتھ۔ اس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت کو اس کے گھر میں اس کے دن رات کے لباس میں دیکھ لے اور بس۔ پھر شرط یہ ہے کہ نگاہ پاکیزہ ہو اور دل میں کوئی روگ نہ ہو۔

قالوا یخلص النیة عند ابتداء النظر ثم یفوض الامر الی اللہ (العرف الشذی: ص ۳۹)

شروع میں دیکھتے وقت نیت مخلص ہو' پھر معاملہ اللہ کے سپرد ہو۔

ان قوانین سے اسلام کا منشاء یہ ہے کہ شادی میں ان تمام ضروری امور کا لحاظ رکھا

جائے جس کی وجہ سے آئندہ ملی جلی زندگی میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہونے پائے اور مقاصد نکاح اس رشتہ سے پوری طرح ادا ہوں۔

ان تمام احادیث اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت میں لڑکے لڑکی پر شادی سے قبل ایک دوسرے کو دیکھنے میں کوئی پابندی نہیں لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے ظاہری خدوخال' سیرت و کردار سے متعلق اچھی طرح اندازہ کر لیں اور جب شادی ہونے لگے تو دونوں اپنی رضامندی سے ایک دوسرے کو قبول کریں۔ مناسب یہ ہے کہ والدین اپنی موجودگی میں چائے یا کھانے کی میز پر لڑکی لڑکے کی ملاقات کروا دیں مگر واضح رہے کہ یہ دیکھنا شادی کے مقصد سے ہونا چاہئے ورنہ منگیتر کو لذت و شہوت اور گناہ بھری نگاہ سے دیکھنا ناجائز ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں پہلے زمانے کے لوگ دھوکہ سے بچنے کے لئے اپنی بیٹیوں کا نکاح دیکھ کر کیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں دھوکہ خوبصورتی کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے اور اخلاق و کردار کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ ایک نظر دیکھ کر خوبصورتی سے متعلق دھوکا کھانے سے بچا جائے اور اچھی طرح تحقیق و تفتیش کر کے اخلاق سے متعلق دھوکہ میں پڑنے سے بچا جائے۔ مگر انتہائی افسوس کی بات ہے کہ آج ہم مسلمان حضور ﷺ کی تعلیمات و ہدایات سے کتنی دور اور افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ شریف گھرانوں کے لوگ زیادہ پُر وقار بنتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کو نظر انداز کر دیتے ہیں عموماً وہ اپنی لڑکی کو دکھانے کی بھی اجازت نہیں دیتے اگر کوئی لڑکا شادی سے قبل اپنی منگیتر کو دیکھنا چاہے تو اسے حیا باختہ اور مغرب زدہ سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ بعض مسلمان اہل مغرب کی تقلید میں اتنا آگے نکل چکے ہیں کہ وہ لڑکے اور لڑکی کو منگنی سے قبل اور منگنی کے بعد خلوت و تنہائی اور اندر باہر آنے جانے کی عام اجازت دے دیتے ہیں جس کے برے نتائج سب کے سامنے ہیں اور بسا اوقات اس کا انجام انتہائی خطرناک نکلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں زیادہ تر عورتیں طلاق لے لیتی ہیں

لیکن ایک اسلامی معاشرے کے حالات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ اسلام ہمیں جدید اصولوں سے ہم آہنگ ہونے سے منع نہیں کرتا لیکن ہمیں جدت کے نام پر تاریکیوں کے ان غاروں میں بھی اترنے کی اجازت نہیں دیتا جہاں فقط جنسی بدحالی کو پہنچے ہوئے انسان ماں، بہن اور بیٹی کے رشتے کو بھول جائے۔ جہاں ڈیٹنگ اور پیٹنگ جیسے گھناؤنے اصول رواج پاجائیں۔ آیئے اس کے بارے میں ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ کیا خرافات ہیں؟

ایک نئی وباء:

نوجوان لڑکے لڑکیاں شادی سے قبل آپس میں بے جھجک ملتے جلتے ہیں۔ سیر وتفریح کرتے ہیں تا کہ شادی سے قبل وہ ایک دوسرے کو بخوبی سمجھ سکیں۔ پہلی ملاقات کی جھجک وقتی ہوتی ہے جو جلد ہی اپنائیت میں بدل جاتی ہے اسی وقت انہیں جاننا ہوتا ہے کہ ان کی پسند کیسی ہے۔ عادات کیسی ہیں، زندگی کے بارے میں ان کا نظریہ کیا ہے؟ دوسرا قدم آگے بڑھاتے ہوئے وہ جسمانی دوری کو ختم کر دیتے ہیں ایک دوسرے سے لپٹنا، چومنا اس سلسلہ میں عام سی بات ہوتی ہے اس طرح کے عام جنسی کھیل کے ذریعہ وہ ایک دوسرے کو زیادہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، تیسرا قدم ایک دوسرے کو ٹٹولنے کا ہوتا ہے جس کے تحت وہ ایک دوسرے کے مخصوص جسمانی اعضاء کو چھونے اور ان کے ساتھ کھیلنے کے لئے آزاد ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ کیا وہ ایک کامیاب میاں بیوی بن سکیں گے؟ فیصلہ اگر ہاں میں ہو تو وہ شادی کر لیتے ہیں اور اگر اتنا لمبا، اتنا آزادانہ جنسی کھیل کھیلنے کے بعد وہ محسوس کریں کہ ان کا مزاج اور عادات آپس میں نہیں ملتیں تو کسی دوسرے جوان لڑکے یا لڑکی کے ساتھ یہی سلسلہ دوسری تیسری بار یا بہت بار چلتا رہتا ہے۔ (جنسی تعلقات)

ضروری گزارش

ماں باپ کی رضامندی:

لڑکے لڑکی کو شریک حیات کا انتخاب والدین اور سرپرستوں کی اجازت ومشورہ کے بغیر کر لینا درست نہیں ہے بلکہ اپنی پسند کے ساتھ ساتھ والدین اور ولی کی اجازت بھی ضروری ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اور سرپرستوں کی اجازت و رضا کے بغیر انجام پانے والے نکاح کو رد فرما دیا ہے۔

ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ واقعتاً آج کے دور میں بعض نوجوان لڑکے، لڑکیاں اپنے والدین کی رضا اور انہیں گوش گزار کئے بغیر اپنا شریک حیات منتخب کر کے رشتۂ ازدواج قائم کر لیتے ہیں اور بعد میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے ازدواجی کشمکش اور تناؤ میں پھنس کر خون کے آنسو روتے ہیں پھر انہیں ماں باپ کی رضا اور رائے کا ضروری ہونا سمجھ میں آتا ہے لہٰذا سخت ضرورت ہے کہ لڑکے لڑکیاں اپنی پسند کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں کی بھی رضامندی اور خوشنودی کو مدنظر رکھیں اور چھپ چھپ کر نکاح کا عہد و پیمان کرتے ہوئے ناتجربہ کاری کا ثبوت دے کر روز روز کی کھٹ پٹ میں پھنس کر آئے دن کا رونا نہ روئیں۔

لڑکے لڑکی کی رضامندی:

اسی طرح ماں باپ اور ذمہ دار حضرات کو بھی چاہئے کہ محض اپنی صوابدید پر لڑکے لڑکی کے لئے شریک حیات کا انتخاب نہ کر لیں بلکہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے والے لڑکے لڑکی کی پسند ناپسند کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

یاد رکھئے! اسلام ایک حقیقت پسند، ترقی یافتہ اور ترقی پسند مذہب ہے، اسلام اس

قدر تنگ نظر نہیں کہ لڑکے اور لڑکی کو ان کے مستقبل سے متعلق پسند ناپسند میں لب کشائی کا موقع نہ دے' اسلام ماں باپ کو اولاد کی مرضی معلوم کئے بغیر ایسی جگہ رشتۂ ازدواج میں جھونک دینے کی اجازت نہیں دیتا کہ لڑکے اور لڑکی کو اپنے شریک حیات کی شکل و صورت اور عادات واخلاق کا ذرہ برابر علم نہ ہو۔

اسلام لڑکے کی طرح لڑکی کو بھی اپنا رفیق زندگی منتخب کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ لڑکے کی پسند' ناپسند کو بہت اہمیت دی جاتی ہے بعض اوقات لڑکے خود بھی ضد کر کے یا کسی نہ کسی طرح اپنے ردعمل کا اظہار کر کے اپنی بات منوا لیتے ہیں لیکن اس کے مقابلے میں لڑکیوں کی پسند' ناپسند کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی جاتی' کچھ تو لڑکیوں میں قدرتی لڑکوں کی نسبت جھجک زیادہ ہوتی ہے اور وہ اپنی پسند یا ناپسند کا اظہار نہیں کر پاتیں' کچھ مشرقی رسم ورواج ایسا ہے کہ اس معاملے میں لڑکی کا اظہار خیال بے شرمی سمجھا جاتا ہے اور والدین لڑکیوں سے توقع رکھتے ہیں کہ جہاں کہیں وہ ان کے رشتے طے کر دیں انہیں زبان بند کر کے وہاں چلے جانا چاہئے شرعاً یہ طرز عمل درست نہیں گو لڑکی کو چاہئے کہ ماں باپ کے منتخب کردہ جوڑے پر خوش رہے اور ان کی رضا اپنی رضا سمجھے تاہم لڑکی کی مرضی کے بغیر کئے گئے نکاح کے معاملے میں آپ ؐ نے لڑکی کو پورا اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو نکاح باقی رکھے اور چاہے تو ختم کر دے' لہٰذا نکاح سے قبل لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو بھی اپنی پسند ناپسند کے اظہار کا پورا پورا موقع دینا چاہئے۔

اگر والدین لڑکی کے انتخاب کو کسی وجہ سے غلط سمجھتے ہوں تو اسے زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کر کے اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اس کی پسند کو بدل دیں مگر یہ نہیں کر سکتے کہ اس کی مرضی کے بغیر زبردستی کسی جگہ اس کا نکاح کر دیں یہ طرز عمل نہ صرف یہ کہ شرعاً ناجائز ہے بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی اس کے نتائج تکلیف دہ اور پریشان کن بن سکتے ہیں۔

لڑکے' لڑکی کی رائے معلوم کرنے کا طریقہ:

اچھا طریقہ یہ ہے کہ جن سے وہ بے تکلف ہوں جیسے ہم عمر دوست اور سہیلیاں ان کے ذریعہ سے ان کے مافی الضمیر (دل کی بات) کو معلوم کر لیا جائے اور تجربہ کی بات ہے کہ اس طریقہ سے ضرور ان کے خیالات معلوم ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ تو بے دریافت کئے ہوئے وہ خود ہی ایسے بے تکلف دوستوں سے اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی ظاہر کر دیتے ہیں اور اولیاء تک وہ خبریں پہنچ جاتی ہیں۔

لڑکے' لڑکی کی مرضی کے بغیر شادی کر دینے کا انجام:

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اکثر مواقع میں لڑکے لڑکی کی مرضی حاصل نہیں کی جاتی' تعجب ہے کہ نکاح جو عمر بھر کے لئے دو شخصوں کا تعلق ہے جس کے ساتھ ہزاروں معاملات وابستہ ہیں وہ تعلق تو ہو کسی اور کا اور رائے ہو دوسرے کی گو ان دونوں کے مصالح کے خلاف ہو اور گو وہ اپنی ناخوشی بھی ظاہر کرتے ہوں مگر ان سے ذرا بھی نہ پوچھا جائے اور زبردستی نکاح کر دیا جائے۔ بعض دفعہ عین وقت تک ان میں سے ایک برابر انکار کرتا رہتا ہے مگر اس کو جبر کر کے خاموش کر دیا جاتا ہے اور عمر بھر کی مصیبت میں اس کو جوت دیا جاتا ہے کیا اس میں ہزاروں خرابیوں کا مشاہدہ نہیں کیا جاتا؟

کیسا ظلم وستم ہے کہ بعض مہمل مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر ان کے خیال کی پرواہ نہیں کی جاتی اور ان کو گھونٹ داب کر اس بلا میں پھنسا دیا جاتا ہے۔

بہت سے مقامات ایسے ہیں کہ ناپسندیدگی کی حالت میں نکاح کر دیا گیا پھر شوہر نے عمر بھر بیوی کی خبر نہیں لی اور سمجھانے پر صاف جواب دے دیا کہ میں نے تو اپنی رائے ظاہر کر دی تھی جنہوں نے یہ عقد کیا ہے وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ اب بتلایئے اس کا کیا علاج ہے؟ بزرگوں کی تو مصلحت ہوئی اور غریب مظلوم عورت قید میں گرفتار

ہوئی کہاں ہیں یہ فرسودہ عقل والے؟ اب آئیں اور اس مظلومہ کی مدد کریں مگر مدد کیا کرتے اس وقت تک مرکھپ بھی گئے اور زندہ بھی رہ گئے تو یہ بات کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں کہ صاحب! کوئی کسی کی قسمت میں تو گھس نہیں گیا ہم کیا کریں اس کی قسمت' ہائے غضب' کیا غضب کا جواب ہے۔

کچھ منگنی کی بابت

شادی سے پہلے شادی کی بات چیت طے کرنا اور شادی کے لئے لڑکے اور لڑکی کے سرپرستوں کا ایک دوسرے کے سامنے اظہار رضامندی کرنا منگنی کہلاتا ہے۔ نکاح و رخصتی سے پہلے نکاح کی پختہ بات کر لینا یا دوسرے لفظوں میں منگنی کر لینا جائز ہے۔ لیکن درحقیقت منگنی صرف وعدہ ہے جو صرف زبان سے ہوا کرتا ہے۔ اس موقع پر شادی کا سا سماں پیدا کرنا اور فضول خرچی کرنا انتہائی نامناسب ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے منگنی (نکاح کی بات) کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

انظر الیہا فانہ احری ان یؤدم بینکما

اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ یہ تمہارے درمیان محبت قائم رکھنے میں زیادہ مناسب ہوگا۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ شادی سے پہلے منگنی کرنا محض جواز کی حد تک ہے ورنہ یہ کوئی شادی کا ضروری حصہ نہیں کہ پہلے منگنی ہی کی جائے پھر ایک عرصہ کے بعد نکاح اور رخصتی کی جائے۔ عہد رسالت میں منگنی کے بجائے نکاح کا رواج زیادہ تھا اور خود نبی اکرمؐ نے بھی سیدھا نکاح کا راستہ اختیار کیا البتہ آپ کے بعض نکاحوں میں ازواج مطہرات کی رخصتی فوراً ہی ہو گئی جبکہ بعض کی رخصتی قدرے تاخیر سے ہوئی۔ ہاں البتہ اگر کسی کو لڑکے یا لڑکی یا ان کے خاندان کی طرف سے کوئی خدشہ یا خطرہ ہو تو وہ تحفظات کے پیش نظر منگنی کی رخصت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے بلکہ ایسی صورت میں پہلے منگنی کرنا ہی مناسب رہتا ہے تاکہ منگنی کے بعد دونوں خاندانوں کے لئے ایک دوسرے کو دیکھنے جانچنے اور پرکھنے کا موقع مل جائے۔

بارات کی ایک جائز صورت

شادی کے موقع پر لڑکے والے حسب ضرورت چند ایک متعلقہ لوگوں کو لے کر لڑکی والوں کے گھر جا سکتے ہیں مگر سینکڑوں کی تعداد میں دور ونزدیک کے تمام رشتہ داروں' دوستوں' بچوں' عورتوں پر مشتمل بسوں اور گاڑیوں کا قافلہ لے کر لڑکی والوں کے ہاں جانا اسلام کی سادہ اور پاکیزہ تعلیمات کے یکسر منافی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ہندوانہ رسم ہے۔ باقی رہا چند لوگوں کا شادی کے موقع پر جمع ہونا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

نکاح کی مجلسیں

(حضورؐ نے جب حضرت فاطمہ کا عقد نکاح فرمایا) تو ارشاد فرمایا کہ اے انس! جاؤ اور ابوبکر وعمر وعثمان وطلحہ وزبیر اور انصار کی ایک جماعت کو بلا لاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کی مجلس میں اپنے خاص لوگوں کو مدعو کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور حکمت اس میں یہ ہے کہ نکاح میں اشتہار واعلان ہو جائے جو کہ مطلوب ہے مگر اس اجتماع میں غلو اور مبالغہ نہ ہو۔ وقت پر بلا تکلف دو چار آدمی قریب ونزدیک کے جمع ہو جائیں (وہ کافی ہیں)۔ (اصلاح الرسوم)

نکاح کون پڑھائے

① (حضرت فاطمہ کی شادی میں) حضورؐ نے ایک بلیغ خطبہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ باپ کا چھپے چھپے پھرنا خلاف سنت ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ خود باپ اپنی دختر کا نکاح پڑھ دے کیونکہ یہ ولی ہے (دوسرا وکیل) ولی کو بہرحال وکیل سے ترجیح ہوتی ہے نیز حضورؐ کی سنت بھی یہی ہے (اصلاح الرسوم)۔

② اس کا بہت اہتمام ہونا چاہئے کہ نکاح پڑھنے والا خود عالم ہو یا کسی عالم سے خوب تحقیق سے نکاح پڑھوائے۔ اکثر جگہ قاضی صاحبان نکاح کے مسائل اور ان کے متعلقات سے محض ناواقف ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض مواقع پر یقیناً نکاح بھی درست نہیں ہوتا' تمام عمر بدکاری ہوا کرتی ہے اور بعض ایسے طماع (لالچی) ہوتے ہیں کہ لالچ میں آ کر جس طرح کی فرمائش کی جائے' کہہ گزرتے ہیں خواہ نکاح ہو یا نہ ہو۔ (اصلاح الرسوم)

نکاح کا مسنون طریقہ

شریعت مطہرہ نے نکاح کو بہت آسان اور سادہ رکھا ہے۔ ضروری کام تو صرف ایجاب وقبول ہے۔ لیکن مسنون طریقہ یہ ہے کہ شروع میں خطبہ پڑھا جائے جس میں خاص طور پر دونوں کو نصیحتیں (بہتر زندگی گزارنے کا طریقہ) اور خدا کے خوف کا مضمون ہونا چاہئے کیونکہ زوجین کا تعلق خوفِ خدا کے بغیر صحیح طور پر قائم رکھنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس میں ایک فریق (عورت) فطرۃً کمزور ہوتا ہے اور کمزور کا حق دینا .... خوفِ خدا کے بغیر .... کسی اور وجہ سے عموماً مشکل ہی ہوتا ہے۔ پھر زوجین کے اکثر معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا قریبی دوستوں اور عزیزوں کے بھی سامنے لانا نامناسب خیال کیا جاتا ہے چہ جائیکہ عدالت میں لے جایا جانا۔ شاید اسی وجہ سے خطبہ مسنونہ میں جو تین آیتیں پڑھی جاتی ہیں ان سب میں تقویٰ کا مضمون ہے۔ ان میں پہلی آیت کے اندر (سورۃ النساء کی) یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ زوجین میں سے کسی بھی ایک شخص کو انسان ہونے کے لحاظ سے برتری حاصل نہیں ہے کیونکہ دونوں ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہیں اس لئے شوہر بیوی کو حقیر نہ سمجھے۔

حق مہر

مہر کے متعلق نبی کریمؐ کی احادیث طیبہ واضح ہیں۔ مثلاً

عن ابی سلمة قالت سألت عائشةؓ کم کان صداق النبیؐ قالت: کان صداقه لازواجه اثنتی عشرة اوقیة ونش، قالت اتدری ما انش؟ قلتُ: لا قالت نصف اوقیة فتلك خمسمائة درهم (رواه مسلم - مشکوٰۃ ص ۲۷۷)

حضرت ابوسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرتؐ کا مہر اپنی ازواج کے لئے کتنا تھا؟ فرمایا: ساڑھے بارہ اوقیہ اور یہ پانچ سو درہم ہوتے ہیں (صحیح مسلم، مشکوٰۃ)

عن عمر ابن الخطاب قال "الا لا تغالوا صدقة النساء فانها لو کانت مکرمة فی الدنیا وتقوٰی عند اللّٰه لکان اولٰکم بها نبی اللّٰه - ما علمت رسول اللّٰه شیئًا من نسائه ولا انکح شیئًا من بناته علی اکثر من اثنتی عشرة اوقیة (رواه احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة والدارمی - مشکوٰۃ: ص ۲۷۷)

حضرت عمر ابن خطابؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: دیکھو! عورتوں کے مہر زیادہ نہ بڑھایا کرو کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت کا موجب اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو نبی کریمؐ تم سے زیادہ اس چیز کے مستحق تھے۔

مجھے علم نہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی سے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر نکاح کیا ہو یا اپنی صاحب زادیوں میں سے کسی کا نکاح اس سے زیادہ مہر پر کیا ہو (مشکوٰۃ شریف)۔

بیویوں کے حقوق میں سب سے پہلا حق مہر ہے جو شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔ ہمارے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (تقریباً دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی) ہے اور زیادہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں، حسب حیثیت جتنا مہر چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ یوں تو کوئی نکاح بغیر مہر کے نہیں ہوتا لیکن اس بارے میں بہت سی کوتاہیاں اور بے احتیاطیاں سرزد ہوتی ہیں۔

① ایک کوتاہی لڑکی کے والدین اور اس کے عزیز و اقارب کی جانب سے یہ ہوتی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت لڑکے کی حیثیت کا لحاظ نہیں رکھتے بلکہ زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بسا اوقات اس میں تنازع اور جھگڑے کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بعض موقعوں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اسی جھگڑے میں شادی رک جاتی ہے۔ لوگ زیادہ مہر مقرر کرنے کو فخر کی چیز سمجھتے ہیں لیکن یہ جاہلیت کا فخر ہے۔ جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے ورنہ اگر مہر کا زیادہ ہونا شرف و سیادت کی بات ہوتی تو آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات اور آپ کی صاحب زادیوں کا مہر زیادہ ہوتا حالانکہ آنحضرتؐ نے اپنی کسی بیوی کا اور کسی صاحبزادی کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔ پانچ سو درہم ایک سو اکتیس تولے تین ماشے (۱۳۱۱/۴) چاندی بنتی ہے۔ اسی کو "مہر فاطمی" کہا جاتا ہے۔ بعض اکابر کا معمول رہا ہے کہ اگر ان سے نکاح پڑھانے کی فرمائش کی جاتی تو فرماتے کہ اگر "مہر فاطمی" رکھو تو نکاح پڑھائیں گے ورنہ کسی اور سے پڑھوا لو۔ الغرض مسلمانوں کے لئے آنحضرتؐ کا اسوۂ حسنہ ہی لائق فخر ہونا چاہئے اور مہر کی مقدار اتنی رکھنی چاہئے جتنی آنحضرتؐ نے اپنی مقدس ازواج اور پیاری صاحبزادیوں

کے لئے رکھی۔ آپؐ سے بڑھ کر کس کی عزت ہے؟ گو اس سے زیادہ مہر رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن زیادتی کو فخر کی چیز سمجھنا، اس پر جھگڑے کھڑے کرنا اور باہمی رنجش کی بنیاد بنا لینا جاہلیت کے جراثیم ہیں جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

② ایک کوتاہی بعض دیہاتی حلقوں میں ہوتی ہے کہ سوا بتیس روپے مہر کو "شرع محمدی" سمجھتے ہیں حالانکہ یہ مقدار آج کل مہر کی کم سے کم مقدار بھی نہیں بنتی مگر لوگ اسی مقدار کو "شرع محمدی" سمجھتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ خدا جانے یہ غلطی کہاں سے چلی ہے لیکن افسوس ہے کہ "میاں جی" صاحبان بھی لوگوں کو مسئلہ سے آگاہ نہیں کرتے جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم یعنی دو تولے ۷۱/۲ ماشے چاندی ہے، اس سے کم مہر مقرر کرنا صحیح نہیں اور اگر کسی نے اس سے کم مقرر کر لیا تو دس درہم کی مالیت مہر واجب ہوگا۔

③ ایک زبردست کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی بلکہ رواج یہی بن گیا ہے کہ بیویاں حق مہر معاف کر دیا کرتی ہیں۔ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بیوی کا مہر بھی شوہر کے ذمہ اسی طرح کا قرض ہے جس طرح دوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں۔ یوں تو اگر بیوی کل مہر یا اس کا کچھ حصہ شوہر کو معاف کر دے تو صحیح ہے لیکن شروع ہی سے اس کو واجب الادا نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو وہ زانی ہے۔

④ ہمارے معاشرے میں جو اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مہر لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے اور میراث کا حصہ لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے اس لئے وہ چار و ناچار معاف کر دینا ہی ضروری سمجھتی ہیں، اگر نہ کریں تو معاشرے میں "نکو" سمجھی جاتی ہیں۔ دیندار طبقے کا فرض ہے کہ اس معاشرتی برائی کو مٹائیں اور لڑکیوں کو مہر بھی دلوائیں اور میراث کا حصہ بھی

دلوائیں۔ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنا حق وصول کر لیں اور کچھ عرصہ تک اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں، اس سلسلے میں ان پر قطعاً جبر نہ کیا جائے۔

۵ مہر کے بارے میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ اگر بیوی مرجائے اور اس کا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کو ہضم کر جاتے ہیں حالانکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ خانہ آبادی سے اور میاں بیوی کی یکجائی سے پہلے بیوی کا انتقال ہو جائے تو نصف مہر واجب الادا ہوگا اور اگر میاں بیوی کی خلوت (صحیحہ) کے بعد اس کا انتقال ہوا ہو تو پورا مہر ادا کرنا واجب ہوگا اور یہ مہر بھی اس کے ترکہ میں شامل ہو کر اس کے جائز ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ اس کا مسئلہ علماء سے دریافت کرلینا چاہیے۔

ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر لڑکی کا انتقال سسرال میں ہوا ہو تو اس کا سارا اثاثہ ان کے قبضہ میں آجاتا ہے اور وہ لڑکی کے وارثوں کو کچھ نہیں دیتے اور اگر اس کا انتقال میکے میں ہو تو وہ قابض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور شوہر کا حق دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے حالانکہ مردے کے مال پر ناجائز قبضہ جمالینا بڑی گری ہوئی بات بھی ہے اور ناجائز مال ہمیشہ نحوست اور بے برکتی کا سبب بنتا ہے بلکہ بعض اوقات دوسرے مال کو بھی ساتھ لے ڈوبتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل و ایمان نصیب فرمائے اور جاہلیت کے غلط رسوم و رواج سے محفوظ رکھے۔

مثالی دُلہن کے اوصاف

دنیا کے سب سے بڑے معلم و ہادیٔ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک بیوی کی چار خوبیاں بہت ہی مختصر اور جامع جملوں میں بیان فرمائیں اور پانچویں خوبی دوسری حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ اس کے پڑھنے سے پہلے آپ یہ نیت کرلیں اور دعا مانگ لیں کہ اے رحیم و کریم آقا! یہ پانچ خوبیاں میرے اندر اور میری تمام مسلمان بہنوں میں پیدا فرما۔ آمین

اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِنْ نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَيْهَا اَبَرَّتْهُ وَاِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ

(ابن ماجه ۱۳۵ باب افضل النساء)

اگر شوہر کوئی حکم کرے (جو خلاف شرع نہ ہو) تو اس کی بات مانے اور اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو شوہر کو خوش کردے اور اگر شوہر کسی کام پر قسم کھا بیٹھے کہ ضرور تم ایسا کروگی (اور وہ کام شرعاً جائز ہو) تو اس کی قسم سچی کر دے اور شوہر اگر کہیں چلا جائے (اور اس کے پیچھے گھر میں رہ جائے) تو اپنی جان اور اس کے مال کے بارے میں اس کی خیر خواہی کرے (یعنی خیانت نہ کرے)۔

اب ہم آپ کے سامنے اس کی تفصیل ذکر کرتے ہیں:

پہلی صفت:

مسلمان بیوی کو اس کے اور سارے جہان کے سب سے بڑے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو سب کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، پہلا سبق یہ دیتے

ہیں کہ اگر تمہارا شوہر کوئی حکم کرے تو اس کی اطاعت کرو بشرطیکہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اس کو منع نہ کیا ہو۔ اگر انہوں نے منع کیا ہے (جیسے نامحرم مردوں سے ملنا جلنا' گناہوں کی مجلسوں میں جانا وغیرہ) تو اس میں شوہر کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔ جو بیوی اپنے اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے شوہر کی ہر جائز بات مان لے اور اس کی چاہت کے موافق چلنے کی کوشش کرے تو شوہر کے دل میں اس کی محبت ضرور پیدا ہوگی اور شوہر اس کا سچا دوست اور اس پر جان فدا کرنے والا بن جائے گا لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب بیوی اپنے آپ کو شوہر کی اطاعت میں فنا کردے۔ لہٰذا بیوی' شوہر کی اطاعت میں اپنا چین و آرام سب چھوڑ دے۔ اطاعت میں جتنی ذلتیں ملیں انہیں عین عزتیں سمجھے' کانٹوں کا بستر ملے تو اس کو پھولوں کی سیج خیال کرے۔ اگر ہر نئی دلہن اس صفت کو اپنا لے اور نکاح کے بعد تھوڑے ہی عرصہ تک اس پر جم جائے پھر دیکھے کہ میاں بیوی میں کیسی محبت ہوتی ہے پھر یہ یک جان دو قلب ہوں گے' ایک دماغ دو جسم ہوں گے' ایک باطن دو ظاہر' ایک مزاج دو روحیں' ایک بیماری دو علاج' چاہنے والے ایک پریشانی دو' دعا مانگنے والے ایک غم اور دو سہنے والے' ایک خوشی دو چکھنے والے' ایک فکر دو سوچنے والے ہوں گے لہٰذا شوہر کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعے اس کی خوشی کے حاصل کرنے میں دن رات لگی رہیے۔ اگر ذرا بھی شوہر کے چہرہ پر رنج وغم و پریشانی کے آثار نظر آئیں تو فوراً بے چین ہو جائیے اور اس کے غم کے ساتھ غمگین ہو جائیے' اس کے خوش ہونے کے ساتھ خوش ہو جائیے' اس کے ہنسنے کے ساتھ ہنسیے' اس کے رونے کے ساتھ رونا سیکھئے۔ جو شوہر کہے وہی پہنئے' جو کہے وہی پکائیے' جس طرح کہے ویسے کیجئے' جب کہے تب کیجئے۔ بس سن لے اس وقت کی معصوم لڑکی اور تھوڑے عرصے میں بن جانے والی کسی کی بیوی' کسی کی بہو اب نکاح کے دو بول بولنے کے بعد زندگی کا نیا دور شروع ہوگا' بس ایک کے گوشہ چشم پر بیوی بن کر آنا ہوگا۔ اب تک بے فکری کے ساتھ زندگی گزاری لیکن کل سے نئی پابندی

ہوگی اس لئے شریف بچیوں کو پہلا سبق اطاعت کا ملتا ہے' خدمت گزاری کا ملتا ہے' اپنے دل کو مار کر دوسرے کا جی خوش کرنے کا ملتا ہے۔ کیونکہ اب تک اپنے واسطے تھی' کل سے دوسرے کی خدمت کے لئے وقف ہوگی۔ اب نہ اپنے لئے کھانا' نہ اپنے لئے پہننا' نہ اپنے وقت پر سونا' نہ اپنے وقت پر جاگنا۔ اللہ کی شان! اب تک جو دوسروں کی آنکھوں کی پتلیوں میں آرزوؤں اور ارمانوں کے گہواروں میں پلی اور بڑھی' کل سے وہ خود شوہر کی خدمت گزاری کے لئے وقف ہوگی۔ اچھی بری جو کچھ بھی ہوئی' سب اسی دن کے لئے تھی۔ بے شک پہنے گی اور اوڑھے گی مگر اس لئے کہ شوہر کو اچھی لگے۔ اپنے کو سنوارے گی' نکھارے گی مگر اس لئے کہ شوہر کی نظر میں جچے اور جب ماں بنے گی تو اولاد کے آرام کی خاطر راتوں پر راتیں جاگے گی اور ٹہل ٹہل کر کاٹے گی اس لئے کہ نئی نسل کی ذمہ داری اٹھانی ہے۔

پس اے مسلمان بیوی! اپنے آقا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ کہ شوہر جو حکم کرے اس کی فرمانبرداری کرنا۔ منزل بے شک کڑی اور ذمہ داریاں سخت لیکن مسلمان لڑکی! یہ سن لے کہ انعامات بھی کیسے کیسے اور بشارتیں بھی کیا کیا ہیں؟

زندگی کے سفر میں جہاں میاں بیوی ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں' اس میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کو امیر اور نگران بنایا ہے۔ اس امارت کے علاوہ اور جتنی امارتیں ہیں وہ سب وقتی اور عارضی ہیں۔ کل ایک آدمی امیر بنا ہوا تھا اور آج وہ جیل خانے میں ہے۔ کل تک بادشاہ بنا ہوا تھا اور آج اسے کوئی پوچھنے کو تیار نہیں۔ لہٰذا یہ امارتیں اور حکومتیں آنی جانی چیزیں ہیں۔ آج ہیں کل نہیں لیکن میاں بیوی کا تعلق زندگی بھر کا تعلق ہے' دم دم کا ساتھ ہے' ایک ایک لمحہ کی رفاقت ہے لہٰذا اس تعلق کے نتیجے میں شوہر کو جو امارت حاصل ہوتی ہے وہ مرتے دم تک برقرار رہتی ہے یا جب تک نکاح کا رشتہ برقرار رہے اس لئے

یہ امارت عام امارتوں سے مختلف ہے۔ دوسری امارتوں میں حاکم کا محکوم کے ساتھ' امیر کا رعایا کے ساتھ صرف ایک ضابطے کا قانونی تعلق ہوتا ہے۔ لیکن میاں بیوی کا تعلق محض ضابطے' قانون اور محض خانہ پوری کا تعلق نہیں ہے بلکہ یہ دو دلوں کا جوڑ ہے۔ یہ دلوں کا تعلق ہے جس کے اثرات ساری زندگی پر پھیلے ہوئے ہیں۔

اِنْ نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ

اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کردے یعنی اپنی چال ڈھال بطریق شرع شوہر کی مرضی کے مطابق رکھے کہ جب بیوی پر نظر پڑے تو اسے دیکھ کر اس کا دل خوش ہو۔

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ عجیب بات ہے کہ گھر میں تو بھنگیوں' ماسیوں (نوکرانیوں) کی طرح رہتی ہیں اور جہاں کہیں باہر جانا ہو تو بن سنور کر بیگم صاحبہ بن جائیں گی۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اچھے کپڑے پہننے کی وجہ کیا ہے؟ کیا صرف غیروں کو دکھانا ہے؟ تعجب ہے کہ جس شوہر کے پیسوں سے یہ کپڑے بنے' اس کے سامنے کبھی نہ پہنا جائے اور غیروں کے سامنے پہنا جائے۔ حیرت ہے کہ خاوند سے کبھی سیدھے منہ بات نہ کریں' کبھی اچھا کپڑا اس کے سامنے نہ پہنیں اور دوسروں کے گھروں میں جائیں تو شیریں (میٹھی) زبان والی بن جائیں اور کپڑے بھی ایک سے ایک اچھے سے اچھے پہن کر جائیں۔ کام آئیں غیروں کے اور دام لگیں خاوند کے (یعنی خرچہ وحقوق مانگیں شوہر سے) کیا یہ انصاف ہے اور اس بناوٹ کی کوئی حد ہے۔
(التبلیغ دواء العیوب بتصرف صفحہ ۹۱)

گھر میں سب سے میلے کچیلے' پھٹے پرانے کپڑے پہننا جیسے سادگی بہت پسند ہے اور شوہر نے اور ساس نے جتنے نئے کپڑے سلوا دیئے ہیں وہ نہ پہننا اور بالکل گندے کپڑے اور گندی حالت میں شوہر کے سامنے رہنا' یہ بہت بری بات ہے اس لئے حدیث پاک میں عورت کی یہ صفت بیان کی گئی کہ

شوہر کے سامنے اس طرح رہے کہ جب شوہر دیکھے تو دیکھ کر خوش ہو جائے اور اس کو اپنی بیوی دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ خوبصورت معلوم ہو۔ اگر عورت اپنے شوہر کے سامنے اچھے لباس میں صاف ستھری ہو کر رہے' بالوں میں تیل' آنکھوں میں کاجل کا اہتمام رکھے وغیرہ وغیرہ تو شوہر کی نگاہ میں یہ سب سے زیادہ حسین ہو جائے۔ بقول کسی کے "کہن خرقہ خویش پیراستن"۔

اور پہلے لوگ اپنی بچیوں کو خاص طور سے ان باتوں کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ مثلاً: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کو حسب ذیل نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: غیرت یعنی رشک وتکبر اور غرور سے بچنا کیونکہ یہ طلاق کی چابی ہے۔ زیادہ ڈانٹ ڈپٹ سے پرہیز کرنا کیونکہ اس سے بغض وحسد پیدا ہوتا ہے۔ سرمہ ضرور استعمال کرنا کیونکہ یہ سب سے بہتر زینت ہے اور سب سے بہتر خوشبو پانی ہے۔

اسی طرح فرافصہ بن احوص نے اپنی بیٹی نائلہ کا نکاح امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کیا۔ جب ان کی رخصتی کا وقت قریب آیا تو انہوں نے نصیحت کرتے ہوئے کہا:

میری بیٹی! تو قریش کی عورتوں کے پاس جا رہی ہے جنہیں بہ نسبت تیرے خوشبو زیادہ میسر ہے اس لئے دو باتیں اختیار کرنے کی کوشش کرنا' سرمہ کا استعمال کرنا اور پانی کی خوشبو لگانا (یعنی خوب غسل کرنا) کہ تیری خوشبو مشکیزہ کی مہک کی طرح ہو جس پر بارش کا پانی پڑا ہو۔
(الاغانی وابی الفرج الاصفہانی تحفۃ العروس۔ صفحہ ۱۲۲)

ابوالاسود نے اپنی بیٹی کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:
زیب وزینت کا خیال رکھنا اور سب سے بہتر زینت سرمہ ہے۔ وشبو کا استعمال کرنا اور بہترین خوشبو اچھی طرح وضو کرنا ہے۔ (تحفۃ العروس ص ۱۲۴)

یورپ کی حسین و جمیل خاتون نے اپنے دور کی لڑکیوں کو دن بھر میں کئی مرتبہ ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھونے کی تاکید کی تھی۔ معلوم ہوا کہ وضو میں کتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ آپ نے دیکھا اسلام میں شوہر کے لئے زینت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن سادگی کیسی؟ ہر غریب سے غریب عورت چاہے سفر میں' چاہے گھر میں ہو' چاہے بیمار ہو' چاہے تندرست ہو' عمر کی کسی منزل پر بھی ہو' چاہے جوان ہو یا بوڑھی' ان باتوں کا خیال ضرور رکھے کہ اگر گرمی ہو تو دن میں دو مرتبہ ورنہ ایک مرتبہ تو غسل کر ہی لے (اگر غسل صحت کے لئے نقصان دہ نہ ہو) اور وضو تو چونکہ پانچ مرتبہ فرض نماز کے لئے کرے گی' اس کے علاوہ بھی گھر کے کاموں سے جب فارغ ہو تو ہاتھ منہ ضرور دھو لے۔

اسی طرح سرمہ کا بھی ضرور اہتمام کرے اور یہ ایسی سادہ چیزیں ہیں کہ ان کے لئے بہت پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت ہے' نہ اس میں شوہر کا مال برباد ہوگا' نہ کافروں کے ملکوں کی بنی ہوئی خوشبوئیں اور میک اپ کا سامان لینے کی ضرورت' نہ اس میں اپنا قیمتی وقت برباد کرنے کی ضرورت ہوگی' نہ ایسی زیب و زینت ہوگی جس سے وضو اور غسل بھی نہیں ہوتا۔

اس لئے اسلام کا اصلی جوہر سادگی ہے۔ کاش اگر عورتیں یہ فیصلہ کر لیں کہ ہم سادگی اپنائیں گی تو آج مسلمانوں کا مال جو تباہ و برباد ہو رہا ہے' وہ نہ ہو۔ ابو الفرج الاصفہانی نے لکھا ہے:

خوبصورت عورت بھی اپنے شوہر کی نظر میں اس وقت اپنا مقام بنا پاتی ہے جب وہ زیب و زینت اختیار کرے اور صاف ستھری رہنے کی پابند ہو۔ اپنے حسن کو مزید دلکش بنانے کے لئے جائز طرز کے بناؤ سنگھار' طرح طرح کے کپڑے اور آرائش کے ایسے طریقوں پر کاربند ہو جنہیں شوہر پسند کرتا ہو اور اگر اس نے ان چیزوں میں کوتاہی برتی تو اس کا نقصان خود اٹھائے گی کیونکہ اس کا قوی اندیشہ ہے کہ شوہر اس کی سستی اور

لاپرواہی کو محسوس کر کے کسی اور کی طرف مائل ہو جائے گا (تحفۃ العروس - ۱۴۴) لہٰذا عورتوں کو چاہئے کہ اپنے کپڑے صاف ستھرے رکھیں۔ اگر کپڑے پر کوئی دھبہ لگ جائے تو فوراً صاف کر دیں' ایک دھبہ بھی اپنے جسم پر یا کپڑوں پر نہ لگا رہنے دیں۔ اسی طرح خوشبو لگانا' مسواک کرنا' خلال کرنا' میل کچیل سے خود کو بچائے رکھنا' زائد بالوں کی صفائی کرنا اور ناخن تراشنا' یہ سب بیوی کے لئے ضروری چیزیں ہیں لہٰذا ان میں غفلت نہ کرنا چاہئے۔

بیوٹی پارلر

یادرکھئے شوہر کے دل میں محبت اور گھر میں سکون اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے سے ملے گا۔ دل تو اللہ ہی کے قبضہ میں ہے لہٰذا مروجہ بیوٹی پارلر جہاں اللہ تعالیٰ کے بے شمار احکامات توڑے جاتے ہیں' وہاں سے میک اپ کروا کر شوہر کے پاس گئیں تو یہ ناجائز حرکت شوہر کے دل میں بغض ونفرت آج نہیں تو کل ضرور بٹھادے گی۔

لہٰذا بیوٹی پارلر میں نہ خود جائیں نہ دوسروں کو بھیجیں بلکہ یہ یقین رکھیں کہ دل میں محبت ڈالنے والے اللہ تعالیٰ ہیں' وہی دلوں کے مالک ہیں' اس کی دو انگلیوں کے درمیان انسانوں کے دل ہیں' وہ جس طرف چاہیں اس کو پھیر دیتے ہیں۔ جو سادہ زینت گھر میں ہوسکے وہ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ اسی زینت ومیک اپ کے ذریعے شوہر کے دل میں نہ مٹنے والی محبت بٹھادیں گے اور پہلی رات ہی سے میاں بیوی میں ایک روح دو جسم والا تعلق ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام دلہنوں کو ہر قسم کے ناجائز وحرام کاموں سے بچنے کی اور جن کاموں کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا' ان پر عمل کرنے کی اور جن کاموں سے منع کیا ہے' ان سے بچنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے (آمین)۔

دیکھیں زیب وزینت عورت کا فطری حق ہے' ہر عورت چاہتی ہے کہ وہ خوبصورت نظر آئے۔ اسلام اس فطری خواہش کا مخالف نہیں البتہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ اس کا مظاہرہ صرف ایک مرد کے سامنے ہی کیا جائے' وہی مرد جو اس کا شریک حیات اور زندگی کا ہم سفر ہے لہٰذا ہر قسم کی زینت اور ہر قسم کی خوشبو صرف شوہر ہی کے لئے استعمال کی جائے اس لئے کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ جو عورت عطر لگا کر باہر نکلے اور اس کا گزر ایسے لوگوں پر ہو جو

اس کی خوشبو محسوس کریں تو عورت زانیہ (بدکار۔ جیسی گناہ گار) ہوگی۔

(الترغیب والترہیب۔ جلد۳ صفحہ۴۰)

عورت اگر راستے میں خوشبو لگا کر چلے جو کہ پیام کا نہایت لطیف ذریعہ ہے اور اس سے لوگ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اس لئے اسلام کسی مسلمان عورت کو اس کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ راستوں اور بالخصوص مردوں کی محفلوں کے پاس خوشبو میں اچھی طرح رچ بس کر اس کا گزر ہو کیونکہ حسن وجمال چھپ سکتا ہے لیکن خوشبو کو کون روک سکتا ہے؟ خوشبو فضاء میں تحلیل ہوکر آگے بڑھے گی اور اس سے مردوں کے جذبات ضرور خراب ہوں گے۔

ان باتوں سے غفلت نے صدہا جھگڑے' لڑائیاں اور میاں بیوی کے درمیان کشیدگی پیدا کررکھی ہے اس لئے جس قدر احتیاط ہوسکے' احتیاط کی جائے۔ زیب وزینت ضرور کیجئے لیکن اس میں حد سے آگے نہ بڑھئے کہ اپنے بجٹ کا بھی خیال نہ ہو یا نئے سے نئے فیشن کے کپڑے اور مہنگے مہنگے زیورات کم ازکم ایسے حالات میں تو استعمال نہ کریں جب کہ بہت سے لوگ سوکھی روٹی کے لئے ترس رہے ہیں۔

بنگلہ دیش میں ہر سال ایک صاحب ساڑھیاں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ ایک سال عورتوں کا اتنا ہجوم ہوا کہ ۱۹ عورتیں اس ہجوم میں کچل کر مرگئیں۔ ان کو کیا پتہ تھا کہ ہمیں ساڑھیاں ملیں گی یا ہمیں کفن پہنایا جائے گا (ماخوذ از حقوق المسلمین۔ الشیخ اسلم شیخوپوری) لہٰذا آپ کی بہنوں کا تو غربت کی وجہ سے یہ حال ہو اور وہ دنیا کے کسی کونے میں اس حال میں زندگی گزار رہی ہوں اور آپ مٹی میں ملنے والے بدن کے لئے مہنگے مہنگے کپڑے زیورات کی تیاری میں لگی ہوئی ہوں' یہ ہرگز مناسب نہیں۔

بیوٹی پارلروں میں جانے کا دوسرا نقصان جو ڈاکٹر عبدالمنعم ، استاد وصدر شعبہ امراض طیبہ کالج' قاہرہ۔ رسالہ ''تمہارا خصوصی معالج'' سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس طرح بیوٹی پارلر جا کر بالوں کی سیٹنگ اور کٹنگ کرانا' یورپ کے فیشن کی طرح سے اسے رنگنا' بالوں کو جھاڑنے اور ان کے اندر خم دینے کے لئے مختلف غیر فطری طریقے استعمال کرنا جس سے بال جلدی گر جائیں اور ان کی جڑیں کمزور ہو جائیں یا سیٹنگ مشین استعمال کرنے اور کیمیاوی دواؤں کے ذریعہ جن میں ایسے مادے شامل ہوتے ہیں جو بالوں کے لئے سخت نقصان دہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی مسلمان عورت کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ایسی زیب وزینت اختیار کرے۔

بہت ساری عورتوں کو یہ معلوم نہیں کہ بالوں کو کھینچ تان کر رکھنے کے کیا نقصانات ہیں اس لئے کہ ایک رات کے لئے بالوں کو کھینچ کر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی جڑوں پر زور ڈالا جائے اور وہ خون کی مخصوص مقدار کو بالوں کی جڑوں میں پہنچنے نہ دیا جائے جس سے بالوں کی جڑیں کمزور ہو جائیں اور وہ جلدی گر جائیں جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بیوٹی پارلروں میں فیشل' ہیئر کٹنگ' تھریڈنگ' ویکسنگ' بلیچنگ کروا کر اور آئی بروز اور اپر لپس بنوا کر بن ٹھن کر نکلنے والی چند دن تک بظاہر بہت اچھی بھی لگے گی لیکن اس کے بعد جوں جوں اس کا اثر ختم ہوتا ہے پھر ۲۵ سالہ لڑکی اگر پچاس سال کی نہیں تو چالیس کی ضرور لگتی ہے۔ نیز بیوٹی پارلر میں کام کرنے والی جو عورتیں ہوتی ہیں' وہ اکثر بے نمازی اور بے پردہ اور آزاد خیال' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والی ہوتی ہیں جن میں سے بعض کافر عورتیں بھی ہوتی ہیں جن کے شوہر خود ہی ان سے بیزار ہیں اور وہ خود اپنے شوہروں سے بیزار ہو کر ان کاموں میں لگ گئیں تو وہ کیا دوسری نئی دلہن کو ایسا تیار کریں گی جس سے وہ شوہر کو اچھی لگے۔ کبھی نہیں۔

لہٰذا نئی نویلی دلہن کو ایسی عورت کو اپنے جسم پر ہاتھ بھی نہیں لگانے دینا چاہئے اور اگر (خدا وہ دن نہ دکھائے) بیوٹی پارلر میں کام کرنے والے مرد ہوں یا ان کا آنا جانا ہو تو اس کے حرام ہونے میں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں کیا شبہ باقی رہ جائے گا۔ اس

لئے نیک اور سادہ عورت گھر سے ہی جو کچھ ہو سکے اس سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کروائیے اس لئے کہ نیک عورتوں کی صحبت ضرور اپنا اچھا اثر دکھلاتی ہے اور یہ نیک عورتیں شوہر کی چاہت حاصل کرنے کا اصل گر بھی جانتی ہیں۔

اس لئے ہم کچھ اشعار جن کو شیخ بشیر الغزیؒ نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا ہے اور شیخ علی فکریؒ نے اپنی کتاب ''تربیۃ البنات'' میں ذکر کیا ہے۔ یہ اشعار اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان لڑکی کو یاد ہونے چاہئیں اور بری سہیلیوں اور فضول خرچ عورتوں کی صحبت سے بچنا چاہئے۔ ملک شام میں ایک خاص قسم کی مٹی کے ساتھ گلاب ملایا جاتا ہے اور اسی مٹی کو غسل کرنے کے بعد سر پر لگایا جاتا ہے جس سے دیر تک خوشبو آتی رہتی ہے۔ تو شاعر کہتا ہے:

فَقُلْتُ لَهُ أَمِسْكٌ أَمْ عَنْبَرٌ
لَقَدْ صَيَّرْتَنِي بِالْحُبِّ مُغْرَمٌ

أَجَابَ الطِّيْنُ إِنِّي كُنْتُ تُرَبًا
صَحِبْتُ الْوَرْدَ صَيَّرَنِي مُكْرَمٌ

أَلِفْتُ أَكَابِرًا وَازْدَدْتُ عِلْمًا
كَذَا مَنْ عَاشَرَ الْعُلَمَاءَ يُكْرَمٌ

میں نے اس مٹی سے پوچھا کہ تمہاری خوشبو نے مجھے تمہارا عاشق بنا دیا ہے۔ تم مجھے یہ تو بتاؤ تمہارا کیا نام ہے؟ تم مشک ہو یا عنبر ہو۔

اس مٹی نے جواب دیا: میں تو ایک نرم مٹی گارے کیچڑ کی طرح تھی لیکن گلاب کی صحبت میں رہ کر مجھ سے بھی خوشبو آنے لگی۔

جو کچھ تم مجھے آج دیکھتے ہو یہ گلاب کا کرم ہے۔ اس نے مجھے معزز بنا دیا ورنہ میں تو پاؤں میں روندنے کے قابل تھی۔

میں نے محبت کی اپنے بڑوں سے۔ جس سے میرے علم میں اضافہ ہوا' اسی طرح علماء

کی صحبت سے آدمی شرافت والا ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے۔

جو عورت آپ کو بیوٹی پارلر میں جانے کے لئے مجبور کر رہی ہے وہ دراصل آپ کے والد کی محنت کی کمائی ہوئی حلال روزی کو ایک ہی رات کے اندر ضائع کرا دیتی ہے' وہ کیسے دوستی کے قابل ہے؟ کیا آپ کے دوسرے چھوٹے بھائی بہن نہیں ہیں جن پر والد کو خرچ کرنا ہے اور دنیا میں جہاں بھی کوئی مرد عورت رہتے ہیں' وہ بھی آخر آپ کے دینی بھائی بہن ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں جنگ اخبار میں آیا تھا کہ لاہور میں ایک لڑکے (اقبال) نے اس لئے خودکشی کر لی کہ اس کے پاس عید کا ۔ ڑا نہیں تھا۔ اپنے والد کی مسلسل تنگدستی کو وہ دیکھ نہ سکا اور دنیا سے چلا گیا۔ آپ بھی غور کر لیں۔

ہمارے بچوں کے اسکول کا یونیفارم الگ' گھر کے کپڑے الگ' عورت کے کپڑے الگ' کھیل کے الگ' رات سونے کے لئے الگ۔ اسی ملک میں ایسے کئی اقبال ہیں جو کھانے پینے اور عید کے جوڑے کے محتاج ہیں۔ کئی ایسے گھر ملیں گے جن کے والد کی تنخواہ ۱۵ دن بعد ختم ہو جاتی ہے۔ ان کو تنخواہ صرف ۳۰۰ روپے ملتی ہے' اس پر ان کا گزارہ بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ بچوں کی اسکول فیس دینے کے لئے پیسے نہیں ہیں اور وہ مشکل سے گزارہ کر رہے ہیں۔ سوچئے اور پھر ٹھنڈے دل سے سوچئے جس غریب کا پورا گھرانہ چھ ماہ اتنے پیسوں میں گزارہ کر لیتا ہے' وہ آپ ایک رات کی نظر کر دیں۔ پھر آپ یہ بھی خیال کریں کہ میں اچھا کام کر رہی ہوں۔ میں عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہما کی تابعدار ہوں' میں فاطمہ و زینب رضی اللہ عنہما کی باندی ہوں' میں اپنی گود میں صلاح الدین ایوبی کی خواہشمند ہوں' میں زبیدہ ہارون کی بہن ہوں' میں فاطمہ بنت عبدالملک کی بیٹی کی طرح ہوں۔ یہ آپ خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔

اس لئے اے نئی نویلی دلہن! تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ـــــ اپنے آپ کو ـــــ استعمال نہ کر' اللہ ہی کی بن جا۔ اسی سے مانگ' اس کی مان تو انشاء اللہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ہونہار بچہ تیرے جگر کا ٹکڑا بن کر اسلام کے لئے اور سارے انسانوں کے لئے خوشیاں

بکھیرنے کا سبب ہو جس میں اشرف علی تھانویؒ کی مہک ہو۔ الیاس کاندھلویؒ کی تڑپ ہو۔ عبداللہ بن مبارکؒ کا ذوق ہے۔ ابن قیم جوزیؒ کی نظر ہو۔ اسماعیلؒ شہید کا اثر ہو۔ ابن حجر عسقلانیؒ کا حافظہ ہو۔ عالمگیرؒ کی سیاست ہو۔ محمد بن قاسمؒ کی قائدانہ صلاحیت ہو۔ یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے ہماری مسلمان عورتوں کو پورے پورے دین پر چلنے اور اس کو دنیا بھر میں پھیلانے والا بنا دے' ان کی اولاد کو نیک بنا دے' ان کو اپنا بنا لے اور آپ ان کے ہو جایئے۔ ان کی شادی و غمی' جینا اور مرنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بنا دے (آمین)۔

یہ فرمایا کہ اگر شوہر کسی ایسی بات پر قسم کھالے جس کا انجام دینا بیوی سے متعلق ہو مثلاً یہ کہ آج تو ضروری میری والدہ کے پاس چلو گی یا فلاں بچے کو نہلاؤ دھلاؤ گی یا مثلاً تہجد پڑھو گی تو اس کی بیوی قسم میں اس کو سچا کر دکھائے یعنی وہ عمل کرے جس پر شوہر نے قسم کھائی ہے (بشرطیکہ وہ عمل شرعاً درست ہو)۔

یہ قسم کھالینا کہ تم ضروری یہ کام کرو گی' بہت زیادہ محبت و الفت اور ناز کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس سے تعلق ہوتا ہے اور جس پر ناز ہوتا ہے اسی سے کہا جاتا ہے کہ ایسا کرو۔ اسی تیسری صفت میں جو صالح نیک بیوی کی تعریف میں ذکر کی گئی ہے اسی خاص الفت اور چاؤ کا ذکر فرمایا ہے جو شوہر اور بیوی کے درمیان ہونا چاہئے (تحفۂ خواتین۔ صفحہ نمبر ۵۲۷)۔

یہ فرمایا کہ اگر شوہر کہیں چلا جائے اور بیوی کو گھر پر چھوڑ جائے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو بیوی کا فریضہ ہے کہ اپنی جان اور شوہر کے مال کے بارے میں وہی رویہ اختیار کرے جو اس کے سامنے رکھتی تھی۔ غیرت مند شوہر یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیوی کسی غیر مرد کی طرف دیکھے یا غیر مرد کے سامنے آئے یا اس سے آنکھ ملائے یا دل ملائے' جس طرح جب شوہر گھر میں ہوتا ہے تو عورت صرف اسی کی بن کر رہتی ہے۔ جب کسی سے نکاح ہو گیا تو عزت و آبرو کی حفاظت اسی مرد سے وابستہ ہونی چاہئے۔ اب اپنی

جذبات کی تسکین کا مرکز‘ پریشانیوں کی تسلی کا مرکز‘ پریشانیوں کی تسلی کا محور صرف اسی کو بنائے رکھے۔ اسی طرح شوہر کے پیچھے یعنی اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال کی بھی حفاظت کرے‘ ایسا نہ کرے کہ پیٹھ پیچھے اس کا مال لٹادے اور بے جا خرچ کر ڈالے یا اپنے میکے پہنچا دے یا شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے عزیزوں کو دے دے۔ شوہر کے پیچھے اپنی جان اور اس کے مال میں اس کی مرضی کے خلاف کچھ کیا تو یہ خیانت ہوگی۔ لہٰذا عورتوں کو چاہئے کہ مرد کے مالوں کو بے جا خرچ کر کے ضائع نہ کریں۔ جس چیز کی ایسی ضرورت ہو کہ اس کے بغیر نقصان ہو تو وہ خریدیں ورنہ نہ خریدیں مثلاً ہماری الماریوں میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جیسے جوسر مشین‘ گلاس‘ پلیٹیں جن کی سالہا سال میں کبھی ضرورت پڑتی ہے یا کسی کے گھر میں دیکھا کہ شوکیس بھرا ہوا ہے تو خود کو بھی شوق ہوا کہ ہمارے گھر میں بھی ایسا ہونا چاہئے اور اب سر میں درد شروع ہو گیا اور شوہر کے سر میں بھی درد کروا دیا کہ جیسا فلانی کے گھر میں شوکیس ہے ویسا ہمارے گھر میں بھی ہونا چاہئے‘ جیسا فلانی کے گھر میں فرنیچر ہے ویسا ہمارے گھر میں بھی ہونا چاہئے‘ جیسے فلانی کے گھر میں دیواروں کا رنگ ہے ویسا ہی ہمارے گھر میں بھی ہونا چاہئے۔ اب شوہر کو مجبور کرنا کہ یہ لادو‘ یہ لادو‘ یہ سب فضول لغویات ہیں اور شوہر کے مال کو برباد کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نیک عورتوں کی صفات میں ایک صفت یہ بیان فرماتے ہیں:

﴿ حَفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾ (النساء: ٣٤)

”یعنی مردوں کے پیٹھ پیچھے بھی بحفاظت الٰہی (اس کی آبرو و مال کی) نگہداشت کرتی ہیں“۔ (معارف القرآن- جلد۲، صفحہ۳۹۲)۔

یہ اللہ تعالیٰ نے عورت کا لازمی وصف قرار دیا ہے اور اس کے ذمہ یہ فریضہ عائد کیا کہ جب شوہر گھر میں موجود نہ ہو تو اس وقت وہ اس کے گھر کی حفاظت کرے۔ گھر کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اوّل تو خود اپنی حفاظت کرے کہ کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو‘ پھر شوہر کا جو مال وغیرہ ہے اس کی حفاظت کرے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

اَلْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ فِىْ بَيْتِ زَوْجِهَا

(الترغیب والترہیب- جلد۳ صفحہ۳۱)

عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ عورت کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو۔ شوہر کا پیسہ غلط جگہ پر اور کہیں بھی بلاوجہ خرچ نہ ہو اور فضول خرچی میں اس کا پیسہ ضائع نہ ہو‘ یہ نہ ہو کہ شوہر کا پیسہ دل کھول کر خرچ کیا جا رہا ہے۔ یا گھر کو نوکرانیوں پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جس طرح بھی چاہ رہی ہیں‘ کر رہی ہیں۔ اگر کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو یہ قانونی فرائض کے خلاف کر رہی ہے۔ اگر کسی کا مکان‘ کپڑا دیکھ کر اپنے دل میں بھی خیال آئے کہ میرے پاس بھی ایسا ہی ہو تو دو چیزوں کو سوچیں:

① موت کو سوچیں کہ میں آج دنیا سے چلی گئی تو سب کچھ یہیں رہ جائے گا اور جتنی ہلکی جاؤں گی یعنی جتنا کم سامان ہوگا اتنا ہی کم حساب دینا پڑے گا کیونکہ حساب بھی جلد ہو جائے گا نیز موت ہمارے لئے محبوب بن جائے گی‘ ہم موت کو خوشی سے قبول کر لیں گے اور ملک الموت کو کہیں گے کہ مبارک ہو! تم آئے‘ تمہارا ہی انتظار تھا۔

مزے کا وقت ہے اے موت! اس دم آ تو بہتر ہے
کہ دل میں میرے دلبر اور نظر تیری منتظر ہے

② سادگی کی سنت کو اپنائیں اور یہ عمل بہت اجر دلانے والا ہے مثلاً حدیث شریف میں آیا ہے کہ سنت طریق مٹ جانے کے بعد جو کوئی اس سنت طریقہ کو زندہ کر دیتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے (مشکوٰۃ- جلد۱ صفحہ۳۰)

لہٰذا جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں سادگی سے کام ہوا کرتے تھے‘ اس کے مطابق اب پھر ہونے لگیں لہٰذا جو عورتیں اس کی کوشش کریں گی اور اس کو وجود میں لائیں گی ان کو بڑا ثواب ملے گا۔

اگر عورتیں اس سنت پر عمل کرنا شروع کر دیں اور اس بات کا فیصلہ کر لیں کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی سادگی اور مبارک زندگی کو اپنے اور تمام مسلمان عورتوں کے گھروں میں پیدا کرنے کی کوشش کریں گی تو یہ سنت پوری دنیا میں وجود میں آ سکتی ہے اور جتنی ہماری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے مشابہ ہوگی اتنی ہی خیر و برکات اور محبتیں ہماری زندگی میں پیدا ہوں گی اور رحمتیں برسیں گی۔

اگر ہماری عورتیں خصوصاً تین کاموں میں اس سنت کو زندہ کر لیں پھر دیکھیں کہ کیسے ان شاء اللہ تعالیٰ گھر کے تمام افراد میں محبت اور [illegible]ن کی فضاء قائم ہوتی ہے:

① مکان بنانے میں بالکل سادگی کا اہتمام کریں، ایسا مکان بنائیں جو بالکل سادہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مکانات کے متعلق سوچیں کہ ان کے مکانات کیسے تھے؟

چھت کھجور کے پتوں کی، مٹی وگارے سے بنی ہوئی دیواریں تھیں۔ نہ قالین تھے نہ بے شمار برتن تھے، [illegible]نے کے لئے عالی شان پلنگ، کرسیاں نہ میز الماریاں لیکن سکون تھا، محبتیں تھیں، ہمدر[illegible]ی غم خواری تھی، سب سے اہم بات شرافت وانسانیت تھی۔ مسلمان کو کافر سے اور کافر کو مسلمان سے خوف نہیں تھا۔ ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر ادا، ہر طریقہ اس کی نگاہ میں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارے دلوں میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اتر جائے اور آپ علیہ السلام کی مبارک زندگی کو اپنانے والے بن جائیں (آمین)۔

② مکان سادہ بنانے کے بعد اب مکان میں چیزیں بھی جو بہت ہی ضروری ہوں اور ضرورت کا معنی ایسی چیز جس کے نہ ہونے سے ضرر یعنی نقصان ہو مثلاً اگر سردی کے لئے قالین لینا ہی ہے تو بالکل سادہ قالین لیں، مہمان خانہ میں صرف گاؤ تکیہ رکھیں۔

اگر بہت ہی زیادہ ضرورت ہو تو سادی کرسیاں رکھ لیں۔ اسی طرح اگر گھر کی ہر چیز ایسی سادہ بنائیں کہ کم از کم شوہر کی حلال آمدنی پر گزارہ ہو جائے اور باقی جو مال بچے وہ اللہ کے بندوں پر لگائیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے مال اسی لئے دیا ہے کہ ہم اپنی ضرورت پر کم سے کم لگا کر باقی دوسروں پر لگائیں تاکہ آخرت میں ہمیں اس کا اجر مل سکے اور دوسرا فائدہ اس سادگی کا یہ ہوگا کہ گھر میں جو بھی آئے گا اس سادگی کو دیکھ کر اسے بھی اپنے گھر میں سادہ زندگی گزارنے کا شوق پیدا ہوگا۔ اللہ کرے کہ ہماری عورتیں سادگی پر آ جائیں اور یہ نہ سوچیں کہ عورتیں کیا کہیں گی؟ معاشرہ کیا کہے گا؟ بیٹی کی ساس کیا کہے گی؟ بیٹے کی ساس کیا کہے گی؟ فلانی کیا کہے گی؟ برادری میں ناک کٹ جائے گی بلکہ یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کیسے خوش ہوں گے؟ اس دنیا سے ہم کیا لے کر جائیں گے؟ ہم تو یہاں چند دنوں کے مہمان ہیں۔

③ اسی طرح شادی میں سادگی کا اہتمام کریں۔ اگر آپ کسی کی بہن ہیں تو بھائی کو سادگی سے شادی کرنے پر آمادہ کریں۔ بھابھی سے اور بھائی کے سسرال والوں سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کریں بلکہ ان کو بھی کہیے کہ کھانے کی دعوت آپ لوگ نہ کریں کہ صرف دولہا کی طرف سے ولیمہ مسنون ہے اور وہ ہم بہت مختصر کر لیں گے اور جہیز سادہ دیں جس سے دکھلاوا نہ ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت دی ہے تو بجائے جہیز کے بیٹی کے نام کوئی جائیداد کر دیں یا کوئی مکان اسے دلوا دیں جو بیٹی کو عمر بھر کام آئے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ کون سامان بہتر ہے جسے ہم حاصل کرتے تو اچھا ہو۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اَفْضَلُہٗ لِسَانٌ ذَاکِرٌ وَّقَلْبٌ شَاکِرٌ وَّزَوْجَۃٌ مُّؤْمِنَۃٌ تُعِیْنُہٗ

عَلٰی اِیْمَانِہٖ (ترغیب - جلد ۳ صفحہ ۲۸)

یعنی سب سے بہتر مال ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل ہے اور وہ مؤمنہ بیوی ہے جو شوہر کی مدد کرے اس کے ایمان پر۔

جس سے کام نکلے اور ضرورت پوری ہو وہ مال ہے۔ لوگ سونا' چاندی' درہم و دینار' روپیہ و پیسہ اور مکان و دکان' مویشی وغیرہ ہی کو مال سمجھتے ہیں حالانکہ حدیث شریف کی رو سے بہترین مال وہ چیزیں ہیں جو ابھی اوپر بیان ہوئیں۔ ان سے بہت زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے۔ ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل اور ایسی بیوی جو شوہر کی مدد کرے اس کے ایمان پر۔ مدد کرنے کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے:

شوہر کی دینداری کی فکر کرے اور اوقات مقررہ میں اسے نماز روزہ یاد کراتی ہو اور دیگر عبادات پر آمادہ کرتی ہو اور زنا سے اور ہر قسم کے گناہوں سے باز رکھتی ہو۔

(مرقاۃ - جلد ۴ صفحہ ۱۳۰)

درحقیقت ہمارے بدلتے ہوئے ماحول اور بگڑتے ہوئے معاشرہ کو ایسی خواتین کی بہت ضرورت ہے جو خود بھی دین کے احکام پر عمل کرنے والی ہوں اور شوہر اور اولاد کو بھی دیندار بنانے کی فکر رکھتی ہوں۔ لیکن اس کے برخلاف اب تو معاشرے کا یہ حال بنا ہوا ہے کہ کوئی مرد نماز روزہ اور دینداری کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو جہاں دوسرے لوگ آڑے آنے کی کوشش کرتے ہیں اور دین پر چلنے سے روکتے ہیں' وہاں بیوی بھی دیندار ہونے سے روکتی ہے' طرح طرح کے فقرے کستی ہے' مُلا ہونے کا طعنہ دیتی ہے ڈاڑھی رکھنے سے منع کرتی ہے' کرتا پاجامہ پہنے تو باوَلا بتاتی ہے اور رشوت سے بچتا ہے تو الٹی سیدھی باتیں سناتی ہے۔ اے اللہ! ہمیں مؤمن بیویوں کی اشد ضرورت ہے' مرد و عورت سب کے اندر ایمان کے جذبات پیدا فرما۔ آمین (تحفۂ خواتین' صفحہ ۴۳۳)

دوسری چیز جو اس حدیث میں سب سے بہتر بتائی گئی ہے وہ ہے قلب شاکر یعنی شکر

کرنے والا دل ہے اسی لئے علماء کرام نے فرمایا کہ اگر عورتیں اپنے دلوں کو شکر کرنے والا بنالیں تو دنیا میں یہ انعام ملے گا کہ گھر کے بہت سے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ شکر بہت بڑی نعمت ہے۔

داناؤں کا کہنا ہے کہ بدبختوں کی بری عادتوں میں سے کوئی عادت بھی ناشکری سے بری نہیں (یعنی برائیوں میں سے سب سے بری چیز نعمتوں کی ناشکری کرنا ہے اور نیک بختوں کے اوصاف حمیدہ میں سے شکران نعمت سے اچھی نیکی کوئی نہیں یعنی نیکیوں میں سب سے اچھی نیکی شکر نعمت ہے (مخزن اخلاق - صفحہ ۲۹۴)۔

شکر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نعمتوں کو اور بڑھاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم: ۷)

''(وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرمادی کہ' اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا''۔

اللہ تعالیٰ تاکید کے ساتھ کہتے ہیں (ایک اس میں لام تاکید ہے' دوسرا نون تاکید ہے) یعنی ضرور بالضرور ہم نعمتوں کو بڑھائیں گے۔

معمولی باتوں سے خاوند کی خوشنودی حاصل کرنا

عہد نبویؐ میں اور عہد صحابہ کرام میں عورتیں اپنے شوہروں کو خوش رکھنے کی بے انتہاء سعی کرتی تھیں۔ شوہر کی ذرا سی ناراضگی ان کے لئے سوہان روح بن جاتی تھی۔ شوہر کی بے رخی پر بھی وہ اپنا طرز عمل نہیں چھوڑتی تھیں۔

خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دن یہ اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے پہنے ہوئے تھیں۔ نبی کریمؐ نے ان چھلوں کو ان کے ہاتھوں میں دیکھ کر فرمایا، عائشہ! یہ کیا؟ بولیں: یہ آپ کی خوشنودی ہی حاصل کرنے کے لئے پہنے گئے ہیں۔

حضرت خولہؓ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بیان کیا کہ میں ہر رات پہن اوڑھ کر اور آراستہ ہو کر لوجہ اللہ اپنے شوہر کے لئے دلہن بن جاتی ہوں اور ان کے پاس سوتی ہوں مگر پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ واقعہ خدمت نبویؐ میں عرض کیا۔ آپؐ نے سن کر فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہیں۔

ازواج مطہرات کی نبی ﷺ سے محبت

اس طرز معاشرت کا نتیجہ یہ تھا کہ میاں بیوی میں بے حد محبت ہوا کرتی تھی، ایک دوسرے پر جان دیا کرتے تھے۔ خود ازواج مطہرات کی زندگی ملاحظہ فرمایئے کہ ان کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ محبت تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مالدار عورت تھیں مگر جب ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہوگئی تو انہوں نے اپنی کل دولت سرکار کائنات پر نثار کردی۔ آپ کو کوئی درد وغم پیش آیا تو حضرت خدیجہؓ تڑپ اٹھیں اور آپ کو تسلی دی۔

عائشہ صدیقہؓ کی محبت بھی سرکار دو عالم کے ساتھ مشہور ہے۔ آپ پر وہ اپنی جان چھڑکتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کا کپڑا خود اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتی تھیں، آپ کو خوشبو ملا کرتیں، آپ کی مسواک چبا دیا کرتیں، اس کو حفاظت سے اٹھا کر رکھتیں۔ حد یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے لئے خود اپنے ہاتھ سے حضرت عائشہؓ قلادہ کے لئے رسی بٹتی تھیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام کے توجہ دلانے سے معلوم ہوا کہ کمبل پر دھبہ ہے۔ آپ نے اسے اتار کر اندر بھیج دیا۔ حضرت عائشہؓ خود برتن میں پانی لے کر بیٹھ گئیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے دھویا پھر خشک کر کے خدمت اقدس میں بھیجا۔

صحابیات ؓ کی اپنے شوہروں سے محبت

صحابیات بھی اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں' اپنے شوہر کی خوشنودی پر جان دیتی تھیں۔ حضرت زینبؓ جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں' ان کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی۔ ابوالعاص ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس حق و باطل کی جنگ میں ابوالعاص کافروں کی طرف سے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جب فتح عطا کی اور قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تو ان میں ابوالعاص بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب فدیہ پر رہائی کا اعلان ہوا تو ابوالعاص کی بیوی حضرت زینب بنت رسولؐ نے ان کی رہائی کے لئے اپنے گلے کا قیمتی ہار بھیج دیا۔ یہ ہار حضرت زینب کے پاس ان کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی یادگار کی حیثیت سے تھا۔

حضرت حمنہؓ بنت جحشؓ کے شوہر جہاد میں گئے اور اللہ کے دین کی بلندی کے لئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ حضرت حمنہؓ کو جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے شوہر غزوہ میں شہید ہو گئے ہیں تو ضبط نہ کر سکیں اور فرطِ محبت سے چیخ اٹھیں۔

حضرت عمرؓ کی بیوی روزے کے دنوں میں فرطِ محبت سے اپنے لاڈلے شوہر کے سر کا بوسہ لیا کرتیں۔

حضرت حسنؓ کی بیوی کو طلاق کے بعد حضرت حسنؓ ان کے شوہر کی طرف سے جب مہر ملا تو وہ رو پڑیں اور فرمانے لگیں: جدا ہونے والے محبوب کے مقابلہ میں یہ رقم بالکل حقیر ہے۔

ان حقائق کو غور سے پڑھا جائے اور پھر اندازہ لگایا جائے کہ اسلام نے زن و شو کی زندگی کو کس بنیاد پر قائم رکھنا چاہا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بغیر محبت و اطاعت رشتہ

نکاح بے روح جسد ہے۔

شوہر کا خیر مقدم خندہ روئی سے:

جو کچھ گزر چکا ہے اس کی روشنی میں یہ ماننا پڑے گا کہ عورت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ شوہر جب گھر میں داخل ہو تو بیوی شوہر کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرے کیونکہ قدرت نے عورت کی مسکراہٹ میں ایسی عظیم الشان قوت عنایت کی ہے کہ شوہر بیوی کی مسکراہٹ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے سارے غم بھول جاتا ہے اور اگر مرد تھکان سے نڈھال ہو رہا تھا تو پھر بیوی کی تبسم آمیز گفتگو اور دلجوئی سے تازہ دم ہو جاتا ہے اور اس کی قوت عود کر آتی ہے۔

جو عورتیں اپنے شوہر کے سامنے منہ بسورتی ہیں وہ گھر کو قصداً جہنم بنانا چاہتی ہیں اور شوہر کی زندگی کو گھن لگاتی ہیں۔ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عورت کی تعریف میں فرمایا:

التی تسرہ اذا نظر (مشکوٰۃ)

شوہر کی نگاہ جب بیوی پر پڑے تو بیوی اس کو خوش کر دے۔

نیز اس طرح کے موقع پر بیوی' شوہر کے سامنے آئے تو بن سنور کر اور صاف ستھرے لباس میں آئے۔ گھر' بستر اور دوسرے سامان کو شوہر کے سامنے صفائی کے ساتھ پیش کرے۔

شوہر اور گھر کی خدمت:

ضرورت کے وقت شوہر کی خدمت سے بھی نہ چوکے کہ ازواج مطہرات کی یہی زندگی تھی۔ خود سرکار کائنات کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی دستور تھا۔ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتیں۔

بخاری نے اپنی جامع میں ایک باب باندھا ہے: عمل المرأۃ فی بیتھا۔

عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں کام کاج کرنا اور اس ضمن میں حضرت فاطمہ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چکی چلاتے چلاتے گھٹے پڑ گئے تھے۔

محدثین نے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے کہ عورتوں کو چاہئے کہ گھر کے معمولی کام کاج خود کرلیا کریں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب چکی چلاسکتی ہیں تو کیا یہ بعید ہے کہ آپ آٹا بھی گوندھتی ہوں' روٹی بھی پکاتی ہوں۔

امام مالکؒ تو اس حد تک فرماتے ہیں کہ بیوی پر اس وقت گھر کی خدمت لازم ہے جبکہ اس کا شوہر مالدار نہیں ہے خواہ بیوی بڑے سے بڑے گھر کی ہی چشم و چراغ کیوں نہ ہو۔

غزوۂ تبوک میں جو تین بزرگ شریک نہ ہو سکے تھے اور جن کا سرکار کائناتؐ کے حکم سے بائیکاٹ کیا گیا تھا' ان میں ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کچھ دنوں بعد حضورؐ کا یہ فرمان جاری ہوا کہ ان کی بیویاں بھی اس وقت تک ان سے ترک تعلق کرلیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ آ جائے۔ اس فرمان کے فوراً بعد ہی ہلال بن امیہ کی بیوی خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ میرے شوہر بوڑھے آدمی ہیں' کوئی خادم نہیں ہے جو ان کی خدمت انجام دے سکے لہٰذا حضورؐ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان کی خدمت کیا کروں۔ آنحضرتؐ نے زوجہ ہلالؓ کو اس کی اجازت دے دی۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس سلسلہ میں حضرت زبیرؓ کی بیوی حضرت اسماء کی خدمت کا تفصیلی واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی کس قدر خدمت انجام دیا کرتی تھیں۔

ضد اور ہٹ سے پرہیز:

عورتوں کا ایک بڑا عیب ضد اور ہٹ ہے۔ اس سے عورتوں کو بالکل اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں کوئی ایک بات بھی ان کی طبیعت کے خلاف پڑی'

آگ بگولہ ہوگئیں اور الٹ پلٹ شروع کردی۔ اس سے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور شوہر بیوی سے بددل ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی معقول بات ہو تو شوہر کو سمجھانے کی سعی کرے منہ پھلانا اور لڑنا بری بات ہے۔ شوہر کو گرم دیکھے تو خود نرم ہو اور اپنی گرمی کا اظہار ضروری ہی سمجھے اور جی نہ مانے تو گرمی نکال لے مگر تعلقات پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ آنے دے۔

مرد کی زیادتی' بدماغی سے معاملہ بڑھے تو ہوش و خرد سے کام لے' عجلت نہ کرے۔ کچھ دب کر ہی سہی صلح کرلے۔ عورت کے لئے مفید ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وان امراة خافت من بعلها نشوزًا واعراضًا فلا جناح عليهما ان يصلحا بينهما صلحًا والصلح خيرٌ﴾

(النساء:۱۹)

''اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بدماغی یا بے پرواہی کا ہو تو دونوں کو کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کرلیں اور یہ صلح بہتر ہے''۔

بیوی کے ذمہ خاوند کے فرائض وحقوق

احادیث کی روشنی میں

''قرآن پاک کے الفاظ میں اگر مفہوم بیان کروں تو آپ کے جو فرائض ہیں جو کچھ یوں بیان ہوں گے کہ اس نے نیک سیرت و پاکیزہ عادت اور بلند کردار عورتوں کی کچھ خاص علامات وصفات کا نقشہ کھینچا ہے کہ نیک سیرت عورتیں وہ ہیں جو شوہر کی حاکیت وفضیلت کو بسر وچشم تسلیم کر کے ان کی اطاعت شعار ہوتی ہیں اور دلجوئی سے ان کی فرمانبرداری کرتی ہیں اور مرد کی عدم موجودگی میں بھی بحفاظت توفیق الٰہی اپنے نفس وآبرو اور ان کے اموال کی نگہداشت کرتی ہیں۔''

ائمہ کے نزدیک عورت کے فرائض:

بیوی کے فرائض کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ عورت مثل کنیز ہے اور نکاح ایک طرح کی غلامی ہے۔ ایجاب وقبول کی تکمیل کا مطلب ہی یہ ہے کہ عورت نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے شوہر کے سپرد کر دیا ہے۔ اب عورت کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ہر ایسے حکم کی تعمیل کرے جس میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ شوہر کی اطاعت سے زیادہ اہم اور مقدم اپنے خالق ورازق کی اطاعت ہے لہٰذا اگر کسی عورت کا شوہر خدا کی معصیت کا حکم دے یعنی گانا سننے' مجلس قوالی میں جانے' سینما دیکھنے اور غیر محرم مردوں کے ساتھ بات اور واہیات باتیں بکنے وغیرہ وغیرہ گندی حرکتیں اور معصیتوں کا حکم دے یا خدا کے عائد کئے ہوئے کسی فرض سے باز رکھنے کی کوشش کرے یا

باز رہنے کے لئے کہے جیسا کہ نماز روزہ وغیرہ تو اس کی اطاعت وتعمیل سے انکار کرنا مسلم عورت کا فرض ہے اور باعث ثواب ہے اگرچہ وہ کتنا ہی دل پسند اور محبوب شوہر ہو۔ اس صورت میں اگر عورت شوہر کی بات مانے گی یا اس کی اطاعت کرے گی تو عورت سخت گنہگار ہوگی بخلاف اس کے کہ اگر شوہر اپنی زوجہ کو نفل نماز یا نفل روزہ ترک کرنے کے لئے حکم دے تو لازم ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے اس صورت میں اگر وہ نفل نماز ادا کرے گی تو مقبول نہ ہوں گے۔

(بحوالہ تفسیر روح المعانی وتفہیم۔ جلد۳ص۳۴۹پ۵)

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿فالصلحت قانتات حفظات للغیب بما حفظ اللہ﴾

(سورۃ النساء: پ ۵)

''پس جو عورتیں نیک صالحہ ہوتی ہیں (وہی شوہر کی) اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی (ان کے حقوق کی) نگہداشت کرتی ہیں''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عصمت وعفت اور صاحب مکان کے مال کی حفاظت جو امور خانہ داری میں سب سے اہم اور مقدم کام ہیں' ان کے بجالانے میں ان کے لئے مردوں کے سامنے اور پیچھے کے حالات سب برابر ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کے سامنے تو اس کا اہتمام کریں اور خوب خاطر وتواضع کریں اور خوب حمایت اور ہمدردی دکھائیں اور خوب محبت اور شفقت کا دم بھریں اور جب ان کی نظروں سے غائب ہوں تو ان چیزوں میں لاپرواہی برتیں اور شوہر کی برائی وعیب جوئی میں مبتلا ہو جائیں اور تجسس اور سراغ نکالنے میں لگ جائیں اور طوطا چشمی کے ساتھ اس کے سارے احسان اور محنت پر پانی پھیر دیں۔ یہ نہ کوئی مسلم عورتوں کی شان ہے اور نہ مہذب اور بامروت عورت کو

زیب دیتا ہے۔ واضح ہو کہ خواتین کی ذمہ داریاں یعنی اپنی عصمت اور عفت اور شوہر کے مال اور امانت کی حفاظت دونوں کوئی آسان کام نہیں اس لئے اللہ پاک نے سابقہ آیت کے آخری حصے میں یہ فرمایا کہ بما حفظ اللہ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حفاظت کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ خود عورت کی مدد فرماتے ہیں' اس بے نیاز ذات کی مدد اور نصرت اور توفیق و عنایت سے وہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتی ہیں' ورنہ نفس کی خواہش اور شیطان کی شرارت ہمہ وقت ہر انسان مرد و عورت کو گھیرے ہوئے ہے اور عورتیں بالخصوص اپنی علمی و عملی قوتوں میں بہ نسبت مرد کے ضعیف بھی ہیں اس کے باوجود ان ذمہ داریوں میں مرد سے زیادہ عورتیں مستحکم و مضبوط نظر آتی ہیں۔ یہ سب خاص اللہ کی مدد اور نصرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے حیائی' گناہوں اور شرمناک حرکتوں میں بہ نسبت مردوں کے عورتیں کم مبتلا ہوتی ہیں۔ حضرت امام غزالی نے فرمایا ہے کہ شریعت کی نظر میں نیک و دیندار اور عمدہ سیرت و بلند کردار عورت وہ ہے جو اپنے گھر کی تعمیر اور اپنے مال کی حفاظت اور اپنے نفس اور اولاد کی اصلاح میں مصروف رہے' نماز روزے کی پابندی کرے۔ اگر شوہر کی عدم موجودگی میں شوہر کا کوئی دوست یا جاننے والا آئے تو شرم وحیا اور غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے کوئی کلام نہ کرے اگر زیادہ ضروری بات ہو تو آواز بدل کر گفتگو کرے یعنی اپنا طرز کلام جاذبانہ اور مٹھاس کا نہ رکھے۔ شوہر کی حلال آمدنی پر اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو' قناعت کرے اور شوہر کی حرام کمائی سے ہر ممکن اجتناب کرے۔ پہلے زمانے کی نیک عورتیں ان باتوں کا بہت دھیان رکھتی تھیں چنانچہ جب کوئی شخص (شوہر) کمانے کے لئے گھر سے جاتا تو اس کی بیوی اسے یہ نصیحت کرتی کہ دیکھنا ذرا حرام کمائی سے بچنا اور یقین دلاتی تھیں کہ ہم بھوک پر صبر کرلیں گے' تنگ دستی سے ہمیں کوئی خوف نہیں ہے لیکن دوزخ کی آگ ہمارے لئے ناقابل برداشت ہوگی۔ ایک خدا پرست شخص نے کہیں جانے کے لئے سامان سفر باندھا تو صرف اہلیہ کے علاوہ

تمام لوگوں نے اس کے سفر کی مخالفت کی۔ بیوی کے رویے پر اظہار حیرت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تم اس سفر کے لئے کس طرح رضامند ہوگئی ہو؟ وہ تمہارے اخراجات کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑ کر جارہا ہے۔ اس پر اہلیہ نے جو سبق آموز بات کہی' وہ یہ کہ ''میرا شوہر کمانے والا ہے نہ کہ رازق'' میرا رب رازق ہے۔ کمانے والا جارہا ہے' کھلانے والا رازق پہلے بھی موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔

(بحوالہ احیاء۔ جلد ۲ قسط ا صفحہ ۱۴۷)

بیوی کے ذہن میں یہ بات بھی رہنی لازمی ہے کہ شوہر کا حق خود اس کے شخصی حقوق اور اس کے تمام اعزہ و اقرباء کے حقوق پر مقدم ہے جس کی بہترین تفسیر حضرت محمدؐ کی احادیث سے ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر نسائکم التی اذا نظر الیها زوجها سرته وان امرها اطاعته واذا غاب عنها حفظته فی نفسها وماله

یعنی تمہاری بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کی طرف دیکھو تو وہ تمہیں خوشی بخشے اور جب تم اس کو کسی بات کا حکم دو تو وہ اس کی تعمیل کرے اور جب تم اس سے غائب ہو (یعنی گھر میں نہ ہو) تو وہ تمہارے پیچھے تمہارے مال کی اور اپنے نفس کی (ہر ممکن) حفاظت کرے۔

(بحوالہ نسائی و مشکوٰۃ)

حدیث: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیتخذ احدکم قلبا شاکرًا ولسانا ذاکرًا او زوجة مؤمنة تعینه علی اٰخرته

یعنی تم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ شکر کرنے والا دل' ذکر کرنے والی

زبان بنائے اور ایسی بیوی حاصل کرے (یعنی ایسی خاتون سے شادی کرے) جو مؤمنہ ہو اور آخرت پر اس کی مدد کرنے والی ہو۔

(بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ)

نوٹ: یہاں پر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ آنحضرتؐ نے شکر اور ذکر جیسی اہم عبادتوں کے ساتھ ہی نیک اور صاحب ایمان بیوی کا تذکرہ کیا۔ اس حدیث کی روشنی سے وہ عورت جو نیک سیرت اور حسن اخلاق والی ہو اور گھر کا نظم باقی رکھنے میں ماہر ہو، دین اور شریعت کی معین و مددگار ہو، اس نے اپنے شوہر کے قیمتی اوقات کو علم و عمل کے لئے فارغ کر دیا ہو اور آخرت کے اعمال کے لئے موقع فراہم کرنے کی سہولت پیدا کرتی رہتی ہو تو وہ ہی اسی کا مصداق ہو سکتی ہے۔

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت پانچوں وقت کی نماز پڑھتی رہے اور ماہِ رمضان کے پورے روزے رکھتی ہو اور اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی اطاعت (نیک کاموں میں) کرتی رہے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے (اس کے لئے کوئی قید نہیں)۔

(بحوالہ: ترجمہ مشکوٰۃ شریف جلد ۱ صفحہ ۴۸۶، ابن کثیر - صفحہ ۲۱ پ ۵)

اس حدیث میں آنحضرتؐ نے اسلام کے بنیادی ارکان نماز روزہ وغیرہ کے ساتھ شوہر کی اطاعت کا ذکر فرما کر خدمت شوہر کی اہمیت کو ثابت کر دیا اور اطاعت شعار عورتوں کی فضیلت بھی بتا دی۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا سرور کائناتؐ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں چار چیزیں ایسی ہیں جس کو یہ چیزیں مل گئیں تو سمجھ لو دین و دنیا کی بھلائی (و راحت) مل گئی: (۱) شکر گزار دل۔ (۲) ذاکر زبان۔ (۳) صابر بدن۔ (۴) نیک بیوی جو اپنے نفس اور شوہر کے مال میں کوئی گناہ نہیں کرتی (بحوالہ طبرانی شریف)۔

حدیث: حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: خوف خدا کے بعد

انسان کے واسطے اس نیک عورت سے زیادہ کوئی چیز افضل اور بہتر نہیں ہے کہ جو اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل کرے اور مرد کو دیکھ کر مسرور ہو، اگر مرد گھر میں موجود نہ ہو تو اس کے پیچھے مرد کی خیر خواہی کرے۔ اس کی عزت، آبرو اور مال کی حفاظت رکھے۔

(ترجمہ مشکوٰۃ شریف۔ جلد ۱ صفحہ ۴۶۳)

حدیث: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور دوسرے کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اس کے بعد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جب تک عورت اپنے شوہر کی اطاعت نہیں کرے گی، اپنے رب کی فرمانبردار نہیں ہو سکتی۔ اگر مرد اپنی زوجہ سے یہ کہے کہ اس سرخ پہاڑ سے سیاہ پہاڑ تک اور سیاہ پہاڑ سے سرخ پہاڑ تک دوڑ لگائے تو عورت پر اس کی تعمیل ضروری ہے (اس حدیث میں آنحضرتؐ نے شوہر کی قدر و قیمت اور شرف و عظمت کی اہمیت کو روشن کیا ہے)۔

(ترجمہ ابن ماجہ شریف۔ جلد ۱ ص ۲۶۹)

حدیث: حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اگر عورت آخرت کی نجات اور بہشت چاہتی ہے تو حق تعالیٰ کی خوشنودی طلب کرے اور حق تعالیٰ کی خوشنودی نہیں حاصل ہوتی جب تک کہ اس کا خاوند اس سے (دین کے کام میں) خوش نہ ہو (بحوالہ طبرانی)۔

حدیث: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ کی خدمت اقدس میں ایک حسین دوشیزہ حاضر ہوئی اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں جوان ہوں، لوگ مجھ سے شادی کے پیغامات بھیجتے ہیں لیکن مجھے شادی پسند نہیں۔ اب آپؐ یہ بتا دیجئے کہ میں شادی کروں یا نہیں؟ فرمایا: ضرور کرو، شادی کرنے ہی میں تمہاری خیر ہے۔ اس کے بعد اس دوشیزہ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ عورت پر شوہر کا کیا حق ہے؟ فرمایا کہ شوہر کے حقوق تو بہت سے ہیں۔ اس کے حقوق کا اندازہ تم اس طرح سمجھ لو کہ اگر شوہر کا جسم سرتا بہ قدم پیپ سے سڑ رہا ہو اور بیوی اپنی زبان سے اسے چاٹے تب بھی اس کا

حق ادا نہیں ہوسکتا (یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی ہے)۔

(بحوالہ احیاء۔ جلد ۲ قسط ۱ ص ۱۴۵)

حدیث: آنحضرتؐ نے فرمایا: ''المرء ة الصالحة خير من الف رجل غير عمل صالح'' یعنی نیک عورت ہزار مرد غیر صالح سے بہتر ہے۔ اور فرمایا: پارسا عورت اپنے شوہر کے لئے دین کا ستون ہے (بحوالہ طبرانی)۔

بزرگانِ دین نے کہا ہے کہ اگر عورت دیندار ہو اور خوش اخلاق ہو اور شوہر کو ٹوٹ کر چاہتی ہو، خوبصورت ہو، اس کے گیسو سیاہ اور دراز ہوں، اس کی آنکھیں روشن، کشادہ اور سیاہ ہوں، اس کا رنگ سفید ہو تو وہ دنیا میں جنت کی حوروں کا نمونہ ہے۔ اللہ پاک نے جنت کی حوروں کے یہی اوصاف قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

﴿ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴾ (سورة رحمٰن: آیت ۱۳ - پ ۲۷)

﴿ قاصرات الطرف ﴾ (سورة رحمٰن: آیت ۲۷ - پ ۲۷)

﴿ حورٌ عين ﴾ (سورة الواقعة: آیت ۲۲ - پ ۲۷)

﴿ عُرُبًا اترابًا ﴾ (سورة الواقعة: آیت ۳۷ - پ ۲۷)

قرآن پاک کی ان آیات میں خیرات سے مراد خوش اخلاق ہیں، حسان سے مراد خوبصورت عورتیں ہیں، قاصرات الطرف سے مراد وہ عورتیں ہیں جو صرف شوہر کو مرکز بنائیں۔ عرب جمع عروب کی ہے اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کی عاشق ہوں اور ان سے ہمبستری کی خواہش مند ہوں۔ حور اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھ میں سفیدی بھی زیادہ ہو، سیاہی بھی زیادہ ہو اور عین اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں۔ صحیح معنی میں عورت میں وہ صفات و عادات ہونی چاہئیں جن کی نشاندہی سرکار دو عالمؐ نے مذکورہ احادیث میں فرمائی ہیں۔

(بحوالہ احیاء۔ جلد ۲ و تفسیر عباسی و کیمیائے سعادت)

عورت کے لئے اس کے شوہر کی ذات اتنی اہم اور قابل قدر ہے کہ سرورِ دو عالمؐ کا ارشاد ہے:

حدیث: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

ايما امرء ة ماتت وزوجها عنها راضٍ دخلت الجنة

یعنی جو عورت (بیوی) اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس کی نیکی اور بھلائی سے خوش ہو وہ جنت میں داخل ہوگی (بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ و مشکوٰة۔ ص ۲۸۷)۔

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

اذا خرجت المرء ة من بيتها وزوجها كارهٌ لعنها كل ملكٍ في السماء وكل شئ مرت عليه غير الجن والانس حتى ترجع

یعنی جب عورت گھر سے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکلتی ہے تو اس پر آسمان کا ہر فرشتہ لعنت بھیجتا ہے اور جن و انسان کے علاوہ ہر وہ چیز جس پر سے وہ (عورت) گزرتی ہے پھٹکار و لعنت بھیجتی ہے تاوقتیکہ وہ واپس نہ ہو (الحدیث کشف الغمہ)۔

حدیث: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سفر میں گیا تو چلتے وقت اپنی اہلیہ سے کہہ گیا کہ میری واپسی تک مکان کی بالائی منزل سے نیچے نہ آنا۔ اس عورت کے والدین نیچے مکان میں رہتے تھے۔ اتفاق سے ایسا ہوا کہ شوہر کی واپسی سے پہلے ہی والد بیمار ہوگئے۔ اس عورت نے سرکار دو عالمؐ کے پاس کسی شخص کو بھیج کر دریافت فرمایا کہ میں باپ کی عیادت کے لئے نیچے اتروں یا شوہر کے حکم کی تعمیل میں اوپر ہی رہوں؟ آپؐ نے اس عورت کو اپنے خاوند کی اطاعت کا حکم فرمایا۔ وہ بیماری جان لیوا ثابت ہوئی مگر وہ عورت شوہر کی ہدایت پر عمل پیرا رہی، نیچے نہیں اتری لیکن اس عورت کو بہ تقاضائے فطرت و بشریت دل میں بہت ملال ہوا۔ ادھر سرکار دو عالمؐ نے کسی شخص کی معرفت

اسے یہ خوشخبری سنائی کہ شوہر کی اطاعت سے یہ اجر ملا کہ اس کے مرحوم باپ کی مغفرت ہوگئی ہے۔ (بحوالہ طبرانی۔ اوسط و احیاء۔ جلد۲ ص۱۴۴)

حدیث: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت کم از کم سات شب و روز خلوص دل سے اپنے شوہر کی تابعداری نیک کاموں میں کرتی رہے اور اس کو خوش رکھے تو اس کے ہفت اندام (شرمگاہ) پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے اور سات سو برس کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے (بحوالہ طبرانی)۔

حدیث: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے خاوند کی آراستگی اور بھلائی کے لئے کوئی چیز اٹھاتی یا رکھتی ہے اسے اس کے عوض میں ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے اور ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے۔ اور جو عورت اپنے شوہر کو خوش رکھتی ہے اور حاملہ ہوتی ہے اسے اتنا اجر دیا جاتا ہے جتنا رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو ملتا ہے اور جب اسے دردِ زہ لاحق ہوتا ہے تو ہر درد کے بدلہ میں ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جب بچہ ماں کے پستان چوستا ہے تو ہر دفعہ کے عوض میں بھی عورت کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے (بحوالہ غنیۃ الطالبین۔ ص۱۳۳)۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: میری امت کی عورتوں میں سے سب سے افضل ترین وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے اور اپنے شوہر کی خواہش کے مطابق فرمانبرداری کرتی رہے سوائے ان کاموں کے جو گناہ کے کام ہیں ایسی عورت کو رات اور دن میں ایسے ہزار شہیدوں کا ثواب ملتا ہے جو خدا کی راہ میں صبر کے ساتھ شہید ہوتے ہیں اور اس کے اجر کی توقع خدا سے رکھتے ہیں۔ (بحوالہ غنیۃ الطالبین۔ ص۱۳۴)

حدیث: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہؐ نے فرمایا: عورت پر شوہر کا حق ایسے ہی ہے جیسے تم پر میرا حق۔ میرے حق کو ضائع کرنے والا گویا اللہ کے

حق کو ضائع کرنے والا ہے۔ وہ غضب الٰہی اور قہر خداوندی کا مستحق ہے اور وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا (بحوالہ غنیۃ الطالبین۔ ص۳۴۶)۔

حدیث: ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت اپنے شوہر کی مطیع اور فرمانبردار ہو تو یاد رکھو! اس کے لئے استغفار اور دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ پرندے ہوا میں، مچھلیاں پانی میں، درندے جنگلوں میں اور فرشتے آسمان میں (بحوالہ کتاب بحر محیط)۔

حدیث: حضرت طاق بن علی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اگر کسی عورت کا شوہر اس کو اپنی حاجت روائی کے واسطے بلائے تو اس وقت اگر وہ تنور پر بیٹھی ہو اور روٹی کے جلنے کا خوف ہو تب بھی اس کو فوراً حاضر ہو جانا چاہئے (بحوالہ مشکوٰۃ۔ ص۴۸۷)۔

حدیث: حضرت اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کے بدن پر ریشمی لباس ہے اس کے ہاتھوں میں مہندی رچی ہوئی ہے اور ایک جائے نماز پر بیٹھ کر تسبیح پڑھ رہی ہے۔ میں نے اس عورت سے حیرت کے ساتھ پوچھا کہ عبادت کے ساتھ اس زیب و زینت کا کیا جوڑ ہے؟ یہ سن کر وہ عورت کہنے لگی: عبادت اللہ کے لئے اور یہ زیب و زینت شوہر کے لئے۔ دونوں کا حق ادا کرنا مجھ پر فرض ہے۔ اس بات سے میں یہ سمجھا کہ یہ ایک نیک عورت ہے (بحوالہ احیاء۔ جلد۲ قسط۱۔ باب النکاح)۔

حدیث: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت اپنے خاوند کے لئے بنی سنوری رہے گی تو دو سو برس کی عبادت کا ثواب پائے گی بشرطیکہ خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ ہو (بحوالہ بیہقی)۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو کوئی مرد (شوہر) اپنی اہلیہ کو اپنے بستر کی طرف بلاتا ہو اور وہ آنے سے انکار کر دیتی ہے جس سے شوہر ناراض ہو جاتا ہے اور اسی حال میں شب گزارتا ہے تو ایسی حالت میں تمام رات اس عورت پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ اگر مرد اونٹ پر

سوار ہو اور صحبت کرنا چاہے تو تمہارے لئے انکار کرنا جائز نہیں یعنی اتنا مطیع ہو کر رہو کہ اس کو کسی وقت بھی تکلیف نہ دو ۔ البتہ ناجائز کاموں میں اطاعت ضروری نہیں (بحوالہ صحیح بخاری ۔ جلد ۲ ص ۲۲۹ حدیث نمبر ۳۱۹ اور ابن کثیر ۔ جلد اپ ۵ ص ۲۲)

اگر عورت خوبصورت ہے اور حسن و جمال کے زیور سے آراستہ ہے تو شوہر کے سامنے اپنی خوبصورتی پہ نازاں نہ ہو اور نہ شوہر کو اس کی بدصورتی اور تنگدستی کی وجہ سے حقیر سمجھے اور نہ کسی سبب سے اپنے شوہر پر فخر کرے کیونکہ یہ سب قدرتی چیز ہے نہ کہ اپنی ذاتی ۔

حدیث: ایک بدصورت شخص رسول اللہؐ کی خدمت میں آیا ۔ اس کی بیوی نہایت خوبصورت تھی، اس کے حسن و جمال پر دنیا تعجب کرتی تھی ۔ آنحضرتؐ نے پوچھا: تیری عورت تیرے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہے اور تجھے کس نظر سے دیکھتی ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میری بہت قدر کرتی ہے اور میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاتی اور اسے اپنے حسن و جمال کا کوئی لحاظ نہیں بلکہ میری خدمت کی طرف دھیان ہے ۔ یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا: جا، اس سے کہہ دے کہ وہ جنتی عورتوں میں سے ہے کیونکہ باوجود حسن و جمال کے اپنے شوہر کی تابعداری کرتی ہے، اس کی بدصورتی پر نہیں جاتی ۔

(بحوالہ طبرانی و غنیۃ الطالبین)

اصمعی کہتے ہیں کہ میں ایک گاؤں میں گیا ۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ایک حسین ترین عورت ایک ایسے مرد کی شریک زندگی تھی جو انتہائی بدصورت اور تنگ دست تھا ۔ میں نے اس عورت کے سامنے بھی اظہار حیرت کیا اور پوچھا کہ کیا تم اس جیسے شخص کی بیوی بننے پر خوش ہو؟ اس نیک عورت نے مجھے ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور کہنے لگی: تم غلطی پر ہو، میں تو یہ سمجھتی ہو کہ اس شخص نے کوئی نیک کام کیا تھا جس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی بیوی ہونے کی توفیق سے دیا ہے اور اللہ نے مجھ پر یہ بہت بڑا کرم فرمایا اور یہ کہ ہماری رفاقت میں اللہ کی مرضی شامل ہے ۔ بھلا جو چیز اللہ نے میرے لئے

پسند فرمائی ہے، میں اس پر راضی کیوں نہ رہوں ۔ (احیاء ۔ جلد ۲ قسط ۱ ۔ غنیۃ الطالبین)

عورت کے لئے یہ بات کسی طرح بھی جائز نہیں کہ اگر اس کا شوہر فقیر اور محتاج ہو تو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور بداخلاقی اور ترش روئی سے پیش آئے ۔ حدیث پاک میں اس سلسلے میں بڑی مذمت اور وعیدیں آئی ہیں ۔

حدیث: حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے محتاج شوہر کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے اور بداخلاقی اور بدکلامی سے پیش آتی ہے تو اس کو جنت تو کیا، جنت کی بو تک نصیب نہ ہوگی اور ہمیشہ خدا کی پھٹکار پڑتی رہے گی ۔ (بحوالہ طبرانی ۔ اوسط)

لہٰذا اگر شوہر بے کس و مجبور ہو تو عورت کو چاہئے کہ گھر پر کمائی کا ذریعہ بنائے، یعنی کپڑا سلائی، آٹا پسائی، بنائی وغیرہ کام کر کے شوہر کی خدمت کرے ۔ حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے ۔

حدیث: حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو نیک عورت اپنی کمائی سے اپنے محتاج شوہر کی خدمت میں ایک درہم خرچ کرتی ہے تو یہ ایک درہم اس سے بہتر ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں سات سو پہاڑ سونا صدقہ کرے ۔

(الحدیث ۔ اکسیر ہدایت ۔ امام غزالیؒ)

حدیث: حضرت معاذ ابن جبلؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

یعنی جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو جنت کی حوروں میں سے وہ حور جو اس کو جنت میں ملے گی، وہ یہ کہتی ہے کہ اے عورت: خدا تیرا ستیاناس کرے اور ہلاک کرے، تو اسے کیوں ستاتی ہے ۔ یہ تو تیرے پاس چند روز کے لئے مہمان ہے، یہ بہت جلد جدا ہو کر ہمارے پاس چلا آئے گا

(بحوالہ ابن ماجہ، جلد نمبر ۱ حدیث ۲۰۳۷ ص ۲۹۶، ترمذی و احیاء، جلد ۲)

عورت کو چاہئے کہ اپنے شوہر کی پیٹھ پیچھے اس کی بدگوئی نہ کرے اور اپنے خاوند کی

غیبت سے اپنے نفس کو بچا کر رکھے اور اس کا عیب دوسروں سے بیان نہ کرے۔ آج کل اکثر عورتوں کے نزدیک یہ عیب' عیب ہی نہیں رہا بلکہ ہنر بن گیا ہے۔ یہ کتنی غضب کی بات ہے جبکہ حدیث میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ جو عورت آخرت کی کامیابی اور خوشحالی کی امید رکھے اور عذاب الٰہی سے نجات چاہے تو اس کو اس ناپاک حرکت سے باز آنا چاہئے۔

حدیث: آنحضرتؐ نے فرمایا: جو عورت خاوند کے عیب کو بیان کرے وہ دوزخ کی آگ اپنے اوپر تیز کر لے اور اپنا ٹھکانہ دوزخ میں کر لے (بحوالہ طبرانی وغنیۃ الطالبین)۔

حضرت فضیل ابن عیاضؒ نے فرمایا کہ دنیا میں تین عمل ایسے ہیں جو انسان کے تمام اعمال صالحہ کو برباد کر دیتے ہیں اور وضو والے کا وضو' نماز والے کی نماز اور روزہ والے کا روزہ خراب کر دیتے ہیں: (۱) غیبت۔ (۲) چغل خوری۔ (۳) جھوٹ (بحوالہ تفسیر معارف القرآن۔ جلد ۸ص ۸۴۱)۔

حدیث: حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تین قسم کے آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے: (۱) ناحق خون بہانے والا۔ (۲) غیبت و چغل خوری کرنے والا۔ (۳) سود کا کاروبار کرنے والا (جو انسان یقیناً اللہ سے ڈرتا ہے' صرف وہی انسان ان عیوب سے اپنے آپ کو پاک رکھے گا)۔ (الحدیث قرطبی)۔

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ عذاب قبر کی تین قسمیں ہیں: (۱) ایک قسم غیبت کرنے سے (۲) ایک قسم چغلی کرنے سے (۳) اور ایک قسم کپڑے کو پیشاب سے پاک نہ رکھنے سے (بحوالہ اکسیر ہدایت۔ ص ۳۱۴)۔

حدیث: حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو شخص دنیا میں کسی شخص پر عیب لگانے کے لئے ایسی بات کہے گا جس سے وہ بری ہے تو اللہ پر واجب ہے کہ قیامت کے دن اسے دوزخ کی آگ میں پگھلائے۔

(بحوالہ احیاء العلوم۔ جلد ۳ قسط ۳ص ۳۸۷)

حدیث: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مؤمن ہمیشہ اپنے بھائی پر عذر ڈھونڈتا ہے اور منافق ہمیشہ اپنے بھائی کے لئے عیب تلاش کرتا ہے (بخاری ونسائی)۔

حدیث: حضرت معاذ بن انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو شخص منافق کی غیبت سے صرف اللہ کے لئے مؤمن کو بچائے گا' اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جہنم کی آگ سے حفاظت کر لئے ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا تاکہ اس کو جہنم کی بو تک نہ لگے۔

(مشکوٰۃ المصابیح۔ جلد ۲ص ۱۶۱)

حدیث: حضرت جابر کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی نہ دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ان کا کوئی نیک عمل آسمان کی طرف جاتا ہے: (۱) اول بھاگا ہوا غلام' جب تک وہ اپنے آقا کے پاس واپس نہ آ جائے اور اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ دے دے (۲) دوسرے وہ عورت جس سے اس کا شوہر کسی حق بات پر ناراض ہو' جب تک کہ اس کی تلافی نہ کر لے (۳) تیسرے وہ شخص جو کسی نشہ کی وجہ سے مدہوش ہو' جب تک اسے ہوش نہ آ جائے (مشکوٰۃ المصابیح۔ جلد ۱ص ۴۸۹)۔

شریعت اسلام مرد و عورت کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ آپس کی راز کی باتیں غیر سے بیان کرے اور اپنے پوشیدہ ازدواجی معاملات کا حال کسی دوسرے سے بیان کرے کیونکہ یہ سراسر بے وقوفی اور جہالت ہے اور شرع اور عقل دونوں کے خلاف ہے اور عورت شوہر کی نہ دی ہوئی چیز کو سوکن کے پاس بیان کرے۔ شریعت میں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے دل شکنی ہوگی۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک جلسے میں مردوں کو مخاطب کر کے پوچھا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص بھی ہے جو اپنی بیوی کے راز کی باتیں پوشیدہ رکھتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں' یا رسول اللہ! ایسے لوگ بھی ہیں۔ تب آنحضرتؐ نے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اس فعل کو لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی سے ایسا کیا' ویسا کیا؟ یہ سن کر لوگ خاموش

رہے۔اس کے بعد آنحضرتؐ نے عورتوں سے مخاطب ہوکر پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایسی عورت ہے جو اپنے شوہر کی خاص باتیں دوسری عورتوں کو بیان کرتی ہو؟ یہ سن کر عورتیں بھی خاموش رہیں۔ کچھ دیر بعد ایک جوان عورت کھڑی ہوئی اور اپنے زانو کے بل کھڑی ہوئی اور آگے بڑھکر عرض کرنے لگی کہ یا رسول اللہ! ایسی باتیں عورتیں بھی کرتی ہیں۔ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شیطان ایک شیطانیہ سے کوچہ و بازار میں صحبت کرتا ہے اور اپنی حاجت پوری کرکے چل دیتا ہے حالانکہ لوگ ان کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔اے لوگو! یاد رکھو کہ ایسی حرکتیں کسی مؤمن و مؤمنہ کی شان نہیں (قیامت کے میدان میں اس بات کی بھی پکڑ ہوگی)۔ (ابوداؤد شریف۔ جلد ۱ ص ۲۱۹ ـــ غنیۃ الطالبین۔ ص ۱۳۸)۔

حدیث: حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری سوکن ہے۔اگر میں اس کے سامنے اپنے خاوند کی طرف سے کسی ایسی چیز کا اظہار کروں جو اس نے مجھ کو نہ دی ہو تو کیا اس میں کوئی گناہ ہے؟ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا: نہ دی ہوئی چیز کا اظہار کرنے والا جھوٹ کے کپڑے پہننے والے کی طرح ہے (یعنی ڈبل جھوٹ بولنے والا ہے)۔

(صحیح تجرید بخاری شریف۔ جلد ۲ ص ۳۳۵)۔

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تباشر المرأة المرأة حتی تصفها لِزَوْجِها کانّه ینظرُ الیها

یعنی عورت، عورت سے خلا ملا نہ کرے۔ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی کیفیت اپنے شوہر سے اس طرح بیان کرے گویا وہ خود اس کو دیکھ رہا ہے۔یہ بہت ہی ذلیل حرکت ہے اور باعث گناہ بھی (ترمذی شریف)۔

حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرأة راعية علی بيت زوجها وهی مسئولة

یعنی عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہی اپنی حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کے لئے جواب دہ ہے (بحوالہ بخاری شریف)۔

عورت پر شوہر کا ایک حق یہ بھی ہے کہ شوہر کے گھر کی کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر نہ دے، اگر دے گی تو گنہگار ہوگی لیکن شوہر کو ثواب ملے گا اور شوہر کا مال فضول خرچ نہ کرے بلکہ کم سے کم خرچ کرے اور اس کے مال کی حفاظت کرے ورنہ قیامت کے روز اس بات کی پکڑ ہوگی۔

حدیث: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا يحل لها ان تطعم من بيته الا باذنه الا الرطب من الطعام ولا تعطی من بيته شيئا الا باذنه فان فعلت ذالك كان له الاجر وعليها الوزر

یعنی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کھلائے، ہاں تر کھانا کھلانے کی اجازت ہے (یعنی جو چیز زائد بچ جائے یا سڑنے کا ڈر ہے وغیرہ اس کا بلا اجازت دینا مضائقہ نہیں ہے) اور نہ عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ شوہر کے گھر سے بلا اجازت کوئی چیز کسی کو دے، اگر دے گی تو شوہر کو اس کا اجر ملے گا اور خود گنہگار ہوگی۔

(ابوداؤد، بیہقی واحیاء۔ جلد ۲)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ شوہر جو مال و دولت اپنی زوجہ کے پاس گھر کے خرچ کے واسطے دے یا جمع رکھنے کے لئے دے تو اس مال میں سے بلا اجازت صرف کرنا ہرگز جائز نہیں حتیٰ کہ سائل کو بھی دینا جائز نہیں۔

(بحوالہ اصلاح المسلمین۔ ص ۴۹)

عورت کو چاہئے کہ شوہر کے گھر کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرے اور شوہر کو زحمت نہ دے بلکہ جہاں تک ہو سکے شوہر کی خدمت کرے' خدا کا قرب حاصل کرے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقرب ما تكون المرأة من وجه ربها اذا كانت فى خدمة زوجها

یعنی عورت اپنے رب کے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے شوہر کی خدمت میں رہے (اور نیک کاموں میں اس کی اطاعت کرے)۔

(بحوالہ ابوداؤد شریف)

حدیث: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت اپنے شوہر کے گھر میں جھاڑو دیتی ہے وہ گویا خانہ کعبہ میں جھاڑو دیتی ہے یعنی اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا ثواب خانہ کعبہ میں جھاڑو لگانے پر ملتا ہے (اکسیر ہدایت) اور عورت کو چاہئے کہ اپنے شوہر کے کپڑے وغیرہ دھویا کرے اور کبھی کبھی چکی بھی پیسا کرے کہ ازواج مطہرات کی سنت ہے۔

حدیث: حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ جب میری شادی حضرت زبیر سے ہوئی تو ان کے پاس نہ زمین و جائیداد تھی' نہ مال و دولت اور نہ باندی' نہ غلام صرف ایک گھوڑا تھا اور ایک اونٹ تھا جو پانی لانے کے کام میں استعمال ہوتا تھا۔ میں خود گھوڑے کو گھاس دانہ دیتی تھی' پانی پلاتی تھی' اس کا جسم ملتی اور اپنے شوہر کے ہر متعلقہ خدمت انجام دیتی تھی۔ اونٹ کے لئے کھجور کی گٹھلیاں کوٹتی اور اسے کھلاتی' ڈول سیتی' پانی بھر کر لاتی' آٹا گوندھتی' روٹی پکاتی' میلوں کی مسافت طے کرتی' گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتی۔ میری یہ حالت دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا: تم بہت مبارک بیٹی ہو اور تمہاری

آخرت بہت کامیاب رہے گی اور رسول اللہؐ نے میرے لئے دعائیں دیں۔

(بحوالہ ابن ماجہ۔ غنیۃ الطالبین واحیاء)

حدیث: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہے اس پر لازم ہے کہ خاوند کے سامنے اپنے حسن و جمال پر فخر نہ کرے اور خاوند کی برائی نہ کرے اور عیب نہ نکالے اور خاوند کی ناشکری نہ کرے اور ہر وقت خرید و فروخت کا سوال نہ کرے اور اپنے شوہر سے ایسی چیز کا سوال نہ کرے جس میں وہ عاجز ہو بلکہ تھوڑا بہت جو کچھ خدا نے اسے دیا ہے اسی پر قناعت کرے اور یہ بھی نہ کہے کہ تو نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور مجھے کیا دیا ہے کیونکہ یہ بے وفا اور بے مروّت عورتوں کی عادت ہے اور بلا ضرورت شدید پڑوسی کے گھر نہ جائے اور ہمسایوں سے باتیں بہت کم کرے۔ یہ سب باتیں کسی مؤمن عورت کو زیب نہیں دیتیں۔ باحیاء کو اپنی عصمت و عفت کا خیال رکھنا چاہئے۔ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ رکھے۔ اگر وہ جانے کی اجازت دے تو معمولی اور سادہ لباس میں پردے کے تمام تقاضوں کی تکمیل کے بعد جائے اور ہر کام میں شوہر کی خوشی کو اصل مقصد قرار دے اور نماز' روزہ اور تسبیح وغیرہ کی پابندی کرے (غرض عورت پر واجب ہے کہ گھر سے متعلق ہر ممکن خدمت انجام دے۔ گھر کے نظم و نسق کا دارومدار عورت پر ہے' اسے کسی بھی ایسے کام سے گریز نہ کرنا چاہئے جو اس کے بس میں ہو۔ ان تمام باتوں کا بہترین نمونہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسماء کا واقعہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے حدیث میں ہے۔ ایسے اور بہت سے واقعات ہیں' عبرت کے لئے یہ کچھ کم نہیں۔

بیوی پر شوہر کے حقوق

''دیکھئے میں نے عورت ہونے کا بلند ترین مقام آپ پر آشکارا کر دیا' آپ کو اس ذہنی اُپج سے بھی نجات دلائی کہ ماں بننا کوئی گھاٹا کا سودا ہے' آپ پر ظاہر کر ڈالا کہ یہی وہ عہدہ جلیلہ ''ماں'' ہے جس کی بناء پر آپ دُنیا کے تمام رشتوں پر فوقیت حاصل کر جاتی ہیں۔ آپ کو نبی کریم ﷺ کی ازواج کے حالات' آپ کے حقوق کی بابت آگاہی دلانے کی کوشش کی' آیئے اب کچھ ان ذمہ داریوں کا ذکر کروں جو اللہ عزوجل نے آپ کے کندھوں پر شوہر کی بابت عائد کر دی''۔

کچھ ایسے معاملات جن میں شوہر کو انکار کرنا جائز نہیں:

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَادعَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْهَا الْمَلَا ئِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ متفق عليه وفى رواية لهما قَالَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُوْ اِمْرَاَتَهُ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَتَابٰى عَلَيْهِ اِلَّاكَانَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهَا۔

صحیح بخاری' کتاب بدؤ الخلق' باب اذا قال احدکم آمین' ح ۲۳۳۷۔

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی مرد اپنی عورت کو ہم بستر ہونے کے لئے بلائے اور وہ عورت انکار کر دے اور پھر شوہر (اس کے انکار کی وجہ سے) رات بھر غصہ

کی حالت میں رہے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں (یعنی جس کے قبضہ تصرف میں) میری جان ہے' جو شخص اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو وہ جو آسمان میں ہے اس سے اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو''۔

شوہر کی خواہش پر بیوی کو ہم بستر ہونے سے انکار نہ کرنا چاہئے:

یہ وعید اس صورت میں ہے جب کہ بیوی کوئی شرعی عذر نہ ہونے کے باوجود شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دے۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حیض ایسا عذر نہیں ہے جس کی موجودگی میں بیوی کو شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دینے کا حق پہنچتا ہو' کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک شوہر کو اس صورت میں بھی کپڑوں کے اوپر سے جنسی لطف حاصل کرنا (یعنی بدن سے بدن ملانا اور بوسہ وغیرہ لینا) جائز ہے اور بعض علماء کے نزدیک شرم گاہ کے علاوہ جسم کے بقیہ حصوں سے لطف اندوزی جائز ہے۔

''صبح تک'' غالب کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے یعنی اکثر یہ صورت حال چونکہ رات میں پیش آتی ہے اس لئے ''صبح تک'' کا ذکر کیا گیا ورنہ اگر شوہر کی طرف سے خواہش اور بیوی کی طرف سے انکار کی یہ صورت حال دن میں پیش آئے اور اس کی وجہ سے شوہر دن بھر ناراض رہے تو فرشتے اسی طرح شام تک اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

''وہ جو آسمان میں ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کا حکم آسمانوں میں جاری ہے یا وہ ذات جس کی آسمانوں میں عبادت کی جاتی ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کی ساری مخلوقات کا بھی معبود اور آسمان اور آسمان کی ساری مخلوقات کا بھی معبود ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَہُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ

''اور وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے کہ جو آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے''۔

لیکن حدیث میں صرف آسمان کا معبود اس لئے کہا گیا ہے زمین کی بہ نسبت آسمان زیادہ شرف رکھتا ہے اور صرف آسمان کا ذکر اظہار مقصد کے لئے کافی ہے تاہم یہ بھی احتمال ہے کہ ''وہ جو آسمان میں ہے'' سے فرشتے مراد ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور جب جنسی جذبات کی تسکین کے بارے میں خاوند کی ناراضگی کی یہ اہمیت ہے تو کسی دنیوی معاملہ میں خاوند کی ناراضگی کتنی اہمیت ہوگی۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْاَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَآءَتْ۔

رواه ابونعیم فی الحلیة۔

''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس عورت نے (اپنی پاکی کے دنوں میں پابندی کے ساتھ) پانچوں وقت کی نماز پڑھی، رمضان کے (ادا اور قضاء) روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی (یعنی فواحش اور بری باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا) اور اپنے خاوند کی (ان چیزوں میں) فرمانبرداری کی (جن میں فرمانبرداری کرنا اس کے لئے ضروری ہے) تو (اس عورت کے لئے یہ بشارت ہے کہ) وہ جس دروازہ سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے''۔ اس روایت

کو ابو نعیم نے حلیۃ الابرار میں نقل کیا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔

جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی حق الزوج، ح ۱۱۵۹۔

''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ کسی (غیر اللہ) کو سجدہ کرتے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے''۔ (ترمذی)

اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو خاوند کو بیوی کا مسجود قرار دیا جاتا:

مطلب یہ ہے کہ رب معبود کے علاوہ اور کسی کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے اگر کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنا درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ بیوی پر اس کے خاوند کے بہت زیادہ حقوق ہیں جن کی ادائیگی شکر سے وہ عاجز ہے گویا اس ارشاد گرامی میں اس بات کی اہمیت وتاکید کو بیان کیا گیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری واجب ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ۔ (رواه الترمذی)

جامع الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج، ح ۱۱۶۱۔

''اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی وخوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی''۔ (ترمذی)

شوہر کی خوشنودی کی اہمیت:

جو شوہر عالم و متقی ہو اس کی رضا مندی اور خوشنودی کا یہ اجر بیان کیا گیا ہے' فاسق و جاہل شوہر کی رضا مندی و خوشنودی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَاتِهِ وَاِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ۔

جامع الترمذی' کتاب الرضاع' باب ما جاء فی حق الزوج' ح ۱۱۶۰۔

''اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے (یعنی جماع کے لئے) بلائے تو بیوی کو شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہئے اگر چہ وہ چولہے کے پاس ہو''۔ (ترمذی)

شوہر کی اطاعت کرو:

''اگر چہ وہ چولہے کے پاس ہو'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کسی ضروری کام میں مشغول ہو اور کسی چیز کے نقصان کا احتمال بھی ہو تب بھی شوہر کی اطاعت کی جائے اور اس کے بلانے پر فوراً اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے مثلاً بیوی چولہے کے پاس ہو اور روٹی توے پر ڈال رکھی ہو اور اسی حالت میں شوہر جماع کے لئے بلالے تو اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ آٹے روٹی کا نقصان ہو جائے گا شوہر کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائے۔

وَعَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِي امْرَاَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا اِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ

لَا تُؤْذِيْهِ قَاتَلَكِ اللّٰهُ فَاِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيْلٌ يُوْشِكُ اَنْ يُفَارِقَكِ اِلَيْنَا۔

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ وقال الترمذی ھذا حدیث غریب)

''اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی (جنت والی) بیوی یعنی بڑی آنکھوں والی حور کہتی ہے کہ تجھ پر اللہ کی مار پڑے (یعنی اللہ تجھے جنت اور اپنی رحمت سے دور رکھے) اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچا کیونکہ وہ (دنیا میں) تیرا مہمان ہے جو جلد ہی تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس (جنت میں) آئے گا''۔ (ترمذی)

امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

شوہر کو تکلیف مت پہنچاؤ:

ایک دوسری روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ لعن الملائکۃ لعاصیۃ الزوج یعنی فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہے ان دونوں روایتوں سے جہاں شوہر کی نافرمانی کرنے یا اس کو تکلیف پہنچانے کی سخت برائی ثابت ہو رہی ہے وہیں یہ بھی واضح ہوا کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے وہ ملاء اعلیٰ یعنی آسمان کے رہنے والوں کے علم میں آجاتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُسْئَلُ الرَّجُلُ فِيْمَا ضَرَبَ امْرَاَتَهُ عَلَيْهِ

سنن ابی داؤد' کتاب النکاح' باب فی ضرب النساء' ح ۲۱۴۷۔

''اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر مرد اپنی عورت کو کسی (معقول) چیز پر مارے تو قابل

مواخذہ نہیں ہوتا''۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ)

نافرمان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں ہوگا:

''قابل مواخذہ نہیں ہوتا'' کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی کو مارنے سے کوئی گناہ لازم نہیں ہوتا کہ جس پر اس سے دنیا اور آخرت میں باز پرس ہو بشرطیکہ بیوی کو مارنے کی جو قیود و شرائط ہیں ان کو ملحوظ رکھا جائے اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔

لفظ علیہ کی ضمیر مجرور حرف ما کی طرف راجع ہے اور ما سے مراد نشوز (نافرمانی) ہے جو اس آیت وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ ...... میں مذکور ہے لہذا اس جملہ ''اس چیز پر مارنے'' کا حاصل یہ ہوگا جو مرد اپنی بیوی کو اس کی نافرمانی پر مارے تو وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

لیکن یہاں پر یہ حدیث درج کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شوہر اس حدیث کو پڑھ کر عورتوں کی ہر بات کو نافرمانی قرار دے اور مارنے پر ڈٹ جائے۔ ذرا انہیں نبی کریم ﷺ کی عملی زندگی پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ کیا اس میں کبھی ایسی نوبت آئی۔

قطعاً نہیں' حاشاللہ ازواج مطہرات سے کئی مواقع پہ ایسی غلطیاں بھی سرزد ہوئیں جو آج کل کی بیویوں سے ہوتیں تو شوہر نجانے کیا کر جاتے لیکن نبی کریم ﷺ نے کبھی اونچی آواز سے بھی نہیں ڈانٹا۔ میں نے فقط یہ حدیث عورتوں کی اصلاح کی خاطر تحریر کی تاکہ وہ شوہروں کی حدود کو سمجھیں اور حتی الوسع شوہروں کی چھوٹی موٹی ''گڑبڑوں'' پر اللہ کے حضور اپنی شکایت درج کروائے اور اس کی اصلاح کے لئے کسی اچھے موقع کی تلاش میں رہیں۔ ان شاء اللہ ایک دفعہ عقلمندی سے عمل کرنے سے اچھا شوہر دوبارہ ایسی حرکت کرتے ہوئے ہزار بار سوچے گا۔

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَتْ زَوْجِيْ صَفْوَانُ بْنُ

الْمُعَطَّلِ يَضْرِبُنِيْ إِذَا صَلَّيْتُ وَيُفَطِّرُنِيْ إِذَا صُمْتُ وَلَا يُصَلِّي الْفَجْرَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ قَالَ فَسَأَلَهُ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا قَوْلُهَا يَضْرِبُنِيْ إِذَا صَلَّيْتُ فَإِنَّهَا تَقْرَأُ بِسُوْرَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكَانَتْ سُوْرَةٌ وَاحِدَةٌ لَكَفَتِ النَّاسَ قَالَ وَأَمَّا قَوْلُهَا يُفَطِّرُنِيْ إِذَا صُمْتُ فَإِنَّهَا تَنْطَلِقُ تَصُوْمُ وَأَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا أَصْبِرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُ امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَأَمَّا قَوْلُهَا إِنِّيْ لَا أُصَلِّيْ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذَاكَ لَا نَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَإِذَا اسْتَيْقَظْتَ يَا صَفْوَانُ فَصَلِّ

سنن ابی داؤد' کتاب الصوم' باب المرأة تصوم بغیر اذن زوجہا' ح ۲۴۵۹

''اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر صفوان بن معطل' جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتا ہے اور وہ خود فجر کی نماز اس وقت پڑھتا ہے جب کہ سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ (جس وقت صفوان کی بیوی یہ شکایت کر رہی تھی اس وقت) صفوان رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی موجود تھے! راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان رضی اللہ عنہ سے ان کی بیوی کی ذکر کردہ باتوں کے بارے میں پوچھا تو صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "یا رسول اللہ! میری بیوی کا کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھ کو مارتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز (کی ایک ہی رکعت میں یا دو رکعتوں) میں دو (لمبی لمبی) سورتیں پڑھتی ہے حالانکہ میں نے اس کو (لمبی لمبی سورتیں پڑھنے) سے منع کیا ہے"۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کی تصدیق کے لئے فرمایا: "(سورۃ فاتحہ کے بعد) ایک سورۃ پڑھنا لوگوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے"۔ پھر صفوان نے کہا کہ اور اس کا کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روزے رکھے چلی جاتی ہے (یعنی ہمیشہ نفلی روزے رکھتی رہتی ہے) اور میں ایک جوان آدمی ہوں اور چونکہ رات میں مجھے مباشرت کا موقع نہیں ملتا' اس لئے اگر دن میں مجھے جماع کی خواہش ہوتی ہے تو) میں صبر نہیں کر سکتا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھے"۔ (پھر صفوان نے کہا کہ) اور اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلنے کے وقت نماز پڑھتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ہم کام کاج والے لوگ ہیں (زیادہ رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے رات میں سونا میسر نہیں ہوتا) اور ہم لوگوں کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ (جب ہم رات کے آخری حصہ میں سوتے ہیں تو) اس وقت جاگتے ہیں جب سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ عذر سن کر) فرمایا کہ "صفوان! جس وقت آنکھ

کھلے نماز پڑھ لو"۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ)

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے:

صفوان رضی اللہ عنہ زراعت پیشہ آدمی تھے وہ بہت رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے تھے اور پھر وہیں پڑ کر سو جاتے تھے اور چونکہ وہاں جگانے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اس لئے ان کی آنکھ دیر سے کھلتی تھی اس اعتبار سے وہ گویا معذور تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کی بناء پر ان کو حکم دیا کہ اگر تمہاری آنکھ وقت پر نہ کھل سکے تو جب بھی جاگو پہلے نماز پڑھو اس کے بعد کسی اور کام میں لگو۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم كَانَ فِىْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَلَهٗ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَلَكَ فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَلَوْكُنْتُ اٰمُرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَلِاَ حَدٍلَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَلِزَوْجِهَا وَلَوْاَمَرَهَااَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلِ اَسْوَدَاِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِىْ لَهَا اَنْ تَفْعَلَهٗ۔ (رواه احمد)

سنن ابن ماجہ' کتاب النکاح' باب حق المرأة علی الزوج' ح ۱۸۵۲۔

"اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا (یہ دیکھ کر)

آپ ﷺ کے صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! (جب) چوپایہ (جانور) اور درخت آپ ﷺ کو سجدہ کرتے ہیں (جو ناسمجھ ہیں اور آپ ﷺ کی تعظیم واحترام کے مکلف بھی نہیں ہیں) تو ہم (ان سے) زیادہ اس لائق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کریں''۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی (یعنی میری) تعظیم کرو، اگر میں کسی کو کسی (غیر اللہ) کا سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا تو یقیناً عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے! اگر اس کا شوہر اس کو یہ حکم دے کہ وہ زرد رنگ کے پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سیاہ پہاڑ پر لے جائے اور سیاہ پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سفید پہاڑ پر لے جائے تو اس عورت کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے شوہر کا یہ حکم بجالائے''۔ (احمد)

سخت سے سخت حکم میں بھی شوہر کی اطاعت کرو:

''اپنے پروردگار کی عبادت کرو'' کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ دراصل عبادت ہے اور عبادت کا مستحق صرف پروردگار ہے، اللہ کے علاوہ کوئی بھی ذات خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو کسی کا معبود نہیں بن سکتی تو مجھے اپنا مسجود بنا کر گویا مجھے خدا کی بندگی میں شریک کرنا چاہتے ہو، حالانکہ خدا نے مجھے نبی بنا کر تمہارے درمیان اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں تم سے اپنی عبادت کرا کر تمہیں شرک کی آلائش میں مبتلا کروں بلکہ میں تو اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں شرک کی ظلمت سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی کے راستہ پر لگاؤں اور تمہیں یہ تعلیم دوں کہ تمہاری اس مقدس پیشانی کو صرف خدا کے سامنے جھکنا چاہئے چنانچہ آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ﴾ (آل عمران ۳: ۷۹)

''کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ خدا تو اسے کتاب، دین کا فہم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ بلکہ (اس کو کہنا چاہئے کہ اے لوگو) تم اللہ والے بن جاؤ''۔

جہاں تک آپ ﷺ کو اونٹ کے سجدہ کرنے کا سوال ہے تو اس میں کوئی خلجان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اونٹ کا سجدہ کرنا خرق عادت (یعنی عادت اور قانون قدرت کے خلاف ایک انوکھی بات ہونے) کے طور پر تھا جو اونٹ کو اللہ تعالیٰ کے مسخر کر دینے کے سبب واقع ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم وفعل میں آنحضرت ﷺ کا کوئی دخل نہیں تھا پھر یہ کہ اونٹ معذور محض تھا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اس وجہ سے محل اشکال نہیں ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری پر مجبور تھے اسی طرح اونٹ کو بھی حق تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو سجدہ کرے اور وہ اس حکم کی تعمیل پر مجبور تھا۔

''اور اپنے بھائی کی یعنی میری تعظیم کرو'' کا مطلب یہ ہے کہ میری ذات اور میرے منصب کے تئیں تمہاری عقیدت ومحبت کا بس اتنا تقاضا ہونا چاہئے کہ تم اپنے دل میں میری محبت رکھو اور ظاہر وباطن میں میری اطاعت کرو۔

پہاڑوں کے رنگ کا مقصد ان پہاڑوں کے درمیان فاصلہ کی مسافت ودوری کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنا ہے کیونکہ اس طرح کے پہاڑ ایک دوسرے کے قریب نہیں

پائے جاتے لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو پہاڑ ایک دوسرے سے بہت دور واقع ہوں اور خاوند اپنی بیوی کو یہ حکم دے کہ ایک پہاڑ سے پتھر اٹھا کر دوسرے پہاڑ پر جاؤ تو بیوی کو اس سخت حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو اتنا سخت ترین حکم بھی دے تو بیوی کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اس حکم کو بجالائے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ لَهُمْ صَلَاةٌ وَلَا تَصْعَدُ لَهُمْ حَسَنَةٌ اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى مَوَالِيْهِ فَيَضَعُ يَدَهٗ فِىْ اَيْدِيْهِمْ وَالْمَرْاَةُ السَّاخِطُ عَلَيْهَا زَوْجُهَا وَالسُّكْرَانُ حَتّٰى يَصْحُوَ

رواه البيهقي في شعب الايمان

"اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسے تین شخص ہیں جن کی نماز (پوری طرح) قبول نہیں ہوتی اور نہ ان کی کوئی نیکی اوپر (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف) جاتی ہے ایک تو بھاگا ہوا غلام جب تک کہ وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آکر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہ رکھ دے (یعنی جب تک واپس آکر اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے حوالے نہ کر دے اور ان کی اطاعت نہ کرنے لگے۔ اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی) دوسری وہ عورت جس کا خاوند اس سے ناراض ہو اور تیسرا نشہ باز، جب تک ہوش میں نہ آئے۔ (اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے"۔

جس عورت کا خاوند ناراض ہو اسکی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی:

"مالکوں" یعنی جمع کے صیغے میں گویا مالک اور اس کی اولاد کی طرف اشارہ ہے کہ غلام کو صرف اپنے مالک ہی نہیں بلکہ اس کی اولاد کی بھی وفاداری کرنی چاہئے۔

ایک اور روایت میں لفظ زوجھا کے بعد حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهَا کے الفاظ بھی منقول ہیں یعنی جس عورت کا خاوند اس سے ناراض ہو اس کی نماز اس وقت تک پوری طرح قبول نہیں ہوتی اور اس کی کوئی نیکی اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ اس کا خاوند اس سے خوش نہ ہو جائے اس روایت میں ان الفاظ کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ یہ مفہوم خود بخود واضح ہے اور مراد یہ ہے کہ یا تو اس کا خاوند اس سے خوش ہو جائے یا اس کو طلاق دے دے۔

نیک بیوی کون ہے؟

عن ابی امامة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه یقول ما استفاد المؤمن بعد تقوی اللّٰه خیرًا له من زوجه صالحة ان امرها اطاعته وان نظر الیها سرته وان اقسم علیها ابرته وان غاب عنها نصحته فی نفسها وماله (ابن ماجه ص ۱۳۳ - مشکوٰة ص ۲۶۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاکؐ نے ارشاد فرمایا: مؤمن بندے نے تقویٰ کی نعمت کے بعد کوئی ایسی بھلائی حاصل نہیں کی جو نیک اور صالح بیوی سے بڑھ کر ہو (وہ یہ ہے) اگر شوہر کوئی بات کہے تو اسے پورا کرے' اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے' اگر شوہر کسی کام کے بارے میں قسم دے دے تو اسے پورا کرے' اگر وہ کہیں باہر جائے تو اپنی جان اور اس کے مال کے بارے میں خیر کا معاملہ کرے۔

فوائد

اس حدیث پاک میں تقویٰ کی نعمت کے بعد مرد کے لئے نیک وصالح بیوی کو بیان کیا ہے۔ واقعۃً متقی و پرہیزگار کو نیک بیوی مل جائے تو نورٌ علی نورٌ زندگی جنت نظیر ہو جائے گی۔ نیک بیوی کی چند علامتیں بیان کی گئی ہیں:

① شوہر دیکھے تو خوش کر دے۔ نیک بیوی کی بہت ہی اہم علامت ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اپنا رنگ ڈھنگ' صفائی ستھرائی شوہر کی مرضی کے مطابق رکھے کہ دیکھے تو اس کا دل خوش ہو جائے۔ خندہ پیشانی' چہرے کی مسکراہٹ سے اس کے ساتھ پیش

آئے' ایسا نہیں کہ گھر میں مرد آیا کہ بس منہ پھلانا شروع کر دیا یا تکلیف کا اظہار کر کے اس کو پریشان کر دیا۔ نہ ایسا کہ میلی کچیلی گندی پھر رہی ہے' شوہر نے دیکھا تو اس کا دل کڑھ گیا۔ اچھے عمدہ کپڑے' نظافت اور صفائی کے سامان رکھے ہیں مگر پھر بھی گندی کہ شوہر دیکھے تو منہ پھیرے کہ کیسی لگ رہی ہے۔ باہر دوسری عورتوں پر جب اس کی نظر پڑتی ہے تو یہ بھی سوچتا ہے کہ ہمارے گھر میں بھی صفائی اور زینت کا خیال رہے۔ ہاں جب باہر جائیں گی' شادی بیاہ میں جائیں گی' رشتہ داروں میں جائیں گی تو خوب بن سنور کر عمدہ سے عمدہ کپڑے پہن کر!! کیوں' دوسروں کو دکھانے کے لئے؟ سن لیجئے! شادی سے قبل بناؤ سنگھار' زیب وزینت درست نہیں' ہاں شادی کے بعد درست ہے اور یہ بناؤ سنگھار شوہر کے لئے ہے نہ کہ اجنبی اور غیر محرموں کے لئے۔ یہ گناہ کا کام ہے۔ ایسی عورتوں کو ایک حدیث میں زانیہ کہا گیا ہے۔ یہ لوگوں کو کم از کم آنکھ اور دل کے زنا کی دعوت دیتی ہیں' لوگوں کو اپنی جانب مائل کرتی ہیں۔ کم از کم یہ تو سوچتی ہی ہیں کہ کوئی عورت یا کوئی مرد دیکھے تو حیرت اور تعجب میں پڑ جائے اور تعریف کرے۔ کیسی بری بات ہے؟ عفت' حیاء' شرافت کے خلاف ہے۔ زیب وزینت سے شوہر کو خوش کرو۔

② قسم پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر بیوی پر اعتبار کرتے ہوئے قسم کھا لے۔ مثلاً: یہ کہے کہ بقسم! تم ایسا ضرور کرو۔ تو شوہر کی خوشی کے پیش نظر ضرور پوری کر دیتی ہے خواہ مشقت اور مزاج کے خلاف ہی کیوں نہ ہو

③ شوہر کے غائبانہ مال و جان کی بھلائی کا مطلب یہ ہے کہ آزاد نہ پھرے۔ اجنبی مردوں سے جھجک محسوس نہیں کرتی۔ مال کی بھلائی کا مطلب یہ ہے کہ بے جا اسراف سے مال نہ لٹاتی ہو' سامان حفاظت سے استعمال کرتی ہو۔ اس طرح جن لوگوں کو شوہر کی موجودگی میں مال اور کوئی سامان نہیں دیتی تھیں' ان کے غائبانہ میں بھی نہ دیتی ہوں۔ نہ اپنے رشتہ داروں کو اور نہ دوسروں کو۔

جنتی عورت کون؟

عن انس بن مالك رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: الا اخبركم بنسائكم فى الجنة؟ قلنا بلٰى يا رسول الله قال ودودٌ ولودٌ اذا غضبت اَوْ اُسِيئَ اليها او غضب زوجها قالت هذه يدى فى يدك لا اكتحل بغمضٍ حتى ترضى (ترغيب: ج ۳ ص ۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو جنتی عورت کے بارے میں نہ بتلا دوں کہ وہ کون ہے؟ ہم نے کہا: ضرور! اے اللہ کے رسول۔ آپ ؐ نے فرمایا: شوہر پر فریفتہ' زیادہ بچے دینے والی۔ جب یہ غصہ ہو جائے یا اسے کچھ برا بھلا کہہ دیا جائے یا اس کا شوہر ناراض ہو جائے تو یہ عورت (شوہر کو راضی کرتے ہوئے) کہے: میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں اس وقت تک نہ سوؤں گی جب تک کہ تم خوش نہ ہو جاؤ۔

فوائد

اس حدیث پاک میں جنتی عورت کی صفت بیان کی گئی ہے کہ جنت میں جانے والی یہ عورت ہے جس میں یہ اوصاف پائے جائیں:

وَدُوْدٌ بہت زیادہ شوہر سے محبت کرنے والی' شوہر پر فریفتہ کہ ذرا سی ناراضگی سے اس کا چین وسکون ختم ہو جائے۔ محبت و چین کا تعلق اس کا شوہر سے وابستہ ہوا سے ناراض چھوڑ کر الگ بیٹھنے والی نہ ہو۔ فریفتہ اور محبت کا یہ فائدہ ہوگا کہ دوسرے کی جانب

اس کا خیال و دھیان نہ جائے گا اور غایت محبت کی وجہ سے شوہر کی جانب سے کوئی تکلیف دہ امور ہو تو اسے برداشت کرلے گی۔ محبت کی وجہ سے کڑی بات بھی میٹھی ہو جاتی ہے۔ محبوب کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف محبت کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتی جس سے گھر کا نظام باحسن وجوہ چلتا ہے اور ہر ایک کو گھریلو سکون میسر ہوتا ہے جس کا فقدان ہے کہ معمولی بات بھی آپس میں محبت نہ ہونے کی وجہ سے دل میں چبھ جاتی ہے۔ عورت جب عشق و فریفتگی کا برتاؤ کرے گی تو سخت مزاج مرد بھی متاثر ہو کر دل میں اسے جگہ دے دے گا اور وہ بھی محبت کی بنیاد پر نامناسب امور کو برداشت کرتا رہے گا اور ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے محبت کی بنیاد پر صرف نظر کرتا رہے گا اور گھریلو نظام اچھی طرح چلتا رہے گا۔

اس حدیث میں ایک جنتی عورت کی ایک نہایت ہی اہم وصف و علامت بیان کی گئی ہے کہ وہ شوہر کی محبت بلکہ عشق میں سرشار ہو کر شوہر کی ذرا سی بھی ناراضگی کو برداشت نہیں کر سکتی اگر کسی بنیاد پر شوہر ناراض یا غصہ ہو جائے تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر غایت درجہ محبت و تعلق کا اظہار کرے کہ جب تک آپ راضی نہ ہوں گی' خوش نہ ہوں گے میں ایک پلک بھر نہ سوؤں گی۔ اللہ اکبر۔ کیا شان و آرام و محبت و عشق کا۔

کیا آج کل کی ماڈرن عورتیں ایسا کر سکتی ہیں؟ اگر شوہر ناراض ہو اور اس کا ناراض ہونا حق بجانب ہو تو بھی بیگم صاحبہ پوچھیں گی بھی نہیں' مزے سے بے خبر سو جائیں گی۔ اگر آج یہ وصف عورت میں پیدا ہو جائے تو پھر جنت نشان بن جائے۔

شوہر کیسا ہی بد مزاج سخت مزاج کیوں نہ ہو بیوی کی غایت محبت سے اس کی محبت وقدر ذہن میں بیٹھ جائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی قسم کی ایک حدیث مروی ہے کہ جسے امام نسائی نے بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا:

میں تم کو جنتی عورت نہ بتادوں؟ جو خوب محبت کرنے والی' زیادہ بچے جننے والی' شوہر کے پاس کثرت سے آنے والی کہ اگر اسے تکلیف دے دی جائے یا ہو جائے تو شوہر کا ہاتھ پکڑ کر کہے: میں پلک بھر نہ سوؤں گی جب تک کہ آپ خوش نہ ہو جائیں۔

(کتاب عشرت النساء۔ صفحہ نمبر ۲۱۹)

گویا کہ اس بات کی تعلیم ہے کہ شوہر ناراض نہ رہے۔ اپنی جانب سے اسے ناراض رہنے یا رکھنے کی شکل پیدا نہ کی جائے اور اس کی رضا جنت ہے۔

شوہر کی اطاعت کرنے والی ایک بیوی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے سب ہی واقف ہیں' خلفائے راشدین کے بعد انہیں کا شمار ہے۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک فرماتی ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے زیادہ وضو اور نماز میں مشغول ہونے والے تو اور بھی ہوں گے مگر ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔

عشاء کی نماز کے بعد مصلیٰ پر بیٹھ جاتے اور دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے اور روتے رہتے حتیٰ کہ اس میں نیند کا غلبہ ہوتا تو آنکھ لگ جاتی۔ پھر جب آنکھ کھل جاتی تو اسی طرح روتے رہتے اور دعا میں مشغول رہتے۔ چونکہ ان کی بیوی بادشاہ عبدالملک کی بیٹی تھی اس لئے باپ نے بہت سے زیورات اور جواہرات دیئے تھے اور ایک ایسا ہیرا دیا تھا جس کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ آپ نے بیوی سے فرمایا کہ دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرلو۔ یا تو وہ زیورات اللہ کے واسطے دے دو کہ میں اس کو بیت المال میں داخل کردوں یا مجھ سے جدائی اختیار کرلو۔ مجھے یہ چیز ناگوار ہے کہ میں اور مال ایک گھر میں اکٹھے رہیں۔ بیوی نے عرض کیا: وہ مال کیا چیز ہے؟ اس سونے کے ٹکڑے سے زیادہ (اور سونے چاندی کے جواہرات) پر بھی آپ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ کہہ کر سب مال بیت المال میں داخل کروادیا۔

تاریخ میں ایک ہی عورت گزری ہے جس کا باپ بھی بادشاہ' دادا بھی بادشاہ' بھائی بھی بادشاہ' شوہر بھی بادشاہ' ان سب کے باوجود شوہر کی منشاء' شوہر کے مزاج پر اپنے آپ کو ایسا فنا کیا کہ تاریخ آج تک اپنے اوراق کے نقوش پر ان کو یاد رکھتی ہے اور ان کے ایثار کی مثال مسلمان بچیوں کے لئے ہمیشہ مشعل راہ ثابت ہوگی کہ شوہر واقعی ایسا گل تر ہے کہ ایک چمن نہیں' ہزاروں چمن اور ان کی ہزاروں بہاریں اس پر قربان کردی

جائیں (اور قربان کرنے والی بھی کوئی معمولی عورت نہ ہو بلکہ رانی' شہزادی' ملکہ ہوتے ہوئے بھی شوہر کی رضا پر اپنی انا کو فنا کر دیا۔ یہ ہے اندر کا جذبہ اور ایثار) اور شوہر کے انتقال کے بعد جب عبدالملک کا بیٹا یزید بادشاہ بنا تو اس نے بہن سے دریافت کیا: اگر تم چاہو تو تمہارا زیور تم کو واپس دے دیا جائے؟ کہنے لگیں کہ جب میں ان کی زندگی میں اس سے خوش نہ ہوئی تو ان کے مرنے کے بعد اس سے کیا خوش ہوں گی؟

دیکھئے! زندگی میں تو نبھایا ہی لیکن شوہر کی وفات کے بعد بھی کوئی ایسا کام نہ کیا جو شوہر کو پسند نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ ہماری مسلمان بہنوں' بچیوں کو شوہر کی ہر جائز بات ماننا اور وفاداری کرنا سکھا دے۔ (آمین)

شوہر کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی

ہر شوہر بعض چیزوں کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند۔ نیک بیوی کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اس کے جذبات وخیالات میں اس کے موافق ہونے کی پوری پوری کوشش کرے سوائے ان چیزوں کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ بلکہ کوشش کرے کہ اس کی زبان سے نکلنے سے پہلے ہی ان کاموں کو کرے جس کو وہ چاہتا ہے۔ خود اپنے اٹھنے بیٹھنے میں' رہنے سہنے میں اسی طرح رہے جیسے وہ پسند کرتا ہے کیونکہ شوہر کے دل میں اپنے لئے ہمیشہ کی محبت پیدا کرنے کے لئے یہ سب سے بڑی اور اہم صفت ہے اس لئے کہ حسن وجمال چند دنوں کا مہمان ہوتا ہے۔ کتنی ہی حسین عورت ہو لیکن چند دنوں بعد شوہر کا دل اس کے حسن سے بھر جاتا ہے' کتنی ہی مالدار ہو لیکن مال کسی ہی لمحہ ساتھ چھوڑ سکتا ہے۔

اسی کو سلیمان حکیم کہتے ہیں:

الجمال كاذب ، والحسن مخلف وانما تستحق المدح المراة الموافقة

(پاؤڈر میک اپ کی) خوبصورتی جھوٹی ہے اور اصلی حسن بھی چند دنوں بعد ختم ہو جانے والا ہے۔ لیکن وہ عورت (موت کے بعد) بھی تعریف کی مستحق ہے جو مرد کے مزاج کے موافق بن جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں پانی پیتی تھی حالانکہ میں ماہواری کے ایام میں ہوتی۔ پھر آپ پانی پیتے' وہیں منہ لگاتے جہاں میں نے منہ لگایا ہے۔ (مشکوۃ۔ جلد ا ص ۵۶)۔

لہٰذا آپ بھی اپنے شوہر کے ساتھ اس سنت کو زندہ کیجئے۔ کبھی شوہر کا بچا ہوا پانی

لیجئے اور اسی جگہ سے پیجئے جہاں سے شوہر نے پیا تھا اور کبھی اپنا بچا ہوا پانی پلا دیجئے۔

یاد رکھئے! اگر کسی نوجوان کو ایسی نیک بیوی مل گئی تو وہ دنیا کا خوش قسمت انسان ہے اور دنیا کے انہی خوش قسمت انسانوں میں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن ان سے پوچھا: گھر والوں کا کیا حال ہے؟ کہنے لگے:

من عشرين عامًا لم ارما يبغضني من اهلي

بیس سال ہو گئے شادی کو، کوئی ایک دن ایسا نہیں گزرا کہ جس میں مجھے بیوی سے کوئی تکلیف پہنچی ہو۔

قال له وكيف ذاك؟

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

کہنے لگے: پہلی رات ہی جب میں بیوی کے پاس پہنچا، اسی وقت سے ہم دونوں کا مزاج ایسا ملا کہ اب تک ہم دو جسم ایک روح ہیں۔ جب میں پہلی رات بیوی کے پاس گیا تو دیکھا کہ الحمدللہ بہت ہی خوبصورت ہے۔ میں نے سوچا دو رکعت نماز پڑھ لوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کہ ایسی ہونہار بیوی ملی۔ تو جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ وہ بھی میرے ساتھ نماز پڑھ رہی ہے اور میرے سلام پھیرنے کے بعد اس نے بھی سلام پھیر دیا۔ پھر دعا کے بعد میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو کہنے لگی: صبر کرو اے ابوامیہ۔ پھر اس نے کہا:

ثم قالت: الحمدلله احمده واستعينهٗ واصلي على محمد واله انی امراة غريبة لا علم لی باخلاقك فبين لی ما تحب .... فاتيه.

وما تكره .... فاتركه وقالت: اِنهٗ كان لك فی قومك مَن تتزوجه من نسائكم وفی قومی من الرجال من هو كفؤٌ

لی ولكن اذا قضى الله امرًا كان مفعولاً وقد ملكت فاصنع ما امرك الله به = امساك بمعروف وتسريحٌ باحسان ....اقوال لی هذا فاستغفره الله لی ولك

اس نئی نویلی دلہن نے جو عربی میں خطبہ کہا اور چند سنہری جملوں میں اپنے شوہر کو خطاب کر کے زندگی بھر کے لئے شوہر کی نظر محبت اور نظر عقیدت کو حاصل کر لیا، کاش تمام مسلمان بہنیں عمر بھر قاضی شریح کی بیوی کے اس طرز عمل کو یاد رکھنے والی بنیں تو ان شاء اللہ آج بھی مسلمان گھرانوں میں قاضی شریح جیسے عالم، فقیہ، عادل جج پیدا ہو سکتے ہیں۔

اس کے مفہوم اور مقصد کی اصل حلاوت تو اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جو عربی زبان جانتی ہو۔ اللہ کرے کہ ہماری مسلمان بہنوں میں بھی عربی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہو جائے اور جو نہیں سیکھ سکتیں، وہ اپنی دوسری بہنوں اور بچیوں کو ضرور سکھانے کی کوشش کریں۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، میں اسی کی تعریف کرتی ہوں اور اسی سے (اپنی نئی زندگی کے تمام مراحل میں) مدد مانگتی ہوں۔ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ رحمت نازل فرمائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر۔

(میرے پیارے سرتاج!) میں ایک سیدھی سادی عورت ہوں، مجھے آپ کی چاہت کا پتہ نہیں۔ آپ مجھے بتلا دیں کہ آپ کن چیزوں کو پسند کرتے ہیں تو میں ہمیشہ ان کو کرتی رہوں اور جن چیزوں کو آپ ناپسند کرتے ہیں تو ان سے میں بچتی رہوں۔ پھر کہا کہ آپ کی قوم میں بہت سی ایسی عورتیں تھیں جن سے آپ نکاح کر سکتے تھے اور میری قوم میں بہت سے ایسے مرد

جو میرے ہم پلہ تھے میں ان سے نکاح کر سکتی تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ کر دیتے ہیں تو وہ ہو کر رہتی ہے۔ اب تم میرے سردار بن چکے ہو میں تمہارے نکاح میں آ گئی ہوں۔ تم وہ کرو جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے (پسند ہو تو) اچھی طرح رکھو یا بھلے طریقے سے چھوڑ دو۔ میری بات ختم ہوئی۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور آپ کے لئے گناہوں کی معافی چاہتی ہوں۔

شریح کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ خطبہ سنا تو اے شعبی! میں مجبور ہو گیا کہ میں بھی کچھ اس موضوع پر اس کو جواب دوں تو میں نے کہا:

احمد الله واستعينه واصلي على النبي وآله وسلم وبعد فانكِ قلتِ كلامًا ان ثبت عليه يكن ذالك حظك وان تدعيه لكن حجة عليك احب كذا وكذا...... واكره كذا وكذا...... وما رأيت من حسنة فانشريها وما رأيت من سيئة فاستريها.

ترجمہ: حمد وصلوٰۃ کے بعد (میری پیاری بیگم!) تم نے ایسی بات کہی ہے اگر تم اپنی بات پر جمی رہیں تو یہ تمہارے لئے بڑی سعادت ہوگی اور اگر تم اپنی بات سے پھر گئیں تو یہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوگی۔

میں ان چیزوں کو پسند کرتا ہوں (لہٰذا تم ان کو اختیار کرنا) اور ان ان چیزوں کو ناپسند کرتا ہوں (لہٰذا تم ان سے بچتی رہنا) اور (میں نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ) تم جو بھی بھلائی اور نیکی مجھ میں دیکھو اس کو پھیلانا اور جو برائی اور عیب دیکھو اس پر پردہ ڈال دینا۔ پھر اس نے کہا: میرے گھر والوں سے تم کو کیسی محبت ہے؟ تو میں نے کہا: میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اتنی مرتبہ ان کے پاس جاؤں کہ وہ اکتا جائیں۔

پھر اس نے کہا: تمہارے رشتہ داروں میں سے کن کو تم پسند کرتے ہو کہ میں ان کو آنے دوں اور کن کو ناپسند کرتے ہو کہ میں ان سے معذرت کر لوں؟

تو میں نے کہا: فلاں فلاں میرے رشتہ دار نیک ہیں ان سے ملنے میں تم کو حرج نہیں اور فلاں فلاں ہدایت کے محتاج ہیں لہٰذا ان سے بچنا۔

پھر قاضی شریح امام شعبی سے کہنے لگے:

فمكثت معي عشرين عامًا لم اعتب عليها في شئ الامرة وكنت لها ظالمًا

ترجمہ: وہ میرے ساتھ بیس سال رہی لیکن الحمدللہ کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ میں اس کو ڈانٹوں سوائے ایک مرتبہ کے اور اس میں بھی میری ہی طرف سے زیادتی ہوئی۔

(المراۃ المثالیہ فی اعین الرجال۔ صفحہ نمبر ۳۴)

اس قصے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دولہا دلہن کو شروع ہی سے ایک دوسرے کے مزاج کو پوچھ لینا چاہئے تا کہ ایک دوسرے کی پسند کا علم ہو جائے اور اس کو اپنانا آسان ہو جائے جیسے قاضی شریح کی اہلیہ نے پہلی رات ہی پوچھ لیا کہ آپ کیا پسند کرتے ہیں۔

اگر یہ مقولہ صحیح ہے کہ ہر مرد کے کمال کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے تو قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ اس کی زندہ مثال ہیں۔

یاد رکھئے! نکاح کے دو بول بولنے کے بعد اب نہ اپنے لئے کھانا نہ سونا' نہ اپنے لئے پہننا بلکہ سب کچھ اپنے سر کے تاج کے لئے' اپنے محبوب کے لئے ہو تو پھر جیسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آیا تو آپ کے گھر میں بھی ان شاء اللہ ضرور رب العالمین کی طرف سے سلامتی' برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں گی اور آپ کے بچے اس کی برکت سے آپس میں شیر و شکر ہوں گے۔ محبتوں کی فضاء قائم ہوگی اور یہ گھر بھی جنت کا نمونہ بن جائے گا۔

مثلاً: اگر آپ کے شوہر بھی الحمدللہ تہجد - اوابین وغیرہ کے عادی ہیں تو آپ بھی ضرور تہجد میں اٹھیں، ان کے ساتھ آپ بھی نوافل پڑھیں، ان کے ساتھ آپ بھی وقت نکال کر تلاوت کریں۔ یہ نہ سمجھیں کہ میرا کام صرف پکانا اور گھر کی صفائی اور بچوں کی تربیت ہے، نہیں بالکل نہیں۔ آپ ضرور وقت نکالیں اور جتنا ہوسکتا ہے بچوں کو بٹھا کر ایک وقت ضرور تسبیحات پڑھیے۔ بچوں کو بھی تسبیحات سکھایئے، اللہ کو پیارے پیارے ناموں سے یاد کرنا سکھایئے۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

شوہر کی محبت حاصل کرنے کے طریقے

شوہر کی محبت بیوی کیسے حاصل کر سکتی ہے؟ شوہر کیسا ہی بے پرواہ کیوں نہ ہو لیکن قدرت نے عورت کو ایسی طبعی رنگینیاں، سریلی آواز، مسکراہٹ بکھیرنے والی پیشانی، نرم خوئی اور نرم گوئی والی زبان، مائل کرنے والے اور گھائل کرنے والے دو ہونٹ، دل جوئی اور دلداری والی دو آنکھیں، نرم و نازک ہاتھوں کی انگلیوں کے پورے عنایت کئے ہیں کہ نیک بیوی ان کو استعمال کر کے اپنی ہر ادا سے شوہر کو اپنا اور صرف اپنا بنا سکتی ہے۔

کوئی عورت اگر یہ کہے کہ مجھ کو ایسا تعویذ دو کہ میرا شوہر مجھ سے محبت کرنے لگے تو اس پر بہت ہی تعجب ہوگا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب اس کی ہر ہر ادا کو تعویذ بنایا ہوا ہے، اس کی ہر ہر چیز میں جادو سے زیادہ اثر رکھا ہے تو پھر یہ کیسا تعویذ مانگتی ہے؟

ہاں شوہر اگر تعویذ مانگے کہ بیوی مجھ سے محبت کرنے لگ جائے تو سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ اس پر غور کیا جاسکتا ہے اور اس کی تدبیریں بتلائی جاسکتی ہیں لیکن عورت کا جسم نشوونما، اس کے خدوخال، اس کی آواز اور سب سے بڑھ کر اس کی جاں نثاری او ہمدردی والی صفت میں وہ کشش ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ کشش کے اعتبار سے زمرد کا کوئی پتھر، مقناطیس کا کوئی ٹکڑا اتنا اثر نہیں رکھتا ہوگا جتنا عورت، مرد پر اپنا اثر رکھتی ہے۔

لہٰذا سمجھدار بیوی کو شوہر کی محبت حاصل کرنے یا اس میں اضافہ کے لئے کسی تعویذ لینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن کسی کے مقدر میں ایسا شوہر آ گیا ہو جس کو سمجھداری سے گھائل اور مائل کرنے کی ضرورت ہو تو ہم اس کے دل کے بند تالے کھولنے کے لئے پانچ چابیاں پیش کرتے ہیں تاکہ نیک بیوی ان باتوں کا اہتمام کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے:

نگاہ:

سب سے پہلی چیز جو مرد کے دل و دماغ کو متاثر کرنے والی ہے' وہ اس کی نگاہ ہے کیونکہ پہلے آنکھ ہی فیصلہ کرتی ہے کہ یہ میرے لئے کیسی رہے گی' پھر اس کا دل ہاں یا نہیں میں فیصلہ کرتا ہے۔

اگر اس کی نگاہ بیوی کی اچھی حالت' اچھے صاف ستھرے چہرے اور لباس پر پڑتی ہے تو وہ اس کے دل میں اتر جاتی ہے اور اس کے دل میں اپنا ٹھکانہ بنا لیتی ہے۔ اسی لئے عرب کی ایک سمجھدار عورت نے اپنی بیٹی کو یہی نصیحت کی تھی:

فلا تقع عينه منك على قبيح

تمہارے شوہر کی نگاہ تم پر کبھی گندی اور بری حالت میں نہ پڑنے پائے یعنی ہمیشہ صفائی کا خیال رکھنا۔

اسی طرح عورت کو چاہئے کہ اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے سونے کے کمرے اور بچوں کی صفائی کا خیال رکھے۔

کیونکہ بعض ماہرین نفسیات نے لکھا ہے کہ ہم نے بہت سے مردوں کی آراء جمع کی ہیں تو ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کمرے کا صاف ستھرا ہونا اور اس میں ہرے رنگ کے پودے اور کچھ پھول وغیرہ رکھنا' اسی طرح بے جان خوبصورت قدرتی اشیاء کی سینری فریم کر کے لگانا اور بستر پر صاف ستھری سفید چادر جس پر سلیقے سے رکھے ہوئے تکیے دل کو راحت اور سکون دینے میں بہت ہی زیادہ مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

سننا:

نیک بیوی کی ایک ہی سریلی آواز مرد کو گرویدہ بنانے کے لئے کافی ہے۔ بہت ہی تعجب کی بات ہے جب کوئی عورت یہ کہتی ہے کہ میرا شوہر مجھے بہت مارتا ہے' ڈانٹتا ہے' میری بات نہیں مانتا' مجھے کہیں لے کر نہیں جاتا۔

حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو اتنی پیاری آواز دی ہے کہ اگر وہ اس کا صحیح استعمال کرے تو کیا کوئل کی کوک اور پرندوں کے نغمے اور کیا مینا کا چہچہانا' یہ سارے مناظر قدرت ایک طرف لیکن نرم دل و فرمانبردار بیوی کا ایک میٹھا بول! کہ جی میں حاضر ہوں' کہئے کیا حکم ہے۔ شوہر کے دل کو لبھانے' مردہ دل میں زندگی کی ایک نئی امنگ پیدا کرنے کے لئے بہت ہی زیادہ کافی وشافی ہے۔ اللہ تعالیٰ میاں بیوی دونوں کو شیریں بیان بنادے۔

سونگھنا:

بعضوں کو اس کا تصور ہی نہیں کہ قدرت نے سونگھنے کی طاقت میں کتنی تاثیر رکھی ہے خصوصی طور سے جنسی تعلقات کے اندر سونگھنے کی طاقت تو اطباء کے ہاں بھی مسلّم ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہر عورت کے غدود کے ذریعہ کھالوں سے ایک ایسی غیر حسی خوشبو مہکتی ہے جو مردوں کی عقلوں کو کھو سکتی ہے اور صدیوں سے مرد' عورت کی طرف اسی مہک کی وجہ سے مائل ہوتے ہیں۔ جس عورت میں جتنی زیادہ مہک ہوتی ہے' مرد اس کی طرف اتنے ہی زیادہ مائل ہوتے ہیں اور جس میں یہ کم ہوتی ہے' اس کی طرف کم میلان ہوتا ہے۔ (ماخوذ از المراۃ المثالیہ فی اعین الرجال۔ صفحہ نمبر ۴۷)

لہٰذا عورت کو چاہئے کہ وہ شوہر کے لئے خوشبو کا استعمال رکھے جو اس کی ناک کے ذریعہ اس کے دل و دماغ تک پہنچے اور خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ زیادہ ہو' مہک کم ہو مثلاً: خوشبودار مہندی' زعفران وغیرہ۔

لہٰذا بیوی کو چاہئے کہ وقتاً فوقتاً شوہر کے لئے ایسی خوشبوئیں استعمال کرے جو شوہر کو پسند ہوں اس لئے کہ عورت کا اپنے شوہر کے لئے آراستہ ہونا اور خوشبو لگانا آپس میں محبت اور الفت پیدا کرنے کے لئے بے حد مؤثر ہے کیونکہ خوشبو دلوں میں نشاط پیدا کرتی ہے۔ فرشتوں کو بھی اس سے راحت ہوتی ہے۔

خوشبو کی اہمیت اور اس کی اثر آفرینی کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطر لگا کر شاہراہوں پر نکلنے سے عورتوں کو منع فرمایا ہے تاکہ مرد کسی قسم کی آزمائش و فتنے میں مبتلا نہ ہوں۔ (الترغیب والترہیب۔ جلد ۳ صفحہ ۸۴)

نیز حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ تمہاری دنیا کی تین چیزیں مجھے پسند ہیں: عورت اور خوشبو اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ (کنز العمال۔ جلد ۷ صفحہ ۱۱۷)

اس لئے عورت کو چاہئے کہ تقریبات میں جاتے وقت خوشبوؤں کا استعمال بالکل نہ کرے تاکہ نامحرم مرد اس کی طرف مائل نہ ہوں۔ ہاں صرف اپنے شوہر کے لئے گھر میں استعمال کرے اور جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ بہترین خوشبو پانی ہے لہٰذا پانی کا زیادہ استعمال کرے۔ غسل، وضو، دانتوں کی صفائی وغیرہ کا زیادہ اہتمام کرے خصوصاً اپنے ایام مخصوصہ سے فارغ ہونے کے بعد بھی اچھی طرح خوشبو کا اہتمام کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل جنابت کی کیفیت دریافت کی۔

آپؐ نے اسے غسل کی کیفیت بتا کر فرمایا کہ مشک کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے طہارت حاصل کر لینا۔

اس عورت نے پھر دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ! مشک کے ٹکڑے سے میں کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس طہارت حاصل کر لینا۔

عورت نے پھر کہا: کیسے یا رسول اللہ۔

آپؐ نے فرمایا: سبحان اللہ (تو اتنا بھی نہیں جانتی کہ) طہارت کیسے کرے؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تب میں نے اسے اپنی طرف کھینچ کر رسول اللہؐ کی مراد بتلائی کہ مشک کے ٹکڑوں کو مخصوص مقام پر مل لینا۔

(کنز العمال۔ جلد نمبر ۹ ص ۱۷۸)

اسی طرح شوہر کے کمرے میں بھی خوشبو چھڑکنے کا یا خوشبودار لکڑی کی دھونی

دینے کا اہتمام کرے نیز اچھی سے اچھی خوشبو شوہر کو بھی اپنے ہاتھوں سے لگا دے اس لئے کہ یہ بھی ایک سنت عمل ہے اور اس کا دنیوی فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے میاں بیوی میں محبت بڑھے گی اور سنت کی نیت سے عمل کرنے پر آخرت میں بھی اجر ملے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

طیبت رسول اللہ لحرمه حین احرم لحله قبل ان یضیض باطیب ما وجدت (مسلم: جلد ۱ صفحه ۳۷۸)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا (یعنی احرام کی نیت کرنے سے پہلے پہلے) اور جب حج کے ارکان سے فارغ ہوئے تو طواف زیارت سے پہلے پہلے جو بہتر سے بہتر خوشبو میرے پاس تھی، وہ میں نے لگا دی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں ہوتے تھے اور حضرت عائشہؓ مخصوص ایام کی وجہ سے مسجد میں نہ آ سکتی تھیں تو آپؐ اپنا سر مبارک حجرہ مبارکہ کے نزدیک فرما دیتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کنگھی کر دیتیں۔ (بخاری۔ جلد ۱ ص ۴۳)

لہٰذا آپ بھی کوشش کیجئے کہ جمعہ کے دن یا عام نمازوں کے لئے جانے سے پہلے شوہر کے جسم اور کپڑوں پر اپنے ہاتھوں سے خوشبو مل دیجئے، کبھی ان کے بالوں میں کنگھی کر دیجئے تاکہ آپ کو بھی اس عمل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔

مہمان داری

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَہٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْلِیَصْمُتْ (وفی روایۃ) بَدَلَ الْجَارِ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ۔

(متفق علیہ)

صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ، ح ۶۰۱۸۔

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی خاطر کرے، جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ بھلی بات کہے یا چپ رہے‘‘ اور (بخاری کی) ایک روایت میں (یعنی پڑوسی کا ذکر کرنے) کے بجائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے ناتے کو باقی رکھے، یعنی اپنے ناتے داروں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرے‘‘۔ (بخاری ومسلم)

مہمان کی خاطرداری کرنا کمال ایمان کی علامت ہے:

’’جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے الخ‘‘ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایمان کا پایا جانا مذکورہ باتوں پر موقوف ہے اور یہ کہ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مہمان کی خاطر نہیں کرتا یا اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ مؤمن نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اصل مقصد ان چیزوں کی اہمیت کو بیان کرنا اور ان پر عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ تاکید کرنا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو اطاعت وفرماں برداری کی راہ پر لگانے کے لئے یوں کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو اطاعت وفرماں برداری کر ظاہر ہے کہ اگر وہ اطاعت وفرماں برداری نہ کرے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہے۔

یا یہ مراد ہے کہ جس شخص کا ایمان درجۂ کمال کا ہوگا (یعنی جو مسلمان کامل الایمان ہوگا) اس کی شان یہی ہوگی وہ ان باتوں پر عمل کرے گا گویا ان چیزوں کو اختیار کرنا کمال ایمان کی علامت ہے۔

اکرام ضیف یعنی مہمان کی خاطر کرنا شرعی طور پر یہ ہے کہ جب کوئی مہمان آئے تو اس کے ساتھ کشادہ پیشانی، خوش خلقی اور ہنس مکھ چہرے کے ساتھ پیش آئے، اس کے ساتھ خوش گفتاری، نرم گوئی اور ملاطفت کے ساتھ بات چیت کرے اور اس کو تین دن تک اس طرح کھلائے پلائے کہ پہلے دن تو اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق کچھ پر تکلف میزبانی کرے، بشرطیکہ اس کی وجہ سے اپنے متعلقین ولواحقین کی حق تلفی نہ ہو اور پھر تین دن کے بعد (بھی اگر مہمان ٹھہرا رہے تو) اس کو کھلانا پلانا ’’صدقہ‘‘ کے حکم میں ہوگا کہ میزبان چاہے تو کھلائے پلائے اور چاہے کھلانے پلانے سے انکار کردے۔

’’اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے‘‘ یعنی یہ پڑوسی کا سب سے کم درجہ ہے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے ورنہ تو جہاں تک حقوق ہمسائیگی کا تعلق ہے وہ بہت ہمہ گیری نوعیت کے ہیں۔ چنانچہ بخاری ومسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ فلیکرم جارہ (تو اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ تکریم کا معاملہ کرے) اور بخاری و

مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ فلیحسن الی جارہ یعنی اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی اس چیز میں مدد کرے جس کا وہ اس سے حاجت مند ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرے۔ اسی طرح امام غزالی نے اربعین میں یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ ''تم جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر وہ (پڑوسی) تم سے مدد چاہے تو تم اس کی مدد کرو اور اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو' اگر وہ محتاج و مفلس ہو تو اس کو کچھ دو' اور وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو' اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو تو اس کو مبارک باد دو' اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کو تسلی دو' مثلاً اس کے ہاں کوئی موت ہو جائے تو اس کے گھر جا کر تعزیت کرو' اس کے مکان کے پاس اونچا مکان نہ بناؤ کہ اس کی ہوا وغیرہ رک جائے' اگر تم پھل وغیرہ خریدو تو تحفہ کے طور پر اس کے یہاں بھی بھیجو اور یہ ممکن نہ ہو سکے تو پھر تم اس (پھل وغیرہ) کو گھر میں پوشیدہ طور پر لے آؤ اور اپنے بچوں کو بھی تاکید کر دو کہ وہ اس (پھل وغیرہ کو لے کر گھر سے باہر نہ نکلیں تاکہ تمہارے پڑوسی کے بچے (تمہارے بچوں کو پھل وغیرہ کھاتا دیکھ کر اپنی محرومی کی بنا پر) رنج و افسوس نہ کریں اور تم اپنی ہانڈی (چولہے) کے دھوئیں سے اس کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور یہ کہ اس ہانڈی میں سے کچھ اس کے یہاں بھی بھجواؤ اور کیا تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا حق کیا ہے؟ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اپنے پڑوسی کا حق وہی شخص پہچانتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے''۔

''بھلی بات کہے یا چپ رہے'' کا مطلب یہ ہے کہ جب زبان سے کوئی بات نکالنے کا ارادہ کرے اور یہ معلوم ہو کہ وہ بات خیر و بھلائی کی ہے کہ جس پر ثواب ملتا ہے خواہ وہ واجب ہو یا مستحب' تب اس کو زبان سے نکالے اور اگر اس بات کی بھلائی اس پر عیاں نہ ہو اور یا اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ بات حرام ہے یا مکروہ ہے تو اس کو زبان سے نہ نکالے' حاصل یہ کہ بھلائی اس میں ہے کہ زبان کو حتی الامکان خاموش رکھا جائے' اگر

بولنا ضروری ہی ہو تو زبان سے وہی بات نکالی جائے جو خیر و بھلائی کی حامل ہو' نہ صرف یہ کہ حرام و مکروہ باتوں میں زبان کو مشغول رکھنا ممنوع ہے بلکہ مباح باتوں سے بھی زبان کو بچانا دانشمندی کا تقاضا ہے کہ مبادا مباح باتیں ہی زبان کو حرام باتوں تک کھینچ کر لے جائیں۔

''اپنے ناتے کو باقی رکھے'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ صلہ رحمی ایمان کی علامت ہے کہ جس شخص نے ناتوں کو توڑ ڈالا' وہ گویا اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والا نہیں ہے کیونکہ ناتا توڑنے پر جس عذاب سے ڈرایا گیا ہے اس کی پرواہ نہ کرنا اپنے ایمان کی خود نفی کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اَيُّمَا مُسْلِمٍ ضَافَ قَوْمًا فَاَصْبَحَ الضَّيْفُ مَحْرُوْمًا كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ نَصْرُهٗ حَتّٰى يَأْخُذَ لَهٗ بِقِرَاهُ مِنْ مَالِهٖ وَزَرْعِهٖ .(رواه الدارمي وابوداود وفي رواية له) وَاَيُّمَا رَجُلٍ ضَافَ قَوْماً فَلَمْ يَقْرُوْهُ كَانَ لَهٗ اَنْ يُّعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ

الدارمی' کتاب الاطعمہ' باب فی الضیافة'۔

''حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی قوم میں (کسی کے یہاں) مہمان ہوا اور اس نے محرومی کی حالت میں صبح کی (یعنی اس کے میزبان نے رات میں اس کی مہمان داری نہیں کی' تو اس کا ہر مسلمان پر یہ حق ہو گا کہ وہ اس کی مدد کرے' یہاں تک کہ وہ (جس شخص کے یہاں مہمان ہوا ہے) اس کے مال اور اس کی کھیتی باڑی سے مہمانداری کے بقدر (یعنی ایک مہمان کے کھانے پینے کے بقدر) وصول کرے''۔ (دارمیؒ

ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جو شخص کسی قوم میں مہمان ہوا اور ان لوگوں نے اس کی مہمان داری نہیں کی تو اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ان لوگوں کا پیچھا پکڑ لے اور ان کے مال و اسباب سے اپنی مہمان داری کے بقدر وصول کرلے"۔

مہمان نوازی کی اہمیت:

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے بھی مطلق ضیافت (مہمان داری) کرنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ علماء کرام اس کی تاویل کرتے ہیں لیکن یہاں اس کو تحریر کرنے کا مقصد فقط مہمانداری کی اہمیت واضح کرنا ہے۔ تاکہ ایک نئی نویلی دُلھن میں یہ احساس ہو جائے کہ شوہر کے جو مہمان (دوست، رشتہ دار وغیرہ) آتے ہیں اُن کی خاطر مدارات بالکل ویسے ہی کرے جیسے کہ اپنے گھر سے کسی کے آنے پر کرنے کی خواہش رکھتی ہے۔

میں تو ہر وقت کھانے کھلاؤ لیکن جیٹھ یا دیور کے گھر جاؤں تو وہ تو ایسی خدمت نہیں کرتے:

جی ہاں! یہی وہ باتیں ہیں جو ہمیں مردوں کو اکثر آپ سے سننے میں آتی ہیں۔ اب بتایئے کہ اس میں آپ کے شوہر کا کیا قصور ہے کہ اگر آپ اس کے بھائی کی طرف گئی ہیں اور اس کی بیگم نے آپ کی اچھی طرح سے خدمت نہیں کی۔ کیا آپ کے شوہر نے جا کر انہیں کہا تھا کہ جب ہم آئیں تو ہمیں مُنہ نہ لگانا۔

خدارا! ان باتوں پہ غور کیا کرے کہ کسی کے کرنے کی سزا دوسرے کو دینی اور وہ بھی اپنے شوہر کو کہاں کی عقلمندی ہے۔ اس سے آپ نے فقط اپنے ہی گھر کا ماحول خراب کیا اور حاصل کچھ بھی نہیں ہوا۔

یاد رکھئے! برائی کا بدلہ برائی نہیں ہے:

وَعَنْ اَبِیْ الْاَحْوَصِ الْجُشَمِیِّ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ فَلَمْ یَقْرِنِیْ وَلَمْ یُضِفْنِیْ ثُمَّ مَرَّبِیْ بَعْدَ ذٰلِكَ اَقْرِیْهِ اَمْ اَجْزِیْهِ قَالَ بَلِ اقْرِهٖ۔ (رواه الترمذی)

الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی الاحسان والعفو، ح ۲۰۰۶

"اور حضرت ابوالاحوص جشمیؒ اپنے والد حضرت مالک بن فضلہ رضی اللہ عنہ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، میں نے (ایک دن) عرض کیا کہ "یارسول اللہ (ﷺ) اگر میں کسی شخص کے ہاں سے گزروں یعنی اس کے یہاں مہمان ہوں اور وہ میری مہمانداری نہ کرے اور نہ میری مہمان داری کا حق ادا کرے اور پھر اس کے بعد اس کا گزر میرے یہاں ہو یعنی وہ میرے یہاں آکر مہمان ہو، تو کیا میں اس کی مہمان داری کروں یا اس سے بدلہ لوں یعنی میں بھی اس کے ساتھ وہی سلوک کروں جو وہ میرے ساتھ کر چکا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" (نہیں اس سے بدلہ نہ لو) بلکہ اس کی مہمان داری کرو"۔ (ترمذی)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ برائی کا بدلہ یہ نہیں ہے کہ تم بھی برائی کرو، بلکہ جس شخص نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا ہے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہی سب سے اچھا بدلہ ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

بدی را بدی سہل باشد جزا ☆ اگر مردے احسن الی من اساء

اللہ کے نیک بندے آپ کے دسترخوان سے کھانا کھائیں:

پیاری بیٹیو! بڑھے بوڑھے جب کھا چکتے ہیں تو آپ نے اکثر ان کے مُنہ سے یہ دعائیہ الفاظ سنے ہوں گے۔ میری زوجہ محترمہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ یقین جانئے! مجھے

آپ کے والد محترم کے منہ سے یہ الفاظ سن کر اتنا اچھا محسوس ہوتا ہے کہ جی چاہتا ہے ساری زندگی ان الفاظ کی مہک ہی میں گزار دوں۔ یہ بزرگوں نے کہاں سے مستعار لئے ملاحظہ فرمائیے حدیث مبارکہ:

وَعَنْ اَنَسٍ اَوْغَيْرِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَاْذَنَ عَلٰى سَعْدِبْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَقَالَ سَعْدٌ وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَلَمْ يُسْمِعِ النَّبِيَّ ﷺ حَتّٰى سَلَّمَ ثَلَاثاً وَرَدَّ عَلَيْهِ سَعْدٌ ثَلَاثاً وَلَمْ يُسْمِعْهُ فَرَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ فَاتَّبَعَهٗ سَعْدٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ مَا سَلَّمْتَ تَسْلِيْمَةً اِلَّا وَهِيَ بِاُذُنِيْ وَلَقَدْ رَدَدْتُ عَلَيْكَ وَلَمْ اُسْمِعْكَ اَحْبَبْتُ اَنْ اَسْتَكْثِرَمِنْ سَلَامِكَ وَمِنَ الْبَرَكَةِ ثُمَّ دَخَلُوْا الْبَيْتَ فَقَرَّبَ لَهٗ زَبِيْبًا فَاَكَلَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ اَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَاَفْطَرَعِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ۔

احمد بن حنبل۔

''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ یا ان کے علاوہ کسی اور (صحابیؓ) سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے (ہاں پہنچ کر ان سے) گھر میں آنے کی اجازت طلب کی' چنانچہ آپ ﷺ نے (دروازہ پر کھڑے ہو کر) فرمایا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! تم پر اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت نازل ہو (کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟)

''سعد نے (گھر میں سے) جواب دیا کہ ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور آپ ﷺ پر بھی اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت نازل ہو''۔ لیکن انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ جواب نہیں سنایا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ سلام کیا اور سعد رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ کو تین مرتبہ جواب دیا' لیکن آپ ﷺ کو سنایا نہیں' یعنی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سلام کا جواب تینوں مرتبہ قصداً بہت آہستہ آواز میں دیا تاکہ آپ ﷺ سن نہ سکیں' چنانچہ نبی کریم ﷺ (ان کا جواب نہ سن کر) واپس لوٹ پڑے اور حضرت سعد (رضی اللہ عنہ) نے جب یہ دیکھا کہ جس چیز کو میں نے حصول سعادت میں زیادتی کا ذریعہ بنانا چاہا تھا وہ میرے لئے بالکل ہی محرومی کا باعث بنی جا رہی ہے اور ایک طرح سے سوء ادبی کی صورت بھی پیدا ہو گئی ہے تو وہ لپک کر گھر سے نکلے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان' آپ ﷺ نے جتنی بار بھی سلام کیا میرے دونوں کانوں نے سنا اور حقیقت یہ ہے کہ میں (ہر بار) جواب بھی دیتا تھا البتہ میں اس جواب کو آپ ﷺ کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیتا تھا' کیونکہ میں آپ ﷺ کے زیادہ سے زیادہ سلام و برکت کا خواہش مند تھا (یعنی میرا مقصد یہ تھا کہ میرا جواب آپ ﷺ کے کانوں تک پہنچے تاکہ آپ جتنا زیادہ سلام کریں گے میرے حق میں اتنا ہی زیادہ حصول برکت و سعادت کا ذریعہ ہوگا) چنانچہ (حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس اظہار حقیقت اور عذر خواہی کے بعد) آنحضرت ﷺ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکان میں داخل ہوئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے لئے خشک انگور پیش کئے جن کو نبی کریم ﷺ نے کھایا'

جب آپ ﷺ کھانے سے فارغ ہوئے تو (حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کرتے ہوئے) فرمایا کہ ''اللہ کے نیک بندے تمہارا کھانا کھائیں' فرشتے تمہارے لئے استغفار کریں' اور روزے دار تمہارے ہاں افطار کریں''۔ (شرح السنۃ)

ایک ٹوٹکا جس سے شوہر کا بیشتر فارغ وقت

آپ کے ساتھ بسر ہو سکتا ہے

آج کل کی بیویوں کو جو سب سے بڑا گلا اپنے شوہروں سے ہے کہ ان کے پاس تو فارغ وقت ہی نہیں۔ صبح اٹھتے ہی اخبار' پھر ناشتہ باقی کا سارا دن تو اُن کا آفس میں گزرتا ہے' پھر وہیں سے شام کو پارٹ ٹائم نوکری کے لئے چلے جاتے ہیں اب گھر آئے تو رات ۸'۹ بج رہے ہیں بجائے اس کے کہ وہ گھر آ کر بیوی کے پاس چند لمحے گزارتے وہ ہیں کہ آتے ہی ٹی۔وی آن کیا اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ آیئے شوہر کے فارغ وقت کو اپنی خاطر مہیا کروانے کے لئے آپ کے ہاتھوں میں ایک چابی دیئے دیتے ہیں' جس کے لگاتے ہی شوہر کی نام نہاد مصروفیت کو تالا لگ جائے گا اور فارغ وقت ان شاء اللہ آپ کے لئے وقف ہوگا۔ ضرورت ہے تو عمل کی۔

اپنے گھر کو ٹی۔وی کی تباہ کاریوں سے بچایئے:

ٹی۔وی ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح لگ چکا ہے اور ہماری ثقافتی' سماجی' سیاسی' مذہبی و اخلاقی اقدار کو ملیامیٹ کرنے میں جتنا اس میڈیا کا ہاتھ ہے شاید ہی کسی اور شعبے نے اتنی جلدی معاشرے کو انحطاط کا شکار کیا ہو۔ کچھ لکھنے سے قبل اگر یہ مان بھی لوں کہ اس کے کچھ فوائد بھی ہیں تو یقین جانئے کہ نقصانات اتنے زائد ہیں کہ ان میں فوائد تو کہیں نیچے گہرائی میں چھپ چکے ہیں اور اسی وجہ سے میں نے چاہا کہ یہاں پر ٹی۔وی کے متعلق

نسبتاً تفصیل سے کچھ لکھوں تا کہ ایک بیوی اس کو پڑھ کر خود ہی تعین کر سکے کہ وہ اپنے گھر کو ٹی۔وی کی تباہ کاریوں سے کیسے بچائے۔

پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا میں کیا جائز ہے اور کیا ناجائز؟

ٹی یا اسی طرح دوسری جدید مصنوعات و مخترعات کے سلسلے میں یہ قاعدہ ذہن نشین رہے کہ اس کی ذات حرام و حلال نہیں بالذات اس سے حرمت و حلت کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کے فوائد و نقصان اس کے استعمالی نتائج مستقبل میں حاصل ہونے والے اُمور وغیرہ کو دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔قرآن و حدیث کی کسوٹی میں اسے جانچا جاتا ہے۔تب اس کے متعلق حرام ہے یا حلال کہا جاتا ہے۔اس کے اغراض و مقاصد اور نتائج اس کی حرمت و حلت کو ظاہر و نمایاں کرتی ہے۔چنانچہ ہم آپ کے سامنے ٹی وی کے مقاصد اور اس کے اغراض و نتائج اس کے استعمال کی نوعیت کو واضح کرتے ہیں تا کہ اس کا شرعی حکم آپ کے سامنے کھل کر آ سکے اور اس سلسلے میں کوئی شبہ یا تشنگی باقی نہ رہ سکے حق و باطل 'حرام و حلال کا راستہ روز روشن کی طرح آشکار ہو جائے۔

ٹی۔وی کی نشریات کا مختلف زاویوں سے ایک جائزہ:

ٹی وی کے پردوں اور اسکرین پر جو مختلف پروگرام نشر کئے جاتے ہیں اس کا غور سے تفصیلی جائزہ لیا جائے تو اس میں یہ پروگرام مختلف اوقات میں شائع ہوتے نظر آتے ہیں۔

① ذرائع ابلاغ۔خبریں' یومیہ واقعات' ملکی غیر ملکی دونوں قسم کی خبریں۔

② سیاسی اُمور۔ملکی اور غیر ملکی سیاسی احوال جس میں مباحثے' انٹرویو' تبصرے مستقبل کے لائحہ عمل ہوتے ہیں۔

③ تاریخی واقعات۔ٹیپو سلطان' اکبر وغیرہ کے واقعات۔

④ تجارتی اُمور۔تجارت کے متعلق خبریں' مصنوعات وغیرہ پر تبصرہ اور اشتہارائی

اُمور۔

⑤ طبی' ڈاکٹری اُمور۔امراض' علاج اور اس کے سلسلے کی نئی معلومات وغیرہ۔

⑥ اُمور خانہ داری' گھریلو زندگی' کھانا پینا اور صفائی وغیرہ کے متعلق معلومات وغیرہ۔

⑦ تعلیم و تربیت کے اُمور۔تعلیم و تربیت کے طریقے کس طرح ان کو درس دیا جائے لیکچر کا طرز بیان کیسا ہو۔چھوٹے بچوں کو کس طرح معاشرہ میں ترقی کی راہوں پر لائیں ان کا ذہن تہذیب و تعمیری کس طرح ہو۔

⑧ سائنسی معلومات۔سائنس کی ایجادات اور ترقی اس کے جدید انکشافات وغیرہ کا تذکرہ۔

⑨ فلمی پروگرام۔فلمی اور فلمی دنیا سے متعلق اُمور وغیرہ۔

⑩ تفریحی امور۔اس کے ضمن میں بہت سی چیزیں آ سکتی ہیں مثلاً موسیقی' نغمے' مشاعرے' افسانے' کہانیاں' مزاحیہ اُمور' ڈانس' ڈرامے' میچ' کھیل کود' تیراکی وغیرہ' پارکنگ' ماردھاڑ' قتل' اغوا' لوٹ' چوری ڈکیتی وغیرہ۔

⑪ مذہبی اُمور۔جیسے رام لیلا' مہابھارت' رامائن کا درس وغیرہ۔

یہ وہ اُمور ہیں جو ٹیلی ویژن پر ٹیلی کاسٹ ہوتے ہیں۔اب ہم ان پر شرعی اور فقہی نقطہ نگاہ سے بحث کرتے ہیں۔نمبر ۱ سے نمبر ۸ تک ہونے والے سارے پروگرام تو بالذات درست ہیں۔ان میں اپنی ذات کے اعتبار سے تو کوئی قباحت نہیں البتہ دوسرے خارجی واسطوں سے یہ ناجائز ہو جاتے ہیں۔ایک تو اس وجہ سے کہ ان کی اشاعت اور خبر کے سلسلے میں عورتوں کا ہی انتخاب ہوتا ہے۔کمسن' نوخیز لڑکیوں کا استعمال ان کے مقاصد کی غمازی کر رہا ہے۔اگر یہ خبریں مرد کے واسطے سے ہوں تب بھی تصویر کا بلاضرورت و شرعی استعمال ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔البتہ یہی امور کتابی شکل میں ہوں تو درست ہیں۔

۹، ۱۰، ۱۱۔ یہ تو ناجائز اور حرام ہیں۔ ٹی وی کے اہم ترین مقاصد میں یہی تفریحی اُمور ہیں۔ جنہیں منورنجن سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ ۸۵،۸۰ فیصد تو یہی پروگرام ان پر دیکھے جاتے ہیں باقی پندرہ فیصد اُمور ذرائع ابلاغ وغیرہ ہیں۔ غلبہ انہیں اُمور کا ہے جن میں عورتوں کے محاسن وعریانیت، رقص سرور سے لطف اور حظ حاصل کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ شریعتِ اسلامی اس کی کس طرح اجازت دے سکتی ہے۔ اسی کو مٹانے کے لئے تو یہ شریعت آئی ہے۔

بالفرض اگر یہ چیزیں نہ ہوں تب بھی اس کے آلہ لہو و لہوالحدیث ہونے میں کیا شبہ اور آلہ لہو ولعب کا استعمال شرعاً درست نہیں۔ جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے اہلِ دنیا ٹی وی کے نشہ میں آکر خواہ کتنی ہی تاویل کریں مگر صنف نازک کا استعمال، نیم عریانیت، بے پردگی و بے حیائی، مار دھاڑ قتل اغوا کے واقعات کے نتائج۔ اس کی حرمت کو حلت سے نہیں بدل سکتے اور صنف نازک سے لطف اندوزی کا یہ طریقہ ہرگز جائز نہیں ہوسکتا ہے۔

ٹی۔ وی امّ الفواحش:

قرآن وحدیث کی روشنی میں منکرات اور نواہی کو سامنے رکھتے ہوئے جب گہرائی سے مستقبل کے نتائج کو دیکھ کر غور کیا جاتا ہے تو ٹی وی اور سینما وغیرہ کبائر کا مرکز اور سرچشمہ معلوم ہوتا ہے۔ ٹی وی اور اس کی اسکرین پر ہونے والے گناہ کوئی ایک دو نہیں اور نہ کوئی معمولی اور کم درجہ کے ہیں بلکہ اہم اور شدید ترین کبیرہ گناہوں کو اور غضب الٰہی کو بھڑکانے والی جو شریعت ہی کے نہیں بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہیں، اپنے اندر سموئے ہے جس کا احساس سطحی نگاہ سے نہیں ہوتا۔ جہاں اس سے آخرت کا خسارہ ہے وہیں دُنیاوی نقصانات بھی ہیں۔ جو اہلِ بصیرت پر مخفی نہیں۔ خود اہلِ دنیا کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

ٹی وی کن کبائر اور فواحش کا مجموعہ ہے؟ احادیث وقرآن کی روشنی میں ہم آپ

کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وقت کا یہ عظیم فتنہ خدا اور رسول (ﷺ) کی مختلف نافرمانیوں کو اپنے اندر کس طرح لپیٹے ہوئے ہے۔ جس وجہ سے اس کو اُمّ الفواحش والخبائث کہا جاسکتا ہے تاکہ جو لوگ نادانی اور ناواقفیت کی وجہ سے اس میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ خدا اور رسول (ﷺ) کی ناراضگی اور دینی و دُنیاوی نقصان کو دیکھ کر اس عظیم فتنہ اور بُرائی سے اپنے آپ کو، اپنے اہل وعیال و متعلقین و اہل ایمان بھائیوں کو بچائیں۔ شریعت وسنّت کے مطابق زندگی گزاریں اور خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کرتے ہوئے دونوں جہان کی سعادت حاصل کریں۔ قیامت کی ہولناک ذلت ورسوائی سے بچتے ہوئے صالحین کے زمرے میں شامل ہوں۔

ٹی وی آنکھ کا زنا ہے:

ٹی وی کے اولین مقاصد میں عورتوں کے خطوط سے مردوں کو لطف اندوز کرنا ہے۔ ٹی وی کے پردوں پر عورتیں جو شیاطین کے جال اور پھندا ہیں۔ برہنہ، نیم برہنہ بے محابہ، کھلے سر، بازو و پیٹھ، پیٹ سینہ، پنڈلیاں کھولے ناچتی گاتی بانہوں میں بانہیں ملاتی، ہاتھوں میں ہاتھ دیئے دکھائی جاتی ہیں یا ایسے لباس میں ملبوس ہوتی ہیں۔ جس سے جسم کے سارے نشیب وفراز، اعضاء جوارح کی بناوٹی کشش سطح لباس پر نمایاں ہوجاتے ہیں۔ حسین، خوبصورت، عریاں، کمسن عورتوں کے ہوشربا رقص، ناچ گانے کے مسحور کن، لطف اندوز مناظر ہوتے ہیں۔ ان کا دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے جو حرام ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: آنکھیں زنا کرتی ہیں۔ ان کا زنا (نامحرم) عورتوں کو دیکھنا ہے۔
(ترغیب صفحہ ۳۶ جلد ۳)

نگاہ معصیت کو شیطان کا تیر کہا گیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

(ترغیب صفحہ ۳۶ جلد ۳)

شریعت کا حکم ہے اگر اتفاقاً کسی نامحرم پر نگاہ پڑ جائے تو فوراً پھیر لے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اے علیؓ! پہلی نگاہ (جو دھوکے سے اچانک پڑ گئی ہو) کے بعد دوسری نگاہ نہ ڈالو کہ یہ تمہارے لئے جائز نہیں۔ (ترغیب صفحہ ۳۵ جلد ۳)

ٹی وی میں نامحرم عورتوں کو اہتمام سے ہمہ تن ہو کر دیکھا جاتا ہے۔ نفسِ امارہ کو سیراب کیا جاتا ہے' جو حرام کام ہے۔ اسی وجہ سے کہ اچانک بھی عورتوں پر بھی نگاہ نہ پڑ جائے۔ مردوں اور عورتوں دونوں کو حکم ہے کہ نظر بچا کر نیچی کر کے چلا کریں۔ چنانچہ حکم خداوندی ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۝﴾

[النور ٢٤: ٣٠]

''آپ اہل ایمان سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو بچا کر نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے پاکیزگی ہے یقیناً جو وہ مرتے ہیں' وہ خوب خبر رکھنے والا ہے''۔

اسی نظر کے حفاظت کے پیش نظر آپ (ﷺ) نے راستوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے کہ اچانک نامحرم عورتوں پر نظر نہ پڑ جائے۔ اس لئے بازار کو حدیث پاک میں ''شر البقاع'' بدترین مقام کہا گیا ہے کہ بازار میں اس سے بچنا مشکل ہے۔ جس شریعت اور جس خدا و رسول (ﷺ) نے نظر کی اس درجہ حفاظت کی تاکید کی ہے۔ آج اس کے نام لیواؤں کا حال یہ ہے کہ ٹی کے پردوں پر عورتوں کی بے حیائی کے مناظر نہایت ہی شوق و اطمینان کے ساتھ دیکھتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں اور زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ کی پناہ۔

ٹی وی کان کا زنا ہے:

ٹی وی کے پردوں پر گانے' اشعار' غزل' خوش کن نغمے' کمسن' نیم عریاں رقاصاؤں اور فن کاروں کے حسین' دل لبھانے والی جاذب آوازیں۔ سازوں اور طبلوں کی تھاپ' پائل اور گھنگھروں کی جھنکاریں' موسیقی کے مست مسحور کرنے والے نغمے' فحشانہ محبت و عشق کی گفتگو۔ نیم عریاں' کم سن عورتوں کی اناؤنسری اور خبروں کی آوازیں۔ یہ سب کان کا زنا ہے۔ حدیث پاک میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کان زنا کرتا ہے اور اس کا زنا نامحرم کی آواز کا سننا ہے۔

(ابوداؤد ص ۲۹۳)

نامحرم کی آواز کا سننا حرام ہے۔ ایسی آواز کے سننے پر سخت وعید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو کسی گانے والے کی آواز سننے بیٹھے۔ اللہ پاک قیامت کے دن اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالے گا''۔

(زواجر ص: ۲۷۰' ج ۲)

اب بتایئے جو لوگ ٹی وی پر عورتوں کی اناؤنسری اور ان سے خبریں سنتے ہیں یا اپنے کانوں میں رقاصاؤں کے رقص و سرور کی آوازیں ڈال کر لطف اندوز ہوتے ہیں' ان کا کیا حال ہوگا۔ کیا ایسی اناؤنسری اور خبریں جائز ہوں گی؟ ہرگز نہیں۔ یہ سب کان کے زنا میں داخل ہیں۔

ٹی وی دِل کا زنا ہے!

ٹی وی کے پردوں پر برہنہ' نیم برہنہ' دلکش چست لباسوں میں نامحرم کو دیکھنا اور گانے اور مختلف نوع کی جاذب دِل لبھانے والی آوازوں کو سننا اور اس سے لذت اور حظ کا محسوس کرنا۔ دل کا اس کی جانب شوق و رغبت سے مائل ہونا۔ اس کی لذت آمیز شہوانی اُمور کو سوچنا اور اس کے تصور سے مزہ لینا' یہ دل کا زنا ہے۔ یہ دل کا زنا تو ہر وقت

رہتا یا رہ سکتا ہے۔ کان تو سننے کے وقت' آنکھ تو صرف دیکھتے وقت زنا کرتی ہے مگر دل کا زنا تو اس وقت بھی اور اس کے بعد بھی کہ اس کا تصورّ' خیال' سوچ اور اس کے دھیان سے لطف اندوز ہونے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ چنانچہ شیطان ان مناظر کو جو دیکھے ہوئے ہیں۔ خیال و تصورّ کی دُنیا میں پیش کر کے مزے دلاتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے چلتے پھرتے' اُٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے' ہر وقت دِل کے سنگین زنا میں مبتلا رہتا ہے۔ چنانچہ بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں ہے:

((والنفس يتمنى ذلك وتشتهيه وفهذه كله يسمى زنا لانه من دواعي الزنا)) (صفحه ۲٤٠ جلد ۲۲)

تمنا اور تصورّ و لطف اندوزی دل کا زنا ہے۔ افسوس کہ دل کا کام یادِ خدا میں مشغول رہنا تھا۔ جو دِل یادِ خدا اور تصور خدا کا محل تھا کہ اس دل میں صرف خدا کی یاد' اس کا دھیان اس کی محبت رہتی وہ دل نامحرم' بے حیا عورتوں کے شیطانی مناظر' ٹی وی دیکھنے کی نحوست سے فحش خیالات کا آئینہ دار ہو رہا ہے۔ جس دل کا یہ حال ہو اس دل سے ہدایت اور عبادت و اطاعت کا کیا تصور ہو سکتا ہے۔ خدارا! اپنے دل کو یادِ خدا سے معمور کیجئے اور واہیات کا محل ہونے سے بچائیے۔

ٹی وی لہو لعب ہے:

ٹی وی لہو لعب ہے۔ اس کا مقصد ہی یہی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زائد بے حیائی اور فحاشی ہے۔ لہو لعب ان اُمور کو کہتے ہیں جس سے کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہ ہو۔ یہ اسلام کی بلند مزاجی اور علو معیاری ہے کہ اس نے ہر ایسے اُمور سے منع فرمایا ہے جس سے دارین کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ بعض کھیلوں کی ممانعت اور حرمت کی یہی وجہ ہے۔ اس دُنیا کو جو اطاعت و عبادت اور یادِ خدا سے عاری و خالی ہو لہو لعب کہا گیا ہے: ﴿اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ۔﴾ [محمد ۴۷ : ۳۶]

اہل ایمان کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ ہُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ [المؤمنون ۲۳:۳]

"(اہل ایمان) بے کار اُمور سے پرہیز کرتے ہیں"۔

معارف القرآن میں ہے: جو چیزیں انسان کو ضروری کاموں سے غفلت میں ڈالیں وہ لہو کہلاتی ہیں۔ بعض اوقات ایسے کاموں کو بھی لہو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ معتد بہ نہ ہو۔ محض وقت گزاری کا مشغلہ یا دل بہلانے کا سامان ہو۔

(صفحہ ۲۰ جلد ۶)

خیال رہے یہ تو اس لہو لعب کے متعلق ہے جس میں وقت گزاری ہو اور کوئی گناہ نہ ہو۔ ٹی وی تو اس سے بہت آگے ہے کہ وہ کبائر کا سرچشمہ ہے۔ اس میں ہر اعضاء کا گناہ ہے۔ نامحرم کی بے حیا تصویریں اور ان کی آوازیں' گانے وغیرہ سب حرام ہی تو ہیں۔ شریعت نے اس کھیل کی جس میں قوت ذہنیہ و فکریہ کی کچھ مشق بھی ہے۔ جیسے شطرنج اس کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ شطرنج کھیل کے متعلق احادیث میں سخت وعید ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: شطرنج والوں کو قیامت کے دن سخت ترین عذاب ہوگا۔ ایک روایت میں ہے شطرنج ملعون ہے۔ جو کھیلے وہ ملعون ہے اس کی جانب دیکھنے والا خنزیر کا گوشت کھانے والا ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ شطرنج کھیلنے والا خنزیر کے خون میں اپنا ہاتھ رنگنے والا ہے۔ (زواجر صفحہ ۳۲۰)

ٹی وی تو ایسا لہو لعب ہے جو کبائر میں مبتلا کرنے والا ہے۔ اس کی حرمت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ لوگو! ایسے لہو سے بچو جو غضبِ الٰہی کا باعث ہو۔

ٹی وی لہو الحدیث ہے:

قرآن مجید میں لہو الحدیث کے اختیار کرنے پر عذاب مہین' ذلت آمیز رسوا کن عذاب کا وعدہ ہے۔ سورۃ لقمان میں ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ﴾

[لقمٰن ۳۱ : ۶]

''اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ بچائیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائی اس کو ہنسی' اُن کو ذلت کا عذاب ہے''۔

لہوالحدیث کا مطلب...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے گانے والی عورتیں (گانے کا آلہ وسبب) مراد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ کفار قریش کے ایک شخص نے گانے والی ایک باندی خریدی تھی اس پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(مظہری صفحہ ۲۴۶ جلد ۷)

خیال رہے کہ ٹی وی بھی گانے والی 'لہوالحدیث میں داخل ہے۔

لہوالحدیث کی تشریح...... معارف القرآن میں اس طرح مرقوم ہے۔ جمہور صحابہؓ و تابعین اور عامۃ المفسرینؒ کے نزدیک لہوالحدیث عام ہے تمام ان چیزوں کے لئے جو انسان کو اللہ کی عبادت اور یاد سے غفلت میں ڈال دے۔ (صفحہ ۲۱ جلد ۷)

ٹی وی پر یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے اس کے پروگرام اور ریل کا کچھ ایسا سلسلہ چلتا ہے کہ جمعہ جماعت تو دُور کی بات کھانے پینے' سونے تک کا ہوش نہیں رہتا۔ رمضان کا دن ہو اللہ کی پناہ' افطاری کے وقت کوئی پروگرام چل رہا ہو تو افطاری تک چھوڑ دیتے ہیں۔ عورتیں اس طرح محو ہو کر نظارہ کرتی ہیں کہ بچہ بھوک کی وجہ سے رو رہا ہو تو کہتی ہیں رونے دو ایسے ہی روتا ہے۔ اگر ضرورت مند دروازہ پر دستک دے رہا ہے تو پرواہ نہیں۔ بوڑھے ماں باپ پانی یا دوا کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ تو ان کے لئے یہ بات بڑی گراں گزرتی ہے کہ اس لطف اندوزی کو چھوڑ کر ان کی خدمت کریں۔ کوئی دوسری ضرورت انجام دیں۔ خیال رہے کہ یہ تو اس وقت ہے جبکہ مباح کھیل اس درجہ محویت رکھتا ہو تو درست نہیں۔ لیکن ٹی وی تو اس سے بہت آگے ہے کہ اس میں گناہ وہ

بھی کبائر کی مشغولی کا انہماک ہے۔ یہ تو گناہ بالائے گناہ ہے۔ اس کی اجازت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ٹی وی لہو لعب اور لہوالحدیث کا ایسا سرچشمہ گناہ ہے۔ جس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں مشغول رہنا' دیکھنا دوزخ کے رُسوا کن عذاب کا باعث ہے۔ آج اس میں بڑا مزہ آ رہا ہے کہ کسی ناصح کی بات پر کان دھرنے کو تیار نہیں لیکن جب آنکھ بند ہوتے ہی فرشتوں کی مار اور انکی پٹائی پڑے گی تب ہوش آئے گا۔ مگر تب وقت نکل چکا ہوگا۔ اے ایمان والو! ذرا ہوش میں آ جاؤ۔ ذرا دیر کی لذت سے ایسی تباہی مت خریدو کہ خود ہی پر ملامت کرو۔

ٹی۔وی کا واحد مقصد فحاشی کو ''پرموٹ'' کرنا رہ گیا ہے:

ٹی وی فحاشی بے حیائی کا آلہ اور بہترین ذریعہ ہے۔ آن کی آن میں پوری دنیا کے کونے کونے میں اس کی اشاعت ہو جاتی ہے۔ ٹی وی کے پردے پر جو یورپ سے عریانی' برہنگی' چست لباسی فیشن کے بے حیا طریقے چلتے ہیں۔ پوری دنیا کے ہر ہر گھر میں آناً فاناً یہ پھیلتے ہیں۔ یہ اس کا اہم ترین فائدہ ہے۔

سورۂ نور میں فواحش اور گناہ کی اشاعت اور ترویج پر قرآن نے بڑی وعید ذکر کی ہے۔ چنانچہ حکم خداوندی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِيۡعَ الۡفَاحِشَةُ فِى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ﴾ [النور ۲۴ : ۱۹]

''جو لوگ فواحش (اخلاقی بری باتوں) کی اشاعت ایمان والوں میں پسند کرتے ہیں۔ اُن کے لئے دنیا اور آخرت سخت ترین سزا ہے''۔

چنانچہ! ٹی وی میں فواحش ہی کی تو اشاعت اور اس کا شیوع ہوتا ہے۔ فواحش کے شیوع کا اس سے آسان اور سہل طریقہ کیا متصور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ٹی وی میں جو نیم برہنگی' جنسی خواہشات کے حیا سوز طریقے اور قتل' ظلم' اغوا' مار دھاڑ' چوری' ڈکیتی' فرار

وغیرہ کے جو مفسدِ اخلاق طریقے دکھائے جاتے ہیں۔ ان سے متاثر ہو کر انہیں امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ نت نئے فیشن یہ اسی ٹی وی اور سینما کی ہی تو دین ہے۔ ٹی وی پر اس کی نمائش ہونے کی وجہ سے آئے دن اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں ظاہر ہے جو کمسن لڑکیاں نیم برہنگی' چست لباسی دیکھیں گی وہ پردہ اختیار کریں گی؟ جو جوان قتل' مار دھاڑ' اغوا وغیرہ کے واقعات دیکھیں گے وہ شرافت اور سنجیدگی اختیار کریں گے؟ ہر گز نہیں۔ افسوس مسلمان تو بے حیائی' بداخلاقی کو مٹانے آیا تھا نہ کہ اس کی اشاعت کے لئے۔ قرآن پاک نے تو فحش کرنے سے منع کرنے کے بجائے اس کے قریب بھی جانے سے منع کیا ہے۔ ایسے اسباب و آلات اختیار کرنے سے منع کیا ہے جس سے فواحش کا صدور ممکن ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حکم خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ﴾

''بری باتوں کے قریب بھی مت جاؤ''۔

ٹی وی فواحش کا داعی اور آلہ بلکہ عین فحاشی ہے۔ لہٰذا اس کے قریب جانا' اس کا استعمال کرنا' اس کی خرید و فروخت کرنا' کسی کو دینا' دیکھنے کے لئے لوگوں کو بلانا۔ حکم خداوندی کے اعتبار سے ناجائز اور حرام ہوگا اور دوزخ کے سخت ترین' تکلیف دہ عذاب کا باعث ہوگا۔ اے اسلام کے نام لینے والو! سوچو...... ٹی وی گھر میں لا کر فحاشی کی اشاعت' حکم خداوندی اور اس کی حدود کو پامال کر رہے ہو یا نہیں۔ خود کو بھی دوزخ اور اہل و عیال کو بھی دوزخ میں بھیج رہے ہو کہ نہیں' اللہ کے واسطے اپنے فائدہ کے لئے خود اور اہل و عیال کو دردناک سزا سے بچاؤ۔

ٹی وی اسراف ہے:

حکم خداوندی ہے:

﴿کلو واشربوا ولا تسرفوا﴾

کھاؤ پیو اور اسراف' یعنی فضول خرچ بے جا نہ کرو۔ خدائے پاک نے اسراف و فضول خرچی سے منع فرمایا ہے۔ اسراف نام ہے حدِ اعتدال سے آگے بڑھنے کا اور حد اعتدال یہ ہے کہ جائز اور مباح اُمور میں ضرورت کی حد تک مال خرچ کیا جائے۔ اور ٹی وی تو جائز اور مباح امور سے بڑھ کر ناجائز اور حرام میں داخل ہے۔ لہٰذا اس کا خریدنا تو بدرجہ اولیٰ اسراف ممنوع میں داخل ہوگا۔ ہلاکت' بداخلاقی' بے حیائی' آخرت میں بربادی کا سامان ہے۔ اس کے متعلق حد اعتدال سے گزرنے میں کیا شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ٹی وی کا لینا اور اس کا گھر میں رکھنا اللہ پاک کے حکم: ﴿لا تسرفوا﴾ کی مخالفت اور پامالی ہے اور حکم الٰہی کو توڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ دیگر گناہوں کے ساتھ اسراف کا بھی گناہ ہے جو کبیرہ ہے۔

شوہروں کو اپنی ازواج کی طرف سے بے پرواہ کر ڈالنے والا آلہ:

ٹی وی شیطان کا جال ہے۔ جس سے وہ لوگوں کا شکار کر کے جہنم میں پہنچاتا ہے۔

ٹی وی اور سینما کے اہم ترین مقاصد میں لوگوں کو خواہشات سے لطف اندوز کرنا ہے۔

اس کا سب سے بہترین ذریعہ عورتوں کے محاسن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے تمام پروگرام میں کمسن خوبصورت عورتوں کو دخل ہے۔ اناؤنسری کے میدان سے لے کر کھیل کے میدان تک میں یہ بات مشترک ہے۔ ٹی وی پر ٹیلی کاسٹ ہونے والے امور ذرائع سے متعلق ہوں یا تعلیم و تربیت سے عورتوں ہی کا استعمال ہے۔ ان تمام پروگراموں کے لئے اسی صنف نازک کا استعمال ہوتا ہے۔ جو کمسنی' خوبصورتی کے ساتھ دلکش نرم آواز کی حامل مخصوص کیفیت ادا کے ساتھ نیم برہنہ' چست' حسین لباسوں سے لذت اندوز کرنے والی ہوتی ہیں۔ اگر عورتوں کے یہ محاسن فحش' ذہنی مذاق' چھیڑ چھاڑ وغیرہ' نفس امارہ کو بھانے والی باتیں نہ ہوں تو کون اس کا خریدار ہوگا۔ اس کے لئے صنف نازک ہی ایک ایسی جاذب شے ہے جس کو ٹی وی کے پردوں پر لا کر شیطان اپنے پھندے میں جہنم کا شکار پھانستا ہے۔ یہ عورتیں شیاطین کا جال ہیں۔ ٹی وی کے پردوں پر شیطان

نے عورتوں کا جال ڈال دیا ہے۔ جس طرح شکاری مچھلی وغیرہ کا شکار چارہ سے کرتا ہے۔ اسی طرح یہ شیاطین عورتوں اوران کے محاسن کو چارہ کی طرح ڈال کر شکار جہنم کرتا ہے اور لوگ ہیں کہ چارہ کے لطف سے پھنستے جاتے ہیں۔ جس طرح مچھلی اور چوہے کو پھنسنے کا ہوش نہیں ہوتا اسی طرح خواہش نفس کے پیروں کو بھی ہوش نہیں رہتا۔

حدیث مبارکہ میں عورتوں کو شیطان کا جال بیان کرنا کی تشریح:

حدیث پاک میں عورتوں کو شیاطین کا جال فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سیوطی کی جامع صغیر کی طویل حدیث میں ہے: ((النساء حبالة الشیاطین.))

شیطان کے جال مانگنے کا واقعہ:

ابلیس لعین نے انسانوں کو ضلالت و گمراہی میں پھانسنے کے لئے جس کا انجام جہنم ہوگا۔ کوئی پھندا اور جال مانگا تاکہ اس جال سے شکار کر کے لوگوں کو جہنم میں ڈالے۔ اس واقع کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جسے ہم نہایت ہی اختصار سے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ ٹی وی اور اس کے پردوں پر عورتوں کے محاسن کی نمائش کی حقیقت آپ کے سامنے آجائے۔

ابلیس مردود جب بارگاہِ خداوندی سے راندۂ درگاہ ہوا تو قسم کھائی کہ میں انسان کو ضرور گمراہ کروں گا۔ اس کے بعد اس مردود نے خداوند کریم سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی مضبوط جال دیجئے جس میں وہ پھنسنے کے بعد وہ نکل نہ سکے تو خدا تعالیٰ نے مختلف جال اس کے سامنے پیش کئے۔ سب سے پہلے سونا، چاندی، گھوڑے وغیرہ پیش کئے گئے۔ مگر شیطان نے اسے پسند نہ کیا اور ناخوشی کا اظہار کیا تو خداوند کریم نے اس کے سامنے نہایت ہی بیش قیمت جواہرات پیش کئے کہ لو اس سے لوگوں کا شکار کرنا۔ شیطان نے اسے بھی ناکافی قرار دیتے ہوئے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اچھا تو اس کے علاوہ لو اور چرب شیریں کھانے، آتشی شراب اور بیش قیمت ریشمی کپڑے پیش کئے۔

شیطان مردود نے کہا: اس سے بہتر چاہئے۔ ایسا جال ہو کہ تو ڑکر جا نہ سکے۔ تب خدائے پاک نے شراب اور چنگ رباب کا سامان اس کے سامنے رکھ دیا اسے دیکھ کر شیطان کچھ مسکرایا اور خوش ہوا اور سمجھا کہ یہ جال پہلے جالوں سے بہتر ہے مگر پورا خوش نہیں ہوا۔ اس سے بڑے جال کی درخواست کی کہ ایسا جال دیجئے کہ میں اس کے منہ میں لگام کی طرح لگا دوں اور پھنسا کر جدھر چاہوں کھینچتا پھروں۔ بازار گلیوں میں ان کو لئے پھرا کروں تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کی درخواست پر آخری اور مضبوط جال دکھلایا اس کے سامنے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا حسن و جمال اور اس کے محاسن و ادا کو دکھایا تو شیطان اس جال کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہوا اور مارے خوشی کے ناچنے لگا۔ عورتوں کے اس حسن جمال کو دیکھ کر شیطان سمجھ گیا کہ یہ ایسا جال ہے جس سے کوئی بچ کر نکل نہیں سکتا۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

چوبدیدآں چشم ہائے پر خمار
کہ کند عقل و خردرا در خمار
واں صفائے عارض آں دلبراں
کہ بسوز دچوں سپندایں دلبراں

"جب اُس نے دیکھا کہ عورتوں کی آنکھیں ایسی پُر خمار ہیں کہ عقل و خرد پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ اس کے حسین رخساروں کی صفائی اور خوبی دل کو بخور کی طرح جلا کر رکھ دیتی ہے۔ غرض کہ جب اس نے عورتوں کے محاسن' چہرہ' خال' ابرو' حسن قامت وغیرہ کو دیکھا تو اُچھل پڑا اور اسی جال کو مانگا۔ خدائے پاک نے اُسے دے دیا۔ چونکہ یہی جال اس کو پسند آیا"۔

چنانچہ آپ پوری دنیا میں عورتوں کا فتنہ دیکھیں گے۔ پوری دنیا اس میں گرفتار ہے بڑے شہروں میں جا کر دیکھئے عورتوں کا کیسا فتنہ ہے۔ ٹی وی اور سینما میں دل لبھانے والی عورتوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ مختلف طور طریقہ سے اسے دکھایا جاتا ہے۔ عورتوں کے

اس جال سے وہ جہنم کا شکار کرتا ہے۔ لوگ ہیں کہ گناہوں میں مست کود رہے ہیں۔ لطف لذت کی وجہ سے اس گناہ میں مدہوش ہیں۔ اس سے ہٹنا الگ ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے گناہ میں جب مزہ اور لطف ہوتا ہے تو بڑا مہلک اور خطرناک ہوتا ہے ٹی وی مزے دار گناہ ہے۔ اس مضبوط جال سے مضبوط ایمان والے ہی بچ سکتے ہیں قرآن میں ہے:
﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ﴾ ''میرے بندوں پر شیطان تیرا غلبہ نہ ہوگا''۔
اللّٰھم احفظنا منھم۔

ٹی وی اور بے حیائی وفحاشی:

ٹی وی، سینما، بے حیائی فحاشی اور اس کی اشاعت کا کامیاب آلہ ہے۔ ان کے پردوں پر دکھائی جانے والی چیزیں معاشرہ اور اخلاق کے لئے تباہ کن ہیں۔ نیم عریانیت کے لطف آمیز مناظر۔ چست لباس، رقاصاؤں کے رقص، اجانب کے ساتھ بے محابہ گفتگو، عشق محبت کی ادائیں، ہنسی مسکراہٹ، ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر بلکہ اس سے اور بڑھ کر حیا سوز باتیں بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی بے حیائی کے لطف اندوز مناظر کی وجہ سے تو ٹی وی کی مانگ ہے۔

ٹی وی اور سینما کے پردوں پر جس قسم کی بے حیائی کے دل سوز مناظر ہوتے ہیں کہ شرافت انسانی کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

جس نبی نے اُمت کو بے حیائی سے جس قدر تاکید کے ساتھ روکا تھا۔ آج اُمت اسی کو اپنا رہی ہے اور اسی کو تہذیب زمانہ سمجھ رہی ہے۔

حیا اور اِس کی اہمیت:

خالق کائنات نے مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو خصوصاً کنواری میں یہ نعمت ودیعت زیادہ رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اخلاقی گناہ خواہش زنا سے محفوظ رہتی ہے۔ اس کے حق میں یہ ایک آہنی دیوار ہے۔ اسی لئے مشہور ہے:

((اذا فاتك الحيا فافعل ما شئت))

(ادب المفرد صفحہ ۵۵۹)

''جب حیا تجھ سے فوت ہو جائے تو پھر جو چاہے کر''۔

حیا ایک آڑ ہے اس کا ختم ہو جانا گناہوں پر دلیر کرتا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے بے حیائی سے منع اور حیا کی فضیلت ذکر کی ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: حیا ایمان کی شاخ ہے۔ (بخاری صفحہ ۳۹۸ مختصراً)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا: حیا ایمان ہے، ایمان سے جنت ہے۔ بے حیائی ظلم وگناہ ہے اور گناہ جہنم ہے۔ (ترغیب صفحہ ۳۹۸)

فائدہ: بے حیائی جہنم کا باعث ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: حیا اور قلت کلام ایمان کی باتیں ہیں۔ جنت سے قریب جہنم سے دُور کرنے والی ہیں۔ بے حیائی، فحش کلامی شیطان سے ہے اور جہنم کے قریب کرنے والی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: خدائے پاک جب کسی کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے حیا دور کر دیتے ہیں۔
(ترغیب صفحہ ۴۰۰)

(چنانچہ بے حیائی سے فواحش پر دلیر ہو جاتا ہے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: حیا اور ایمان ایک دوسرے کے ساتھی ہیں جب ایک جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔
(ترغیب صفحہ ۴۰۰)

آپ ؐ کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ بے حیائی جہنم کا باعث ہے اور اس کی اصل بے ایمانی ہے دوسرے آپ ٹی وی اور سینما وغیرہ پر غور کیجئے یہ۔ بے حیائی کا معلّم

ہے اوراس کا مشاق ہے۔ ٹی وی کے پردوں پر بے حیائی کے خوشنما مناظر دیکھ کر حیا جو ایک فطرتی آڑ تھی' ٹوٹ جاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں نیم عریاں' بلا دوپٹے کے لباس' فیشن سے آراستہ ہو کر محاسن کا اظہار کرتی پھرتی ہیں۔ اجانب کے ساتھ سیر تفریح کو نکل جاتی ہیں۔ بانہوں میں بانہ' ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر پردہ عصمت کا مذاق اُڑاتی ہیں' اجانب کے ساتھ بلا جھجک کھیل میں شریک ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ خلوت برتتی ہیں بلکہ زنا فواحش تک کا ارتکاب کر بیٹھتی ہیں۔ عریانیت و برہنگی یا دلکش فیشن واداؤں سے لوگوں کو زنا کی جانب اُبھارتی ہیں اور اسے تہذیب زمانہ' آزادیٔ نسواں قرار دیتی ہیں۔

بے حیائی کی انتہا:

کون سی ایسی بے حیائی ہے جو ٹی وی' ویڈیو' فلموں نے چھوڑی ہے۔ کیا آج بے حیائی کی انتہا نہیں ہوگئی ہے کہ گھر میں ٹی وی چلتا رہتا ہے۔ فلموں کی ریل لگی ہوتی ہے۔ بے حیائی کے حیا سوز مناظر' برہنگی' نیم برہنگی' بوس وکنار' لپٹ چمٹ کی تصویریں چلتی رہتی ہیں۔ گھر کے تمام افراد' بچے' بڑے' چھوٹے' ماں' باپ' بیوی' شوہر' بھائی' بہن' ساس' بہو ایک ساتھ بیٹھ کر بے حیائی کے مناظر دیکھتے ہیں بلکہ بعض موقعوں پر بے حیائی کے لطف اندوز مناظر پر تالیاں تک بجاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بے حیائی کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں بہو ساس کے سامنے شوہر سے کھل کر بات نہیں کر سکتی تھی۔ ایک چارپائی پر بغل میں بیٹھ نہیں سکتی تھی اور آج بے حیائی' زنا اور دواعی زنا کے مناظر ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھتی ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان لوگوں کے درمیان جو فطرتی حیا کی آڑ تھی وہ پاش پاش ہوگئی۔ بے حیائی کے مناظر دیکھ کر خود بے حیائی سیکھنے اور کرنے لگی۔ ماں باپ کے سامنے اجانب سے خلط اور اس کے ساتھ تفریح وکھیل کو نکل جاتی ہیں۔ والدین کچھ نہیں کہہ سکتے۔ تک تک دیدم دم نہ کشیدم۔ آخر انہیں کا تو سکھایا ہوا ہے۔

فرمانبردار بچیو!

اُمر بالمعروف ونہی عن المنکر پہ سختی سے عمل پیرا ہو جایئے:

ٹی وی نے آپ ﷺ کی ایک پیشین گوئی پوری کر دی۔ آپ ؐ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا اس وقت وہ اچھی باتوں کا حکم اور برائیوں سے منع نہیں کر سکیں گے۔ یہ بدترین زمانہ ہوگا۔ (مجمع صفحہ ۲۸۰ جلد ۷)

اے ایمان واسلام والو! بے حیائی کی جڑ اور اس کی بنیاد اُکھاڑ پھینکو۔ اپنے گھر' اپنی اولاد کی حفاظت کرو۔ حیا جو عزت وعصمت کا محافظ ہے۔ اسے ٹی وی کی منحوس فضاؤں سے پاش پاش نہ کرو۔ یہ بے حیائی دُنیا کے لئے بھی رُسوائی کا باعث ہے اور آخرت میں جہنم کی آگ اور اس کا اژدھا بن کر ڈسے گی۔

میرا ایک طالب علم ان سطور کی پروف ریڈنگ کے وقت کہنے لگا کہ استاد جی! میں گاؤں سے مدرسہ آتے وقت ہوٹل میں کھانا کھانے کے لئے رکا تو دیکھا کہ ایک بلیڈ کے اشتہار میں بھی عورت تھی۔

سبحان اللہ! کیا عورت کو فقط چیزیں بیچنے کی چیز بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

شوہر صاحب کے کانوں پہ تو ہیڈ فون ہی لگا رہتا ہے:

موسیقی آج سے نہیں صدیوں سے لوگوں کے دلوں کو لبھانے کا ایک آلہ بنی ہوئی ہے اور میں نے کچھ گھرانے ایسے بھی دیکھیں جو ٹی۔ وی سے تو اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے بچے ہوئے ہیں لیکن موسیقی کی لعنت میں گرفتار ہیں اور اب تو مرے کو مارے شاہ مدار کے مصداق موبائل فونز میں بھی موسیقی کا بندوبست کروا دیا گیا ہے۔

سیسہ سے کان بھرا جائے گا تب گانے کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اے گانے اور ٹی وی کے شوقین! کل ہونے والا انجام سوچ لو تا کہ افسوس وحسرت نہ ہو۔

جس گھر میں ٹی وی کا سلسلہ چلتا ہو خواہ خبر اور نیوز ہی کا سلسلہ کیوں نہ ہو۔ رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بدر المنتقی شرح ملتقی میں ہے:

لا تحضر الملئكة شيأ من الملاهی (ص:۵۵۳ جلد۲)

آلہ لہو لعب کے قریب فرشتے نہیں آتے لہٰذا معلوم ہوا کہ جس گھر میں ٹی وی ہو گا وہ گھر رحمت کے فرشتوں کی آمد سے دُور ہو گا۔

اسی وجہ سے آپؐ اُس گھر میں تشریف نہ لے جاتے۔ جس گھر میں جاندار کی تصویر ہوتی۔ ٹی وی سے بڑھ کر قابل نفرت تصویریں اور کس میں ہوں گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک غالیچہ خریدا جس میں تصویر تھی آپؐ نے (گھر آتے ہوئے) دیکھا تو دروازے ہی پر کھڑے ہو گئے اور اندر نہ آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ناراضگی کا اثر چہرے سے پہچان لیا۔ انہوں نے کہا: اللہ اور اس رسول (ﷺ) سے معافی۔ میں نے کیا جرم کیا؟ آپؐ نے پوچھا: اے عائشہ! یہ غالیچہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے اسے خریدا تا کہ آپؐ اس پر تشریف فرما ہوں اور ٹیک لگائیں۔ آپؐ نے فرمایا: تصویر بنانے والے کو قیامت میں عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا جو تم نے بنایا اس میں جان ڈالو۔ آپؐ نے فرمایا: جس گھر میں تصویر ہو ملائکہ اس میں داخل نہیں ہوتے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس گھر میں تصویر یا کتا ہو اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵)

یہ تو عام تصویروں کے متعلق ہے خواہ وہ انسانوں کی ہوں یا جاندار کی ٹی وی کے پردوں پر اور شیشے پر دکھائی جانے والی تصویریں تو فحاشی بے حیائی سے پُر ہوتی ہیں کہ

ایک شریف آدمی کی گردن مارے حیا کے جھک جاتی ہے۔ گو اوباش آوارہ مزاج لوگ اسی سے لطف حاصل کرتے ہیں۔ جہاں ایسی واہیات بے شرم تصویروں کے سلسلے لگے رہتے ہوں وہاں رحمت کے فرشتے کس طرح آ سکتے ہیں۔ ہاں ملائکہ عذاب وموت تو آتے ہیں۔ اب جو ٹی وی میں وی سی آر کی شکل پیدا ہو گئی ہے۔ اس سے تو ہر وقت اس کا سلسلہ لگا رہتا ہے۔ وقت کی بھی پابندی نہیں۔

اے ایمان والو! کیوں ایسا عمل کرتے ہو کہ ملائکہ رحمت سے تمہارا گھر محروم رہے۔ ملائکہ رحمت کی آمد تو دین دنیا کی خوبی اور شادمانی کی بات ہے اس سے تو شیاطین اور اس کی زیارت کا سلسلہ لگا رہے گا۔ جو دونوں جہان کے لئے ضرر اور مصیبت کی بات ہو گی۔ لہٰذا ٹی وی سے اسباب رحمت کو مت روکو۔

خاتون خانہ کے ہاتھوں مفاتیح الرزق ”رزق کی کنجیوں“ کا کھویا جانا:

گناہ اور گناہوں پر اصرار رزق اور اس کی برکت کو زائل کر دیتا ہے۔ آج کل عام طور پر مال کی فراوانی کے باوجود ضروریات کے سلسلے میں پریشانی اور فکر کی شکایت رہتی ہے۔ مال کی آمد ہے' کاروبار بھی بہتر ہے۔ مگر کہاں خرچ ہوتا ہے پتہ نہیں چلتا یا بسا اوقات آمد سے زائد خرچ کی نوبت آ جاتی ہے۔ اس میں جہاں اور اسباب کو دخل ہے وہیں خدا کی نافرمانی اور گناہ کو بھی دخل ہے۔

چنانچہ ٹی وی اور سینما کبائر کا مجموعہ ہے۔ جب ایک گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ رزق کو روک دیتا ہے اس کی برکت کو کھو دیتا ہے تو جو مجموعہ عصیان' سرچشمہ کبائر ہو اس کا کیا حال ہو گا حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: آدمی گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ (ترغیب صفحہ ۳۱۳ جلد ۳)

رزق کی تنگی میں گناہوں کو بہت دخل ہے۔ چنانچہ قوم سبا کو خدائے پاک نے گناہوں کی پاداش میں پاکیزہ رزق' پھلوں کے باغات سے محروم کر کے خاردار جھاڑیاں دے دی تھیں۔ جس کا مفصل واقعہ سورہ سبا میں دیکھا جا سکتا ہے۔

چنانچہ بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ انسان اچھی طرح زندگی بسر کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ غفلت یا بالقصد نفع یا لذت کی وجہ سے کسی کبیرہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے جس کی پاداش میں رزق کی برکت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور معاشی تنگی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ مسند احمد میں وہب رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ بندہ جب میری اطاعت کرتا ہے تو اس سے راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں تو برکت دیتا ہوں اس کو اور اس کی نسلوں میں اور میری برکت کی انتہا نہیں رہتی۔ (زواجر صفحہ ۱۴ جلد ۱)

خود قرآن پاک میں ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ [النحل ١٦: ٩٧]

جو مرد و عورت نیک عمل کرے گا۔ ہم اسے پاکیزہ زندگی سے نوازیں گے اور پاکیزہ زندگی وہ ہے جو امن و سکون، عافیت و برکت کے ساتھ ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ٹی۔ وی گناہ کبیرہ ہونے کی وجہ سے محرومی رزق یا بے برکتی کا باعث ہے۔ لوگو! اگر برکت اور عافیت چاہتے ہو تو گناہ چھوڑ دو تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کی بنیاد پر خدائے پاک بے گمان رزق دیتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

”جو شخص اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے اس کے لئے اللہ راستہ کھول دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے گمان نہیں ہوتا“۔

آپ کی لاپرواہیوں کا وبال، اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے

ہاں! ہاں! حاشا للہ...... ! مجھے پتا ہے کہ جو خواتین پچھلے صفحات پڑھیں گی وہ تو مجھے دعائیں دیں گی کہ ”مولوی صاحب! نے دیکھو کس اچھے طریقے سے بیوی کی اہمیت، عظمت اور شان بیان کی، چلو یہ اپنے شوہر کو بھی پڑھائیں، کہ انہیں بھی کچھ نصیحت حاصل ہو، لیکن جب ان صفحات پر پہنچیں

گی تو ایک کان سے سنا اور دوسرے سے...... کیونکہ یہاں تو معاملہ اب امتیازی شان سے آگے بڑھ کر عمل کرنے کا آ گیا ہے اور ہمارے معاشرے میں سب کچھ ملے گا، ناپید ہے تو فقط ”عمل“۔

جب گھروں میں گناہ عام ہوتا ہے تو سزا سب کو ملتی ہے:

ٹی وی ایسے گناہوں کا سرچشمہ ہے، جس کی وجہ سے آخرت تو دور کی بات ہے اسی دنیا میں اس کی سزا اور گرفت ہو جاتی ہے۔ آج ہر شخص پریشان اور مختلف قسم کے حوادث میں گرفتار ہے پریشانیاں عام ہیں چونکہ اس کا سبب گناہ کبیرہ عام ہے۔ گناہ کے عام ہونے کی وجہ سے سزا بھی عام ہے۔

چنانچہ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب گناہ ہماری امت میں عام ہو جائے گا تو خدائے پاک کی سزا بھی عام ہو جائے گی۔

(مجمع صفحہ ۲۶۸ جلد ۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب کسی قوم میں گناہوں کی کثرت، گناہوں کا رواج عام ہو جاتا ہے تو اللہ پاک اس میں موت زائد فرما دیتے ہیں۔ (صفحہ ۲۶۹ جلد ۵)

چنانچہ آج دیکھا جا رہا ہے کہ موت کی بڑی کثرت ہے۔ کہیں مہلک بیماریوں سے کہیں ایکسیڈنٹ سے، کہیں فساد وغیرہ سے۔

حضرت سہیل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صورتوں کے مسخ اور زمین کے دھنس کا واقعہ پیش آئے گا۔ پوچھا گیا کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب کو حلال سمجھا جائے گا۔

(ابن ماجہ، زواجر صفحہ ۲۷۰)

ایک حدیث میں ہے عنقریب ہماری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو ریشم، شراب اور گانے والیوں کو حلال بتائیں گے۔ (زواجر صفحہ ۲۷۰)

چنانچہ آج دیکھا جا رہا ہے کہ بہت سے لوگ جو ماڈرن ذہن کے ہیں وہ ٹی وی کو جائز اور حلال بتاتے اور سمجھتے ہیں۔ ٹی وی کے ناجائز کہنے والے کو پرانے زمانے کے جنگلی لوگ قرار دیتے ہیں۔ تمدن اور آزادیٔ نسواں کا مخالف اور دشمن سمجھتے ہیں۔ آج یہ پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے بے حیائی کے مناظر کو کھیل اور منورنجن کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ بہر حال بسا اوقات ایسا دیکھا جاتا ہے کہ آدمی وسعت فراوانی کے باوجود مصائب و آلام کے مہلک بھنور میں گرفتار رہتا ہے۔ ایک جانب مالی سہولت دوسری جانب جان لیوا پریشانیوں کا سلسلہ عام طور پر لوگ اس کا سبب مادی وسائل یا دنیاوی امور کو سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ اور زیادہ مادی وسائل اور دنیا میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ اس سے کام نہیں چلتا تو کچھ لوگ تعویذ گنڈوں کی جانب مائل ہوتے ہیں اور اسی طرح حیران سرگرداں رہتے ہیں۔ قانونِ خداوندی سے غافل ہونے کی بنیاد پر وہ سمجھ نہیں پاتے کہ اس کا سبب کیا ہے خدائے پاک نے اس کا سبب گناہ اور نافرمانی بتایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ [الشوریٰ ۴۲ : ۳۰]

"جو تمہیں مصیبت اور پریشانیاں پہنچتی ہیں، وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور بہت سا تو وہ معاف کر دیتا ہے"۔

معلوم ہوا کہ مصائب و حوادث کا سبب خدا کی نافرمانی ہے۔ چنانچہ بے حیائی اور فواحش کے ظہور سے طاعون اور مہلک امراض کا شیوع حدیث پاک سے ثابت ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس قوم میں فواحش اور بے حیائی کھلم کھلا ہو جائے تو طاعون اور دیگر مہلک امراض میں مبتلا کر دی جاتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

جب فواحش کا ظہور ہوتا ہے۔ تو ان پر موت (کی کثرت) کر دی جاتی ہے۔

(فتح صفحہ ۱۹۳ جلد ۱۰)

بنی اسرائیل پر طاعون کی بیماری فحاشی کی وجہ سے اتری تھی:

پہلی قوموں کی تباہی کے احوال پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ ان کی نہ صرف یہ کہ نوجوان نسل گمراہی میں مبتلا تھی بلکہ بڑے بوڑھے بھی ان کبائر میں مبتلا تھے۔

فتح الباری میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل پر طاعون کی مہلک بیماری اسی فحاشی اور زنا کی وجہ سے آئی تھی جس میں صرف ایک دن میں ۷۰ ہزار موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔

(فتح الباری صفحہ ۱۸۳)

ٹی وی سے فحاشی اور بے حیائی شائع ہوتی ہے اور پھر یہ طاعون اور دیگر مہلک امراض کے شیوع کا سبب بنتا ہے۔ خدا کی پناہ! کیسی ہلاکت کا باعث ہے یہ ٹی وی!

کیبل نے تو ٹی۔ وی کو "زہر میں بجھا آلہ" بنا ڈالا ہے:

اب آج کے دور میں تو ٹی۔ وی نے ایک نئی تباہی پھیلا ڈالی ہے اور وہ ہے کیبل۔ اب تو ہر گھر میں یا کم از کم شہروں میں تو تقریباً ہر گھر میں یہ بیماری پہنچ چکی ہے۔

طالب علم کو تنبیہ کی تو اس نے حیران کن انکشاف کیا:

میرے مدرسہ میں ایک طالب علم اپنے کسی ساتھی سے آہستگی سے کوئی بات کر رہا تھا کہ میرے کانوں تک وہ بات پہنچ گئی۔ میں نے اسے پاس بلا کر سختی سے ڈانٹا لیکن چند ہی لمحوں میں مجھے احساس ہوا کہ اتنا چھوٹا بچہ اور اتنی بڑی بات...... میرے پیار کرنے اور کچھ نصیحتیں کرنے سے بچے کا ڈر اترا اور وہ بتانے لگا کہ میری "ماما" مجھے شام کو کارٹون لگا دیتی ہے اور وہ اردو زبان میں آتے ہیں اس میں کارٹون کی آپس میں جب شادی ہوئی تو وہ ایک دوسرے کو یہ بات کر رہے تھے۔

مولانا! ہمارے گھر کا ماحول تو بڑا پاکیزہ ہے:

اب بتایئے! بندہ کرے تو کیا کرے۔ جب کچھ نصیحت کی جائے تو لوگ کہتے ہیں ہمارے گھر کا ماحول تو بڑا پاکیزہ ہے۔

اپنی اصلاح کیجئے یقین جانئے شوہر اپنی کمیوں کوتاہیوں پہ چند دن ہی میں قابو پالے گا:

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے وقت میں ایک دفعہ بارش نہ ہوئی لوگ عقیدت کی وجہ سے ان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت دعا کیجئے کہ بارش ہو جائے فرمایا میں کیا دعا کروں یہ میری ہی آفت ہے یہ میری ہی شامت اعمال ہے کہ بارش نہیں ہوتی۔ اس کو معتقدین کب تسلیم کرتے۔ عرض کیا کہ حضرت آپ تو مقبول بندے ہیں اور بزرگ ہیں اور چناں وچنیں ہیں۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نحوست ہے۔ ہمارے واسطے استغفار کردیجئے کہ حق تعالیٰ ہمارے گناہوں پر نظر نہ فرمائیں اور اپنی طرف سے رحمت نازل فرمادیں۔ فرمایا میں سچ کہتا ہوں کہ یہ میری ہی نحوست ہے جب تک میں شہر میں رہوں گا رحمت نہ ہوگی۔ لوگ مجبور ہوئے اور ان کو شہر سے باہر پہنچادیا۔ بس ان کا شہر سے نکلنا تھا کہ فوراً بارش ہوگئی۔ کیا ٹھکانہ ہے حق تعالیٰ کے معاملات کا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ ان کی تربیت کی تکمیل مقصود تھی اس واسطے ایسا ہوا کہ جب تک وہ شہر میں رہے بارش نہیں ہوئی تو اس میں یہ راز ہوسکتا ہے کہ اس تواضع پر عمل کرنے کی برکت سے بارش ہوئی ہو۔ غرض وہ لوگ خود اپنے آپ کو مٹاتے ہیں اور حق تعالیٰ بھی ان کے واسطے ایسا ہی سامان کرتے ہیں کہ ان کی ہستی مٹ جائے۔

صفائی کی اہمیت

جو سب کو سنوارتی ہے وہ خود بھی تو سنورے:

اسلام نے بہت ہی اہمیت کے ساتھ صفائی پر زور دیا ہے۔ غور کیجئے! اگر کوئی عورت بدبودار منہ سے نماز پڑھے گی تو فرشتوں کو کتنی تکلیف ہوگی۔ جس منہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے' قرآن کریم کی تلاوت کی جائے' اس کو صاف ستھرا نہ رکھنا کتنی بری بات ہے۔ جسم پر خوب اچھے اچھے پاؤڈر مل لینا' پرفیوم چھڑک لینا۔ یہ حقیقی صفائی نہیں بلکہ صفائی کا معیار تو یہ ہے کہ منہ سے بدبو نہ آتی ہو' دانت صاف ہوں' بدن کے غیر ضروری بال صاف ہوں' ناک اچھی طرح صاف ہو' ناخن کٹے ہوئے ہوں' انگلیوں کے پورے چمکتے ہوئے موتی کی طرح صاف ستھرے ہوں' پاؤں کے تلوے صاف ہوں اور سر کے بال صاف اور کنگھی کئے ہوئے ہوں۔

اگر کسی عورت کو اپنی صفائی کا معیار جانچنا ہو کہ آیا میں صاف ستھری کہلانے کی مستحق ہوں یا نہیں تو ان چیزوں میں صفائی ستھرائی دیکھ لے۔ پھر باورچی خانہ' فریج' باتھ روم وغیرہ کی صفائی دیکھ لے کیونکہ حقیقی صفائی تو وہ ہے جو ہمیں اسلام نے سکھائی ہے۔ اس میں خصوصیت سے دانت اور منہ کی صفائی بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ پان کھا کر یا چاکلیٹ وغیرہ کھا کر بغیر دانت صاف کئے سو جاتی ہیں اور بچوں کو بھی بغیر دانت صاف کروائے سلا دیتی ہیں۔

ہائے افسوس! اس جدید تہذیب نے ہماری اصلی تعلیمات کو بھی ختم کردیا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ

وسمعنا استنان عائشة ام المؤمنين فى حجرته

(شخصية المرأة المسلمة صفحہ ۱۰۶)

ترجمہ: ہم ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ سے ان کے دانت صاف کرنے کی آواز سنتے تھے۔

اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان لا يرقد من ليل ولا نهار فيستيقظ الا تسوك قبل ان يتوضأ (كنز العمال: جلد ۷ صفحہ ٤٤)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن میں کسی وقت بھی آرام فرماتے تو اٹھنے کے بعد وضو سے پہلے مسواک ضرور فرماتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک صفائی خصوصاً دانتوں کی صفائی کی اتنی اہمیت تھی کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر پر تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کرتے تھے؟

قالت بالسواك (مسلم: جلد ۱ صفحہ ۱۲۸)

ترجمہ: تو فرمانے لگیں: مسواک کرتے تھے۔

اس لئے ہماری گزارش ہے کہ درج ذیل باتوں کا خصوصیت سے اہتمام کریں:

① اپنے مسوڑوں اور دانتوں کے مناسب باریک یا موٹی مسواک لے لیں اور مسواک کو بھی صاف ستھرا رکھیں۔ ممکن ہو تو ہر دو تین دن بعد اس کا برش بدل لیں یا مسواک ہی بدل لیں۔

② کھانے کے بعد ضرور مسواک یا برش سے اچھی طرح دانت صاف کرلیں۔ پیاز یا لہسن کی طرح کی چیز کھا کر دانتوں کو اور ان کو کاٹنے کے بعد ہاتھوں کو خوب اچھی طرح صاف کرلیں۔

③ دانتوں کے درمیان خلال کرنے کے لئے مخصوص دھاگہ (Dental Flors)

لے کر دانتوں کے درمیان اچھی طرح خلال کرلیں تاکہ کوئی کھانے کی چیز رہ کر بیماری اور بدبو کا سبب نہ بنے اور ممکن ہو تو آئینہ دیکھ کر دانتوں کو صاف کرلیں۔

④ خود بھی پان اور اسی طرح کی دوسری چیزیں کھانے سے بچیں اور بچوں کو بھی بچائیں کہ اس کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔

⑤ رات کو سونے سے پہلے ضرور دانتوں کا خلال کرلیں۔ دانتوں کے درمیان کوئی ذرہ رہ جانے سے وہ رات بھر نئی نئی بیماریوں کے پیدا ہونے کا سبب بنتا رہتا ہے۔ اگر رات کو چاکلیٹ یا کوئی میٹھی چیزیں کھائیں تو پھر دانت خوب صاف کرلیں اس لئے کہ (Sweet eat Teeth) میٹھی چیز دانتوں کو کھا جاتی ہے۔

⑥ سال میں ایک مرتبہ ممکن ہو تو دانتوں کی کسی لیڈی ڈاکٹر سے اپنے دانتوں کا معائنہ کروائیں اور یاد رکھئے: دانت جتنے صاف ستھرے اور صحیح رہیں گے اتنے ہی جسم کے دوسرے اعضاء صحت مند رہیں گے کیونکہ صاف ستھرے دانتوں سے چبائی ہوئی غذا جسم کی تندرستی اور معدہ کی چستی کا ذریعہ ہوتی ہے جس سے سارے بدن کو تقویت اور صحت ملتی ہے اور پیٹ اور معدہ پورے جسم میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

دانتوں کی صفائی کتنی اہمیت رکھتی ہے اور اسلام میں اس کا کس قدر خیال رکھا گیا ہے اور شوہر کے دل میں بیوی کی محبت پیدا ہونے کے لئے دانتوں کی صفائی کتنی ضروری چیز ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا سکتی ہیں کہ جب حضور اکرمؐ نے ام سلیمؓ کو ایک عورت دیکھنے کے لئے بھیجا تو فرمایا:

شمي عوارضها وانظري الى عرقوبيها

(کنزالعمال: جلد ۱۶ ص ۱۶۹)

اس کے منہ کی مہک سونگھ لینا (اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے قریب بیٹھ کر باتیں کرنا کہ اس سے اندازہ ہوجائے گا کہ دانتوں کی صفائی کیسی ہے) کہیں دانتوں کو صاف

نہ رکھنے کی وجہ سے بدبو تو نہیں آرہی) اور ایڑیوں کو دیکھ لینا کہ (ان کے اوپر یا اطراف وغیرہ میں میل تو نہیں جمی ہوئی) اس سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ حضورؐ کسی عورت کو اپنے نکاح میں لینے کے لئے اس کی صفائی ستھرائی کا کتنا خیال فرماتے تھے۔

اسی طرح دانت صاف نہ رکھنے کی وجہ سے منہ میں ایک عجیب سی بو پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہر پاس بیٹھنے والے کو تکلیف ہوتی ہے تو آپ اندازہ لگائیں کہ شوہر کو کتنی تکلیف محسوس ہوگی۔ کتاب مفاتيح السعادة الزوجية صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے کہ اسلام نے عورت کو صاف ستھرا رہنے کی اس قدر تاکید کی ہے کہ جب شوہر کسی مدت کے لئے سفر پر گیا ہو تو واپسی سے پہلے شوہر کو تاکید کی گئی ہے کہ بغیر اطلاع کے گھر نہ پہنچے۔ اس کی وجہ بزبان وحی یہ بتلائی گئی:

لِكَيْ تمتشط الشعثة وتستحد المغيبة.

(بخاری: جلد ۲ ص ۷۸۹)

تاکہ بکھرے ہوئے (پراگندہ اور میلے کچیلے) بالوں والی عورت اپنے بالوں کو صاف کر کے کنگھی کر لے اور جن زائد بالوں کو دور کرنے کا حکم ہے انہیں دور کر لے۔

دیکھئے! ان دو مختصر جملوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی محبت کی خواہشمند نیک بیوی کے لئے کیسی پیاری نصیحتیں بیان فرمائی ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے:

یہ حکم سفر و حضر دونوں کے لئے عام ہوگا کہ بیوی کوشش کرے کہ شوہر کی موجودگی میں بھی اور اس کی غیر موجودگی میں بھی ان دو باتوں کا خصوصیت سے خیال رکھے۔

(فتح الباری۔ جلد ۹ صفحہ ۳۴۰)

اسی طرح بچوں کی صفائی ستھرائی کا بھی خصوصیت سے خیال رکھے کیونکہ ہمارے پاس کچھ ایسے شوہروں کے مسائل آئے ہیں کہ بچوں کی پیدائش کے بعد بیوی اتنی میلی

کچیلی رہتی ہے کہ ہمارے لئے گھر میں ایک گھڑی رہنا مشکل ہو جاتا ہے اور بچوں کو بھی اتنا گندہ رکھتی ہیں کہ ہم ان کو اپنے پاس بٹھا نہیں سکتے۔

خوب اہتمام سے بچئے! ان باتوں سے کہ جن سے آپ کا شوہر بچوں سے نفرت کرنے لگے۔ اس طرح آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہی اور اپنے بچوں کو باپ کی شفقت سے محروم کر رہی ہیں۔ خدارا! اس طرح اپنے بچوں کے مستقبل کو برباد نہ کیجئے۔

کیا پتہ اس بچے کی پیشانی میں صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی جھلک ہو۔

اس لئے ان کو ہر وقت ایسے صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کیجئے کہ گھر کے تمام افراد ان کو اٹھانے اور پیار کرنے پر اور ان کو اپنی دلی دعائیں دینے پر مجبور ہو جائیں۔

نانی دیکھے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔

دادی دیکھے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! اس پوتی کو نیک بنا۔

دادا دیکھے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! بہتر سے بہتر طریقے پر اس کی نشوونما فرما اور عافیت کے ساتھ اس کو پھولتا پھلتا رکھ۔

نانا، نواسی کو ہنستے ہوئے دیکھ کر یہ دعا دے:

اللہ تجھے ہنستا رکھے، کوئی غمی کا موقعہ نہ دکھائے۔

باپ دیکھے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! اسے ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

ماں دیکھے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! اس کے دل کو منور فرما اور اس کو نماز کا پابند بنا۔

ماں بچی کو روتا ہوا دیکھے تو یہ دعا دے:

اللہ تجھے کبھی نہ رلائے بلکہ دنیا وآخرت دونوں میں خوشیوں سے مالا مال کرے۔

چچا دیکھے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! اس بچی کو اپنے دین کی خادمہ بنا اور رسول اکرمؐ کے دن کی دعوت دینے والی بنا۔

پھوپھی دیکھے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔

اسی طرح بچہ کو بخار یا کوئی اور بیماری آئے تو ماں یہ دعا دے:

کوئی بات نہیں' اللہ نے چاہا تو فوراً بخار ختم ہو جائے گا اور یہ بخار گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہر ایسی بیماری سے شفا دے دے جو تم کو تکلیف پہنچائے۔

اب جس بچے یا بچی کو اتنی دعائیں اس کے خاندان والوں سے ملی ہوں اس بچے کو شیطان' جنات' آسیب کیسے چھو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اس بچے کی حفاظت فرمائیں گے اور اس کو اپنے دین کا خادم بنائیں گے۔

لہٰذا مندرجہ ذیل باتوں کا خصوصیت سے اہتمام کریں:

① روزانہ بچے کو گرمی میں تو کم از کم دو مرتبہ غسل کروائیں۔

② کپڑے گندے ہو جائیں تو فوراً بدل دیں۔

③ کسی قسم کی گندگی کا بچے کو عادی نہ بنائیں۔

④ بچے کے ناپاک بستر کو فوراً دھولیں۔ یاد رکھئے! گھر میں ناپاک کپڑے بالکل نہ رکھیں ناپاک جگہوں پر شیطان کو آنے کا موقع مل جاتا ہے جس سے گھروں میں مصیبتیں و پریشانیاں آتی ہیں۔

لہٰذا ناپاکی سے بہت بچیں اور بچے نے جس بستر یا چادر پر پیشاب کر دیا ہو اس کو

صرف سکھانے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اچھی طرح پانی سے دھو کر پاک کر کے پھر استعمال کریں اور اولاد کی تربیت کے متعلق کتاب ''مثالی ماں'' ضرور مطالعہ کریں جو الحمد للہ شائع ہو چکی ہے۔

یہاں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ بچے کو صاف ستھرا رکھیں' اس کی صحیح تربیت کریں۔ اگر خود کمزور ہوں اور سب کام خود نہیں کر سکتیں اور اللہ تعالیٰ نے گنجائش بھی دی ہے تو خادمہ رکھ لیں جو آپ کے کاموں میں ہاتھ بٹائے تاکہ بچے کی تربیت پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

اب ہم بچے کی تربیت کی اہمیت کے متعلق ابراہیم بن صالح کے اشعار نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو پڑھنے سے ہر ماں کے دل میں بچے کی تربیت اور اس کو دیندار اور حضورؐ کے دین کے خادم / خادمہ بنانے کا شوق عطا فرمائے - آمین یا ربّ العالمین۔

جس خوش قسمت عورت کو عربی آتی ہو وہ ان اشعار کو ضرور یاد کرے:

عود بنيك على فى الصغر كيما تقربهم عينك فى الكبر

فانما مثل الأداب تجمعها فى عنفوان الصبا كالنقش فى الحجر

اپنے بچوں کو چھوٹی عمر ہی سے اچھے آداب کا عادی بناؤ تاکہ بڑی عمر میں ان کو دیکھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں

(کیونکہ) بچپن میں آداب سکھا دینا اور اچھی طرح تربیت کرنا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پتھر پر نقش کر لیا ہو (جیسے وہ نہیں مٹتا ایسے ہی بچپن کی عادتیں پچپن تک چلتی ہیں)

اسی طرح صفائی کی اہمیت کے متعلق شیخ قطان کی کتاب ''سری للنساء'' کے کچھ پیارے اشعار ہم نقل کرتے ہیں:

لزوجة مطيعة عينك عنها راضية وطفله صغيرة محفوفة بالعافيه

وغرفة نظيفة نفسك فيها هانيه ولقمة لذيذة من يد اعلى طابهيه

خير من الساعات فى ظل القصور العاليه تعقبها عقوبة يصلى بنار حاميه

مفہوم: ایسی فرمانبردار بیوی جس کو دیکھ کر شوہر خوش ہو جائے اور میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی بچی دی ہو اللہ کی دی ہوئی عافیت میں لپٹی ہوئی ہے

اور اس بیوی نے اس کمرے کو ایسا صاف رکھا کہ جس میں آ کر شوہر راحت حاصل کرتا ہے اور اسے عمدہ لذیذ پکے ہوئے کھانے کا سادہ لقمہ جو ایسی نیک بیوی کے مبارک ہاتھوں سے شوہر کو ملے جو سب سے مہنگے فائیو سٹار ہوٹل سے بھی بڑھ کر ہو اپنے غریب خانہ میں جو گھڑیاں گزر جائیں وہ ان گھڑیوں سے بہتر ہیں جو ایسے محلات میں گزریں جن میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو کہ جس پر دہکتی ہوئی گرم آگ کا عذاب ہے جس میں گناہ گاروں کو داخل کر دیا جائے گا

نوٹ: لیکن اس صفائی ستھرائی میں اتنا مبالغہ نہ ہو کہ گھر کے ضروری کام رہ جائیں۔

چھونا:

یہ بات تو شادی کے بعد اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ میاں بیوی کے جسموں کا آپس میں ملنا دلوں کے ملنے کا سبب ہوتا ہے۔ قدرتی طور سے دونوں کے جسموں کی حرارت و گرمی خصوصاً عورت کے مسام سے حرارت باہر آتی ہے' دونوں کی کئی بیماریوں و پریشانیوں کا اس سے ازالہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا مسلمان بیوی کو اس لذت کے حاصل کرنے میں شوہر کی ضرورت و معاون بننا چاہئے۔ اگر شوہر ہاتھ لگا کر چھونا چاہے تو وہ اپنے جسم کو خود سے آگے کر دے بلکہ خود بھی اس کا جسم چھو کر اپنے جسم کو چھونے کی دعوت دے اور کوشش کرے کہ اس فانی لذت کے ذریعہ شوہر کو آخرت کی لذتیں یاد دلائے کہ یہ لذتیں تو ہمارے باپ دادا آدم علیہ السلام سے لے کر لوگ اب تک حاصل کرتے رہے اور دنیا سے چلے گئے' اس لذت کو کوئی ہمیشہ کے لئے حاصل نہیں کر سکتا۔ ہم بھی یہاں سے چلے جائیں گے لہٰذا ہم دیکھ لیں کہ کہیں ہماری زندگی میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ٹوٹ تو نہیں رہا۔ ہم کوئی ایسا کام تو نہیں کر رہے

جس سے اللہ رب العزت ہم سے ناراض ہو رہے ہوں لہٰذا ہم ابھی سے توبہ کر لیں اور سو فیصد اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنے میں گزاریں اور ان حکموں کو دنیا بھر کے تمام انسانوں کے اندر لانے کی کوشش و فکر کریں تاکہ ساری دنیا کے انسان آخرت کی حقیقی و دائمی لذتوں سے محروم نہ ہوں۔

چکھنا:

ذائقہ حاصل کرنے کا انسان کے پاس سب سے پہلا ذریعہ منہ ہے جو سر میں سب سے زیادہ حساس عضو ہے اور اس منہ کے ذریعہ سب سے پہلی چیز بوسہ ہے جو دونوں کے تعلق کی مقدار بغیر کسی تھرمامیٹر کے محبت کا درجہ اور اس کا وزن بتا دیتا ہے۔ یہ بوسہ ایسی گونگی چیز ہے جو بغیر کہے ہی سب کچھ کہہ دیتا ہے۔ ہزاروں محبت کی باتوں کے مقابلہ میں ایک پیار کا بوسہ زیادہ وزن رکھتا ہے۔ شوہر کا جب بیوی بوسہ لیتی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ نہ اس کے لئے کوئی وقت خاص کیا جا سکتا ہے' نہ کوئی طریقہ۔ یہ محبت کا فوارہ پھوٹنے پر دونوں کو بے قابو کر دیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا بوسہ لیں اور دونوں کو محبت کے جذبات کے اظہار پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ بوسہ لے کر اپنے آپ کو مطمئن کریں لیکن بعض اوقات ناسمجھ بیوی اس میں کوتاہی کر جاتی ہے کہ وہ بوسہ لیتی ہی نہیں سوائے جنسی ملاپ کے۔ حالانکہ صحابیات رضی اللہ عنہن سے مختلف اوقات میں اپنے شوہروں کا بوسہ لینا ثابت ہے خصوصاً شوہر گھر سے جب باہر جا رہا ہو تو بیوی اسے پیشانی پر الوداعی بوسہ دے جس میں عظمت و احترام کے ساتھ ساتھ محبت و شفقت کی مہک بھی ہو۔ اسی طرح جب وہ سفر سے لوٹے تو بوسہ لے۔ اسی طرح جب شوہر بوسہ لینے کا ارادہ کرے تو ایک گال کے ساتھ دوسرا گال بھی آگے کر دے تاکہ محبت میں اضافہ ہو۔ بہت سی عورتیں شوہر کی محبت کے لئے پانی پڑھواتی ہیں' تعویذ لیتی ہیں کہ شوہر دوسری بیوی نہ کرے' مجھ پر صحیح توجہ دے۔ ان کو چاہئے کہ محبت بڑھانے والا یہ آسان

نسخہ استعمال کریں۔

عموماً جو میاں بیوی کے درمیان ناچاقی ہو جاتی ہے اگر اس کے اسباب معلوم کئے جائیں تو اکثر آپ کو انہی پانچ اسباب اختیار کرنے میں عورت ہی کی طرف سے کوتاہی ملے گی کہ اس نے ان کے ذریعے شوہر کا دل نہیں جیتا اور ان چابیوں سے شوہر کے بند تالوں کو نہیں کھولا اور اپنے لئے شوہر کے دل میں جگہ نہیں بنائی۔

خصوصاً پانچویں چابی یعنی شوہر کا بوسہ لینا' اس میں جتنی کوتاہی ہوتی ہے اتنی ہی محبت میں کمی آتی ہے۔

میاں بیوی میں ایک دوسرے سے مناسبت اور جوڑ ہو تو ازدواجی سکھ اور اطمینان مکمل طور پر حاصل ہو سکتا ہے اس کے بغیر زندگی غیر مکمل اور دکھی شمار ہوتی ہے اس لئے عورتوں کو خاوند کا دل جیت لینے کی تدبیریں سیکھ لینی چاہئیں کہ جن کے بغیر چارہ نہیں۔ عورت چاہے کتنی ہی پڑھی لکھی' خوبصورت اور مالدار کیوں نہ ہو لیکن ان تدابیر کو جانے بغیر وہ خاوند کے دل کی ملکہ نہیں بن سکتی۔

خاوند کو اپنا بنانے کے لئے تھوڑی سی حکمت بھری باتیں لکھی جاتی ہیں۔ جو عورتیں خاوند کی خدمت اور ان سے محبت کو ایمان کا اہم جز تصور کرتی ہیں اور خاوند کے قدموں میں اپنی پوری زندگی گزار دینے کو اپنی کامیابی تصور کرتی ہیں' ان عورتوں کو اپنی زندگی پرسکون بنانے کے لئے ان باتوں پر عمل کئے بغیر چارہ کار نہیں:

① حقوق کی رعایت:

تمہارا خاوند غریب ہو تو بھی تم اس کو تونگر اور مالدار ہی سمجھو۔ اس کا اکرام کرو' ہر کام میں اس سے مشورہ لو۔ جو کہے اس کو فوراً کرو۔ اس کی مرضی کے خلاف کبھی کوئی کام نہ کرو۔ ہر بات میں اس کی خوشی کا خیال رکھو۔ اپنی خوشی پر اس کی خوشی کو ترجیح دو۔ ہر وقت اس کے آرام کا خیال رکھو۔ ایسی کوئی بات نہ کرو جس سے اس کے دل کو رنج پہنچے۔

جو کچھ وہ اپنی خوشی سے دے اسے لے لو۔ جو کام کرنے کے لئے کہے اس طرح خوشی سے کرو کہ وہ بے فکر ہو جائے اور تھوڑی آمدنی کے باوجود کسی قسم کی الجھن نہ ہو۔

② خندہ پیشانی سے پیش آنا:

زندہ دل بن کر رہو۔ اس طرح خندہ پیشانی سے پیش آؤ کہ تم کو دیکھتے ہی اس کا دل باغ باغ ہو جائے اور سب پریشانیاں بھول جائے۔ اپنی ضرورت سے پہلے اس کی ضرورت پوری کرو۔ جہاں تک ہو سکے اس کو اچھا کھلاؤ۔ کھانے سے پہلے تم خود اس کے ہاتھ دھلاؤ۔ غریب ہو تو ہاتھ سے کپڑے سی کر پہناؤ۔ اس کے سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی رہو۔ چائے' پانی' ناشتہ پہلے ہی سے تیار کر کے رکھو۔ ایسا کوئی کام یا بات نہ کہو جس سے اس کو پریشانی ہو۔ اس کی گنجائش سے زیادہ اس کو فرمائش نہ کرو کیونکہ اگر وہ نہ لا سکے گا تو اس کو افسوس ہوگا اگر وہ تمہاری قسمت میں ہوگی تو وہ چیز تمہیں ضرور مل جائے گی۔ اپنی ضرورت جہاں تک ہو سکے خود ہی پوری کرو' اس کو تکلیف نہ دو۔ جب وہ گھر آئے تو اس کے سامنے اپنا رونا مت رو' معلوم نہیں کہ وہ کس حالت میں گھر آیا ہوگا اور باہر اس پر کیا کیا گزری ہوگی۔ کھاتے وقت ایسی دلچسپ باتیں کرو کہ وہ اطمینان سے کھا سکے کیونکہ بے فکری میں دال بھی قورمہ جیسی لگتی ہے اور پریشانی میں بریانی بھی بے ذائقہ لگتی ہے۔ یہ بات تجربہ سے ثابت ہوئی ہے کہ بعض ناسمجھ عورتیں شوہر کو آتے ہی اپنی داستان سنانے بیٹھ جاتی ہیں اور اس کا کھانا' پینا' اٹھنا' بیٹھنا سب دشوار کر دیتی ہیں اور پھر وہ بیچارہ کچھ کھایا نہ کھایا کر کے اٹھ جاتا ہے۔ اس میں خدائے پاک بھی ناراض ہوتے ہیں اور خاوند بھی ناخوش ہوتا ہے۔ ایسی بے عقلی اور بے وقوفی سے خدائے ذوالجلال ہم تمام کی حفاظت فرمائے اور ایسی باتوں سے اللہ ہمیں بچائے (آمین)۔

③ خدمت:

اگر خدائے پاک نے تم کو کچھ صلاحیت دے رکھی ہے تو اس کے کام میں ہاتھ بٹاؤ۔

اس کا بوجھ ہلکا کرو۔ اپنی شیریں زبان سے اس کا غم غلط کرو۔ اس کے دکھ سکھ میں شریک رہو۔ اگر پریشان معلوم ہو تو اس کی پریشانی دور کرو۔ اگر وہ قرض دار ہو جائے تو تم اپنے ہاتھ کے ہنر سے اس کے قرض کا بوجھ ہلکا کرو۔ پھر تمہارے پاس کوئی نقدی یا زیور ہو تو اس کی خدمت میں پیش کر دو اور کہو کہ آپ کے مقابلہ میں یہ چیزیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ آپ ہیں تو سب کچھ ہے۔ خدائے پاک آپ کا سایہ میرے سر پر ہمیشہ قائم رکھے۔ خدائے پاک نے چاہا تو آپ اس سے بڑھ کر چیزیں لا دیں گے۔ ان چیزوں کو دے کر احسان نہ جتلاؤ اور ایسی کوئی بات بھی محسوس نہ ہونے دو ورنہ سب کچھ بیکار ہو جائے گا۔ ہر وقت اس کی خدمت میں لگی رہو اور اس کے آرام و راحت کی طرف سے کبھی بھی لاپرواہی نہ برتو۔ اس کی خدمت سے کبھی غفلت نہ کرو۔ گھر کے سب کام کاج تم اپنے ہاتھ ہی سے کرو۔ خدائے پاک سکھ کے دن بھی دکھائیں گے۔ اللہ رب العزت عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۴ کفایت شعاری:

خرچ کم کرو' کفایت شعاری سے کام لو جو کچھ ملے اس میں سے کچھ جمع بھی کرتی رہو۔ معمولی رقم سمجھ کر اڑا مت دو۔ کپڑے خود سیو۔ کھانا خود پکاؤ۔ بچوں کی دیکھ بھال خود کرو' اس طرح کافی رقم جمع ہو جائے گی اور مصیبت کے وقت کام آئے گی اور لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے گا۔ تمہارا دل بھی خوش ہوگا اور پھر تمہاری عقل و ہوشیاری کی خاوند بھی داد دے گا۔ کچھ بات پوچھے تو نرمی سے جواب دو۔ اگر وہ کسی وقت غصہ ہو جائے تو تم نرم بن جاؤ۔ اس کی مرضی پر راضی رہو۔ وہ چاہے تمہارے کاموں سے راضی نہ ہو' پھر بھی تم اس کے حقوق ادا کرتی رہو تا کہ خدائے پاک تم سے راضی رہے۔ وہ جو کچھ کما کر دے اس کو دیانت داری سے خرچ کرو۔ تم خود تکلیف برداشت کر کے بھی اس کی ضرورتیں پوری کرو۔

ایسا صاف ستھرا معاملہ کرو کہ ہر آدمی دیکھ کر یا سن کر خوش ہو جائے۔ مرد کو اپنی کوشش سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ لا کر تم کو دیتا ہے' اب تمہارے اختیار میں ہے کہ اگر تم چاہو تو اپنی صلاحیت اور لیاقت سے خاک کے گھر کو لاکھ کا بنا دو اور اگر تم چاہو تو بے سمجھی اور بے ڈھنگے پن سے اس کو برباد کر دو۔ مرد بیچارا اس میں کیا کر سکتا ہے۔ دیکھو! تمیز' صلاحیت اور حسن انتظام بھی دنیا میں ایک عجیب ہی چیز ہے۔

۵ حسن انتظام:

سلیقہ مند اور باتمیز بیوی کبھی بھی پریشانی نہیں اٹھاتی اور بدنظمی سے گھر کے سب ہی لوگ پناہ مانگتے ہیں۔ آئے دن نئی نئی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی چین اور اطمینان سے کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا اور مرد بیچارہ پریشان ہو جاتا ہے۔ آخر وہ بیچارہ کب تک اور کتنا دیتا رہے' آخر کار تھک کر سکون اور چین کی تلاش میں دوسری جگہ بھٹکتا پھرتا ہے۔ گھر کی زندگی اس کے لئے وبال بن جاتی ہے اور بچے بھی وبال جان نظر آتے ہیں اور پھر وہ گھر آنے میں بھی تکلیف محسوس کرتا ہے اور اس سے بیزار ہو جاتا ہے۔

سلیقہ مند بیویاں ہمیشہ گھر کو جنت نما بنائے رکھتی ہیں۔ خود بھی سکون اور چین سے زندگی گزارتی ہیں اور گھر والے بھی آرام سے رہتے ہیں بلکہ ایسی عورت گھر والوں کو آرام سے رکھتی ہے۔ حسن انتظام ایک ایسی خوبصورت اور روشن چیز ہے کہ اس کی روشنی دور دور تک پہنچتی اور پھیلتی ہے۔ کئی خوبصورت عورتیں حسن انتظام اور سلیقہ مند نہ ہونے کی وجہ سے چڑیل جیسی لگتی ہیں۔ اکثر مرد صورت پرست کی بجائے سیرت پرست ہوتے ہیں' وہ ظاہری خوبیوں کی بجائے باطنی خوبیوں کے چاہنے والے ہوتے ہیں۔ جو عورتیں مرد کی تابعدار اور فرمانبردار ہوتی ہیں' ایسی عورتیں ہی اپنے شوہر کو چاہے وہ کتنا بدمزاج اور لاپرواہ ہی کیوں نہ ہو' آخر کار اپنا تابعدار بنا کر ہی چھوڑتی ہیں۔ یہ باتیں کچھ مشکل نہیں لیکن افسوس کہ کتنی عورتیں سمجھتی ہیں کہ ہم جتنی تیزی اور رعب دکھائیں گی' مردانی

ہی جلد ہمارا غلام اور تابعدار بن جائے گا ایسے سب خیالات غلط ہیں۔ بلکہ جو عورتیں محبت' پیار اور دنیا کی شرم اور خدائے پاک کے خوف سے اور اللہ کے راضی کرنے کے جذبے سے اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہیں' وہی آگے چل کر اپنے خاوند کی محبوب بن کر رہتی ہیں اور پھر مرد اس پر اپنی جان تک نچھاور کرتا ہے۔ اس کے آرام' اس کی رضامندی کا خیال رکھتا ہے اور اس کی ناز برداری کرتا ہے' اس کی ہر دلی خواہش پوری کرتا ہے' اس کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا ہے اور جو کچھ کما کر لاتا ہے سب اسی کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ کبھی کسی بات کا حساب نہیں مانگتا۔ ایسے میاں بیوی کی زندگی سکون و آرام سے گزرتی ہے اور یہ نعمت عقلمند بیویوں کو حسن انتظام سے نصیب ہوتی ہے اور بے وقوف عورتیں اس سے محروم رہتی ہیں۔

دُلہن کو نصیحت کرنا مستحب ہے:

حضرت انس؄ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام جب کسی دلہن کو اس کے شوہر کے پاس بھیجتے تو اسے شوہر کی خدمت اور اس کے حقوق کی رعایت کی تاکید کرتا تھے۔

حضرت اسماء بنت خارجہ الفزاریہ رحمہا اللہ نے اپنی بیٹی کو رخصتی کرتے وقت ان سنہرے الفاظ سے نصیحت فرمائی:

بیٹی! اب تم اس گھر سے رخصت ہو رہی ہو جہاں تم نے بچپن کے دن گزارے اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ اب تم ایسے بستر کی زینت بنو گی جس کی خوشبو تمہارے لئے اجنبی ہے اور ایسے رفیق سفر کے ساتھ قدم بقدم چلو گی جس سے تم مانوس نہیں ہو۔

لہٰذا بیٹی! تم اپنے رفیق زندگی کے لئے زمین بن جانا تاکہ وہ تمہارے لئے آسمان بن جائے۔ تم اس کے لئے گہوارہ بن جانا تاکہ وہ تمہارے لئے سہارہ بن جائے۔ اگر تم اس کی باندی بن گئیں تو وہ تمہارا غلام بن جائے۔ اس سے ضد اور زبردستی نہ

کرنا ورنہ وہ تم سے نفرت کرنے لگے گا۔ اس سے دور مت رہنا ورنہ وہ تم کو بھلا دے گا۔ اگر وہ تمہارے نزدیک آئے تو تم اس سے اور نزدیک ہو جانا۔ تم اس کی ناک' کان اور آنکھ کا خیال رکھنا۔ یعنی تمہاری غفلت اور بے احتیاطی کی وجہ سے اس کو کسی چیز کی تکلیف نہ پہنچے۔ خصوصاً خوشبو کا اہتمام کرنا کہ وہ شوہر کی ناک کے ذریعہ سے اس کے دماغ کو راحت پہنچائے۔ اسی طرح اپنی زبان کا خیال رکھنا کہ تمہارے میٹھے بول اس کے کانوں تک پہنچ کر اس کو سکون اور آرام پہنچائیں۔ اسی طرح اپنی ظاہری حالت اور ہیئت کے اچھے ہونے کا اہتمام رکھنا تاکہ اس کے لئے تم آنکھوں کی ٹھنڈک اور سرمایہ راحت بن جاؤ۔ چنانچہ جب وہ تمہیں دیکھے تو اچھی حالت میں نظر آؤ۔ مثلاً: بالوں میں کنگھی' آنکھوں میں کاجل' سر کے اوپر دوپٹہ اور صاف ستھرا لباس ہو۔

بس بیٹی! ان باتوں کا اہتمام کرو گی تو تمہارا چھوٹا سا گھر جنت کے مشابہ ہو جائے گا۔

شب زفاف سے پہلے ایک ماں کی اپنی بیٹی کو نصیحت:

ایک ماں نے اپنی بیٹی کو خوشی اور غمی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ذیل کی نصیحتوں سے نوازا:

''میری بیٹی' میری لخت جگر! ایک نئی زندگی کی ڈگر پر تیرے قدم اٹھنے والے ہیں۔ ایک ایسی زندگی جہاں تیری ماں یا تیرے باپ کا گزر نہیں۔ نہ تیرے کسی بھائی کا وہاں ٹھکانہ ہے۔ تو ایک ایسے شخص کی ہمسفر اور شریک زندگی بننے جا رہی ہے جو اپنے علاوہ کسی کو یہاں تک کہ تیرے عزیز ترین رشتہ داروں کو بھی تیرے اندر اپنا حصہ دار دیکھنا گوارا نہیں کرے گا' خواہ اس سے تیرے خون اور گوشت کا رشتہ کیوں نہ ہو۔ میری عزیز بیٹی! تو اس کی زوجہ اور

اس کی ماں دونوں پارٹ ادا کرنا۔ اس کے ساتھ اس طرح برتاؤ رکھنا گویا تو ہی اس کی زندگی کی کل پونجی اور تو ہی اس کی دنیا کا کل سرمایہ ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ مرد خواہ کوئی بھی ہو' اس کی حیثیت بڑے بچہ کی سی ہوتی ہے۔ نرم اور مختصر سی بات جو اس کے لئے بھی سعادت مندی کی ہے وہ یہ کہ ہرگز اسے یہ احساس نہ دلانا کہ اس سے نکاح کے بعد تو اپنے اہل اور خاندان سے کٹ گئی۔ ویسے اسے بھی بخوبی اس کا احساس ہے۔ اس نے بھی صرف تیرے لئے اپنے والدین اور اپنے خاندان کو چھوڑا ہے۔ پھر بھی تیرے اور اس کے درمیان فرق صرف مرد اور عورت ہونے کا ہے۔ عورت ہمیشہ اپنے خاندان کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اس کا دل اسی گھر میں اٹکا ہوتا ہے۔ جہاں وہ پیدا ہوئی' پلی' بڑھی' پروان چڑھی۔ لیکن بہرحال اسے اس نئی زندگی کا عادی خود کو بنانا ہے' ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی کو پُرکیف بنانا ہے جو اس کا شوہر' اس کا نگران اور اس کے ہونے والے بچوں کا باپ ہے۔ اور یہی اس کی نئی دنیا اور کل کائنات ہے۔

میری بیٹی' میری لختِ جگر! یہ تیرا حال اور مستقبل ہے' یہ تیرا مشترکہ خاندان ہے جس کے بنانے اور تعمیر کرنے میں تو اور تیرا شوہر دونوں شریک ہیں۔ تیرے ماں باپ عہدِ ماضی کی داستان بن گئے۔ لیکن میں یہ نہیں کہوں گی کہ آج سے تو اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو بھول جانا۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ میری لاڈلی! وہ بھی کبھی تجھے فراموش نہیں کریں گے۔ اور ایک ماں اپنے دل کے ٹکڑے کو فراموش بھی کیسے کر سکتی ہے۔ ہاں میری التجا ہے کہ تو اپنے شوہر سے ٹوٹ کر محبت کرنا۔ اسی کے لئے زندہ رہنا اور اسی کے ساتھ ساتھ رہنے میں زندگی کی خوشی سمجھنا۔"

شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کے گُر:

جس کے ساتھ تمہاری شادی ہو' اگر وہ مفلس ہو تو اسے تونگر سمجھو۔ اس کی عزت کرو۔ جو کہے اس کے خلاف نہ کرو۔ بغیر اجازت کسی کام میں ہاتھ نہ لگاؤ۔

☆ شوہر کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھو۔ ہر وقت شوہر کے آرام کی فکر رکھو۔ جو کچھ وہ تمہیں دے اس کو خوش ہو کر لے لو۔

☆ شوہر جس کام کو کہے ایسی خوبی کے ساتھ کرو کہ وہ خوش ہو جائے۔ شوہر کی ضرورت اپنی ضرورت سے پہلے پوری کرو۔ جہاں تک ممکن ہو اچھا کھلاؤ۔

☆ شوہر کے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتی رہو' کسی اور پر مت ڈالو۔

☆ شوہر سے فکر کی کوئی بات' نہ بے جا فرمائش کرو۔ اگر وہ نہ کر سکا تو اسے ملال ہو گا۔ تمہاری قسمت میں ہے تو ضرور ملے گا' فرمائش بے کار ہے۔

☆ جب شوہر گھر میں آئے تو آتے ہی کوئی تردد والی بات نہ کرو' معلوم نہیں کس خیال میں آیا ہو اور کیا خیال پیدا ہو جائے۔

☆ کھانے کے وقت ایسی دلچسپی کی باتیں کرو کہ وہ خوش ہو کر کھائے۔ بے فکری میں دال مثلِ قورمہ کے معلوم ہوتی ہے' فکر و تردد میں ہزار نعمت زہر معلوم ہوتی ہے۔

☆ اگر خدا نے تمہیں کچھ بھی لیاقت دی ہے تو اُن کے غم غلط کرو' مصیبت بٹاؤ' لگی بجھاؤ' آرام دو' تکلیف میں حصہ لو۔ اگر انہیں فکرمند دیکھو تو کوشش کرو کہ یہ پریشانی دفع ہو جائے۔

☆ شوہر اگر قرض دار ہو جائے تو تمہارے پاس اگر نقد رقم ہو تو ہاتھ میں رکھ دو' زیور اتار کر دے دو تاکہ وہ قرض ادا کر سکے اگرچہ وہ تمہارے میکے کا کیوں نہ ہو تو بلاتکلف اتار دو' کچھ خیال نہ کرو۔ ان پر احسان نہ رکھو۔ یہ نہ سمجھو کہ ہم نے ایسا کیا ہے ورنہ سب کیا کرایا بے کار ہے۔

☆ اگر شوہر کسی وقت گرم ہو تو تم نرم ہو جاؤ۔ جو کچھ وہ کہیں اس پر راضی ہو جاؤ۔

☆ اگر خاوند تمہارے کسی کام سے خوش نہ ہوں تو نہ ہوں مگر تم ان کے حقوق ادا کرتی

رہو کہ خدا تم سے خوش رہے۔ تم اپنی خوش انتظامی سے چاہو تو خاک کا گھر لاکھ کا کر سکتی ہو اور بد سلیقگی سے چاہو تو برباد کر بیٹھو۔

☆ سلیقہ شعاری بھی ایک حسن ہے کہ جس کی روشنی دور تک پہنچتی ہے۔ ہزاروں خوب صورت بد سلیقگی کی وجہ سے بدصورت معلوم ہوتی ہیں۔

☆ شوہر کتنا ہی بدمزاج کیوں نہ ہو' تم اپنی خوش انتظامی اور فرمانبرداری سے اس کو اپنا مطیع بنا سکتی ہو' کچھ بھی دشوار نہیں۔

☆ اپنے ساس سسر کو ماں باپ کی جگہ پر سمجھو اور نندوں کو حقیقی بہن سمجھو۔

☆ بڑوں کے سامنے ادب سے سلام کر کے بیٹھ جانا اور پردہ والوں سے پردہ کرنا کافی ہے۔ زیادہ شرم سے کام خراب ہو جاتا ہے۔

☆ ساس کا ادب کرو۔ جو بات وہ کہیں ادب سے جواب دو اور آنکھ نیچی رکھو۔ جو اپنی ماں کے ساتھ برتاؤ رکھتی تھیں وہی برتاؤ ان کے ساتھ رکھو۔

☆ نندوں کے ساتھ بہت محبت سے پیش آؤ۔ کھانا یا جو چیز کہ عمدہ ہو' اس میں شریک کرو۔

☆ جو اچھا کام کرتی ہو' بلا چھوڑے اسے ہمیشہ کرتی رہو۔ اپنی وضع قطع وہ رکھو جو تمہیں زیب ہو۔ بوڑھی بن کر نہ رہو۔

آج ہر انسان خواہ چھوٹا ہے یا بڑا' مرد ہے یا عورت' اس میں اخلاق حسنہ کی بہت کمی ہے۔ لاکھ کوشش کے باوجود اخلاق درست نہیں ہو پاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے پیارے پیغمبر امام الانبیاء، خاتم الرسل حضرت محمدؐ اور جنت کی مستحق بننے والی امہات المؤمنین اور صحابیاتؓ کے اخلاق کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جس کا خمیازہ ہمیں ہر جگہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ آج کے معاشرے میں اخلاق کو صرف مسکرانے کی حد تک محدود کر دیا ہے حالانکہ ہنسنے مسکرانے کے علاوہ کسی کو دین کی دعوت دینا' کسی کی مدد کر دینا' کسی کی عیادت کرنا' کسی کو کھانا کھلانا' پانی پلانا' اچھا کپڑا پہنانا اور اچھی پرورش کرنا بھی اخلاق

ہے۔ کسی کو اچھا مشورہ دینا اور کسی کو نیکی کی راہ پر لگانا بھی اخلاق ہے۔ آیئے! ہم اپنی ماؤں کے اخلاق حسنہ کا مطالعہ کریں تاکہ ہماری رہنمائی ہو سکے اور ہم اس پر عمل کر کے اپنے اخلاق کو درست کر کے جنت کے مستحق بنیں۔ ان شاءاللہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت اور ثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ وہ مقدس اور باعظمت خاتون ہیں جنہوں نے نبوت سے پہلے بت پرستی ترک کر دی تھی۔ مسند احمد بن حنبل میں مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: واللہ! میں کبھی لات و عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ لات کو جانے دیجئے' عزیٰ کو جانے دیجئے۔ یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے: ''وہ اسلام کے متعلق رسول اللہؐ کی سچی مشیر کار تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی تکذیب و تردید سے جو صدمہ پہنچتا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا۔ کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں''۔

(طبقات)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں: ''سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قلب میں میری روح ہوتی'' (طبقات)۔ اطاعت و فرمانبرداری میں وہ تمام ازواج مطہراتؓ سے ممتاز تھیں۔ سخاوت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی۔ لانے والے سے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ بولا: درہم۔ بولیں: کھجور کی تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں؟ یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا (اصابہ)۔ ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ وہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے پیچھے نکاح میں آئی تھیں لیکن چونکہ ان کی عمر زیادہ تھی اس لئے جب بوڑھی ہو گئیں تو ان کے خیال میں آیا کہ شاید رسول اللہؐ طلاق دے دیں اور صحبت کے شرف سے محروم

ہو جاؤں گی اس وجہ سے انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی (صحیح بخاری و مسلم)۔

اسی طرح آپ ظرافت پسند تھیں۔ ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ آپ نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھے نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا اس لئے میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔ آپ اس جملہ کو سن کر مسکرا گئے (ابن سعد)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی قانع اور دلیر شخصیت کی مالک تھیں۔ آپ کا سب سے نمایاں وصف جود و سخا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا۔ لونڈی نے کہا: افطار کے لئے کچھ نہیں ہے۔ فرمایا: پہلے سے کیوں نہ یاد کرایا (مستدرک حاکم)۔

نہایت خاشع، متضرع اور عبادت گزار تھیں۔ چاشت کی نماز پابندی سے پڑھتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد پڑھتی تھیں اور اس کی اس قدر پابند تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کبھی یہ نماز قضاء ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر پڑھ لیتی تھیں (شرح بلوغ المرام)۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن حضرت حمنہ بھی شریک تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سیدہ عائشہؓ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا: مجھ کو عائشہ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔

ابن سعد میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق کے متعلق ہے:

''وہ (یعنی حفصہ) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں'' (دن کو روزہ رکھنے والی اور

رات کو قیام کرنے والی)۔

حضرت حفصہؓ اختلاف سے نفرت کرتی تھیں۔ جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے لیکن حضرت حفصہ نے کہا کہ گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں، تاہم تمہیں شریک رہنا چاہئے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہو گا اور ممکن ہے کہ تمہاری عزلت گزینی ان میں اختلاف پیدا کر دے (صحیح بخاری)۔

حضرت زینبؓ فقراء اور مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لئے ام المساکین کی کنیت سے مشہور ہو گئیں (سیرۃ النبی)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا۔ رسول اللہؐ نے اعتراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا۔
(مسند احمد)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔ ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی۔ چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی، وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے روکا کہ یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام نے کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا: تیرا چہرہ اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو (مسند احمد)۔

آپ فیاض تھیں اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آ کر کہا کہ میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے۔ آپ نے فرمایا: بیٹا! اس کو خرچ کرو (مسند احمد)۔

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا۔ ام الحسن بیٹھی تھیں، انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: ہمیں اس کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد لونڈی کو کہا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کرو۔ کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارہ ان کے ہاتھ پر رکھ دو (استیعاب)۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی تھیں کہ زینب (بنت جحش) نیک خو' روزہ دار و نماز گزار تھیں۔ (بحوالہ ابن سعد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے کوئی عورت زینب سے زیادہ دیندار' زیادہ پرہیز گار اور راست گفتار' فیاض و مخیر اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔ (صحیح مسلم)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں کچھ مال تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت زینب اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں۔ حضرت عمرؓ نے ڈانٹا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سے درگزر کرو' یہ اَوّاہ ہیں (یعنی خاشع و متضرع ہیں)۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی مچ گئی اور وہ گھبرا گئے۔ (بحوالہ ابن سعد)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا' انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع (لونڈی) کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو۔ (آخر میں) برزہ نے کہا: آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ انہوں نے کہا: کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو' تمہارا ہے۔ دیکھا تو پچاس درہم نکلے۔ جب مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ اے اللہ! اس سال کے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تحفے سے فائدہ نہ اٹھاؤں۔ دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا (ابن سعد)۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ دوپہر کے قریب آئے' تب بھی ان کو اسی حالت میں پایا (صحیح ترمذی)۔

اللہ تعالیٰ ہمیں امہات المؤمنین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے اور قیامت کے دن ان کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بلند پایہ' اعلیٰ مرتبہ' سخی اور شہسوار شخص ابی امیہ ابن المغیرہ بن عبداللہ ابن عمرو بن المخزوم کی صاحبزادی تھیں۔

ان کی پہلی شادی عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال مخزومی سے ہوئی تھی جو رشتے میں حضور اقدسؐ کے پوپھا تھے۔ ان کی کنیت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ دونوں میاں بیوی قدیم الاسلام ہیں جو غزوۂ احد کے بعد انتقال کر گئے۔

آپ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔ آپ کا پہلا نکاح آپ کے چچازاد بھائی حضرت ابوسلمہ ابن عبدالاسد سے ہوا۔ یہ اور ان کے شوہر دونوں ان لوگوں میں سے ہیں جن کو قدیم الاسلام کہا جاتا ہے۔ جس طرح اسلام میں دوش بدوش تھے' اسی طرح ہجرت میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ پہلے حبشہ کا رخ کیا' وہاں سے کچھ دنوں بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت میں حضرت ام سلمہؓ کو جو الم ناک واقعات پیش آئے وہ نہایت صبر آزما اور حیرت انگیز ہیں۔ ابھی ہجرت کے مصائب تازہ تھے اور شوہر کے پاس زیادہ رہنے کا موقع نہ ملا تھا کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو جہاد غزوۂ احد میں شریک ہونا پڑا۔ میدان جنگ میں ان کا بازو زخمی ہو گیا۔ ایک ماہ کے بعد صحت ہوئی مگر کچھ سالوں کے بعد زخم شق ہو گیا جس سے آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی وفات کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے آئیں۔ حضورؐ خود ان کے گھر تشریف لائے۔ مکان غم کا مجموعہ بنا ہوا تھا۔ ام سلمہؓ بار بار کہتیں: ہائے غربت میں کیسی موت ہوئی۔ حضورؐ نے صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ ان کی مغفرت کی دعا کرو اور کہو:

اللهم اخلفني خيرًا منها

اے اللہ! مجھے ان سے بہتر ان کا جانشین دے۔

پھر حضورؐ نے بڑے اہتمام سے ابوسلمہ کی خود نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد انقضائے عدت حضورؐ نے بحکم الٰہی حضرت ابوبکرؓ کے ذریعہ سے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ ام سلمہؓ

راضی ہوگئیں اور ۴ھ شوال کی آخری تاریخوں میں نکاح ہوگیا۔ حضرت ام سلمہؓ کی بے مائیگی اور غربت کا احساس ایسا نہ تھا جو حضورؐ کو متاثر نہ کرتا' اسی تاثیر کی بدولت حضرت ام سلمہؓ کے اس جان گسل صدقہ کی تلافی ہوگئی جو ان کو ابوسلمہؓ کی وفات سے پیدا ہوا تھا بلکہ ان کی عارضی مدتِ حیات ابدی مسرت میں تبدیل ہوگئی (طبقات: جلد ۸ صفحہ ۶۲)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار اپنے شوہر ابوسلمہؓ سے کہا: مجھے معلوم ہے اگر کسی کے شوہر کو جنت نصیب ہو اور عورت اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس عورت کو بھی شوہر کے ساتھ جنت میں جگہ دیتا ہے۔ یہی صورت مرد کے لئے ہے' تو آؤ ہم تم معاہدہ کرلیں کہ نہ تم ہمارے بعد نکاح کرو نہ ہم تمہارے بعد۔ حضرت ابوسلمہؓ نے جواب دیا: کیا تم میری اطاعت کروگی؟ ام سلمہؓ نے کہا: سوائے آپ کی اطاعت کے مجھے کس بات میں خوشی ہوسکتی ہے۔ ابوسلمہؓ نے کہا: جب میں مر جاؤں تو میرے بعد تم نکاح کرلینا۔ پھر ابوسلمہؓ نے دعا مانگی: یا اللہ! میرے بعد ام سلمہؓ کو مجھ سے بہتر جانشین عطا فرمانا۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: جب ابوسلمہؓ کا انتقال ہوگیا تو میں دل میں کہتی تھی کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون ہوگا؟ اس کے کچھ دنوں بعد میرا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگیا جو ساری کائنات سے بہتر ہیں۔

(طبقات: جلد ۸ ص ۳۱)

ابوسلمہؓ کے انتقال کے بعد چار شرائط پر ان کا حضورؐ سے نکاح ہوا جو ام سلمہؓ نے پیش کی تھیں:

① مجھ میں غیرت ہے۔ یعنی آپؐ کی ازواج اور بھی ہیں اس لئے رشک اور اختلاف کا اندیشہ ہے۔

② میں بچہ والی عورت ہوں' آپؐ کو تکلیف ہوگی۔

③ میری عمر زیادہ ہے۔

④ میرا کوئی ولی نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کروں گا کہ رشک کو تم سے دور کردے۔ تمہارے بچوں کی ذمہ داری خدا اور اس کے رسول کے ذمہ ہوگی۔ میری عمر تم سے زیادہ ہے اور ولی کے بارے میں فرمایا کہ تمہارا کوئی ولی اس کو ناپسند نہیں کرے گا۔

اس کے بعد ام سلمہؓ راضی ہوگئیں اور نکاح کیا۔ حضرت ام سلمہؓ حسن وجمال میں بے نظیر تھیں۔ ذہانت' فقہی معلومات اور وسیع النظری میں حضرت عائشہؓ کے بعد ان کا نمبر آتا ہے۔ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان سے مسائل کی تحقیق کرتے تھے۔ ان کے پاس حضورؐ کا موئے مبارک تھا۔ لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ امہات المؤمنین میں سب کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام: حفصہ (رضی اللہ عنہا)۔

نسبت: حفصہؓ بنت عمر فاروق بن خطابؓ بن نفیل بن عبدالعزی بن اباح بن عبداللہ بن قرطی بن زارح بن عدی بن کعب بن لوی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ زینب رضی اللہ عنہا بن مظعون ہیں جو بہت جلیل القدر صحابیہ تھیں۔

پیدائش: آپؓ کی پیدائش بعثت سے پانچ برس پہلے اس وقت ہوئی جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کررہے تھے۔

پہلا نکاح: آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن حذافہ بن قیس بن عدی سے ہوا۔

قبول اسلام: آپؓ اور آپ کے شوہر دونوں میاں بیوی آغاز اسلام میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

نکاح ثانی: حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد ایک روز بارگاہِ نبوت میں عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں حفصہ کے نکاح ثانی کے لئے بہت پریشان ہوں۔ میں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ وہ حفصہ سے نکاح کرلیں لیکن ایک نے خاموشی اختیار کرلی اور دوسرے نے انکار کردیا.. اب کیا کروں؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا: حق تعالیٰ نے عثمانؓ کو تمہاری بیٹی سے بہتر بیوی عطا فرمادی اور تمہاری بیٹی کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر عطا فرمادیا۔

حضرت عمرؓ یہ ارشاد سن کر خاموش رہے کیونکہ یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے واضح نہیں تھا۔

اس کے کچھ دن بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا عقد حضرت عثمانؓ سے کردیا اور خود حضرت حفصہؓ سے نکاح کرلیا اور یوں حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کو ابوبکرؓ اور عثمانؓ سے کروڑوں درجہ بہتر شوہر مل گیا۔ یہ واقعہ ۳ھ ماہ شعبان کا ہے۔ اس وقت حضرت حفصہؓ کی عمر بیس سال تھی۔ اس نکاح کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

تم میری بات کا رنج نہ کرنا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود حفصہؓ کا ذکر مجھ سے کر چکے تھے اور میں آپ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر حضورؐ نکاح نہ کرتے تو میں نکاح کرلیتا۔

ازدواجی زندگی:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج میں کسی قدر جلال تھا۔ غالباً یہ پدری اثر تھا اس لئے آپؓ کبھی کبھی خود حضورؐ کے ساتھ اپنی اسی فطرت سے مجبور ہو کر گفتگو کرتی تھیں۔

جب آپؓ کے والد محترم حضرت عمر فاروقؓ کو اس بات کا علم ہوا تو آپؓ کو سخت رنج ہوا اور آپؓ ان کے گھر تشریف لائے۔ بیٹی نے باپ کی عزت وتکریم کی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

کیا تم رسول اللہؐ کو برابر کا جواب دیتی ہو؟

بیٹی نے کہا: ہاں، کبھی کبھی میں ایسا کرتی ہوں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ تم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حرص نہ کرو۔ اسے حضور اقدسؐ کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔

صحیح بخاری کی روایات میں خود حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرا برابر وقعت نہ دیتے تھے۔ اسلام نے ان کو درجہ دیا اور ان کے متعلق آیتیں اتریں قرآن مجید میں تو ان کی قدرومنزلت معلوم ہوئی۔

ایک دن میری بیوی نے مجھ کو کسی معاملہ میں رائے دی۔ میں نے کہا: تم کو رائے اور مشورہ سے کیا واسطہ؟ بولیں: ابن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہے یہاں تک کہ آپؐ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں (سیر الصحابیات۔ ص ۵۳)۔

آپؓ میں اور حضرت عائشہؓ میں بہت محبت تھی' دونوں بہنوں کی طرح رہتی تھیں اور دوسری امہات المومنین کے مقابلے میں ان دونوں میں ایک طرح کا بہناپن تھا یعنی بہنوں کی طرح رہا کرتی تھیں۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینبؓ بنت جحش کے گھر خلاف معمول زیادہ دیر ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا کہ وہاں زیادہ وقت گزارا ہے حالانکہ حضورؐ وہاں شہد کھانے میں مشغول رہے جو انہیں کسی نے ہدیۃً بھیجا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا اور کہا کہ جب حضورؐ تمہارے پاس آئیں تو کہنا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی بو ناپسند تھی' اس طرح کوئی نہ کوئی ردعمل ان سے ضرور آئے گا۔ چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا (یعنی حضرت حفصہؓ) کے پاس آئے تو آپؓ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ حضورؐ نے اسے سخت ناپسند فرمایا کہ آپؐ کے دہن مبارک سے کسی قسم کی بو آئے اس لئے فرمایا: میں آئندہ کبھی شہد نہیں کھاؤں گا۔ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی: اے نبیؐ! اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو؟

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی قرآن مجید میں مذکور ہے جس کے متعلق آیت:

﴿واذا اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثا﴾ نازل ہوئی۔ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور اقدسؐ نے حضرت حفصہؓ سے کوئی راز کی بات کہی اور وہ انہوں نے فاش کردی۔ لیکن مصنفؒ اپنی اس گراں قدر تصنیف جلد کے صفحہ ۱۹۹ پر لکھتے ہیں:

> میرا خیال ہے کہ جب اللہ رب العزت کو اپنے حبیب کے گھرانے کی عزت وحرمت کا اتنا پاس ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا تو ہم کو بھی اس بارہ میں جرأت نہیں کرنی چاہئے۔ بعض لوگ یہ بھی بحث کرتے ہیں کہ وہ راز کیا تھا؟ میرا خیال ہے کہ ہم کو کوئی حق حضورؐ کے راز میں دخل دینے یا اس کے افشاء کرنے کا نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کا حضرت حفصہؓ سے رشک کرنا:

اگرچہ آپ دونوں میں بہناپن تھا لیکن کبھی کبھی آپس میں رشک بھی ہو جاتا تھا۔

ایسا ہی ایک واقعہ سیرت النبی۔ جلد دوم' صفحہ ۵۰۳ پر درج ہے۔ واقعہ یہ ہے:

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹیاں تھیں جو تقرب نبوی میں دوش بدوش تھیں' اسی بناء پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دیگر ازواج کے مقابلے میں باہم ایک تھیں۔ لیکن کبھی کبھی ان میں باہم رشک ورقابت کا اظہار ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آنحضرتؐ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تا کہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں۔ حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حضرت

حفصہؓ سوار تھیں۔ جب منزل پر پہنچے تو آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ کو نہ پایا تو حفصہ ہی کے پاس ٹھہر گئے۔ جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پتا چلا کہ یہ تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے جس میں سانپ بچھو رہتے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں: خداوند! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر کہ جو مجھے ڈس جائے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کا ایک واقعہ:

ایک دن زمانہ خلافت حضرت عمرؓ میں حضرت حفصہؓ نے اپنے والد حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ خلیفہ وقت ہیں، کچھ اور نرم و نازک کپڑے پہنا کریں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: بیٹی، بیوی اپنے شوہر کے حال سے خوب واقف ہوتی ہے۔ سچ بتا: کبھی تمہارے شوہر حضورؐ نے پرتکلف کپڑے پہنے؟ کبھی دو وقت پیٹ بھر کر کھانا تناول فرمایا؟ حضرت حفصہؓ رونے لگیں اور عرض کیا: واقعی حضورؐ نے کبھی پرتکلف لباس نہیں پہنا اور کبھی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا (نزہۃ المجالس، باب فی القناعۃ۔ ج ۱ ص ۲۱۰)۔

عابد بیوی کے لئے اللہ تعالیٰ کی سفارش:

یہ بھی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی اور حضرت عمرؓ کی بیٹی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات پر ان کو طلاق دے دی تھی، پھر جبرائیلؑ کے کہنے پر آپؐ نے رجوع کر لیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے یوں فرمایا کہ آپ حفصہ سے رجوع کر لیجئے کیونکہ وہ دن کو روزہ بہت رکھتی ہیں، راتوں کو جاگ کر عبادت بہت کرتی ہیں اور وہ بہشت میں آپؐ کی بی بی ہوں گی۔ انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمر کو وصیت کی تھی کہ میرا اتنا مال خیرات کر دینا اور کوئی زمین بھی انہوں نے وقف کی تھی، اس کے بندوبست کے لئے بھی وصیت کی تھی۔ ان کے پہلے خاوند کا نام قیس بن حذافہ تھا۔

دینداری کی برکت دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے طرفداری کی جاتی ہے، فرشتے کے ہاتھ خاطرداری کا حکم ہوتا ہے کہ اپنی طلاق کو لوٹا لو اور ان کی سخاوت دیکھو کہ اللہ کے راستے میں کس قدر خیرات کا بندوبست کیا اور زمین بھی وقف کی۔

والدین کی فرمانبردار بچیو!

دینداری اختیار کرو اور مال کی حرص اور محبت دل سے نکال ڈالو۔

نبی کریم ﷺ کی عورتوں کو جنت کی مشروط بشارت:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا مُؤَمَّلٌ ثَنَا سُفْيَانَ عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ، عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ، قَالَ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَاَةٌ مَعَهَا صَبِيَّانِ لَهَا قَدْ حَمَلَتْ اَحَدَهُمَا وَهِیَ تَقُوْدُ الْاٰخِرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَامِلَاتٌ وَالِدَاتٌ رَحِيْمَاتٌ لَوْلَا مَا يَاْتِيْنَ اِلٰى اَزْوَاجِهِنَّ دَخَلَ مُصَلِّيَاتُهُنَّ الْجَنَّةَ

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اس کے دو بچے تھے ایک کو گود میں لئے ہوئے تھی ایک کو کھینچ رہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا یہ عورتیں بچوں کو اٹھانے والی جننے والیں اپنے بچوں پر شفقت کرنے والیں اگر اپنے خاوندوں کو ایذا نہ دیتیں تو ان میں سے جو نمازی ہیں وہ جنت میں جاتیں (اس کے راوی سب ثقہ ہیں لیکن سند منقطع ہے کیونکہ سالم کا ابو امامہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

یعنی ایسی مشقت اور محنت کے ساتھ جو ان کو اولاد کے پالنے میں ہوتی ہے زیادہ اعمال کی ان کو حاجت نہیں ہے صرف نماز کافی ہے وہ جنت میں لے جائے گی بشرطیکہ خاوند کو نہ ستائیں ان کی نافرمانی نہ کریں ورنہ جنت میں جانا مشکل ہے دوسری حدیث

میں ہے کہ میں نے دوزخ میں زیادہ عورتوں کو دیکھا اس کا سبب یہ ہے کہ خاوند کی ناشکری کرتی ہے غرض خاوند کا بڑا حق ہے عورت پر یا اللہ تو ہمارا مالک ہے ہم تیرے ناشکرے بندے ہیں ہمارا ابھی جنت میں جانا مشکل ہے لیکن تو اپنے رحم و کرم سے اگر ہمارے گناہ معاف کردے تو وہ تجھ سے بعید نہیں تو ارحم الراحمین ہے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے اپنے بندوں پر بہرحال ہم تیرے بندے ہیں برے ہیں تو تیرے اچھے ہیں تو تیرے تیرا اور چھوڑ کر کہیں جانے والے نہیں۔

آخر تو آپ کے گھر کا سربراہ آپ کا شوہر ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ الضَّحَّاكِ ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ بَحِيْرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُؤْذِي امْرَأَةٌ زَوْجَهَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ، لَا تُؤْذِيْهِ قَاتَلَكِ اللّٰهُ ! فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيْلٌ أَوْشَكَ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت اپنے خاوند کو ایذ دے تو جنت کی حور جو اس مرد کے لئے ہے کہتی ہے اللہ تجھے تباہ کرے اس کو مت ستا وہ تیرے پاس چند روز کے لئے اترا ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے۔

لباس ایسا زیب تن کیجئے کہ نہ خود شرمندہ ہوں اور نہ شوہر کو کروائیں:

حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ ثَنَا الْمُعْتَمِرُ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ

عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ا كَمْ تَجُرُّ الْمَرْأَةُ مِنْ ذَيْلِهَا قَالَ: شِبْرًا قُلْتُ: إِذًا يَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ ذِرَاعٌ لَا تَزِيْدُ عَلَيْهِ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا عورت کتنا آنچل لٹکائے آپ نے فرمایا: ایک بالشت (یعنی ٹخنے سے ایک بالشت نیچا رکھے) میں نے عرض کیا اتنے میں پاؤں کھل جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک ہاتھ نیچا رکھے اس سے زیادہ نہ کرے۔

حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ زَيْدِ الْعَمِّيِّ عَنْ أَبِي الصِّدِّيْقِ النَّاجِيِّ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ا رُخِّصَ لَهُنَّ فِي الذَّيْلِ ذِرَاعًا فَكُنَّ يَأْتِيْنَنَا فَنَذْرَعُ لَهُنَّ بِالْقَصَبِ ذِرَاعًا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کو ذیل (یعنی آنچل یا پائینچے ازار کا) ایک ہاتھ لٹکانے کی اجازت تھی وہ ہمارے ہاں آتیں ہم ایک لکڑی سے ہاتھ کے ماپ ان کو بنا دیتے۔

حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ ثَنَا حَمَّادُ ابْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَزِّمِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِفَاطِمَةَ أَوْ لِأُمِّ سَلَمَةَ ذَيْلُكِ ذِرَاعٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا سے یا جناب بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اپنا

ذیل ایک ہاتھ رکھ (اس حدیث کا راوی ابو مہزم متفقہ طور پر ضعیف ہے)۔

حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ ثَنَا عَفَّانُ ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ ثَنَا حَبِیْبُ الْمُعَلِّمْ عَنْ اَبِی الْمُہَزِّمِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ ذُیُوْلِ النِّسَاءِ شِبْرًا فَقَالَتْ عَائِشَۃُ اِذًا تَخْرُجَ سُوْقُھُنَّ قَالَ فَذِرَاعٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے آنچل میں فرمایا کہ ایک بالشت لٹکتا رہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا اس صورت میں تو ان کی پنڈلیاں کھل جائیں گی۔ آپؐ نے فرمایا: ایک ہاتھ سہی۔

سسرالی رشتوں کو نظر انداز مت کیجئے

ہمارے دور میں ایک نئی وبا، چل پڑی ہے کہ عورتیں شوہر سے تو ہر ممکن پیار جتاتی ہیں اور (چاہے ظاہری طور پر ہی سہی) اس کے تو وارے نیارے جاتی ہیں لیکن شوہر کے سامنے بھی اور غیر موجودگی میں بھی اس کے والدین، بہن بھائیوں اور عزیز و اقرباء کو گھاس نہیں ڈالتیں۔ یقین جانئے اگر ان باتوں کے باوجود آپ کا شوہر سے اس بابت کوئی جھگڑا (تلخ کلامی) وغیرہ نہیں ہوتی تو جان رکھئے یہ بم پھٹنے کو ہی ہے اور جب یہ عمل رونما ہوگا تو اپنے ساتھ بہت کچھ بہا کر لے جائے گا۔ آیئے ہم اس موضوع کی ابتداء نبی کریم ﷺ کے گھر والوں سے کرتے ہیں تاکہ آپ کے دل میں یہ احساس اجاگر کیا جا سکے کہ اللہ نبی کریم ﷺ کے گھر والوں کی تکریم کی امت کو کیسے ہدایت فرما رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے گھر والوں کے مناقب کا بیان

بعض روایتوں میں آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال کو ''اہل بیت'' کہا گیا ہے جن میں ازواج مطہرات یقینی طور پر شامل ہیں۔ لہٰذا جو لوگ ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج قرار دیتے ہیں وہ مکابرہ کا شکار ہیں اور قرآن کریم کی اس آیت: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا سے اپنا اختلاف ظاہر کرتے ہیں، کیونکہ جب اس کے پہلے بھی اور بعد میں بھی ازواج مطہرات ہی کو مخاطب کیا گیا ہے تو پھر ان کو (یعنی ازواج مطہرات کو) درمیان آیت کے مضمون (اہل بیت) اور اس کے مصداق میں شامل نہ کرنا آیت کو اس کے عبارتی تسلسل اور معنوی سیاق و سباق سے الگ کر دینا ہے، چنانچہ امام محمد فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ

"یہ آیت آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو شامل ہے کیونکہ آیت کا سیاق وسباق پوری شدت سے اس کا متقاضی ہے' پس ازواج مطہرات کو اہل بیت کے مصداق سے خارج کرنا اوران کے علاوہ دوسروں کو اس مصداق کے ساتھ مختص کرنا صحیح نہیں ہوگا۔
امام رازیؒ آگے لکھتے ہیں یہ کہنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے کہ "اہل بیت" کا مصداق آنحضرت ﷺ کی اولاد اور ازواجِ مطہرات ہیں اور ان میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ بھی شامل ہیں' نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی آنحضرت ﷺ سے خصوصی نسبت وتعلق اور خانگی قرب رکھنے کے سبب اہل بیت میں سے ہیں۔ تاہم بعض مواقع پر اہل بیت کا اطلاق اس طرح بھی آیا ہے کہ جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس کا مصداق صرف فاطمہ زہرا' علی مرتضیٰ' حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔ جیسے حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز فجر کے لئے مسجد میں آتے تو راستہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے یوں فرماتے: الصلوة یا اھل البیت: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ (ایک دن) میں آنحضرت ﷺ کے پاس (گھر میں) بیٹھی ہوئی تھی کہ خادم نے آکر بتایا کہ علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا باہر دروازہ پر کھڑے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) مجھ سے فرمایا کہ تم ایک کنارے ہو جاؤ چنانچہ میں گھر کے ایک گوشہ میں چلی گئی۔ علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اندر آگئے اوران کے ساتھ حسن وحسین رضی اللہ عنہما بھی تھے جو اس وقت ننھے منے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حسن اور حسینؓ کو آغوش مبارک میں بٹھا لیا اور ایک ہاتھ سے علی رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے ہاتھ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پکڑ کر اپنے بدن سے چمٹایا' پھر آپ ﷺ نے اپنی وہ کالی کملی ان سب پر لپیٹی جو اس وقت جسم مبارک پر تھی اور فرمایا: خداوند! یہ میرے اہل بیت ہیں' مجھ کو اور میرے اہل بیت کو اپنی طرف بلا

نہ کہ آگ کی طرف" اور حضرت ام سلمہؓ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: میری یہ مسجد ہر حائضہ عورت اور ہر جنبی مرد پر حرام ہے (یعنی جو عورت حیض کی حالت میں ہو یا جو مرد ناپاکی کی حالت میں ہو وہ میری مسجد میں ہرگز داخل نہ ہو) ہاں محمد اور محمد (ﷺ) کے اہل بیت پر کہ وہ علی' فاطمہ' حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں' حرام نہیں ہے"۔ اس روایت کو بیہقی نے نقل کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔
بہرحال ایک طرف تو وہ روایتیں ہیں جن سے بنو ہاشم اور آنحضرت ﷺ کے اہل و عیال پر "اہل بیت" کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ روایتیں ہیں جن سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علیؓ' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم معلوم ہوتے ہیں بلکہ ان ہی چہار تن پاک پر اہل بیت کا اطلاق شائع اور مشہور بھی ہے۔ لہٰذا علماء نے ان تمام روایتوں میں تطبیق اوران کے اطلاقات کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ "بیت" کی تین نوعیتیں ہیں: (۱) بیت نسب (۲ بیت سکنی (۳ بیت ولادت۔ پس بنو ہاشم یعنی عبدالمطلب کی اولاد کو تو نسب اور خاندان کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کا اہل بیت (یعنی اہل خاندان) کہا جائے گا۔ دراصل عرب میں جد قریب کی اولاد کو بیت (یعنی خاندان یا گھرانہ) کہا بھی جاتا تھا اور خود اردو میں بھی جب یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں کا گھرانہ بہت معزز ہے یا فلاں شخص شریف خاندان کا ہے تو گھرانہ یا خاندان سے اس شخص کے باپ اور دادا کی اولاد مراد ہوتی ہے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سکنی (اہل خانہ) کہا جائے گا چنانچہ عرف عام میں کسی شخص کی بیویوں کو اس کے اہل بیت یا "گھر والی" سے تعبیر کیا جانا مشہور ہی ہے اور آنحضرت ﷺ کی اولاد (ماجد کو اہل بیت ولادت کہا جائے گا اور اگرچہ آپ ﷺ کی تمام ہی اولاد پر اہل بیت ولادت کا اطلاق کیا جانا چاہئے لیکن تمام اولاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنینؓ کو جو خاص فضل وشرف اور آنحضرت ﷺ جو قرب وتعلق حاصل تھا اور یہ کہ ان کے فضائل و

مناقب جس کثرت سے احادیث میں وارد ہیں اس کی بناء پر اہل بیت ولادت کا خصوصی امتیازی مصداق صرف یہی چارتن مانے جائیں گے۔

یاد رکھئے! اہل بیت کی نسبت سے ان کا تعلق بعض بنو ہاشم سے بھی ہے اور علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے بھی اور ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ سے بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس ضمن میں حضرت زید بن حارثہؓ اور ان کے بیٹے حضرت اسامہؓ کا ذکر بھی آیا ہے اور ان دونوں کا ذکر یا تو غالباً اس بنا پر ہے کہ ان دونوں پر آنحضرت ﷺ کی بے انتہا محبت و عنایت تھی۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنَا وَاَبْنَآئَكُمْ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلِیًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَیْنًا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَیْتِیْ۔

صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی بن ابی طالب، ح ۴۴۲۰

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت: قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنَا وَاَبْنَآئَكُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور کہا خداوند! یہ میرے اہل بیت ہیں''۔ (مسلم)

آیت مباہلہ اور اہل بیت:

اس آیت کو ''آیت مباہلہ'' کہا جاتا ہے۔ مباہل کا لفظ بھل یا بھلة سے بنا ہے جس کے معنی لعنت بھیجنے اور لعنت کے ہیں مباہلہ کا مطلب ہوتا ہے ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا اور معلون ہو جانے کی بد دعا کرنا۔ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ابتہال کا لفظ تھا، لیکن بعد میں اس لفظ (ابتہال) کا اطلاق اس دعا پر کیا جانے لگا۔ عربوں کی یہ

عادت تھی کہ جب کسی معاملہ میں دو فریق آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت و تکذیب کرتے اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کا الزام عائد کرتے تو آخر میں اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل کر کسی خاص جگہ پر جمع ہوتے اور ایک دوسرے کے خلاف بد دعا کرتے ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے اور یوں دعا مانگتے۔ یا اللہ! ہم میں سے جو شخص ناحق پر ہو یا ظالم ہو اس پر لعنت بھیج۔ پس جب نصاریٰ (مسیحیوں) نے دین اسلام یا قرآن کی حقانیت و صداقت کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے بحث و مباحثہ کا دروازہ کھولا اور پیغمبر اسلام کی مخالفت و تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مذکورہ بالا آیت کے ذریعہ حکم دیا کہ آپ (ﷺ) ان مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دیجئے اور ان سے کہئے کہ آؤ بر سر عام اپنا فیصلہ کرا لیں کہ ہم میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔ چنانچہ راویتوں میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت ﷺ اپنے عزیز ترین اور قریب ترین اہل بیت کو لے کر مباہلہ کے لئے اس طرح نکلے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو جو اس وقت بہت چھوٹے چھوٹے تھے آپ ﷺ نے گود میں اٹھا رکھا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پیچھے تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں جب مباہلہ میں دعا کر دوں تو تم سب مل کر آمین کہنا۔ مسیحیوں کے پیشوا کی نظر ان نورانی چہروں پر پڑی تو اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بے اختیار بول اٹھا: تم پر افسوس ہے میں تو ان نورانی چہروں کو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے یوں درخواست کریں کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھیڑ دے تو بالیقین خدا (ان کی درخواست قبول کر کے) پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھیڑ دے گا پھر اس نے پُر زور انداز میں اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ (ان لوگوں کے ساتھ مباہلہ ہرگز نہ کرنا ورنہ جڑ سے اکھاڑ دیئے جاؤ گے۔ آخر کار ان مسیحیوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مباہلہ نہیں کیا اور جزیہ قبول کر کے آنحضرت ﷺ کی سیاسی اطاعت پر مجبور ہوئے، لیکن ان کے اندر

چونکہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے قلبی وابستگی اور مناسبت نہیں تھی اس لئے وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے سے محروم رہے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بعد میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کرتے تو نتیجہ کے طور پر ان کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں اور سوروں کی سی ہو جاتیں، تمام بیابان وجنگل آگ ہی آگ ہو جاتا اور وہ آگ نہ صرف ان کو بھسم کر کے سرے سے نیست و نابود کر دیتی بلکہ درختوں پر پرندوں تک کو جلا ڈالتی۔

فرمانبردار بچیو!

آپ نے پڑھ لیا کہ دیکھئے جب مباہلے کا وقت آیا تو نبی کریم ﷺ کن کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے چلنے کو تیار ہوئے۔ یہ رشتے بہت اہمیت رکھتے ہیں ان کی قدر کیجئے۔ ہاں! ہاں......! اگر محبت نہیں پروان چڑھ رہی تو قدر کرنا سیکھئے چاہیے شوہر ہی کی خوشنودی کی خاطر ہو۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُّرَحَّلٌ مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ فَجَآءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَاَدْخَلَهٗ ثُمَّ جَآءَ الْحُسَيْنُ فَاَدْخَلَ مَعَهٗ ثُمَّ جَآءَتْ فَاطِمَةُ فَاَدْخَلَهَا ثُمَّ جَآءَ عَلِيٌّ فَاَدْخَلَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (رواه مسلم)

صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل اهل بیت النبی، ح ۴۴۵۰

"اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن صبح کو نبی کریم ﷺ برآمد ہوئے، اس وقت آپ ﷺ کے بدن مبارک پر ایک سیاہ بالوں کی کملی تھی جس پر اونٹ کے کجاوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اتنے میں

حسن بن علی آ گئے اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی کملی کے اندر لے لیا پھر حسینؓ آئے اور آپ ﷺ نے ان کو بھی حسنؓ کے ساتھ کملی کے اندر لے لیا، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ نے ان کو بھی کملی میں لے لیا اور پھر علی رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ نے ان کو بھی کملی کے اندر لے لیا اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (یعنی اے اہل بیت) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم کو (گناہوں اور برائیوں کی) پلیدی (اور غیر اخلاقی و غیر انسانی باتوں کے میل کچیل میں آلودہ ہونے) سے بچائے (جیسا کہ اکثر لوگ آلودہ ہو جاتے ہیں) اور تم کو ایسا پاک صاف رکھے جیسا کہ پاک صاف رہنا چاہئے"۔ (مسلم)

اگر آپ کی مالی حالت بہتر نہیں پھر بھی حتی الامکان شوہر کے بہن بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی اختیار کیجئے:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غربا کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہگیر کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔ (النساء:۳۶)

صلہ رحمی کی ترغیب:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اور اپنی توحید کے ماننے کو فرماتا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے روکتا ہے۔ اس لئے کہ خالق رزاق نعمتیں دینے والا تمام مخلوق پر ہر وقت اور ہر حال میں انعام کی بارش کرنے والا صرف وہی ہے تو لائق عبادت بھی صرف وہی ہوا۔ حضرت معاذؓ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں: اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر فرمایا: جانتے ہو جب بندے یہ کریں تو ان کا حق اللہ کے ذمہ کیا ہے؟ یہ کہ انہیں وہ عذاب نہ کرے۔ پھر فرماتا ہے: ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو وہی سبب بنے ہیں۔ تمہارے عدم سے وجود میں آنے کا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ سے سلوک واحسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ (لقمان:۱۴) اور ﴿قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (الاسراء:۲۳) یہاں بھی یہ بیان فرما کر پھر حکم دیتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے بھی سلوک واحسان کرتے رہو۔ حدیث میں ہے مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہی ہے۔ لیکن قریبی رشتہ دار کو دینا صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ یتیموں کے ساتھ بھی سلوک واحسان کرو۔ اس لئے کہ ان کی خبر گیری کرنے والا، ان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے والا، ان کے ناز ونخرے اٹھانے والا انہیں محبت کے ساتھ کھلانے پلانے والا ان کے سر سے اٹھ گیا ہے۔ پھر مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ارشاد کیا کہ وہ حاجت مند ہیں، خالی ہاتھ ہیں، محتاج ہیں۔ ان کی ضرورتیں تم پوری کرو، ان کی احتیاج تم رفع کرو، ان کے کام تم کر دیا کرو۔ فقیر ومسکین کا پورا بیان سورہ براۃ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جس گھر میں آئی ہیں اس کے پڑوس کا بھی خیال رکھئے:

اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو اور نیک سلوک رکھو خواہ وہ قرابت دار ہوں یا نہ ہوں۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہود ونصرانی ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے بجارِ ذِی الْقُرْبٰی سے مراد بیوی ہے اور: جَارِ الْجُنُبِ سے مراد رفیق سفر ہے۔ پڑوسیوں کے حق کے سلسلہ میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ کچھ سن لیجئے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت جبرئیلؑ پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت ونصیحت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنا دیں گے فرماتے ہیں بہتر ساتھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ خوش سلوک ہو اور پڑوسیوں میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو ہمسایوں سے نیک سلوک زیادہ کرتا ہو۔ فرماتے ہیں: انسان کو ہرگز نہ چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی آسودگی کے بغیر خود شکم سیر ہو جائے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحابہؓ سے سوال کیا زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا: وہ حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام کیا ہے اور قیامت تک حرام ہی رہے گا۔ آپ ﷺ نے کہا: سنو! دس عورتوں سے زنا کرنے والا اس شخص کے گناہ سے کم گنہگار ہے جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے۔ پھر دریافت فرمایا: تم چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے اور وہ قیامت تک حرام ہے۔ آپ نے فرمایا: سنو! دس گھروں سے چوری کرنے والے کا گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرائے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے: حضرت ابن مسعودؓ سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے۔ حالانکہ اسی ایک نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا: پھر کونسا؟ فرمایا: یہ کہ تو اپنی پڑوس کی عورت کے ساتھ زنا کرے۔ ایک انصاری صحابیؓ فرماتے ہیں: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلا۔ وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب کھڑے ہیں اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور باتیں ہو رہی ہیں۔ دیر ہو گئی' یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کے تھک جانے خیال نے بے چین کر دیا بہت دیر کے بعد آپ لوٹے اور میرے پاس آئے۔ میں نے عرض کیا: حضور ﷺ اس شخص نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دیر تک کھڑا رکھا۔ میں تو پریشان ہو گیا آپ کے پاؤں تھک گئے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تم نے انہیں دیکھا۔ میں نے کہا خوب اچھی طرح دیکھا۔ فرمایا جانتے ہو وہ کون تھے؟ وہ جبریلؑ تھے۔ مجھے پڑوسیوں کے حق کی تلقین کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے حقوق بیان کئے کہ مجھے خیال ہوا کہ غالباً آج پڑوسی کو وارث ہی ٹھہرا دیں گے۔ (مسند احمد)

مسند عبد بن حمید میں ہے' حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں: ایک شخص عوالی مدینہ سے آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبریلؑ اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے۔ جہاں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا: حضور ﷺ کے ساتھ یہ دوسرا کون شخص نماز پڑھ رہا تھا؟ آپ نے فرمایا: تم نے انہیں دیکھا؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: تو نے بہت بڑی بھلائی دیکھی یہ جبریلؑ تھے مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے۔ مجھے خیال ہوا کہ عنقریب اسے وارث بنا دیں گے۔ آٹھویں حدیث بزار میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑوسی تین قسم کے ہیں' ایک حق والے یعنی ادنیٰ' دو حق والے اور تین حق والے یعنی اعلیٰ۔ ایک حق والا وہ ہے جو مشرک ہو اور اس سے رشتہ داری نہ ہو۔ دو حق والا وہ ہے جو مسلمان ہو اور رشتہ دار نہ ہو۔ ایک حق اسلام دوسرا حق پڑوسی کا۔ تین حق والا وہ ہے جو مسلمان بھی ہو پڑوسی بھی ہو اور رشتے ناتے کا بھی ہو تو حق اسلام' حق ہمسائیگی' حق صلہ رحمی' تینوں حق اس کے ہو گئے۔ نویں حدیث مسند احمد میں ہے' حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں' میں ایک کو ہدیہ بھیجنا چاہتی ہوں تو کسے بھجواؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا دروازہ قریب ہو' دسویں

حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا۔ لوگوں نے آپ کے پانی کو لینا اور ملنا شروع کیا۔ آپ نے پوچھا: ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جسے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب بات کرے سچ کرے اور جب امانت دیا جائے تو ادا کرے۔ (تفسیر ابن کثیر) میں یہ حدیث یہیں پر ختم ہے۔ لیکن اگلا جملہ اس کا سہواً رہ گیا ہے۔ جس کا حقیقی تعلق اس مسئلہ سے ہے۔ وہ یہ کہ اسے چاہئے پڑوسی کے ساتھ سلوک و احسان کرے' گیارہویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو جھگڑا اللہ کے سامنے پیش ہو گا وہ دو پڑوسیوں کا ہو گا۔ پھر حکم ہوتا ہے: صَاحِبِ الْجَنبِ کے ساتھ سلوک کرنے کا۔ اس سے مراد بہت سے مفسرین کے نزدیک عورت ہے اور بہت سے فرماتے ہیں مراد سفر کا ساتھی ہے اور یہ بھی نقل ہے کہ اس سے مراد دوست اور ساتھی ہے۔ عام اس سے کہ سفر میں ہو یا قیام کی حالت میں۔ ابن سبیل سے مراد مہمان ہے اور یہ بھی کہ جو راہ گزرتے ہوئے ٹھہر گیا ہو۔ پس اگر مہمان سے بھی یہ مراد لی جائے کہ سفر میں جاتے ہوئے مہمان بنا تو دونوں ایک ہو گئے۔ اس کا پورا بیان سورہ برأت میں آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

سارا دن کام والیوں ہی پہ غصہ نہ اتارتی رہئے:

فرمانبردار بچیو!

قریبی لوگوں سے صلہ رحمی کے حکم کے بعد پڑوسیوں کا حکم ارشاد ہوا اور اب یہاں پر غلاموں (آج کے دور میں گھریلو ملازمائیں) کے بارے میں ہدایات بیان فرمائی جا رہی ہیں کہ ان کے ساتھ بھی نیک سلوک رکھو۔ اس لئے کہ وہ غریب تو تمہارے ہاتھوں اسیر ہے۔ اس پر تو تمہارا کامل اختیار ہے۔ تو تمہیں چاہئے کہ اس پر رحم کھاؤ اور اس کی ضروریات کا خیال رکھو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے مرض

الموت میں بھی اپنی اُمت کو اس کی وصیت فرما گئے۔ فرماتے ہیں: لوگو! نماز کا اور غلاموں کا خوب خیال رکھو۔ بار بار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ زبان رکنے لگی۔ مسند کی حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں تو خود جو کھائے وہ بھی صدقہ ہو جو اپنے بچوں کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے' جو اپنی بیوی کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنے خادم کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے۔ مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے داروغہ سے فرمایا کہ کیا غلاموں کو تم نے ان کی خوراک دے دی؟ اس نے کہا: اب تک نہیں دی۔ فرمایا: جاؤ دے کر آؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی خوراک کا وہ مالک ہے ان سے روک رکھے۔ مسلم میں ہے مملوک ماتحت کا حق ہے کہ اسے کھلایا پلایا پہنایا اوڑھایا جائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام اس سے نہ لیا جائے۔ بخاری شریف میں ہے' جب تم میں کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے تو تمہیں چاہئے کہ اگر ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے تو کم از کم اسے لقمہ دو لقمہ دے دو۔ خیال کرو کہ اس کے پکانے کی گرمی اور تکلیف اسی نے اٹھائی ہے۔ دوسری روایت میں ہے' چاہئے تو یہ کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو لقمہ دو لقمہ ہی دے دیا کرو۔ آپ فرماتے ہیں: تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ پس جس کے ہاتھ تلے اس کا بھائی ہو۔ اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے اور اپنے پہننے میں سے پہنائے اور ایسا کام نہ لے کہ وہ عاجز ہو جائے۔ اگر کوئی ایسا ہی مشکل کام آ پڑے تو خود بھی اس کا ساتھ دے۔ (بخاری و مسلم)

پھر فرمایا کہ خود بیں' متعجب متکبر' خود پسند لوگوں پر اپنی فوقیت جتانے والا' اپنے آپ کو تولنے والا۔ اپنے تئیں دوسروں سے بہتر جاننے والا اللہ کا پسندیدہ بندہ نہیں۔ گو وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے' لیکن اللہ کے ہاں وہ ذلیل ہے۔ لوگوں کی نظروں میں وہ حقیر ہے۔ بھلا کتنا اندھیر ہے کہ خود تو کسی سے سلوک کرے تو اپنا احسان اس پر رکھے۔ لیکن

رب کی نعمتوں کا جو اللہ نے اسے دے رکھی ہیں' شکر نہ بجا لائے۔ لوگوں میں بیٹھ کر فخر کرے کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں میرے پاس یہ ہے اور وہ ہے۔ حضرت ابو رجا ہرویؒ فرماتے ہیں کہ ہر بد خلق متکبر اور خود پسند ہوتا ہے۔ پھر اسی آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا: ہر ماں باپ کا نافرمان سرکش اور بدنصیب ہوتا ہے۔ پھر آپ نے آیت: ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا﴾ (مریم: ۳۲' ۳۳) پڑھی۔

ساس' سسر کو عزت دیجئے پورے گھر میں آپ کی عزت ہو جائے گی:

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَااَکْرَمَ شَابٌ شَیْخًا مِنْ اَجْلِ سِنِّہٖ اِلَّا قَیَّضَ اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَ سِنِّہٖ مَنْ یُّکْرِمُہٗ.

جامع الترمذی' کتاب البر' باب ما جاء فی اجلال الکبیر' ح ۲۰۲۲۔

''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا: جو بھی جوان کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کے سبب تعظیم و تکریم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت کسی ایسے شخص کو متعین کر دیتا ہے جو اس کی تعظیم و خدمت کرتا ہے''۔

اس حدیث کے ذریعہ گویا اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص دوسروں کی تعظیم و خدمت کرتا ہے تو اس کی بھی تعظیم و خدمت کی جاتی ہے اور جو لوگ اپنے بزرگوں کی تعظیم و خدمت نہیں کرتے اور اپنے بڑے بوڑھوں کی تحقیر کرتے ہیں وہ اپنے بڑھاپے میں اپنے چھوٹوں کی طرف سے اسی تحقیر و تذلیل اور بے وقعتی سے دوچار ہوتے ہیں۔

اس ارشادِ گرامی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس جوان کی عمر دراز ہوتی ہے جو اپنے بڑے بوڑھوں کی تعظیم و خدمت کرتا ہے۔

منقول ہے ایک بزرگ تھے جو مصر میں سکونت پذیر تھے اور ان کا ایک مرید تھا جو خراسان میں رہتا تھا ایک مرتبہ وہ مرید اپنے شیخ کے پاس کچھ دن رہنے کے لئے خراسان سے چل کر مصر پہنچا اور وہاں ایک طویل مدت تک شیخ کی خدمت میں رہا انہی دنوں کچھ دوسرے بزرگوں کی جماعت اس کے شیخ کی زیارت کے لئے آئی تو شیخ نے اس مرید سے اشارہ کیا کہ ان بزرگوں کی سواری کے جانور تھام لو وہ ان کے پاس سے چلا گیا اور ان جانوروں کی نگرانی کرنے لگا۔ مگر اس کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ میں جو اتنی دور دراز کا سفر طے کر کے شیخ کی خدمت میں آیا تھا یہ اس کا نتیجہ ہے! بہر حال جب وہ بزرگ ان شیخ کے پاس سے چلے گئے اور وہ مرید اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ عزیز من! اس وقت میں نے تمہیں ان بزرگوں کی سواری کے جانوروں کی دیکھ بھال پر جو متعین کیا تھا۔ تو اس کی وجہ نہ معلوم تمہارے دل میں کیا وسوسہ پیدا ہوا ہوگا لیکن اتنی بات یاد رکھو کہ تمہیں اس خدمت کا بہت بڑا اجر ملے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں اس درجہ پر پہنچائے گا کہ تمہاری خدمت میں بڑے بڑے بزرگ اور اکابر آئیں گے اور پھر خدا کی طرف سے تمہارے پاس ایسے لوگ مقرر کئے جائیں گے جو ان آنے والوں کی خدمت کریں گے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان شیخ نے جو کہا تھا وہ صحیح ثابت ہوا اور اس شخص کی ملاقات کے لئے آنے والے بڑے بڑے بزرگوں کی کثرت کی وجہ سے ہمیشہ اس کے دروازے پر خچر اور گھوڑوں کا ایک ہجوم رہا کرتا تھا۔

خود اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول خدا ﷺ کی خدمت کے سلسلے میں دین و دنیا کے بڑے بڑے اجر و انعام سے نوازے گئے چنانچہ جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو اس وقت ان کی عمر دس سال تھی اور جب تک آنحضرت ﷺ اس دنیا میں تشریف فرما رہے ان کی زندگی کا سارا وقت حضور ﷺ کی خدمت ہی میں صرف ہوتا رہا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بڑی نعمت تو یہ عطا

کی کہ ان کی حیات بہت طویل ہوئی اور وہ تقریباً ایک سو تین سال تک نہایت پاکیزہ اور اچھے احوال اور اطمینان و سکون کے ساتھ اس دنیا میں رہے اللہ تعالیٰ نے ان کو مال و دولت کی فراوانی سے بھی نوازا اور کثیر اولاد کی نعمت سے بھی سرفراز کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے ایک سو لڑکے تھے۔

صرف ساس، سسر ہی نہیں بلکہ ان کے بہن بھائیوں سے بھی اچھا سلوک روا رکھئے:

نبی کریم ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:

وَعَنْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ اَنَّ الْعَبَّاسَ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا وَّاَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَآ اَغْضَبَكَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَنَا وَلِقُرَيْشٍ اِذَا تَلَاقَوْا بَيْنَهُمْ تَلَاقَوْا بِوُجُوْهٍ مُّبْشَرَةٍ وَاِذَا لَقُوْنَا لَقُوْنَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْاِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰى عَمِّیْ فَقَدْ اٰذَانِیْ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ

جامع الترمذي، كتاب مناقب عن رسول الله، باب مناقب العباس بن عبدالمطلب، ح ۳۶۹۱

"اور حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عباس رضی

اللہ عنہ غصہ میں بھرے ہوئے آئے۔ یعنی کسی نے کوئی ایسی حرکت کر دی تھی یا کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جس سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور اسی غصہ کی حالت میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ایسی کیا بات پیش آ گئی جس سے تمہیں اتنا غصہ آ رہا ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے اے اللہ کے رسول! ہمارے (یعنی بنی ہاشم) اور (باقی) قریش کے درمیان کیا (بیگانگی) ہے کہ جب وہ (قریش) آپس میں ملتے ہیں تو کشادہ روئی سے ملتے ہیں اور جب ہمارے ساتھ ملتے ہیں تو اس طرح نہیں ملتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنی تو ان قریش کے اس برے رویہ پر) سخت غصہ ہوئے یہاں تک کہ غصہ کی شدت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا پھر) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا اگر وہ تم (اہل بیت) کو اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دوست نہیں رکھے گا''۔ اور پھر فرمایا: لوگو: جان لو! جس شخص نے خصوصا میرے چچا کو ستایا اس نے (گویا) مجھ کو ستایا' کیونکہ کسی کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے''۔ (ترمذی) اور مصابیح میں (عبدالمطلب بن ربیعہ کی جگہ) مطلب بن ربیعہ ہے (جبکہ صحیح عبدالمطلب بن ربیعہ ہی ہے جو ترمذی نے نقل کیا ہے''۔

جس نے میرے چچا کو ستایا اُس نے مجھ کو ستایا:

یا تو مطلق ایمان مراد ہے اور اس صورت میں ارشاد گرامی کو شدید ترین وعید پر محمول کیا جائے گا یا: کامل ایمان مراد ہے اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد سخت تاکید کے ساتھ اس کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ

دل و دماغ کو اہل بیت کی محبت و عقیدت سے معمور کئے بغیر ایمان کامل کی دولت نصیب نہیں ہو سکتی۔

ساس کو اپنی ماں جتنا احترام دیجئے وہ آپ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہنے لگے گی:

اللہ عزوجل نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ......﴾

[البقرة: ۸۳]

''اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول و قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوۃ پھر تم (قول و قرار کر کے) اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا۔''

پیاری بیٹیو! دیکھئے اس آیت میں بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا' ان کا بیان ہو رہا ہے اور ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ انہیں حکم دیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں۔ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ نہ صرف بنی اسرائیل کو بلکہ تمام مخلوق کو یہی حکم ہوا ہے۔ فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء: ۲۵) یعنی تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ قابل عبادت میرے سوا کوئی نہیں۔ سب لوگ میری ہی عبادت کیا کریں اور پھر فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل:۳۶) یعنی ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی ہی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ پھر حق تعالیٰ کے بعد حقوق العباد کا بیان ہو رہا ہے۔ بندوں کے حقوق میں ماں باپ کا حق چونکہ بہت بڑا ہے۔ اسی لئے پہلے ان کا حق بیان ہوا اور جگہ ارشاد ہے: ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ (لقمان: ۱۴) میرا شکر اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مان اور فرمایا: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ ......﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳) تیرے ربّ کا فیصلہ یہ فیصلہ ہے کہ اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرا ور ماں باپ کے ساتھ احسان سلوک کرتے رہو۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پوچھا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا کہ اس کے بعد؟ فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا۔ پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور ایک صحیح حدیث میں ہے۔ کسی نے کہا' حضور ﷺ میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ' پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ' پھر پوچھا کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔ پھر اور قرابت داروں کے ساتھ (مسلم) آیت میں لَا تَعْبُدُوْنَ فرمایا' اس کے لئے اس میں بہ نسبت لَا تَعْبُدُوْا کے مبالغہ زیادہ ہے۔ یہ خبر ہے لیکن اس کی معنی میں طلب کا مفہوم ہے۔ بعض لوگوں نے اَنْ لَّا تَعْبُدُوْنَ بھی پڑھا ہے۔ اُبَیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے کہ وہ لَا تَعْبُدُوْا پڑھتے تھے۔ یتیم اُن چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سرپرست باپ نہ ہو۔ مسکین ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اپنی ماں اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں۔ اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ العظیم سورہ نساء کے اس معنی کی آیت میں آئے

گی۔ پھر فرمایا لوگوں کو اچھی بات کہا کرو۔ یعنی ان کے ساتھ نرم کلامی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو۔ بھلی باتوں کا حکم دو۔ برائی سے روکو حضرت حسنؒ فرماتے ہیں بھلائی کا حکم دو برائی سے روکو۔ بُردباری درگزر اور خطاؤں سے معافی کو اپنا شیوہ بنا لو۔ یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات تو کر لیا کرو۔ (مسند احمد) پس قرآن کریم نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا۔ پھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا۔ پھر اچھی بات کہنے کا۔ پھر بعض اہم چیزوں کا ذکر بھی کر دیا کہ نمازیں پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ پھر خبر دی کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور عموماً نافرمان بن گئے مگر تھوڑے سے۔ اس اُمت کو بھی یہی حکم دیا گیا۔ فرمایا: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ......﴾ (النساء: ۳۶) اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ رشتہ داروں کے ساتھ' یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ' قرابت دار پڑوسیوں کے ساتھ' اجنبی پڑوسیوں کے ساتھ' ساتھ والوں کے ساتھ' مسافروں کے ساتھ' لونڈی غلاموں کے ساتھ' سلوک' احسان' بھلائی کیا کرو۔ یاد رکھو تکبر اور فخر کرنے والوں کو خدا پسند نہیں کرتا۔ الحمد اللہ کہ یہ اُمت بہ نسبت اور امتوں کے ان فرمانوں کے ماننے میں' ان پر عمل پیرا ہونے میں زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔

ہر وقت وساوس میں مبتلا رہ کر شوہر کی زندگی اجیرن نہ کیجئے:

شادی کیا ہوئی خاتون خانہ تو گویا وسوسوں کا دریا بن کر بہنے لگتی ہیں۔ ارے بچیو! کیا دوسروں کی دیکھا سنی میں پڑ کر اپنی زندگی تباہ کرتی ہو یہ بات بے بات وسوسے آپ کو اندر سے کھوکھلا کر دیں گے اور یقین جانئے دنیا تو تباہ ہو ہی گی آخرت کا بھی اللہ ہی حافظ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

بیعت کے معاملے میں غلو کرنا

"آیئے اب ایک ایسے مسئلے کی بابت سن لیجئے کہ جس میں احتیاط تو آپ کے شوہر کو کرنی چاہیے لیکن اگر وہ اس بابت کسی شخصیت سے بے حد مرعوب ہیں یا جس ہستی کو پیر بنائے بیٹھے ہیں وہی صاحب جھوٹے اور دغا باز پیر کے روپ میں ہیں جن کا معمول ہے کہ وہ مرید عورتوں سے پردہ نہیں کرتے' بے تکلف ان سے باتیں کرتے ہیں اور ان کے جسم کو چھوتے ہیں (الحمدللہ ہمارے اکابر نے ہمیشہ عورتوں کی بیعت مسنون طریق پر فرمائی ان چیزوں کی پرزور قباحت بیان فرمائی ہے۔ اسی سلسلے میں چونکہ میں نے کچھ قباحتوں کی بابت سنا ہے اسی لئے ذرا تفصیلاً اس مسئلہ پر روشنی ڈال رہا ہوں۔)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ ......﴾

(سورة محمد: ١٢)

اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی دعوئی کر کے) بنا لیں اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کیا کیجئے بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

عورتوں کی بیعت:

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اس آیت سے
ہوتا تھا جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کر لیتی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زبانی فرما
دیتے کہ میں نے تم سے بیعت کی یہ نہیں کہ آپ ان کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوں قسم
خدا کی آپ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا! صرف
زبانی فرما دیتے کہ ان باتوں میں میں نے بیعت لی ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' مسند احمد
وغیرہ میں ہے کہ حضرت امیمہ بنت رقیقہؓ فرماتی ہیں کئی ایک عورتوں کے ساتھ میں بھی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئی تو قرآن کی اس آیت
کے مطابق آپ نے ہم سے عہد و پیمان لیا اور ہم اچھی باتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی نافرمانی نہ کریں گی ، کے اقرار کے وقت فرمایا یہ بھی کہہ لو کہ جہاں تک تمہاری
طاقت ہے ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا خیال ہم سے بہت
زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری مہربانی سے بڑھ کر ہے پھر ہم نے کہا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ فرمایا نہیں میں غیر عورتوں سے
مصافحہ نہیں کیا کرتا میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کو بیعت کے لئے کافی ہے
پس بیعت ہو چکی۔ (پھر کس قدر خلاف سنت ہے ان جھوٹے اور دغا باز پیروں کا
معمول جو اپنی مرید عورتوں سے پردہ نہیں کرتے بے تکلف ان سے باتیں کرتے ہیں
اور ان کے جسم کو چھوتے ہیں الحمدللہ ہمارے اکابر نے ہمیشہ عورتوں کی بیعت مسنون
طریق پر فرمائی) امام ترمذی اس حدیث کو حسن کہتے ہیں مسند احمد میں اتنی زیادتی اور
بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ نہیں کیا یہ
حضرت امیمہ حضرت خدیجہؓ کی بہن اور حضرت فاطمہؓ کی خالہ ہوتی ہیں مسند احمد میں ہے
حضرت سلمٰی بنت قیسؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ تھیں اور دونوں قبلوں کی

طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تھی بنو عدی بن نجار کے قبیلہ میں سے تھیں فرماتی ہیں انصار کی عورتوں کے ساتھ خدمت نبوی میں بیعت کرنے کے لئے میں بھی آئی تھی اور اس آیت میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کا ہم نے اقرار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک اس بات کا بھی اقرار کرو کہ اپنے خاوندوں کی خیانت اور ان کے ساتھ دھوکہ نہ کرو گی ہم نے اس کا بھی اقرار کیا بیعت کی اور جانے لگیں پھر مجھے خیال آیا اور ایک عورت کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ وہ دریافت کریں کہ خیانت و دھوکہ نہ کرنے سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ اس کا مال چپکے سے کسی اور کو نہ دیں مسند کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ بنت قدامہؓ فرماتی ہیں میں اپنی والدہ رابطہ بنت سفیان خزاعیہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں پر بیعت لے رہے تھے اور عورتیں اس کا اقرار کرتی تھیں میری والدہ کے حکم سے میں نے بھی اقرار کیا اور بیعت والیوں میں شامل ہوئی صحیح بخاری شریف میں حضرت ام عطیہؓ سے منقول ہے کہ ہم نے ان باتوں پر اور اس امر پر کہ ہم کسی مردے پر نوحہ نہ کریں گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس اثنا میں ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا میں نوحہ کرنے سے باز رہنے پر بیعت نہیں کرتی اس لئے کہ فلاں عورت نے میرے فلاں مردے پر نوحہ کرنے میں میری مدد کی ہے تو میں اس کا بدلہ ضرور اتاروں گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے سن کر خاموش ہو رہے اور کچھ نہ فرمایا وہ چلی گئیں لیکن تھوڑی دیر میں واپس آئی اور بیعت کر لی مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس شرط کو صرف اس عورت نے اور حضرت ام سلیم بنت ملحان نے ہی پورا کیا بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پانچ عورتوں نے اس عہد کو پورا کیا ام سلیمؓ ام علاءؓ اور ابو سبرہ کی بیٹی جو حضرت معاذؓ کی بیوی تھیں اور دو عورتیں اور یا ابو سبرہؓ کی بیٹی اور حضرت معاذؓ کی بیوی اور ایک عورت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید والے دن بھی عورتوں سے اس بیعت کا

معاہدہ لیا کرتے تھے بخاری شریف میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رمضان کی عید کی نماز میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابو بکر عمر عثمانؓ کے ساتھ پڑھی سب کے سب خطبے سے پہلے نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بعد خطبہ کہتے تھے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبے سے اترے گویا وہ نقشہ میری نگاہ کے سامنے ہے کہ لوگوں کو بٹھایا جاتا تھا اور آپ ان کے درمیان سے تشریف لا رہے تھے یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے آپ نے یہاں پہنچ کر اسی آیت کی تلاوت فرمائی پھر آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے اس اقرار پر ثابت قدم ہو؟ ایک عورت نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں کسی اور نے جواب نہیں دیا راوی حدیث حضرت حسنؒ کو یہ نہیں معلوم کہ یہ جواب دینے والی کون سی عورتیں تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا خیرات کرو اور حضرت بلالؓ نے اپنا کپڑا پھیلایا چنانچہ عورتوں نے اس میں بے نگینہ کی اور نگینہ والی انگوٹھیاں راہ للہ ڈالیں مسند احمد کی روایت میں حضرت امیمہؓ کی بیعت کے ذکر میں آیت کے علاوہ اتنا اور بھی ہے کہ نوحہ کرنا اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح اپنا بناؤ سنگھار غیر مردوں کو نہ دکھانا بخاری مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں سے بھی ایک مجلس میں فرمایا کہ مجھ سے ان باتوں کی بیعت کرو جو اس آیت میں ہیں جو شخص اس کو نبھا دے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو اس کے کچھ خلاف کر گزرے اور وہ مسلم حکومت سے پوشیدہ رہے اس کا حساب اللہ تعالیٰ سے ہے اگر چاہے بخش دے اور اگر چاہے عذاب کرے حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ عقبہ اولیٰ میں ہم بارہ شخصوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور انہی باتوں پر جو اس آیت میں مذکور ہیں آپ نے ہم سے بیعت لی اور فرمایا اگر تم اس پر پورے اترے تو یقیناً تمہارے لئے جنت ہے یہ واقعہ جہاد کی فرضیت سے پہلے کا ہے ابن جریر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو

حکم دیا کہ وہ عورتوں سے کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم اس پر بیعت لیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ان بیعت لینے کے لئے آنے والوں میں حضرت ہندہ بھی تھیں جو عقبہ بن ربیعہ کی بیٹی اور حضرت سفیانؓ کی بیوی تھیں یہی تھیں جنہوں نے اپنے کفر کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کا پیٹ چیر دیا تھا اس وجہ سے یہ ان عورتوں میں ایسی حالت میں آتی تھیں کہ کوئی اس کو پہچان نہ سکے اس نے جب فرمان سنا تو کہنے لگی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں لیکن اگر بولوں گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہچان لیں گے اور اگر پہچان لیں گے تو میرے قتل کا حکم دے دیں گے میں اسی وجہ سے اس طرح آئی ہوں کہ پہچانی نہ جاؤں مگر اور عورتیں سب خاموش رہیں اور ان کی بات اپنی زبان سے کہنے سے انکار کر دیا آخر ان ہی کو کہنا پڑا کہ یہ ٹھیک ہے جب شرک سے ممانعت مردوں کو ہے تو عورتوں کو کیوں نہ ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا پھر حضرت عمرؓ سے کہا ان سے کہہ دو کہ دوسری بات یہ ہے کہ یہ چوری نہ کریں اس پر ہندہؓ نے کہا میں ابوسفیانؓ کی معمولی سی چیز کبھی کبھی لے لیا کرتی ہوں کیا خبر یہ بھی چوری میں داخل ہے یا نہیں؟ اور میرے لئے یہ حلال بھی ہے یا نہیں؟ حضرت ابوسفیانؓ بھی اس مجلس میں موجود تھے یہ سنتے ہی کہنے لگے میرے گھر میں سے جو کچھ بھی تو نے لیا ہو خواہ وہ خرچ میں آ گیا ہو یا اب بھی باقی ہو وہ سب تیرے لئے حلال کرتا ہوں اب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف پہچان لیا کہ میرے چچا حمزہؓ کی قاتلہ اور اس کے کلیجے کو چیرنے والی پھر اسے چبانے والی عورت ہندہ ہے آپ انہیں پہچان کر اور ان کی یہ گفتگو سن کر اور حالت دیکھ کر مسکرا دیئے اور انہیں اپنے پاس بلایا انہوں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھام کر معافی مانگی آپ نے فرمایا تم وہی ہند ہو؟ انہوں نے کہا گزشتہ گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے اور بیعت کے سلسلے میں پھر لگ گئے اور فرمایا تیسری بات یہ ہے کہ ان عورتوں میں سے کوئی بدکاری

نہ کرے اس پر حضرت ہند نے کہا کیا کوئی آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے خدا کی قسم آزاد عورتیں اس برے کام سے ہرگز آلودہ نہیں ہوتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں ہندؓ نے کہا آپ نے انہیں بدر کے دن قتل کیا ہے آپ جانیں اور وہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچویں یہ ہے کہ خود اپنی ہی طرف سے جوڑ کر بے سر پیر کا کوئی خاص بہتان نہ تراش لیں اور چھٹی بات یہ ہے کہ میری نافرمانی نہ کریں اور ساتواں عہد آپ نے ان سے یہ بھی لیا کہ وہ نوحہ نہ کریں اہل جاہلیت کسی کے مرجانے پر کپڑے پھاڑتے تھے منہ نوچ لیتے تھے بال کٹوا دیتے تھے اور ہائے وائے کیا کرتے تھے یہ اثر غریب ہے اور اس کے بعض حصے نکارت بھی ہے اس لئے کہ ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند کے اسلام کے وقت انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ تھا بلکہ اس سے بھی آپ نے صفائی اور محبت کا اظہار کر دیا تھا واللہ اعلم۔ ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ والے دن بیعت والی یہ آیت نازل ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر مردوں سے بیعت لی اور حضرت عمرؓ نے عورتوں سے بیعت لی اس میں اتنا اور بھی ہے کہ اولاد کے قتل کی ممانعت سن کر حضرت ہندؓ نے فرمایا کہ ہم نے تو انہیں بچپن سے پال پوس کر بڑا کیا لیکن ان بڑوں کو تم نے قتل کیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسی کی وجہ سے لوٹ پوٹ گئے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ جب ہند بیعت کرنے آئیں تو ان کے ہاتھ مردوں کی طرف سفید تھے آپ نے فرمایا جاؤ ان کا رنگ بدل لو چنانچہ وہ مہندی لگا کر حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ میں دو سونے کے کڑے تھے انہوں نے پوچھا کہ ان کی نسبت کیا حکم ہے فرمایا جہنم کی آگ کے دو انگارے ہیں یہ حکم اس وقت ہے جب ان کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اس بیعت کے لینے کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا جب اولاد کے قتل کی ممانعت پر ان سے عہد لیا گیا تو ایک عورت نے کہا کہ ان کے باپ دادوں کو تو قتل کیا اور ان کی اولاد کی وصیت ہمیں ہو رہی ہے یہ شروع صورت بیعت کی

تھی لیکن پھر اس کے بعد تو آپ نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ جب بیعت کرنے کے لئے عورتیں جمع ہو جاتیں تو آپ یہ سب باتیں ان کے سامنے پیش فرماتے وہ ان کا اقرار کرتیں اور واپس لوٹ جاتیں پس فرمان خدا ہے کہ جو عورت ان امور پر بیعت کرنے کے لئے آئے تو اس سے بیعت لے لو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا غیر لوگوں کے مال نہ چرانا ہاں اس عورت کو جس کا خاوند اپنی طاقت کے مطابق کھانے پینے پہننے اوڑھنے کو نہ دیتا ہو تو جائز ہے کہ اپنے خاوند کے مال سے مطابق دستور اور بقدر اپنی حاجت کے لے گو خاوند کو اس کا علم نہ ہو اس کی دلیل حضرت ہند والی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے خاوند ابوسفیان بخیل ہیں وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو سکے اس لئے ان کی بے خبری میں ان کے مال سے لے لوں تو مجھے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا بہ طریق معروف اس کے مال سے اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بال بچوں کو کفایت کرے (صحیحین) اور وہ زنا کاری نہ کریں جیسے اور جگہ ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا (سورہ بنی اسرائیل:۳۲) زنا کے لئے نہ جاؤ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے حضرت سمرہؓ والی حدیث میں زنا کی سزا دردناک عذاب جہنم بیان کی گئی مسند احمد میں ہے کہ فاطمہ بنت عقبہ جب بیعت کے لئے آئیں اور اس آیت کی تلاوت ان کے سامنے کی گئی تو انہوں نے شرم سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا آپ کو ان کی یہ حیا اچھی معلوم ہوئی حضرت عائشہؓ نے فرمایا انہی شرطوں پر سب نے بیعت کی ہے یہ سن کر انہوں نے بھی بیعت کر لی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت کے طریقے اوپر بیان ہو چکے ہیں اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم عام ہے پیدا شدہ اولاد کو مار ڈالنا بھی اسی ممانعت میں ہے جیسے کہ جاہلیت کے زمانے والے اس خوف سے کرتے تھے کہ انہیں کہاں سے کھلائیں گے پلائیں گے اور حمل گرا دینا بھی اسی ممانعت میں ہے خواہ اس طرح ہو کہ ایسے علاج کئے جائیں جس سے حمل ٹھہرے ہی نہیں یا ٹھہرے حمل

کو کسی طرح گرا دیا جائے بری غرض وغیرہ سے بہتان نہ باندھنے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ دوسرے کی اولاد کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کرنا۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ملاعنہ کی آیت کے نازل ہونے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت کسی قوم میں اسے داخل کرے جو اس قوم کا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی گنتی میں شمار نہیں اور جو شخص اپنی اولاد سے انکار کر جائے حالانکہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اللہ تعالیٰ اس سے آڑ کر لے گا اور تمام اگلوں پچھلوں کے سامنے اسے رسوا و ذلیل کرے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں یعنی آپ کے احکام بجا لائیں اور آپ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جایا کریں یہ شرط یعنی معروف ہونے کی عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے لگا دی ہے حضرت میمونؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فقط معروف میں رکھی ہے اور معروف ہی طاعت ہے۔ حضرت ابن زید فرماتے ہیں دیکھ لو کہ بہترین خلق رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم بھی معروف میں ہی ہے اس بیعت والے دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے نوحہ نہ کرنے کا اقرار بھی لیا تھا جیسے حضرت ام عطیہؓ کی حدیث میں پہلے گزر چکا ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے اس بیعت میں یہ بھی تھا کہ عورتیں غیر محرموں سے بات چیت نہ کریں؟ اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم گھر پر موجود نہیں ہوتے اور مہمان آ جاتے ہیں آپ نے فرمایا میری مراد ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت سے نہیں میں ان سے کام کی بات کرنے سے نہیں روکتا۔ (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیعت کے موقعہ پر عورتوں کو نامحرم مردوں سے باتیں کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا بعض لوگ وہ بھی ہوتے ہیں

کہ غیر عورتوں سے باتیں کرنے میں ہی مزہ لیا کرتے ہیں یہاں تک کہ مذی نکل جاتی ہے اوپر حدیث بیان ہو چکی ہے نوحہ نہ کرنے کی شرط پر ایک عورت نے کہا فلاں قبیلے کی عورتوں نے میرا ساتھ دیا ہے تو ان کے نوحے میں میں بھی ان کا ساتھ دے کر بدلہ ضرور اتاروں گی چنانچہ وہ گئیں بدلہ اتارا پھر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی حضرت ام سلیمؓ جن کا نام ان عورتوں میں ہے جنہوں نے نوحہ کرنے کی بیعت کو پورا کیا یہ ملحان کی بیٹی اور حضرت انسؓ کی والدہ ہیں اور روایت میں ہے کہ جس عورت نے بدلہ کے نوحہ کی اجازت مانگی تھی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دی تھی یہی وہ معروف ہے جس میں نافرمانی منع ہے بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ معروف میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اس سے مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوچیں' بال نہ منڈوائیں' کپڑے نہ پھاڑیں' ہائے وائے نہ کریں ابن جریر میں حضرت ام عطیہ سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں مدینہ میں تشریف لائے تو ایک دن آپ نے حکم دیا کہ سب انصاریہ عورتیں فلاں گھر میں جمع ہوں پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور سلام کیا ہم نے آپ کے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحبا ہو اور آپ کے قاصد کو بھی حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں حکم کروں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا چوری اور زناکاری سے بچنا اسی پر تم بیعت کرو ہم نے کہا ہم سب حاضر ہیں اور اقرار کرتی ہیں چنانچہ آپ نے وہیں باہر کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ اندر کی طرف بڑھا دیا اور ہم نے اپنے ہاتھ اندر سے اندر ہی بڑھائے پھر آپ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہ پھر ہمیں حکم ہوا کہ دونوں عیدوں میں ہم اپنی حائضہ عورتوں اور جوان کنواری لڑکیوں کو لے جایا کریں ہم پر جمعہ فرض نہیں ہمیں جنازوں کے ساتھ نہ جانا چاہئے حضرت اسماعیل راوی حدیث فرماتے ہیں میں نے اپنی دادی صاحبہ حضرت

ام عطیہؓ سے پوچھا عورتیں معروف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اس سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا یہ کہ نوحہ نہ کریں بخاری مسلم میں ہے کہ جو کوئی مصیبت کے وقت اپنے کلوں پر تھپڑ مارے دامن چاک کرے اور جاہلیت کے وقت کی ہائی دہائی مچائے وہ ہم میں سے نہیں اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں جو گلا پھاڑ کر ہائے وائے کرے بال نوچے یا منڈوائے اور کپڑے پھاڑے یا دامن چیرے ابویعلیٰ میں ہے کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑے گی حسب نسب پر فخر کرنا انسان کو اس کے نسب کا طعنہ دینا ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنے والی عورت اگر بے توبہ گئے مر جائے تو اسے قیامت کے دن گندھک کا پیراہن پہنایا جائے گا اور کھجلی کی چادر اڑھائی جائے گی مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والیوں پر اور نوحہ کو کان لگا کر سننے والیوں پر لعنت فرمائی ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ معروف میں نافرمانی کرنے سے مراد نوحہ نہ کرنا ہے یہ حدیث ترمذی کی کتاب التفسیر میں بھی ہے اور امام ترمذی اس کو حسن غریب کہتے ہیں۔

کہ غیر عورتوں سے باتیں کرنے میں ہی مزہ لیا کرتے ہیں یہاں تک کہ مذی نکل جاتی ہے اوپر حدیث بیان ہو چکی ہے نوحہ نہ کرنے کی شرط پر ایک عورت نے کہا فلاں قبیلے کی عورتوں نے میرا ساتھ دیا ہے تو ان کے نوحے میں میں بھی ان کا ساتھ دے کر بدلہ ضرور اتاروں گی چنانچہ وہ گئیں بدلہ اتارا پھر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی حضرت ام سلیمؓ جن کا نام ان عورتوں میں ہے جنہوں نے نوحہ کرنے کی بیعت کو پورا کیا یہ ملحان کی بیٹی اور حضرت انسؓ کی والدہ ہیں اور روایت میں ہے کہ جس عورت نے بدلہ کے نوحہ کی اجازت مانگی تھی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دی تھی[1] یہی وہ معروف ہے جس میں نافرمانی منع ہے بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ معروف میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اس سے مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوچیں' بال نہ منڈوائیں' کپڑے نہ پھاڑیں' ہائے وائے نہ کریں ابن جریر میں حضرت ام عطیہ سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں مدینہ میں تشریف لائے تو ایک دن آپ نے حکم دیا کہ سب انصاریہ عورتیں فلاں گھر میں جمع ہوں پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور سلام کیا ہم نے آپ کے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحبا ہو اور آپ کے قاصد کو بھی حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں حکم کروں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا چوری اور زناکاری سے بچنا اسی پر تم بیعت کرو ہم نے کہا ہم سب حاضر ہیں اور اقرار کرتی ہیں چنانچہ آپ نے وہیں باہر کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ اندر کی طرف بڑھا دیا اور ہم نے اپنے ہاتھ اندر سے اندر ہی بڑھائے پھر آپ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہ پھر ہمیں حکم ہوا کہ دونوں عیدوں میں ہم اپنی حائضہ عورتوں[2] اور جوان کنواری لڑکیوں کو لے جایا کریں ہم پر جمعہ فرض نہیں ہمیں جنازوں کے ساتھ نہ جانا چاہیے حضرت اسماعیل راوی حدیث فرماتے ہیں میں نے اپنی دادی صاحبہ حضرت

ام عطیہؓ سے پوچھا عورتیں معروف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اس سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا یہ کہ نوحہ نہ کریں بخاری مسلم میں ہے کہ جو کوئی مصیبت کے وقت اپنے کلوں پر تھپڑ مارے دامن چاک کرے اور جاہلیت کے وقت کی ہائی دہائی مچائے وہ ہم میں سے نہیں اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں جو گلا پھاڑ کر ہائے وائے کرے بال نوچے یا منڈوائے اور کپڑے پھاڑے یا دامن چیرے ابویعلیٰ میں ہے کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑے گی حسب نسب پر فخر کرنا انسان کو اس کے نسب کا طعنہ دینا ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنے والی عورت اگر بے توبہ گئے مر جائے تو اسے قیامت کے دن گندھک کا پیراہن پہنایا جائے گا اور کھجلی کی چادر اڑھائی جائے گی مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والیوں پر اور نوحہ کو کان لگا کر سننے والیوں پر لعنت فرمائی ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ معروف میں نافرمانی کرنے سے مراد نوحہ نہ کرنا ہے یہ حدیث ترمذی کی کتاب التفسیر میں بھی ہے اور امام ترمذی اس کو حسن غریب کہتے ہیں۔

لباس کی بابت کچھ تنبیہات

ماڈرن بننے کے شوق میں جہنم نہ واجب کرلیجئے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِیَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ یَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَ نِسَآءٌ كَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ مُمِیْلَاتٌ مَّآئِلَاتٌ رُءُ وْسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا یَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا یَجِدْنَ رِیْحَهَا وَ اِنَّ رِیْحَهَا لَیُوْجَدُ مِنْ مَّسِیْرَةِ كَذَاوَ كَذَا۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے فرمایا دو قسمیں ہیں دوزخیوں کی جن کو میں نے نہیں دیکھا ایک تو وہ لوگ جن کے پاس کوڑے ہیں بیلوں کی دموں کی طرح کے لوگوں کو اس سے مارتے ہیں دوسرے وہ عورتیں ہیں جو پہنتی ہیں مگر ننگی ہیں (یعنی ستر کے لائق اعضاء کھلے ہیں جیسے حیدرآباد میں عورتوں کے سر اور پیٹ اور پاؤں کھلے رہتے ہیں یا کپڑے ایسے باریک پہنتی ہیں جن میں سے بدن نظر آتا ہے تو گویا ننگی ہیں) سیدھی راہ سے بہکانے والی خود بہکنے والی ان کے سر بختی (ایک قسم ہے اونٹ کی) اونٹ کی کوہان کی طرح ایک طرف جھکے ہوئے وہ جنت میں نہ جاویں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی اس کو نہ ملے گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی دور سے آتی ہے۔

کلرکی چھوڑیئے اور گھرداری سیکھئے

آج کل کی لڑکیاں دھڑا دھڑ بی۔اے۔ایم۔اے کر رہی ہیں اور اس سب کا حاصل فقط کلرک پیدا کرنا ہے۔ صبح سے شام تک معصوم بچیوں کو رٹا سسٹم کے تحت پڑھائی جاؤ۔ ان کا ذہن اور جسم اتنا کمزور کردو کہ وہ بچے سنبھالنے کے قابل ہی نہ رہیں۔ خدارا! تعلیم واجبی سے بھی گزارا ہو جاتا ہے لیکن کیا گھرداری سیکھے بغیر آپ گھر بسانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ میں کیا گاتا تھا پیٹو' کوئی ہے نقار خانے میں طوطے کی آواز سننے والا......۔

مرد کو خوش کرنے کا راستہ اُس کے معدہ سے ہو کر جاتا ہے:

میری خواہش ہے کہ اس عنوان کے تحت ان احادیث کو لاؤں جن سے ایک خاتون کو اس چیز کا علم ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ کو کونسی چیزیں مرغوب تھیں اور کونسی ناپسند تھیں یا احتراز فرماتے تھے۔ نیز کھانے پینے سے متعلقہ طریقہ نبویہ بھی معلوم ہوگا اور مقصد فقط یہی ہے کہ آج تو آپ ایک نئی نویلی دلہن ہیں لیکن کل کو آپ ہی کے کندھوں پر نئی نسل کی تربیت کی ذمہ داری آپڑے گی اس لئے میری خواہش ہے کہ جہاں آپ اپنے شوہر کے لئے کھانا تیار کرتے وقت ان چیزوں کا دھیان رکھیں وہیں آپ غیر محسوس طریقے پر گھر والوں کی ان آداب کی بابت تربیت بھی کرتی جائیں۔

بسم اللہ پڑھ کر کھانے کی ابتداء کیجئے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَانَتْ یَدِیْ تَطِیْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اسمَ اللّٰہ وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ (متفق علیہ)

صحیح البخاری' کتاب الاطعمۃ' باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین' ح ۵۳۷۶۔

''حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی پرورش وتربیت میں تھا (ایک دن میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا) اور میرا ہاتھ رکابی میں جلدی جلدی گھوم رہا تھا (یعنی جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے' میں اپنے سامنے سے کھانے کے بجائے اِدھر اُدھر ہاتھ ڈال رہا تھا) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: ''بسم اللہ کہو دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اس جانب سے کھاؤ جو تمہارے نزدیک ہے (یعنی اپنے سامنے سے کھاؤ)''۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث میں کھانے کے تین بنیادی آداب کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ سب سے پہلا ادب تو یہ ہے کہ کھانے کی ابتداء بسم اللہ کہہ کر ہونی چاہئے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانا چاہئے اور تیسرا ادب یہ ہے کہ کھانے کے برتن میں اپنے سامنے سے کھانا چاہئے۔ جمہور علماء کا رجحان اس طرف ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ بالا تینوں باتوں کا جو حکم دیا گیا ہے' وہ استحباب کے طور پر ہے۔ اسی طرح دوسری روایت میں کھانے کے بعد خدا کی حمد وشکر کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر ایک دسترخوان پر کئی آدمی کھانے بیٹھیں تو سب لوگ بسم اللہ کہیں! جب کہ بعض علماء کے نزدیک کہ جن میں حضرت امام شافعیؒ بھی شامل ہیں یہ کہتے ہیں کہ محض ایک آدمی کا بسم اللہ کہہ لینا سب کے لئے کافی ہو جائے گا۔ پانی یا دوا وغیرہ پینے کے وقت بسم اللہ کہنے کا بھی وہی حکم ہے جو کھانے کے شروع میں بسم اللہ کہنے کا ہے۔

وَعَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَّا یُذْکَرَاسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' ح ۲۰۱۷۔

''اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس کھانے پر خدا کا نام نہ لیا جائے' اس کو شیطان اپنے لئے حلال سمجھتا ہے''۔ (مسلم)

کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی اہمیت:

''حلال سمجھتا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ (شیطان) اس کے کھانے پر قادر ہو جاتا ہے (یعنی کھانے والے کے ساتھ وہ بھی اس میں سے کھاتا ہے) یہ مطلب اس صورت میں ہے جب کہ حدیث کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے اور بعض حضرات نے یہ تاویل بیان کی ہے کہ جو کھانا بسم اللہ پڑھ کر نہ کھایا گیا ہو وہ ایسا ہے گویا اس کو شیطان کھا گیا ہے' یا یہ مراد ہو کہ اس کھانے کو اللہ تعالیٰ کی غیر مرضی کی جگہ صرف کرنا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَیْتَہٗ فَذَکَرَ اللّٰہَ عِنْدَ دُخُوْلِہٖ وَعِنْدَ طَعَامِہٖ قَالَ الشَّیْطَانُ لَا مَبِیْتَ لَکُمْ وَلَا عَشَاءَ وَاِذَا دَخَلَ فَلَمْ یَذْکُرِاللّٰہَ عِنْدَ دُخُوْلِہٖ قَالَ الشَّیْطٰنُ اَدْرَکْتُمُ الْمَبِیْتَ وَاِذَا لَمْ یَذْکُرِ اللّٰہَ عِنْدَ طَعَامِہٖ قَالَ اَدْرَکْتُمُ الْمَبِیْتَ وَالْعَشَاءَ۔

صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' باب آداب الطعام والشراب' ح ۲۰۱۸۔

''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب آدمی اپنے گھر (یعنی اپنی خواب گاہ) میں داخل ہوتا ہے اور داخل ہوتے وقت خدا کا نام لیتا ہے (یعنی بسم اللہ کہہ کر خواب گاہ میں داخل ہوتا ہے) اور پھر کھانا کھاتے وقت بھی خدا کا نام لیتا ہے تو شیطان (اپنے

تابعداروں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں تمہارے لئے نہ کوئی جگہ ہے نہ کھانا ہے اور جب آدمی گھر وخوابگاہ میں داخل ہوتے وقت خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے تابعداروں سے) کہتا ہے کہ (اس گھر میں) تمہیں جگہ مل گئی اور جب آدمی کھانا کھاتے وقت خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان (اپنے تابعداروں سے) کہتا ہے کہ (اس گھر میں جگہ بھی مل گئی اور کھانا بھی مل گیا''۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَاْكُلْ بِيَمِيْنِهٖ وَاِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ

مسلم' کتاب الاشربة' باب ۱۳' ح ۲۰۲۰۔

''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب کوئی چیز پیئے تو دائیں ہاتھ سے پئے یعنی پانی وغیرہ کا برتن داہنے ہاتھ سے پکڑے''۔ (مسلم)

دائیں ہاتھ سے کھانا پینا چاہئے:

اس حدیث میں جو حکم دیا گیا ہے وہ بظاہر وجوب کے لئے ہے۔ جیسا کہ بعض علماء کا مسلک ہے اس کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس شخص نے کہا کہ میں داہنے ہاتھ سے کھانے کی قدرت نہیں رکھتا (راوی کا بیان ہے کہ اس شخص کا داہنا ہاتھ درست تھا' اس نے محض تکبر سے یہ الفاظ کہے) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا (خدا کرے) تجھے داہنے ہاتھ سے کھانے کی طاقت نصیب نہ ہو۔ چنانچہ اس کے بعد وہ شخص (کبھی بھی) اپنا داہنا ہاتھ اپنے منہ کی طرف نہیں اٹھا سکا۔ اسی طرح طبرانی نے یہ روایت نقل کی ہے

کہ آنحضرت ﷺ نے (ایک دن) سلبیہ اسلمیہ کو بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھا تو اس کے لئے بددعا فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاعون میں مبتلا ہو کر مر گئی! تاہم جمہور علماء جن کے نزدیک دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کا حکم وجوب کے طور پر نہیں ہے' بطریق استحباب ہے وہ ان روایتوں کو زجر وتنبیہ اور مصالح شریعت پر محمول کرتے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَاْكُلَنَّ اَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِهَا فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَاْكُلُ بِشِمَالِهٖ وَيَشْرَبُ بِهَا

مسلم' کتاب الاشربة' باب ۱۳' ح ۲۰۲۰۔

''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھانا نہ کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے (کوئی چیز) پئے کیوں کہ (یہ) شیطان کا شیوہ ہے کہ (وہ) اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے''۔ (مسلم)

بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی ممانعت:

جو لوگ شیطان کے زیر اثر اور اس کے تابعدار ہوتے ہیں وہ ان کو بائیں ہاتھ سے کھانے پینے پر ابھارتا ہے اور یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے یعنی حقیقت میں شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔

حسن بن سفیانؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بسند حسن یہ روایت نقل کی ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اس کو چاہئے کہ دائیں ہاتھ سے کھائے اور دائیں ہاتھ سے پئے (اگر کسی کو کوئی چیز دے یا کسی سے کوئی چیز لے تو) دائیں ہاتھ سے لے اور دائیں ہاتھ سے دے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے لیتا دیتا ہے۔

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْكُلُ بِثَلَاثَةِ أَصَابِعَ وَيَلْعَقُ يَدَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّمْسَحَهَا۔

مسلم' کتاب الاشربة' باب استحباب لعق الاصابع والقصعة' ح ۲۰۳۲۔

''اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین انگلیوں سے (یعنی انگوٹھے' شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے ساتھ) کھانا کھایا کرتے تھے اور (کھانے سے فراغت کے بعد) اپنا ہاتھ (کسی رومال وغیرہ سے) پونچھنے (یا دھونے) سے پہلے چاٹ لیا کرتے تھے''۔ (مسلم)

تین انگلیوں سے کھانا اور انگلیاں چاٹنا سنت ہے:

نوویؒ کہتے ہیں کہ تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے' لہٰذا ان تینوں کے ساتھ چوتھی اور پانچویں انگلی نہ ملائی جائے' الا یہ کہ چوتھی اور پانچویں انگلی کو ملانا ضروری ہو۔

''ہاتھ کو چاٹنے'' سے مراد یہ ہے کہ جن انگلیوں سے کھاتے تھے' ان کو چاٹ لیا کرتے تھے' چنانچہ پہلے بیچ کی انگلی کو چاٹتے' پھر اس کے پاس کی انگلی کو' پھر انگوٹھے کو چاٹتے تھے۔

طبرانی نے عامر بن ربیعہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے اور ان کی مدد کے لئے چوتھی انگلی بھی ملا لیا کرتے تھے' نیز ایک حدیث مرسل میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پانچوں انگلیوں سے کھاتے تھے''۔ یا تو یہ پتلی چیز کھانے پر محمول ہے یا یہ کہ آپ ﷺ بیان جواز کی خاطر کبھی کبھی اس طرح بھی کھاتے تھے' لیکن اکثر اوقات تین ہی انگلیوں سے کھانے کی عادت تھی۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَيَّةِ الْبَرَكَةُ۔

صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب ۱۸' ح ۲۰۳۳۔

''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انگلیوں اور رکابی کو چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کس انگلی یا نوالے میں برکت ہے''۔ (مسلم)

''والصحفة'' میں حرف واو مطلق جمع کے لئے ہے لہٰذا پہلے رکابی و برتن وغیرہ کو صاف کیا جائے اور پھر انگلی کو چاٹا جائے۔

لفظ ''ایة'' تاء تانیث کے ساتھ منقول ہے اس لئے ''ترجمہ'' انگلی یا نوالہ'' کیا گیا ہے۔ لیکن بعض نسخوں میں یہ لفظ ''ہ'' (یعنی مذکر) ضمیر کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ (تم نہیں جانتے کہ) کس کھانے میں برکت ہے (آیا اس کھانے میں جو کھا چکے ہو یا اس کھانے میں جو چاٹو گے) اس کی تائید آگے آنے والی حدیث کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ فانه لا يدرى فى اى طعام تكون البركة اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں سنت انگلیوں کو چاٹنا ہے اور اس چیز کو صاف کرنا ہے جو انگلیوں کو لگی ہے نہ کہ محض انگلیوں کو بمبالغہ منہ میں داخل کرنا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَمْسَحْ يَدَهٗ حَتّٰى يَلْعَقَهَا اَوْ يُلْعِقَهَا

صحیح البخاری' کتاب الاطعمة' باب لعق الاصابع' ح ۵۴۵۶۔

''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھا چکے تو وہ ہاتھ کو اس وقت تک (کسی چیز سے) نہ پونچھے (اور نہ دھوئے) جب تک کہ ہاتھ کی انگلیوں کو چاٹ نہ لے یا چٹوا نہ دے''۔

(بخاری و مسلم)

''چٹوا نہ دے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر انگلیوں کو خود نہ چاٹے تو ان لوگوں میں سے کسی کو چٹوا دے جو اس سے گھن اور کراہت محسوس نہ کریں' جیسے بیوی' بچے' لونڈی

اور خادم و غلام وغیرہ کیونکہ ان کو اپنے طبعی تعلق و محبت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اس سے کوئی گھن اور کراہت محسوس نہیں ہوتی' بلکہ ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتے ہیں' انہیں کے حکم میں شاگرد اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اس کو حصول سعادت سمجھتے ہوں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَحْضُرُ اَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ شَأْنِهٖ حَتّٰى يَحْضُرَهُ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِكُمْ اللُّقْمَةُ فَلْيُمِطْ مَاكَانَ بِهَا مَا اَذًى ثُمَّ لِيَأْ كُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ فِيْ اَيِّ طَعَامِهٖ يَكُوْنُ الْبَرَكَةُ۔ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' باب۱۸' ح ۲۰۳۳۔

''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان تمہارے ہر کام کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے کھانے کے وقت بھی تمہارے پاس موجود رہتا ہے' لہٰذا تم میں سے جب کسی شخص کا کوئی نوالہ گر جائے تو چاہئے کہ (اس کو اٹھالے اور از قسم مٹی وغیرہ) جو چیز اس کو لگ گئی ہو اس کو صاف کر کے کھالے' اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے' نیز جب کھانا کھا چکے تو چاہئے کہ اپنی انگلیاں چاٹ لے کیونکہ اس کو یہ نہیں معلوم کہ اس کے کون سے کھانے میں (یعنی کھانے کے کس حصہ میں) برکت ہے''۔ (مسلم)

کھاتے وقت کوئی لقمہ گر جائے تو اس کو صاف کر کے کھالینا چاہئے:

''اس کو صاف کر کے کھالے'' لیکن اگر وہ لقمہ کسی نجاست و گندگی پر گرا ہو تو اس کو دھو کر کھائے' بشرطیکہ اس کو دھونا ممکن ہو' یا طبیعت اس پر آمادہ ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو

پھر اس کو کتے یا بلی وغیرہ کو کھلا دے۔

''اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے'' یہ یا تو حقیقت پر محمول ہے کہ وہ واقعتاً کھاتا ہے یا یہ کنایہ ہے کہ اس لقمہ کو ضائع کرنے اور اس کو حقیر جاننے سے' نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایسا کرنا (یعنی اس گرے ہوئے لقمہ کو حقیر و کمتر جان کر نہ اٹھانا) دراصل متکبر لوگوں کی مشابہت اور ان کی عادت کو اختیار کرنا ہے' کیونکہ وہ (متکبر لوگ) گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر کھانا عار سمجھتے ہیں اور یہ ساری چیزیں (یعنی اس لقمہ کو ضائع کرنا اور اس کو حقیر جاننا اور متکبر لوگوں کی عادت اختیار کرنا) شیطانی افعال میں سے ہیں۔

''نیز جب کھانا کھا چکے تو الخ'' یہ اگرچہ ایک علیحدہ حکم ہے مگر حقیقت میں پہلے حکم سے حاصل ہونے والے مفہوم ''تکبر کو ترک کرنے اور تواضع و انکساری کو اختیار کرنے'' کو مؤکد کرنے کے لئے ہے کہ کھانا کھا چکنے کے بعد ہاتھ کو دھونے سے پہلے انگلیوں کو چاٹ لیا جائے تا کہ اللہ کے رزق کے تئیں اپنے کامل احتیاج اور تواضع و انکساری کا اظہار ہو اور تکبر و نخوت کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔

وَعَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا اٰكُلُ مُتَّكِئًا (رواہ البخاری)

صحیح البخاری' کتاب الاطعمۃ' باب الاکل متکئاً' ح ۵۳۹۸۔

''اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا''۔ (بخاری)

ٹیک لگا کر کھانا کھانے کی ممانعت:

''سفر السعادت'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ کھانا کھاتے وقت ٹیک لگانے کی تین صورتیں ہیں' ایک تو یہ کہ پہلو زمین پر رکھا جائے' دوسرے یہ کہ چار زانو بیٹھا جائے اور

تیسرے یہ کہ ایک ہاتھ ٹیک کر بیٹھا جائے اور دوسرے ہاتھ سے کھانا کھایا جائے۔ یہ تینوں صورتیں مذموم ہیں اور بعض حضرات نے چوتھی صورت یہ بیان کی ہے کہ تکیہ یا دیوار اور اسی طرح کی کسی اور چیز سے ٹیک لگا کر بیٹھا جائے! مسنون یہ ہے کہ کھاتے وقت کھانے کی طرف جھک کر اور متوجہ ہو کر بیٹھا جائے اور اکثر حضرات نے ''ٹیک لگانے'' کی وضاحت یہ کی ہے کہ دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف جھک کر اور اس پر سہارا لے کر بیٹھا جائے کھاتے وقت بیٹھنے کی یہ صورت اس لئے غیر مسنون ہے کہ ایسی حالت میں کھانا ضرر پہنچاتا ہے۔ بایں طور کہ وہ بدن میں اپنی جگہ پر ٹھیک طرح سے نہیں پہنچتا' جو طبیعت پر گراں ہو کر سوءِ ہضم کی شکایت پیدا کرتا ہے۔

سیوطیؒ نے کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں لکھا ہے کہ ٹیک لگا کر' منہ کے بل پڑ کر اور کھڑے ہو کر کھانا نہ کھایا جائے۔ بلکہ اس طرح بیٹھ کر کھائے کہ یا تو دو زانو ہو یا بصورت اقعاء ہو یعنی دونوں کولہے ٹیک لے اور دونوں زانو کھڑے کر لے یا دونوں پاؤں پر بیٹھے اکڑوں اور یا دا ہنا زانو کھڑا کر لے اور بائیں زانو پر بیٹھ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کھانے کو برا نہیں کہتے تھے:

یاد رکھئے! آپ کے ساتھ شادی کے ابتدائی دنوں میں یہ صورتحال پیش آ سکتی ہے کہ شوہر کو آپ کے ہاتھ کا بنا کھانا پسند نہ آئے اور کچھ تو ایسے ناعاقبت اندیش بھی ہوں گے جو بھری مجلس ہی میں یہ بات کہہ کر اپنی مردانگی کی دھاک بٹھانا چاہیں گے تو اب میں آپ کو کیا مشورہ دوں کہ آپ بھی آگے سے جواب دینے لگ پڑیں۔ نہیں! نہیں! میں اپنی بچیوں کو ہرگز یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ صبر کیجئے اور اطمینان رکھئے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی والدہ زیادہ مرچ مصالحوں والے کھانے بناتی ہوں یا گھی وغیرہ کوئی اور استعمال کرتی ہوں یا واقعی وہ بہت اچھے کھانے بناتی ہوں بہرحال بات جو بھی ہو چند ہی دنوں میں ان کا ''ٹیسٹ ڈویلپ'' ہو جائے گا تو امید ہے کہ

۳

یہ مسئلہ خود بخود ہی ختم ہو جائے گا۔ بہرحال آپ بھی اچھے کھانے پکانے کے لئے کتب وغیرہ کا مطالعہ کر کے اس بابت اپنی استعداد بڑھا سکتی ہیں۔

مناسب موقع دیکھ کر شوہر کو یہ حدیث مبارکہ یاد کرائیے:

وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ مَا عَابَ النَّبِیُّ ﷺ طَعَاماً قَطُّ اِنِ اشْتَہَاہُ اَکَلَہٗ وَاِنْ کَرِہَہٗ تَرَکَہٗ (متفق علیه)

صحیح البخاری' کتاب الاطعمة' باب ماعاب النبی طعاما' ح ۵۴۰۹۔

''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رغبت ہوتی تو اس کو کھا لیتے اور اگر ناپسند فرماتے تو اس کو چھوڑ دیتے''۔ (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ کھانے کی چیزوں کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا کہ جو چیز آپ کی پسندیدہ ہوتی اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رغبت کے ساتھ کھا لیتے اور جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب و پسندیدہ نہ ہوتی اس کو نہیں کھاتے تھے یہ نہیں تھا کہ جو چیز پسندیدہ نہ ہوتی اس کو برا کہتے اس میں عیب نکالتے۔

جان ہے تو جہان ہے

موٹاپا اور اس کا نبوی علاج:

آج کل ہر گھر میں خاتون خانہ کو جو مسئلے درپیش ہیں ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہائے میں تو دن بدن موٹی ہوئی جا رہی ہوں۔ یہ غور کرنے کی کبھی زحمت نہ کی کہ جس شوہر کو بسا اوقات بے دھیانی میں ہی برا بھلا کہہ دیتی ہوں اس نے کپڑے دھونے کے لئے الگ‘ صفائی کے لئے الگ اور برتنوں کے لئے الگ خادمائیاں مہیا کی ہوئی ہیں۔

فرمانبردار بچیو!

دیکھو! یہی سب کام کر کے تو تم گھر کی ملکہ بنی‘ اب انہی سے جان چھڑا کر اس عہدہ کی توقیر بھی کم کروائی اور اپنی جان کو الگ روگ لگوائے۔ چلئے ہم بھی یہ مانے لیتے ہیں کہ اگر اللہ عزوجل نے آپ کو دولت دی ہے تو آپ کا بھی حق ہے چند دن آرام کریں لیکن کچھ کام تو اپنے ہاتھ سے کیجئے‘ فقط بستر پہ لیٹے لیٹے حکم جمالینا یقین جانئے فقط ”زبان کی ایکسرسائز“ ہے اور اس کو تو آپ کو ”ریسٹ“ دینے کی ضرورت ہے۔

ہائے! میرے شوہر دوسری عورتوں کی طرف دیکھتے ہیں:

یہ بات اگرچہ خواتین زبان پر تو کم ہی لاتی ہیں لیکن جب اندر کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دکھ بہت سی عورتوں کو لاحق ہے کہ ہمارے شوہر ”فکشن“ میں ہماری طرف کم اور غیر عورتوں کی طرف زیادہ دیکھتے ہیں۔

مجھے تو یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ واقعی مردوں میں یہ ایک ایسا عیب ہے

جوان خواتین کو اندر ہی اندر گھولے دیتا ہے۔

لیکن میں چونکہ یہ کتاب آپ خواتین کے حوالے سے لکھ رہا ہوں اس لئے یہاں پر ان کو نصیحت کرنا ناکارہ سمجھتا ہوں اور فقط اپنی بیٹیوں کو ہی نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ خدارا! آپ اپنی اولاد کی دنیاوی کے ساتھ ساتھ ”کچھ“ دینی تربیت بھی کریں۔ چلئے آپ کے شوہر کی ان کی والدہ نے کوئی دینی تربیت نہیں کی آپ ہی نصیحت حاصل کیجئے اور اپنے بیٹے کو دنیا کے ساتھ ساتھ کچھ آخرت کے لئے بھی تیار کیجئے تاکہ آپ کی بہو تو کم از کم آپ کو دعائیں دے۔ یہ فقط اور فقط دین سے دوری کی وجہ سے ایسی لغویات و فواحشات میں مبتلا ہے۔ اپنے شوہروں کے دینی شعور کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کیجئے۔ خود نمازی‘ پرہیزگار بنئے اور ان کو ایک ہی نماز پڑھنے کے بعد نماز پڑھنے کی تلقین نہ شروع کر دیجئے۔ چند دن خاموشی سے عمل پیرا رہئے‘ دیکھئے اگر ”مہر“ نہیں لگی اور اکثر کو یقیناً نہیں لگی ہوگی تو خود ہی لائن پر آجائیں گے‘ ان شاء اللہ

مُہر لگی ہونے کا مفہوم ☆

نوٹ ☆ آیئے آپ کو کچھ بتاتا چلوں کہ مہر لگی ہونے سے کیا مراد ہے

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

”اور وہ (یہودی افتخاراً) کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں بلکہ ان کے کفر کے سبب ان پر خدا کی مار ہے سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں۔“

(البقرۃ:۸۸)

یہودیوں کا ایک قول یہ بھی تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ یعنی یہ علم سے بھرپور ہیں۔ اب ہمیں نئے علم کی ضرورت نہیں۔ اس لئے جواب ملا کہ یوں نہیں بلکہ لعنت خدائی کی مہر لگ گئی ہے۔ ایمان نصیب ہی نہیں ہوتا۔ غُلْفٌ کو غُلُفٌ بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ علم کے برتن ہیں اور جگہ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ......﴾ (حم السجدۃ:۵) یعنی جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو۔ اس چیز سے

ہمارے دل پردے اور آڑ میں ہیں۔ اُن پر مہر لگی ہوئی ہے۔ وہ اُسے نہیں سمجھتے اور نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ اُسے یاد رکھتے ہیں۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ بعض دل غلاف والے ہیں۔ جن پر غضب خدا ہوتا ہے۔ یہ دل کفار کے ہوتے ہیں۔ (احمد) سورہ نساء میں بھی ایک آیت اسی معنی کی ہے: ﴿وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ...... ﴾ (النساء: ۱۵۵) تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہے کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے۔ یعنی قیامت ثواب عذاب وغیرہ کے قائل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والے تورات کو خدائی کتاب ماننے والے ہیں مگر اس پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں۔ کیوں کہ عربی زبان میں ایسے موقع پر بالکل نہ ہونے کی صورت میں بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

(یہ تحریر ایک بچی کے خط کے جواب میں لکھی تھی جو کہ اس نے مجھے اپنے شوہر کی مصروفیت کی بابت لکھا تھا اور اس میں اپنے شوہر (جو کہ میرے شاگرد رہ چکے ہیں) کے دل پر مہر لگی ہونے کا ذکر ''چبھتے'' ہوئے لفظوں میں کیا تھا''۔

خدارا! فقط زیور پہن کر خوبصورت نہ دکھنے کی کوشش کیجئے کچھ صحت کا بھی خیال رکھئے:

اپنی صحت کی طرف بھی کچھ دھیان دیجئے۔ نئے نئے' مہنگے ملبوسات' بڑی بڑی دکانوں سے زیورات' ٹیلرنگ کا اعلیٰ معیار' بالوں کو نت نئے رنگ کروانا' چہرے کی پلاسٹک سرجری کروانا' آنکھوں میں نت نئے رنگوں کے لینز لگوانا یہ آپ کی ذات کے نعم البدل ہرگز نہیں۔

ٹھیک ہے کہ ان میں سے کچھ چیزیں عورت کے لئے ضروری ہیں لیکن آخر جس نے پہنی ہیں اس کے چہرے پہ بھی تو کوئی رونق ہونی چاہئے۔ اس کے اعضاء میں بھی تو کوئی متناسبت ہونی چاہئے۔

یاد رکھئے! نماز سے بہتر کوئی کارآمد طریقہ کار نہیں جو کہ آپ کے جسم اور چہرہ کو پررونق رکھے گا۔ کچھ وقت ایکسرسائز بھی کیجئے' اگر گھر کے کام نہیں کرتی اور اگر گھر کے کاموں سے ہی چور ہوئی رہتی ہیں تو کچھ دیر آرام آپ کے چہرے کو چار چاند لگا دے گا۔

آیئے کچھ ایسے طریقے بیان کئے دیتا ہوں جن سے آپ اور آپ کے خاندان کی صحت تادیر قائم رہے گی۔

گھر والوں کو اچھا مگر کم کھانے کی رغبت دلایئے:

وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَاْكُلُ اَكْلًا كَثِيْرًا فَاَسْلَمَ وَكَانَ يَاْكُلُ قَلِيْلًا فَذُكِرَذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَاْكُلُ فِىْ مِعًا وَّاحِدٍوَاِنَّ الْكَافِرَ يَاْكُلُ فِىْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ (رواه البخارى ورواه مسلم) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى وَابْنِ عُمَرَ الْمُسْنَدَ مِنْهُ فَقَطْ وَفِىْ اُخْرٰى لَهٗ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَافَهٗ ضَيْفٌ وَّهُوَكَافِرٌ فَاَمَرَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اُخْرٰى فَشَرِبَهٗ ثُمَّ اُخْرٰى فَشَرِبَهٗ حَتّٰى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ ثُمَّ اِنَّهٗ اَصْبَحَ فَاَسْلَمَ فَاَمَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اَمَرَبِاُخْرٰى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ

يَشْرَبُ فِىْ مِعًا وَّاحِدٍ وَّالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِىْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ

صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' باب المؤمن یاکل فی معی واحد' ح ۲۰۶۰

''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تھا' جو (پہلے تو) بہت زیادہ کھایا کرتا تھا' مگر جب مسلمان ہوا تو کم کھانے لگا' چنانچہ نبی کریم ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''حقیقت یہ ہے کہ مؤمن تو ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے (بخاریؒ) اور مسلمؒ نے اس روایت کو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے' جس میں (یہ واقعہ مذکور نہیں ہے بلکہ) محض آنحضرت ﷺ کا ارشاد مذکور ہے' لیکن مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت نقل کی ہے' جس میں یوں ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کے ہاں ایک مہمان آیا جو کافر تھا' رسول کریم ﷺ نے اس کے لئے ایک بکری دوہنے کا حکم دیا' بکری دوہی گئی اور اس کافر نے اس دودھ کو پی لیا پھر آپ ﷺ کے حکم سے دوسری بکری دوہی گئی وہ اس دودھ کو بھی پی گیا' پھر جب صبح ہوئی تو وہ مسلمان ہو گیا' رسول کریم ﷺ نے (اس وقت بھی) اس کے لئے ایک بکری دوہنے کا حکم دیا۔ بکری دوہی گئی اور اس نے اس کا دودھ پی لیا پھر آپ ﷺ نے دوسری بکری دوہنے کا حکم دیا (بکری دوہی گئی) لیکن (اب) اس کا پورا دودھ نہ پی سکا' رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مؤمن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں''۔

مؤمن ایک آنت سے اور کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے:

کہا جاتا ہے کہ انسان کے پیٹ میں سات آنتیں ہوتی ہیں لیکن اس سے قطع نظر یہاں ایک آنت اور سات آنت سے مراد قلب حرص اور کثرت حرص ہے۔ جس کا

مطلب یہ ہے کہ مسلمان کھانے پینے میں کم حرص رکھتا ہے اور کافر زیادہ حرص رکھتا ہے اور یہ بات اکثر و اغلب کے اعتبار سے ہے یا اس مخصوص شخص کی حالت بیان کرنا مراد ہے' جس کا روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جب مسلمان ہوا تو کم کھانے لگا' لیکن جب کافر تھا تو زیادہ کھاتا' یا کامل الایمان مؤمن مراد ہے کہ وہ ذکر الٰہی کی برکت اور نور و معرفت ایمان کے سبب ہمہ وقت سیر رہتا ہے کہ اس کو نہ کھانے پینے کی حرص ہوتی ہے اور نہ کھانے پینے کے اہتمام کی طرف رغبت' اس کے برعکس کافر کا حال دوسرا ہوتا ہے! درحقیقت اس حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ مؤمن کی شان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صبر و قناعت کو لازم جانے' زہد و ریاضت کی راہ کو اختیار کرے' خورد و نوش کی اسی حد پر اکتفا کرے جو زندگی کی بقا کے لئے ضروری ہو اور اپنے معدے کو اتنا خالی رکھے۔ جو نورانیت دل' صفائی باطن اور شب بیداری وغیرہ کے لئے مدد و معاون ہو۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک فقیر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور بہت زیادہ کھا گیا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اتنا زیادہ کھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ آئندہ اس کو میرے پاس نہ آنے دیا جائے' علماء نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ جب اس فقیر نے اس قدر غیر معمولی طور پر کھایا تو گویا وہ کفار کے مشابہ ہوا اور جو شخص کافروں کی مشابہت اختیار کرے اس سے ملنا جلنا ترک کر دینا چاہئے۔ واضح رہے کہ کم کھانے کی عادت اختیار کرنا عقلاء باہمت اور اہل حقیقت کے نزدیک مستحسن و محمود ہے اور اس کے برعکس مذموم ہے لیکن وہ بھوک جو حد افراط کو پہنچ جائے ضعف بدن اور قوائے جسمانی کے اختلال کا باعث ہو اور جس کی وجہ سے دین و دنیا کے امور کی انجام دہی میں رکاوٹ پیدا ہو وہ ممنوع اور طریقہ حکمت کے منافی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِى الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ ثَلَاثَةٍ كَافِى الْاَرْبَعَةِ (متفق علیہ)

صحیح البخاری' کتاب الاطعمۃ' باب طعام الواحد یکفی الاثنین' ح ۵۳۹۲

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو اور تین کا کھانا چار کو کافی ہوتا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

کھانے کے وقت سسرالی رشتہ داروں کو بھی ساتھ شامل کیجئے:

حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو کھانا دو آدمیوں کو سیر کر دیتا ہے وہ تین آدمیوں کو بھی سیر کر دیتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کھانے کو دو آدمی سیر ہو کر کھاتے ہیں۔ وہ تین آدمیوں کے لئے بطور قناعت کافی ہو جاتا ہے کہ وہ تینوں کی بھوک ختم کر دیتا ہے ان کو عبادت وطاعت کی طاقت وقوت عطا کر دیتا ہے اور ان کے ضعف کو دور کر دیتا ہے اس پر مابعد کی عبارت ''تین آدمیوں کا کھانا چار کو کافی ہوتا ہے'' کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے' اصل میں حدیث کی غرض اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ اگر تمہیں اتنا کھانا میسر ہو جو تمہارا پیٹ پوری طرح بھر سکتا ہے تو اس کو محض اپنے پیٹ بھرنے میں صرف نہ کرو' بلکہ درجہ' قناعت اختیار کر کے اس میں سے اتنا ہی کھاؤ جو تمہاری غذائی ضرورت کے بقدر ہو' جو تمہاری ضرورت واقعی سے زائد ہو' اس کو کسی دوسرے محتاج کو کھلا دو۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ وَطَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ.

صحیح مسلم' کتاب' ح ۲۰۵۹۔

''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو' دو کا کھانا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ کو کافی ہوتا ہے''۔ (مسلم)

ایک آدمی کا کھانا دو کو' دو کا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ کو کافی ہونا:

اس حدیث میں بھی وہی تاویل ہوگی جو اوپر بیان ہوئی' لیکن اوپر کی حدیث میں ثلث وربع کے حساب سے فرمایا گیا ہے (کہ ایک کا کھانا دو کو اور دو کا تین کو کافی ہوتا ہے) اور اس حدیث میں بطریق تضاعف (دگنے کے حساب سے) فرمایا گیا ہے (کہ ایک کا کھانا دو کو اور دو کا چار کو کافی ہو جاتا ہے) یہ اختلاف اشخاص واحوال کے تفاوت کے سبب سے ہے کہ جس جذبہ' قناعت اور ایثار کی صورت میں دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے' بعض حالات اور بعض آدمیوں کی صورت میں وہی جذبہ' قناعت وایثار کچھ اور بڑھ کر دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لئے بھی کافی قرار دے دیتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ قحط سالی کے دنوں میں فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں ہر گھر والوں کے پاس ان کی تعداد کے بقدر آدمی بھیج دوں' کیونکہ آدمی آدھا پیٹ کھانے سے ہلاک نہیں ہوتا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ اس قحط کے زمانہ میں بھی کچھ لوگوں کو اسباب معیشت میسر ہیں اور وہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں' جب کہ کتنے ہی بندگانِ خدا ایسے ہیں جنہیں بقاء زندگی کے بقدر بھی خوراک میسر نہیں ہے' میں چاہتا ہوں کہ جن گھروں کو خدا نے پیٹ بھر کر کھانے کے بقدر میسر کر رکھا ہے' ان میں سے ہر گھر کے ذمہ اتنے محتاج نادار لوگوں کا کھانا کر دوں' جتنے خود گھر والے ہیں' مثلاً جس گھر میں پانچ آدمی ہیں' اس گھر کے ذمہ پانچ ہی ناداروں کا کھانا کر دوں کہ وہ اپنے اتنے ہی کھانے میں کہ جو وہ اپنے لئے تیار کرتے ہیں' ان پانچوں ناداروں کو بھی شریک کر لیں' اس طرح وہ اپنا آدھا پیٹ کاٹ کر ان ناداروں کی زندگی کی بقاء کا ذریعہ بن جائیں گے جن کو کچھ بھی کھانے کے لئے میسر نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ آدھا پیٹ بھرنے سے جسم کی توانائی میں کچھ کمی بے شک آ جائے مگر اس کی وجہ سے آدمی ہلاک نہیں ہوتا۔

نبی کریم ﷺ کی مرغوب غذا:

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ خَیَّاطاً دَعَا النَّبِیَّ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهٗ فَذَهَبْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِیْرٍ وَمَرَقاً فِیْهِ دُبَّاءٌ وَقَدِیْدٌ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَی الْقَصْعَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ یَوْمَئِذٍ

(متفق علیه)

صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب الخیاط' ح ۲۰۹۲۔

''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک درزی نے نبی کریم ﷺ کو اپنے تیار کئے ہوئے کھانے پر مدعو کیا' نبی کریم ﷺ کے ہمراہ میں بھی گیا' اس نے جو کی روٹی اور شوربا لا کر (دستر خوان پر) رکھا جس میں کدو اور خشک گوشت تھا' چنانچہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ (کو کدو چونکہ بہت مرغوب تھا اس لئے آپ ﷺ) پیالے کے کناروں میں سے کدو کو تلاش کر کر کے کھاتے تھے' اسی لئے اس دن کے بعد سے میں کدو کو بہت پسند کرتا ہوں (کیونکہ وہ آنحضرت کو بہت پسند تھا)''۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اس دعوت میں جانا یا تو اس بنا پر تھا کہ ان کو بھی مدعو کیا گیا ہوگا یا وہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے خادم خاص تھے اور کسی بھی دعوت میں خادم کے ساتھ ہونے کی اجازت داعی کی طرف سے عام طور پر ہوتی ہے' اس لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ اس دعوت میں شریک ہوئے' اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اگر دستر خوان پر کسی پیالے یا برتن میں کھانے کی مختلف چیزیں ایک ساتھ ہوں تو اس پیالے یا برتن کے دوسرے کنارہ تک ہاتھ بڑھانا جائز ہے' اس صورت میں محض اپنے سامنے کے کنارے تک اپنے ہاتھ کو محدود رکھنا ضروری

نہیں ہوگا' بشرطیکہ دستر خوان پر بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ اس کو ناپسند کریں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ غرباء اور دستکاروں کی دعوت قبول کرنا چاہئے اور وہ دستر خوان پر کھانے کی جو بھی چیز لا کر رکھیں اس کو برضا و رغبت کھانا چاہئے' تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کھانے کے وقت اپنا خادم ساتھ ہو تو اس کو اپنے ساتھ ہی کھانا کھلانا چاہئے' یہ خالص دنیاداروں کا طریقہ ہے کہ خود تو الگ بیٹھ کر کھائیں اور خادم کو دوسری جگہ بٹھا کر کھلائیں اور چوتھی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ کدو کو اپنی پسندیدہ غذا قرار دینا مسنون ہے اور اس طرح ہر اس چیز کو پسند و مرغوب رکھنا مسنون ہے جس کو آنحضرت ﷺ پسندیدہ و مرغوب رکھتے تھے''۔

آنحضرت ﷺ کو میٹھی شئے مرغوب تھی:

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ یُحِبُّ الْحَلْوَآءَ وَالْعَسَلَ۔

البخاری' کتاب الاطعمة' باب الحلوا والعسل' ح ۵۴۳۱۔

''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو بہت پسند فرماتے تھے''۔ (بخاری)

عربی میں حلوآء (مد کے ساتھ) اور حلواء (قصر کے ساتھ) دونوں کا اطلاق اس میٹھی چیز پر ہوتا ہے جو مٹھاس اور چکنائی کے ذریعہ بنے' جس کو اردو میں حلوہ کہا جاتا ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مطلق یعنی ہر میٹھی چیز کو حلوا کہتے ہیں اس صورت میں الحلواء کے بعد لفظ والعسل کا ذکر تخصیص بعد تعمیم کے طور پر ہوگا (یعنی پہلے تو حلوہ کا ذکر کیا) جو ایک عام لفظ ہے اور جس کے حکم میں شہد بھی داخل ہے' لیکن پھر بعد میں خاص طور پر شہد کو بھی ذکر کر دیا' خطابیؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا میٹھی چیز کو بہت پسند کرنا طبعی خواہش کی زیادتی کی بنا پر نہیں تھا کہ آپ ﷺ اکثر و بیشتر میٹھی چیز

کھانا پسند فرماتے ہوں بلکہ ''بہت پسند کرنے'' کا مطلب محض یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کے سامنے دستر خوان پر میٹھی چیز آتی تو آپ ﷺ اس کو اتنی رغبت کے ساتھ تناول فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ یہ آپ ﷺ کو بہت مرغوب ہے۔

آنحضرت ﷺ کس طرح بیٹھ کر کھاتے تھے:

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَ أَيتُ النَّبِیَّ ﷺ مُقْعِيًا يَاْكُلُ تَمْرًا وَفِی رِوَايَةٍ يَاْكُلُ مِنْهُ اَكْلًا ذَرِيعًا (رواه مسلم)

صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب تواضع الاكل وصفة قعوده' ح ۲۰۲٤۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو بہ ہیئت اقعاء بیٹھ کر کھجوریں کھاتے دیکھا ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کھجوروں کو جلدی جلدی کھا رہے تھے''۔ (مسلم)

''بہ ہیئت اقعاء'' سے مراد بیٹھنے کی وہ صورت ہے جس میں دونوں سرین زمین پر رکھے جائیں اور دونوں زانو کھڑے کر لئے جائیں۔

کھجوروں کو جلدی جلدی کھانے کا سبب یہ تھا کہ اس وقت آپ ﷺ کو کوئی کام درپیش ہوگا اس لئے آپ ﷺ نے کھجوروں کو جلدی جلدی کھایا تا کہ اس سے فارغ ہو کر اس کام میں مشغول ہو جائیں۔

تنگیٔ معاش میں شوہر کا ساتھ دینا سیکھئے:

وَعَنْهَا قَالَتْ يَأْتِی عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَانُوْقِدُ فِيْهِ نَارًا اِنَّمَا هُوَالتَّمْرُ وَالْمَآءُ اِلَّااَنْ يُّؤْتٰى بِاللُّحَيْمِ (متفق عليه)

صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابه' ح ٦٤٥٨۔

''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ بعض مہینہ ہم پر ایسا گزرتا تھا کہ ہم اس میں آگ نہ جلاتے تھے (یعنی بعض مرتبہ پورا پورا مہینہ ایسا گزرتا تھا کہ ہمارے گھر میں سامان خوراک نہ ہونے کی وجہ سے چولہے میں آگ بھی نہیں جلتی تھی) اور (اس عرصہ میں) ہماری غذا کا انحصار (صرف) کھجور اور پانی پر ہوتا تھا۔ الا یہ کہ کہیں سے تھوڑا سا گوشت آ جاتا تھا''۔

''الا یہ کہ کہیں سے تھوڑا سا گوشت آ جاتا تھا'' کا مطلب یہ ہے کہ تنگی معاش کے اس عرصہ میں ہم صرف کھجوریں کھا کھا کر اور پانی پی پی کر گزرا کر لیا کرتے تھے' یا اگر کوئی شخص تھوڑا بہت گوشت بھیج دیا کرتا تھا تو اس کو کھا لیتے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ گھر میں خوراک کا کوئی سامان نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی' ہاں اگر کہیں سے کچھ گوشت آ جاتا تو اس کو پکانے کے لئے آگ جلا لیا کرتے تھے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ يَوْمَيْنِ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ اِلَّا وَاَحَدُهُمَا تَمْرٌ (متفق عليه)

صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب کیف کان عیش النبی ﷺ واصحابه' ح ٦٤٥٥۔

''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایسا (کبھی نہیں ہوا) کہ آنحضرت ﷺ کے گھر والوں نے دو دن گیہوں کی روٹی سے اپنا پیٹ بھرا ہو اور ان دو دنوں میں سے ایک دن کی غذا کھجور نہ ہوئی ہو''۔ (بخاری و مسلم)

آنحضرت ﷺ کی عام دنوں کی غذا:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سرکار دو عالم اور آپ ﷺ کے اہل و عیال کبھی بھی مسلسل دو دنوں تک گیہوں کی روٹی نہیں کھاتے تھے' جہاں تک گیہوں کی روٹی کی قید لگانے کا سوال ہے تو ہو سکتا ہے کہ جو کی روٹی میسر ہو جاتی ہو۔

ہر وقت تنگیٔ معاش کا رونا نہ روتی رہئے:

وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا شَبِعْنَا مِنَ الْاَسْوَدَيْنِ ۔

صحیح البخاری' کتاب الاطعمہ' باب من اکل حتی شبع' ح ۵۲۸۳۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور ہم نے (آپ ﷺ کی حیات میں کبھی) دو سیاہ چیزوں یعنی کھجور اور پانی سے پیٹ نہیں بھرا''۔ (بخاری و مسلم)

یہ حدیث بھی واضح کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل و عیال کس تنگی و سختی کے ساتھ اپنی زندگی گزارتے تھے اور باوجودیکہ اگر آپ ﷺ چاہتے تو دنیا کی تمام لذات اور ایک خوش حال با فراغت زندگی گزارنے کے سارے وسائل و ذرائع آپ ﷺ کے قدموں میں ہوتے مگر آپ ﷺ ہمیشہ کمال ایثار و استغناء اور نفس کشی و ترک لذات پر عامل رہے۔

اسودین (دو سیاہ چیزوں) میں سے ایک سیاہ چیز کھجور ہے اور دوسری سیاہ چیز پانی! کو سیاہ چیز سے تعبیر کرنا مجاورت و مقارنت کی وجہ سے ہے اور اس طرح کا طرز کلام اہل عرب کی یہاں مستعمل ہے۔ جیسا کہ ماں اور باپ کو ابوین یا چاند اور سورج کو قمرین کہتے ہیں' اس کو عربی میں تغلیب کہتے ہیں۔ تاہم واضح رہے کہ اس ارشاد میں ''پانی کا ذکر'' کھجور کے ضمن و طفیل میں ہے' اصل مقصود کھجور ہی کا ذکر کرنا ہے' کیونکہ پانی نہ تو پیٹ بھرنے کے مصرف میں آتا ہے اور نہ اس کی کوئی کمی ہی تھی' اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے گھر والوں کو غذا کے طور پر کھجوریں بھی اتنی مقدار میں مہیا نہیں ہوتی تھیں جو پیٹ بھرنے کے بقدر ہوں' بلکہ بس اتنی ہی مہیا ہو جاتی تھیں جس سے پیٹ کو سہارا مل جاتا تھا۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَّشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَاَيْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ ۔

صحیح مسلم' کتاب الزهد' ح ۲۹۷۷۔

''اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے (ایک موقع پر) فرمایا: ''کیا تم لوگ اپنے کھانے پینے میں جس طرح چاہتے ہو عیش نہیں کرتے (یعنی تم اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں اپنی خواہش کے مطابق وسعت و افراط اختیار کر کے عیش و راحت کی زندگی گزار رہے ہو) جب کہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ کو ناکارہ کھجوریں بھی اس قدر میسر نہیں ہوتی تھیں جو آپ ﷺ کا پیٹ بھر دیتیں''۔ (مسلم)

''کیا تم...... الخ'' حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے یہ بات یا تو تابعین کو مخاطب کر کے کہی' یا آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہی۔

''تمہارے نبی ﷺ...... الخ'' مخاطبین کی طرف نبی ﷺ کی اضافت و نسبت ان کو الزام دینے یا یوں کہا جائے کہ غیرت دلانے کے لئے کی تاکہ تم جس نبی ﷺ کی امت میں ہو اور جن کا نام لیوا ہونے پر فخر کرتے ہو' ان نبی ﷺ کا تو یہ حال تھا کہ ان کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ناکارہ کھجوریں بھی میسر نہیں آتی تھیں اور ایک تم ہو کہ انواع و اقسام کے کھانے کھاتے ہو اور عیش و عشرت کی زندگی اختیار کئے ہوئے ہو اور اس طرح گویا تم نے دنیا اور دنیا کی لذتوں سے اجتناب کرنے کے لئے اپنے نبی ﷺ کے طریقہ کو اختیار کرنے سے اعراض کیا ہے۔

واضح رہے کہ پہلی حدیث میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر بعض ایام

ایسے گزرتے تھے جن میں آپ ﷺ کی غذا محض کھجوریں ہوتی تھیں' دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کھجوریں بھی اتنی مقدار میں میسر نہیں ہوتی تھیں جس سے پیٹ ہی بھر لیا جاتا اور یہاں یہ بیان کیا گیا کہ وہ قلیل مقدار بھی اچھی کھجوروں پر مشتمل نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ ناکارہ کھجوریں ہوتی تھیں جن کو بالکل ہی محتاج و مفلس شخص کے علاوہ کوئی دوسرا کھانا بھی پسند نہ کرے اور یہ ساری باتیں اس حقیقت کی غماز ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک لذات دنیا کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں تھی اور آپ ﷺ معمولی درجہ کی بھی خوش حالی و راحت بخش زندگی گزارنے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے' بلکہ آپ ﷺ نے بنیادی طور پر فقر اور ترک لذات کو اختیار کیا تھا اور یہی آپ ﷺ کا معمول بن گیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر حالت میں قائم رکھا۔ جب اسلام اور اہل اسلام پر سخت عسرت و تنگی کا زمانہ تھا اس وقت بھی آپ ﷺ اس پر عامل رہے اور جب اسلام اور اہل اسلام کو شوکت نصیب ہوئی اور دنیا کے خزانے آپ ﷺ کے قدموں میں آ گئے اس حالت میں بھی آپ ﷺ نے اسی فقر و عسرت کی زندگی گزارنے پر قناعت کی ایسا کیوں تھا؟ محض اس لئے نہیں کہ آپ ﷺ واقعتاً مفلس و محتاج تھے اور آپ ﷺ خواہش و طلب کے باوجود ایک خوش گوار و خوش حال زندگی کے اسباب و وسائل مہیا کرنے پر قادر نہیں تھے کیونکہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ بعد میں مسلمانوں کو اسباب معیشت کی بڑی وسعت و فراوانی نصیب ہوئی بلکہ بجا طور پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عسرت و تنگی کے زمانہ میں بھی اگر آپ ﷺ چاہتے تو عیش و تنعم کے وہ کون سے وسائل تھے جو آپ ﷺ کو حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اتنی سخت و تنگ زندگی گزارنا اس سخاوت کی بنا پر تھا کہ گھر میں جو کچھ بھی آیا دوسروں پر صرف کر دیا' اس ایثار کی بنا پر تھا جو خود کو سخت سے سخت تکلیف میں مبتلا کر کے بھی دوسروں کی راحت چاہتا تھا' اس زہد و تقویٰ اور قناعت و توکل کی بناء پر تھا جس نے آخرت کی سربلندی اپنے پروردگار کی رضا جوئی اور اپنی عبدیت و بے چارگی کے

مکمل اظہار کے لئے دنیا کی ہر لذت' دنیا کا ہر عیش و تنعم اور دنیا کی ہر خواہش کو کلیتاً پس پشت ڈال دیا تھا اور ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ اپنی اس عملی زندگی کے ذریعہ اپنی امت کو عیش و تنعم کی زندگی سے اجتناب کرنے قناعت و توکل اور ایثار کا وصف پیدا کرنے اور اپنے حقیقی مقصد حیات کی راہ میں سختی و مشقت برداشت کرنے کی تعلیم و تربیت دیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے والے اور پینے والے کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ جو چیز کھا یا پی رہا ہو اس میں سے کچھ باقی چھوڑ دے اور پھر اس کو اپنے محتاج ہمسایوں میں تقسیم کر دے۔

اللہ کا شکر ادا کیجئے اور کفرانِ نعمت نہ کیجئے:

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لن نصبر عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ ......﴾ [البقرة: ٦١]

اور جب تم لوگوں نے یوں کہا کہ اے موسیٰ (روز کے روز) ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کرے جو زمین میں اُگا کرتی ہیں ساگ (ہوا) ککڑی (ہوئی) گیہوں (ہوا) مسور (ہوئی) پیاز (ہوئی) آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجے کی ہے۔ کسی شہر میں جا کر اُترو (وہاں) البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو۔

یہاں بنی اسرائیل کی بے صبری اور نعمت خداوندی کی بے قدری بیان ہو رہی ہے کہ من و سلویٰ جیسے پاکیزہ طعام پر ان سے صبر نہ ہو سکا اور ردی چیزیں مانگنے لگے۔

ایک طعام سے مراد ایک قسم کا طعام ہے یعنی من وسلویٰ۔ فوم کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں ثوم ہے۔ مجاہد نے فوم کی تفسیر ثوم کے ساتھ کی ہے یعنی لہسن' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی ہے۔ پچھلی لغت کی کتابوں میں فَوِّمُوْا لَنَا کے معنی اِخْتَبِزُوْا یعنی ہماری روٹی پکاؤ کے ہیں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو یہ حروف مبدلہ میں سے ہیں۔ جیسے: عَاثُوْر شر' عَافُوْر شر' اثافی' اثاثی' مَغَافِیْر' مَغَاثِیْر وغیرہ' جن میں ف سے ث اور ث سے ف بدلا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مخرج کے اعتبار سے بہت قریب ہیں۔ واللہ اعلم۔

مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم طلب کرتے ہو یہ تو آسان چیز ہے۔ جس شہر میں جاؤ گے یہ تمام چیزیں پاؤ گے۔ میری دعا کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ ان کا یہ قول محض تکبر' سرکشی اور بڑائی کے طور پر تھا۔ اس لئے انہیں کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

فرمانبردار بچیو!

یہ جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں کبھی غور وفکر کرو تو احساس ہوگا کہ لاکھوں کروڑوں سے اللہ عزوجل نے تمہیں بہتر حالت میں رکھا ہوا ہے۔

اکثر عورتوں کو یہ خوش فہمی ہوتی ہے کہ وہ بڑی پارسا ہیں:

﴿ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ...... ﴾ [البقرة: ۸۲]

"کیوں نہیں' جو شخص قصداً بری باتیں کرتا ہے اور اس کو اس کی خطا (اور قصور اس طرح) احاطہ کر لے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ (اللہ اور رسول پر) ایمان لائیں اور نیک کام کریں ایسے لوگ اہل بہشت

ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔"

کئے گئے گناہوں کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے ☆

مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سراسر بد ہیں' جو نیکیوں سے خالی ہاتھ ہے وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ رسول پر ایمان لائے' اور سنت کے مطابق عمل کرے وہ جنتی ہے جیسے اور جگہ ہے: ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ...... ﴾ (النساء: ۱۲۵) یعنی نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں گے اور نہ اہل کتاب کے۔ ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ پائے گا اور ہر بھلائی والا اپنی نیک کاری کا۔ بُرے کا کوئی مددگار نہ ہوگا' اور بھلے کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا' نہ مرد کا نہ عورت کا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' یہاں بُرائی سے مطلب کفر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے۔ ابو وائل' ابو العالیہ' مجاہد' عکرمہ' حسن' قتادہ' ربیع بن انس وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ سدی کہتے ہیں مراد کبیرہ گناہ ہیں جو تہہ بہ تہہ ہو کر دل کی حالت خراب کر دیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں' مراد شرک ہے جو دل پر قابض ہو جائے۔ ربیع ابن خثیم کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو۔ مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو۔ وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں۔ دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کئی آدمی ایک ایک لکڑی لے آئیں تو انبار لگ جاتا ہے۔ پھر اگر آگ لگ جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو وہ جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ پھر ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ جو تم جیسا عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان ہے اور تمہاری بداعمالیوں کے مقابلے ان کے پاکیزہ اعمال ہیں' انہیں ابدی راحتیں اور ہمیشہ والی جنتیں ملیں گی۔ خدا کے عذاب اور ثواب دونوں پائیدار ہیں۔

فرمانبردار بیٹیو!

آپ کا ہر بات بہ بات زبان درازی پہ اتر آنا ایک بہت بڑی قباحت ہے، جہاں آپ میں بے شمار اچھائیاں ہیں جن کی وجہ سے آپ کا شوہر آپ سے ہر وقت خوش رہتا ہے یہ ایک ایسی خامی ہے کہ اگر آپ اس پر قابو پالیں تو آپ ''جنتی خاتون'' کا عملی نمونہ بن جائیں۔

اشیاء خوراک کو ماپ تول کر لینے دینے اور پکانے کا حکم:

وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرَبَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كِيْلُوْا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ (رواه البخاری)

صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب ما یستحب من الکیل، ح ۲۱۲۸۔

''اور حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کھانے پینے کی چیزوں کو ناپ تول کرلیا کرو تمہارے لئے اس میں برکت عطا کی جائے گی''۔

مطلب یہ ہے کہ جو چیز پیمانہ واوزان کے ذریعہ ناپی تولی جاتی ہے اس کو قرض، لین دین، بیچنے خریدنے اور پکانے کے لئے دیتے وقت ناپ تول لیا کرو تاکہ اس کا صحیح اندازہ و توازن قائم رہ سکے اور کمی بیشی کا کوئی خدشہ نہ رہے، چنانچہ یہ چیز (یعنی اناج و غلہ وغیرہ کا ناپنا تولنا) شارعؒ کے اس حکم کی بناء پر خیر و برکت میں اضافہ کی خاصیت و تاثیر رکھتی ہے، خاص طور پر جب کہ سنت کی رعایت ملحوظ ہو اور آنحضرت ﷺ کے حکم کی بجا آوری کا قصد ہو۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

ملا علی قاریؒ نے بھی مظہر سے اسی طرح کی بات نقل کر کے یہ لکھا ہے کہ اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ اس حدیث اور اس حدیث کے درمیان مطابقت کیوں کر ہوگی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے بیان کیا ''جب رسول

کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا جو کوئی جاندار کھاتا علاوہ اس تھوڑے سے جو کے جو نجاری میں تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو کی اس تھوڑی سی مقدار میں اتنی برکت عطا فرما رکھی تھی کہ میں ایک مدت تک اس میں سے نکال نکال کر اپنے کھانے کا انتظام کرتی رہی پھر (ایک دن) میں نے اس کو ماپ ڈالا۔ بس جب ہی سے اس کی برکت جاتی رہی اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں خرید و فروخت کے وقت ماپنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ برابری اور توازن قائم رہے اور خرچ کے وقت ناپنا درحقیقت احصار و ضبط ہے جو ایک طرح سے بخل اور تنگی قلب کا مظہر ہوتا ہے اور اس سے منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''بلال! تم بس خرچ کرو صاحب عرش (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے کمی کئے جانے کا خوف نہ کرو''۔ پس شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حوالہ سے جو مطلب نقل کیا گیا ہے اس کے مطابق ناپنے تولنے کا حکم مطلق ناپ تول پر محمول ہے کہ لین دین اور خرید و فروخت کے وقت بھی ناپنا تولنا چاہئے اور خرچ کے وقت بھی ناپ تول کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ جب کہ ملا علی قاریؒ سے منقول مذکورہ بالا اشکال اور اس کا جواب یہ واضح کرتا ہے کہ ناپ تول کرنے کا حکم محض لین دین اور خرید و فروخت کی صورت پر محمول ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ اِذَا رُفِعَ مَائِدَتُهُ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا (رواه البخاری)

صحیح البخاری، کتاب الاطعمہ، باب ما یقول اذا فرغ من طعامہ، ح ۵۴۵۸

''اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا یعنی جب آپ ﷺ کھانا کھا کر فارغ ہوتے تو (اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اس طرح) فرماتے: ''سب تعریف

اللہ کے لئے ہے ایسی تعریف جو بہت ہے پاکیزہ (یعنی ظاہر داری اور دکھاوے سے خالی ہے) جس میں برکت عطا کی گئی ہے' یعنی وہ ایسی بابرکت حمد ہے جو کہ ہمیشہ جاری و قائم رہے اور کبھی منقطع نہ ہو' وہ نہ کفایت کی گئی ہے اور نہ اس سے بے پروائی ہوا ہے رب ہمارے''۔ (بخاری)

کھانے کے بعد اللہ کی حمد وثنا:

غیر مکفی کو علماء نے کئی طرح سے صحیح کہا ہے اور اس کے معنی بیان کئے ہیں' اگر ان کی پوری تفصیل کو یہاں نقل کیا جائے تو غیر معمولی طوالت اختیار کرنی پڑے گی' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ غیر اور ربنا کو مرفوع بھی قرار دیا گیا ہے اور منصوب بھی' یا ان دونوں میں سے ایک کو منصوب اور دوسرے کو مرفوع۔ اسی طرح علماء نے جو معنی و مطلب بیان کئے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ یہ الفاظ'' وہ نہ کفایت کی گئی ہے اور نہ متروک اور نہ اس سے بے پروائی ہو'' یا تو حمد و تعریف کے احوال وصفات کے اظہار کے لئے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے پروردگار کی اس طرح تعریف وثنا بیان کرے کہ وہ کسی بھی درجہ پر کافی نہ سمجھی جائے نہ حمد وثنا بیان کرنے کو ترک کیا جائے اور نہ اس سے بے نیازی برتی جائے بلکہ جس طرح حق تعالیٰ ہمہ وقت انسان پر اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ رہتا ہے اور ہر لمحہ تسلسل و دوام کے ساتھ اس کو اپنی نعمتیں عطا کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی ہر لمحہ اور ہمہ وقت تسلسل و دوام کے ساتھ حق تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا رہے کہ یہ اپنے منعم حقیقی کے حضور ادائیگی شکر بھی ہے اور اپنے پروردگار کی تعریف بھی۔ یا یہ کہ یہ الفاظ اصل میں کھانے کے حق میں درجہ صفت رکھتے ہیں کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس کو کسی بھی درجہ میں اپنے لئے کافی نہ سمجھا جائے بلکہ ہمہ وقت اپنے آپ کو رزق الٰہی کا محتاج تصور کیا جائے کہ اس کی خواہش وطلب کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس سے بے نیازی برتی جا سکتی ہے اور یا یہ کہ یہ الفاظ حق تعالیٰ شانہ کے اوصاف جلیلہ کے اظہار کے لئے ہیں کہ ایسی کوئی ذات یا ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ جو

اس ذات کبریائی کو کافی ہو بلکہ وہ خود سارے جہان اور ساری چیزوں کے لئے کافی ہے' اس کی قربت کی طلب وخواہش کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کے فضل وکرم سے مستغنی و بے نیاز ہو سکتے ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَّاْكُلَ الْاَكْلَةَ فَيَحْمَدَهٗ عَلَيْهَا اَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهٗ عَلَيْهَا (رواه مسلم وسنذكر حديثي عآئشة وابى هريرة) مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ وَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الدُّنْيَا فِىْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعا' باب استحباب حمد اللہ تعالی بعد الاکل والشرب' ح ۲۷۳۴۔

'' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات سے راضی وخوش ہوتا ہے کہ وہ لقمہ کھائے اور اس پر خدا کی حمد وثنا کرے یا ایک مرتبہ پئے اور اس پر خدا کی حمد وثنا کرے''۔ (مسلم) اور دو روایتیں جن میں سے ایک روایت حضرت عائشہؓ کی ہے: مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... اور دوسری روایت خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ہم ان شاء اللہ باب فضل الفقراء میں نقل کریں گے۔ یعنی یہ دونوں روایتیں صاحب مصابیح نے کتاب الاطعمہ میں نقل کیں تھیں لیکن ہم نے ان کو باب فضل الفقراء میں نقل کیا ہے''۔

اکلہ الف کے زبر کے ساتھ' کے معنی ہیں ''ایک بار سیر ہو کر کھانا'' ویسے یہ لفظ الف کے پیش کے ساتھ بھی منقول ہے۔جس کے معنی لقمہ کے ہیں۔

حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کھانا کھا کر فارغ ہو جاتا ہے یا کوئی چیز پیتا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور اس کی حمد وثناء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل سے بہت خوش ہوتا ہے۔

جادوٹونا نہ صرف دُنیا بلکہ آپ کی آخرت بھی

تباہ کر ڈالے گا

میں نے عورتوں میں ایک بہت بڑی خامی یہ بھی مشاہدہ کی ہے (اور سنی ہے) کہ چھوٹی موٹی لڑائیوں پر (اور وہ کس گھر میں نہیں ہوتی) پہ خود تو کوئی تدبیر نہیں کرتی بلکہ نام نہاد پیروں' جوگیوں' نجومیوں کے پیچھے بھاگی پھرتی ہیں' اللہ بچائے کہ کوئی خاتون کسی ایسے شخص کے شکنجے میں گرفتار ہو جس میں حاصل تو کچھ ہوتا نہیں بلکہ عزت بچانی مشکل ہو جاتی ہے اور جو آخرت برباد ہوئی وہ تو خیر ہر کس وناکس کو پتہ ہی ہے۔

نوٹ ☆ میں اس باب میں کوشش کروں گا کہ خود سے کچھ بیان نہ کروں تاکہ بات کی اہمیت کم نہ ہوں بلکہ مختلف تفاسیر وکتب احادیث سے آپ پہ آشکارا کروں کہ جادو ٹونا کرنا' کروانا کتنا بڑا گناہ ہے تاکہ کبھی بھولے سے بھی آپ کے دل میں اس کا خیال نہ آئے۔

سورۃ البقرۃ میں جادوٹونے کی ممانعت:

اور ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائل واضح نازل کئے ہیں اور کوئی انکار نہیں کیا کرتا مگر صرف وہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں۔کیا اور جب کبھی بھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا ہوگا (ضرور) اس کو ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر دیا ہوگا بلکہ ان میں زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے جو (میرے اس عہد کا) یقین ہی نہیں رکھتے اور جب ان کے

پاس ایک پیغمبر آئے اللہ کی طرف سے جو تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے (یعنی تورات کی) ان اہل کتاب میں کے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ کو ہی پس پشت ڈال دیا۔ جیسے ان کو گویا اصلاً علم ہی نہیں اور انہوں نے ایسی چیز کا (یعنی سحر کا) اتباع کیا۔ جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین (یعنی خبیث جن) حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے عہد سلطنت میں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا مگر (ہاں) شیاطین کفر کیا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی (اس) سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے اور اس (سحر) کا بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں' جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا اور وہ دونوں کسی کو نہ بتلاتے تھے جب تک یہ (نہ) کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان ہے سو تو کہیں کافر مت بن جائیو (کہ اس میں پھنس جاوے) سو بعضے لوگ ان دونوں سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے' جن کے ذریعے سے (عمل کر کے) کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے اور یہ ساحر لوگ اس کے ذریعے سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے (تقدیری) حکم سے اور ایسی چیز سیکھ لیتے ہیں جو (خود) ان کو ضرر رساں ہیں اور ان کو نافع نہیں ہیں اور ضرور یہ (یہودی) بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ (باقی) نہیں اور بے شک بری ہے وہ چیز جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہی ہیں۔ کاش کہ ان کو (اتنی) عقل ہوتی اور اگر وہ لوگ (بجائے اس کے) ایمان اور تقویٰ (اختیار) کرتے تو خدا تعالیٰ کے ہاں کا معاوضہ بہتر تھا کاش ان کو (اتنی) عقل ہوتی۔ (البقرۃ:۹۹ تا ۱۰۳)

یعنی اے محمد ﷺ ہم نے ایسی نشانیاں جو آپ ﷺ کی نبوت کی صریح دلیل بن

سکیں' نازل فرما دی ہیں۔ یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ' ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں' اُن کی تحریف و تبدیلی احکام وغیرہ سب ہم نے اپنی معجز نما کتاب قرآن کریم میں بیان فرما دیئے ہیں۔ جنہیں سن کر ہر زندہ ضمیر آپ کی نبوت کی تصدیق کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو ان کا حسد و بغض روک دے۔ ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک اُمی شخص سے ایسا پاکیزہ خوبیاں والا' حکمتوں والا کلام بن نہیں سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ابن صوریا قطوینی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ ﷺ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان لیں۔ نہ آپ ﷺ کے پاس کوئی ایسی روشن دلیلیں ہیں۔ اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی۔ چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخر الزماں کی بابت کوئی عہد لیا گیا ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو ان کی عادت ہی ہے کہ عہد کیا اور توڑا۔ بلکہ ان کے اکثر تو ایمان سے خالی ہیں۔ نَبَذَ کے معنی پھینک دینا ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو' عہد باری کو اس طرح چھوڑ رکھا تھا' گویا پھینک دیا تھا۔ اس لئے ان کی مذمت میں یہی لفظ لایا گیا۔

ابن جریر میں ایک عجیب واقعہ ہے' اسے بھی سنیئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دومتہ الجندل کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد آپ کی تلاش میں آئی اور آپ کے انتقال کی خبر پا کر بے چین ہو کر رونے پیٹنے لگی۔ میں نے اسے پوچھا' آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ ناچاقی رہا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر لاپتہ کہیں چلا گیا۔ ایک بڑھیا سے میں نے یہ سب ذکر کیا۔ اس نے کہا جو میں کہوں وہ کر' وہ خود بخود تیرے پاس آ جائے گا۔ میں تیار ہو گئی' وہ رات کو دو کتے لے کر میرے پاس آئی۔ ایک پر وہ خود سوار ہوئی' دوسرے پر میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں ہم دونوں بابل گئیں۔ میں نے دیکھا کہ دو شخص اُدھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس

عورت نے مجھ سے کہا' ان کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں۔ میں نے ان سے کہا۔ انہوں نے کہا سن' ہم تو آزمائش میں ہیں' تو جادو نہ سیکھ۔ اس کا سیکھنا کفر ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو سیکھوں گی۔ انہوں نے کہا اچھا پھر جا اور اس تنور میں پیشاب کر کے چلی آ۔ میں گئی ارادہ کیا' لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی' میں واپس آ گئی اور کہا میں فارغ ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں' انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے' ابھی تک کچھ نہیں بگڑا' تیرا ایمان ثابت ہے۔ اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر میں نے کہا مجھے تو جادو سیکھنا ہے۔ انہوں نے پھر کہا' جا کر اور اسی تنور میں پیشاب کر آ۔ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ چلا' واپس آ گئی۔ پھر اسی طرح سوال و جواب ہوئے۔ تیسری مرتبہ پھر تنور کے پاس گئی اور دل کڑا کر کے پیشاب کرنے کو بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ گھوڑا سوار منہ پر نقاب ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ میں واپس چلی آئی۔ اُن سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا' ہاں اب کی مرتبہ تو سچ کہتی ہے وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل گیا۔ اب چلی جا میں آئی اور اس بڑھیا سے کہا کہ انہوں نے تو مجھے بھی نہیں سکھایا۔ اس نے کہا' بس تجھے سب کچھ آ گیا۔ اب تو جو کہے گی ہو جائے گا۔ میں نے آزمائش کے لئے ایک دانہ گیہوں کا لیا' اسے زمین پر ڈال کر کہا اگ جا' وہ فوراً اگ گیا۔ میں نے کہا تجھ میں بال پیدا ہو جائے چنانچہ ہو گئی۔ میں نے کہا سوکھ جا وہ بال سوکھ گئی۔ میں نے کہا الگ الگ دانہ دانہ ہو جا۔ وہ بھی ہو گیا۔ پھر میں نے کہا' سوکھ جا' سوکھ گیا۔ پھر میں نے کہا آٹا بن جا تو آٹا بن گیا۔ میں نے کہا' روٹی پک جا تو روٹی پک گئی۔ یہ دیکھتے ہی میرا دل نادم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہونے کا صدمہ ہونے لگا۔ اے ام المومنین خدا کی قسم' نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا۔ یونہی روتی پیٹتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہوں۔ لیکن افسوس بدقسمتی سے آپ کو بھی میں نے نہ پایا۔ اب میں کیا کروں۔ اتنا کہہ کر اس نے گریہ و بکا شروع کی اور اس قدر روئی کہ ہر

ایک کو اس پر ترس آنے لگا۔ صحابہ کرامؓ بھی متحیر تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں۔ آخر بعض صحابہؓ نے کہا اب اس کے سوا کیا ہو کہ تم اس فعل کو نہ کرو۔ توبہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کرتی رہو۔

یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں بھی تامل ہوتا تھا۔ آج ہم بڑی سے بڑی بات میں بھی اپنی رائے اور قیاس کو سب سے بڑا درجہ دیتے ہیں۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عین چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں' نہیں صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے۔ اصل چیز جیسی ہوتی ہے ویسی ہی رہتی ہے۔ (الاعراف:۱۱۶) جیسے: ﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ......﴾ یعنی انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور فرمایا: ﴿يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ (طٰہٰ:۶۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف خیال ڈالا جاتا تھا کہ گویا وہ سانپ وغیرہ ان کے جادو کے زور سے چل پھر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ بابل سے مراد بابل عراق ہے بابل دنیاوند نہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بابل کی زمین میں جا رہے تھے۔ عصر کی نماز کا وقت آ گیا لیکن آپ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی فرمایا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے۔

ابن جریج فرماتے ہیں سوائے کافر کے اور کوئی جادو سیکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ فتنہ کے معنی یہاں پر بلا آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن پاک میں مذکور ہے: ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ﴾ (الاعراف:۱۵۵) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جادو سیکھنا کفر ہے۔ حدیث میں بھی ہے کہ جو شخص کسی جادوگر کے پاس جائے' اس کی بات کو سچ سمجھے' اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری ہوئی

وحی کے ساتھ کفر کیا (بزار) یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی تائید میں دوسری حدیثیں بھی آئی ہیں۔

پھر فرمایا کہ لوگ ہاروت ماروت سے جادو سیکھتے ہیں۔ جس سے برے کام کرتے ہیں۔ عورت مرد کی محبت اور موافقت کو بغض اور مخالفت سے بدل دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے' پھر اپنے لشکروں کو بہکانے کے واسطے بھیجتا ہے۔ سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہو۔ یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس طرح بے راہ کر دیا ہے۔ کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کرایا۔ شیطان ان سے کہتا ہے کچھ نہیں معمولی کام ہے۔ یہاں تک کہ ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کے اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ یہاں تک کہ جدائی ہو گئی۔ شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا۔ اسے اپنے پاس بٹھا لیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔ پس جادوگر بھی اپنے جادو سے وہ کام کرتا ہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے۔ مثلاً اس کی شکل صورت اُسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات واطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں یہ نفرت کرنے لگے یا دل میں عداوت آ جائے وغیرہ وغیرہ۔ رفتہ رفتہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور آپس میں چھوٹ چھٹاؤ ہو جائے مَرْأ کہتے ہیں۔ اس کا مذکر مؤنث اور تثنیہ تو ہے جمع نہیں بنتا۔ پھر فرمایا یہ کسی کو بھی بغیر خدا کی مرضی کے اندر نہیں پہنچا سکتے یعنی ان کے اپنے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قضاو قدر اور اس کے ارادے کے ماتحت یہ نقصان بھی پہنچتا ہے۔ اگر خدا نہ چاہے تو اس کا جادو محض بے اثر اور بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جادو اسی شخص کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے وہ سیکھتے ہیں جو ان کے لئے سراسر نقصان دہ ہے۔ جس میں کوئی نفع نہیں اور یہ یہودی

جانتے ہیں کہ رسول کی تابعداری چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ نہ ان کی کوئی قدر و وقعت خدا کے پاس ہے۔ نہ وہ دیندار سمجھے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا' اگر یہ اس کام کی برائی کو محسوس کرتے اور ایمان اور تقویٰ برتتے تو یقیناً ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا مگر یہ بے علم لوگ ہیں۔ یہی اور جگہ فرمایا کہ اہل علم نے کہا' تم پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب ایمانداروں اور نیک اعمال کے لئے بہت ہی بہتر ہے لیکن اسے صبر کرنے والے ہی پا سکتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی استدلال بزرگان دین نے کیا ہے کہ جادوگر کافر ہے کیونکہ آیت میں: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد اور سلف کی ایک جماعت بھی جادو سیکھنے والے کو کافر کہتی ہے۔ بعض کافر تو نہیں کہتے لیکن فرماتے ہیں کہ جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

پڑھئے! پھر پڑھئے! سہ بارہ پڑھئے:

خدارا! گزشتہ صفحات کو بغور پڑھئے اور جادو' ٹونے' ٹوٹکے' ان چیزوں سے اجتناب کیجئے۔ میں پھر کہے دیتا ہوں حاصل کچھ بھی نہیں اور دنیا و آخرت کی تباہی لازم ٹھہرے گی۔

زبان قابو میں رکھئے معاملات سنورتے چلے جائیںگے

ایک چپ سو سکھ:

فرمانبردار بیٹیو!

حدیث نبوی میں ارشاد ہے:

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ۔

جامع الترمذی' کتاب البر والصلہ' باب ما جاء فی العی' ح ۲۰۲۷۔

''اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شرم وحیا اور زبان کو قابو میں رکھنا ایمان کی دو شاخیں ہیں جب کہ فحش گوئی اور لا حاصل بکواس نفاق کی دو شاخیں ہیں''۔

کم گوئی ایمان کی نشانی ہے:

شرم وحیا کا ایمان کی شاخ ہونا ایک ظاہر و معروف بات ہے اور زبان کو قابو میں رکھنے کا ایمان کی شاخ ہونا اور فحش گوئی و لا حاصل بکواس کا نفاق کی شاخ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ مؤمن اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرم وحیاء انکساری و مسکینی اور سلامتی طبع کے جن اوصاف سے مزین ہوتا ہے وہ اپنے خدا کی عبادت' اپنے خدا کی مخلوق کی خدمت اور اپنے باطن کی اصلاح میں جس طرح مشغول و منہمک رہتا ہے اس کی بناء پر اس کو بے فائدہ تقریر بیان پر قدرت ہی حاصل نہیں ہوتی وہ اس بات پر قادر ہی نہیں ہوتا ہے کہ اپنے مفہوم و مدعا کو مبالغہ آرائی اور زبان کی تیزی و طراری کے

ذریعہ ثابت وظاہر کر سکے بلکہ وہ اس خوف سے کم گوئی کو اختیار کرتا ہے اور اپنی زبان کو قابو میں رکھتا ہے کہ مبادا زبان سے کوئی بری بات نکل جائے اور وہ فحش گوئی اور بدزبانی کا مرتکب قرار پا جائے اس کے برخلاف منافق کی شان ہی ہوتی ہے کہ وہ چرب زبانی یاوہ گوئی اور مبالغہ آمیزی کی راہ اختیار کرتا ہے اور نتیجہ کے طور پر بے فائدہ تقریر و بیان' زبان درازی اور فحش گوئی پر قادر و دلیر ہو جاتا ہے۔

فرمانبردار بیٹیو!

خدارا! اپنی زبانوں کو قابو میں رکھئے۔ میں نے اپنے زمانہ تدریس میں بے شمار گھر صرف عورتوں کی چرب زبانی کی وجہ سے ٹوٹتے دیکھے ہیں اور جب میں ان بچیوں سے اس بابت بات کرتا ہوں تو وہ دل کی اتنی نرم اور اچھی ہوتی ہیں کہ میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ بیٹی مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ تم سے یہ باتیں منسوب ہیں۔ میں پھر گزارش کرتا ہوں کہ ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔ موقع و مناسبت کا خیال رکھ کر بولا کیجئے۔ اسی میں سب کی بھلائی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِنِّيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقاً وَاِنَّ اَبْغَضَكُمْ اِلَيَّ وَاَبْعَدَكُمْ مِنِّيْ اَسَاوِيْكُمْ اَخْلَاقاً الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ الْمُتَفَيْهِقُوْنَ (رواه البیہقی فی شعب الایمان وروی الترمذی نحوہ عن جابر وفی روایة) قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ فَمَا الْمُتَفَيْهِقُوْنَ قَالَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ

احمد بن حنبل' المسند

''اور حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن مجھ کو سب سے زیادہ عزیز ومحبوب اور میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سے زیادہ خوش اخلاق ہیں اور میرے نزدیک تم میں سے سب سے برے اور مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو تم میں بد اخلاق ہیں اور بد اخلاق سے مراد وہ لوگ ہیں جو بہت (بنا بنا کر) باتیں کرتے ہیں بغیر احتیاط کے بک بک لگاتے ہیں اور متفیھقین اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ نیز ترمذیؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ صحابہؓ نے یہ ارشاد سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ثرثارون اور متشدقون کے معنی تو ہمیں معلوم ہیں متفیھقون سے کیا مراد ہے؟ یعنی متفیھق کس کو کہتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تکبر کرنے والے''۔

بے فائدہ بیان آرائی مکروہ ہے:

"فیھق" ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا اور منہ پھیر کر کوئی بات کہنے کو کہتے ہیں جیسا کہ تکبر وغرور میں مبتلا لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو وہ کسی سے بات کرتے ہیں تو ان کے رویہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اپنے مخاطب کو بہت حقیر وذلیل سمجھ رہے ہوں اور یہ بھی گوارا نہیں ہو رہا ہے کہ اس کی طرف منہ اٹھا کر ہی بات کریں۔ بلکہ اس کی طرف چہرہ پھیر پھیر کر بات کرتے ہیں چنانچہ اسی معنوی لزوم کی وجہ سے "متفیھقین" کی وضاحت ''متکبرین'' کے ذریعہ کی گئی ہے۔

چلئے! دوسروں کے متعلق نہ سوچنے لگ جایئے۔ ذرا اپنی ذات کے متعلق غور فرمایئے کہ آپ کا تعلق اپنی ساس، نند اور گھر میں کام کے لئے آنے والی خواتین سے کیسا ہوتا ہے۔

غور کریں کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ بک بک لگانا، بے فائدہ ولا حاصل گفتگو بنانا، بنا بنا کر باتیں کرنا اور بیان آرائی ومبالغہ آمیزی کے ساتھ تقریریں کرنا مکروہ ومذموم ہے۔ لیکن حق کے تئیں لوگوں کے ذہن وفکر کو متاثر کرنے قلوب کو نرمانے اور عبادات وطاعات کی طرف متوجہ وراغب ہونے کے لئے وعظ وخطابت میں جو بیان آرائی وسیر کلامی اور طول بیان کی جاتی ہے وہ مذموم ومکروہ نہیں ہے لیکن چونکہ ہم یہاں پر عورتوں کی اصلاح کی خاطر یہ تمام احادیث درج کر رہے ہیں اس لئے یہ تمام باتیں ان پر بھی بعینہٖ لاگو آتی ہیں۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ قَوْمٌ يَاْكُلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ كَمَا تَاْكُلُ الْبَقَرَةُ بِاَلْسِنَتِهَا (رواه احمد)

احمد بن حنبل، المسند۔

''اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ایک ایسی جماعت پیدا نہیں ہو جائے گی جو اپنی زبانوں کے ذریعہ اس طرح کھائے گی جس طرح گائیں اپنی زبانوں سے کھاتی ہیں''۔ (احمد)

ایک پیش گوئی:

مطلب یہ ہے کہ قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنی زبانوں کو کھانے پینے کا وسیلہ وذریعہ بنائیں گے بایں طور کہ وہ خوشامد وچاپلوسی کی خاطر لوگوں کی جھوٹی تعریفیں بیان کریں گے یا بغض وحسد کی بنا پر ان کی جھوٹی مذمت کریں گے اور اپنی تقریر وتحریر میں زبان دانی اور فصاحت وبلاغت کا جھوٹا مظاہرہ کریں گے تاکہ لوگوں کو اپنے دام فریب میں مبتلا کریں اور ان

سے دنیا کا مال وزر حاصل کریں اور اپنی خواہشات کی تکمیل کرائیں۔

''جس طرح گائیں اپنی زبان کے ذریعہ کھاتی ہیں'' کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح گائیں اپنی زبان سے کھاتی ہیں اور چارہ چرتے وقت یہ تمیز نہیں کرتیں کہ وہ چارہ خشک ہے یا تر' شیریں ہے یا تلخ اور جائز ہے یا ناجائز۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جو کہ اپنی زبانوں کو اپنے ناجائز مقاصد اور ناروا خواہشات کی تکمیل کا وسیلہ و ذریعہ بنائیں گے' حق و باطل اور سچ و جھوٹ کے درمیان قطعاً کوئی تمیز نہیں کریں گے اور نہ حلال وحرام کے درمیان کوئی فرق کریں گے۔

یاد رکھئے! زبان دراز بیوی کو شوہر تو کیا اللہ بھی پسند نہیں کرتا:

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْبَلِيْغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِىْ يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهٖ كَمَا يَتَخَلَّلُ الْبَقَرَةُ بِلِسَانِهَا

جامع الترمذی' کتاب الادب' باب فی الفصاحۃ' ح ۲۸۵۲۔

''اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص سخت ناپسندیدہ ہے جو کلام و بیان میں حد سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرے بایں طور کہ وہ اپنی زبان کو اس طرح لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرے جس طرح گائیں اپنے چارے کو لپیٹ لپیٹ کر جلدی جلدی اپنی زبان کے ذریعہ کھاتی ہیں۔ اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے نیز ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

زبان دراز اور چکنی چپڑی باتیں کرنے والا خدا کا ناپسندیدہ ہے:

مطلب یہ ہے کہ زبان درازی اور طلاقت لسانی کوئی اچھی چیز نہیں ہے اپنی زبان

اور اپنے کلام میں خواہ مخواہ کے لئے حد سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرنا' حاشیہ آرائی اور مبالغہ آمیزی کے ساتھ اپنی بات کو پیش کرنا اور الفاظ کو چبا چبا کر اور زبان کو لپیٹ لپیٹ کر چکنی چپڑی باتیں کرنا احمق لوگوں کے نزدیک تو ایک وصف سمجھا جاتا ہے لیکن دانشمند اور عاقل لوگ اس ''وصف'' کے پیچھے چھپی ہوئی برائی کو دیکھتے ہیں کہ عام طور پر اس طرح باتیں بنانے والے لوگ جھوٹے اور حیلہ باز ہوتے ہیں ان کے نزدیک اس وصف کا کوئی اعتبار نہیں اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسا شخص خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ لہٰذا اچھا کلام وہی ہے جو ضرورت کے بقدر اور سیدھا سادا ہو نیز جس سے یہ واضح ہو کہ متکلم کے ظاہری الفاظ اس کی باطنی کیفیت کے ہم آہنگ ہیں جو شریعت کا تقاضا بھی ہے۔

میں اسی لئے اپنی شاگردوں کو بھی اور بہنوں بیٹیوں کو بھی تنبیہ کرتا ہوں کہ آپ جس لہجے میں بات کرتی ہیں اس میں تو اچھی بات بھی زہر میں بجھے تیر کی مانند ہو کر سینے میں اترتی جاتی ہے۔

وعن عبد اللّٰه بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا

(رواہ احمد والترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

''اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پائی''۔

(احمد' ترمذی' دارمی' بیہقی)

ایک چپ سو سکھ:

مطلب یہ ہے کہ چپ رہ کر اور زبان کو بری باتوں سے محفوظ رکھ کر دنیا کی بھی بہت سی آفتوں سے نجات مل جاتی ہے اور دینی و اخروی طور پر بھی بہت سی بلاؤں اور

نقصان وخسران سے نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ انسان عام طور پر جن بلاؤں اور آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے اکثر زبان ہی کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔

آپ پہ اکثر آفتیں آپ کی زبان کی وجہ سے آتی ہیں:

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ انسان اپنی زبان سے جو بات نکالتا ہے اور جو کلام کرتا ہے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو محض نقصان' دوسرے محض نفع' تیسرے وہ بات اور کلام جس میں نہ نفع ہوتا ہو اور نہ نقصان ہوتا ہو اور چوتھے وہ بات وکلام جس میں نفع بھی ہو اور نقصان بھی اس سے بھی خاموشی ہی اختیار کرنا چاہئے کیونکہ نقصان سے بچنا فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہوتا ہے اور وہ کلام کہ جس میں نفع ہو نہ نقصان تو ظاہر ہے کہ اس میں زبان کو مشغول کرنا محض وقت ضائع کرنا ہے اور یہ چیز بھی خالص ٹوٹا ہے رہی دوسری قسم یعنی وہ کلام کہ جس میں نفع ہی نفع ہو تو اگر چہ ایسی بات وکلام میں زبان کو مشغول کرنا برائی کی بات نہیں ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ اس میں بھی ابتلائے آفت کا خطرہ ضرور ہوتا ہے بایں طور کہ ایسے کلام میں بسا اوقات ریاء وتصنع' خوشنودی نفس اور فضول باتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے اور اس صورت میں یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ کہاں لغزش ہوگئی ہے۔ حاصل یہ کہ ہر حالت اور ہر صورت میں خاموشی اختیار کرنا بہتر اور نجات کا ذریعہ ہے کیونکہ زبان کی آفتیں ان گنت ہیں اور ان سے بچنا سخت مشکل الا یہ کہ زبان کو بند ہی رکھا جائے کسی نے خوب کہا ہے۔

اللسان جسمه صغير وجرمه كبير وكثير

''زبان کا جثہ (سائز) تو چھوٹا ہے' مگر اسکے پاپ بڑے اور بہت ہیں''۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ

بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ (رواه احمد والترمذى)

احمد بن حنبل' المسند۔

''اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ (مجھے بتائیے کہ دنیا اور آخرت میں) نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر روؤ''۔ (احمد' ترمذی)

دنیا وآخرت کی نجات کے ذریعے:

لفظ ''املک'' الف کے ذبر اور لام کے زیر کے ساتھ ہے۔ لیکن حضرت شیخ عبدالحقؒ نے الف کے زیر کو ترجیح دی ہے اس جملہ کے معنی ایک شارح نے یہ لکھے ہیں کہ اپنی زبان کو ایسی چیزوں اور باتوں سے صاف رکھو جن میں خیر و بھلائی نہیں ہے۔ لیکن اس جملہ کے زیادہ صحیح معنی یہ ہیں کہ اپنی زبان کو بند رکھو کہ گویا تم اپنے تئیں اپنے امور کی نگہداشت رکھتے ہو۔ یعنی اپنے دین کے معاملہ میں محتاط اور پرہیز گار رہو اور اپنے حالات (کوائف) پر متوجہ ہونا ظاہر ہے کہ جب تم اپنے معاملات میں محتاط پرہیز گار رہو گے اور اپنے احوال وکوائف پر متوجہ رہ کر اپنی برائیوں اور بھلائیوں پر نظر رکھو گے تو راہ نجات تمہارے سامنے ہوگی۔

تمہارا گھر تمہیں کفایت کرے:

اس کا مطلب شرح مشکوۃ میں تو یہ لکھا ہے کہ بری مجلسوں اور برے لوگوں کی صحبت سے بچنے کی خاطر یکسوئی اختیار کرو اپنے گھر سے اسی وقت باہر نکلو جب نکلنے کی ضرورت پیش آئے اور اس یکسوئی وگوشہ نشینی کی وجہ سے دل برداشتہ نہ ہو بلکہ اس کو غنیمت جانو کیونکہ یہ چیز بہت سے فتنہ وفساد اور برائیوں سے نجات پانے کا ذریعہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے هذا زمان السكوت وملازمة البيوت والقناعة بالقوة الى ان

نقصان وخسران سے نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ انسان عام طور پر جن بلاؤں اور آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے اکثر زبان ہی کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔

آپ پہ اکثر آفتیں آپ کی زبان کی وجہ سے آتی ہیں:

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ انسان اپنی زبان سے جو بات نکالتا ہے اور جو کلام کرتا ہے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو محض نقصان، دوسرے محض نفع، تیسرے وہ بات اور کلام جس میں نہ نفع ہوتا ہو اور نہ نقصان ہوتا ہو اور چوتھے وہ بات وکلام جس میں نفع بھی ہو اور نقصان بھی اس سے بھی خاموشی ہی اختیار کرنا چاہئے کیونکہ نقصان سے بچنا فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہوتا ہے اور وہ کلام کہ جس میں نفع ہو نہ نقصان تو ظاہر ہے کہ اس میں زبان کو مشغول کرنا محض وقت ضائع کرنا ہے اور یہ چیز بھی خالص ٹوٹا ہے رہی دوسری قسم یعنی وہ کلام کہ جس میں نفع ہی نفع ہو تو اگرچہ ایسی بات وکلام میں زبان کو مشغول کرنا برائی کی بات نہیں ہے لیکن اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ اس میں بھی ابتلائے آفت کا خطرہ ضرور ہوتا ہے بایں طور کہ ایسے کلام میں بسا اوقات ریاء وتصنع، خوشنودی نفس اور فضول باتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے اور اس صورت میں یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ کہاں لغزش ہوگئی ہے۔ حاصل یہ کہ ہر حالت اور ہر صورت میں خاموشی اختیار کرنا بہتر اور نجات کا ذریعہ ہے کیونکہ زبان کی آفتیں ان گنت ہیں اور ان سے بچنا سخت مشکل الا یہ کہ زبان کو بند ہی رکھا جائے کسی نے خوب کہا ہے۔

اللسان جسمه صغير وجرمه كبير وكثير

''زبان کا جثہ (سائز) تو چھوٹا ہے، مگر اسکے پاپ بڑے اور بہت ہیں''۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ

بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ (رواہ احمد والترمذی)

احمد بن حنبل، المسند۔

''اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ (مجھے بتائیے کہ دنیا اور آخرت میں) نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر روؤ''۔ (احمد، ترمذی)

دنیا وآخرت کی نجات کے ذریعے:

لفظ ''املک'' الف کے زبر اور لام کے زیر کے ساتھ ہے۔ لیکن حضرت شیخ عبدالحقؒ نے الف کے زیر کو ترجیح دی ہے اس جملہ کے معنی ایک شارح نے یہ لکھے ہیں کہ اپنی زبان کو ایسی چیزوں اور باتوں سے صاف رکھو جن میں خیر وبھلائی نہیں ہے۔ لیکن اس جملہ کے زیادہ صحیح معنی یہ ہیں کہ اپنی زبان کو بند رکھو کہ گویا تم اپنے تئیں اپنے امور کی نگہداشت رکھتے ہو۔ یعنی اپنے دین کے معاملہ میں محتاط اور پرہیزگار رہو اور اپنے حالات (کوائف) پر متوجہ ہونا ظاہر ہے کہ جب تم اپنے معاملات میں محتاط پرہیزگار رہو گے اور اپنے احوال وکوائف پر متوجہ رہ کر اپنی برائیوں اور بھلائیوں پر نظر رکھو گے تو راہ نجات تمہارے سامنے ہوگی۔

تمہارا گھر تمہیں کفایت کرے:

اس کا مطلب شرح مشکوۃ میں تو یہ لکھا ہے کہ بری مجلسوں اور برے لوگوں کی صحبت سے بچنے کی خاطر یکسوئی اختیار کرو اپنے گھر سے اسی وقت باہر نکلو جب نکلنے کی ضرورت پیش آئے اور اس یکسوئی وگوشہ نشینی کی وجہ سے دل برداشتہ نہ ہو بلکہ اس کو غنیمت جانو کیونکہ یہ چیز بہت سے فتنہ وفساد اور برائیوں سے نجات پانے کا ذریعہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے هذا زمان السكوت وملازمة البيوت والقناعة بالقوة الى ان

تموت طیبیؒ کہتے ہیں کہ ویسعک بیتک میں حکم کا ظاہر مورد تو گھر ہے لیکن حقیقت میں اس حکم کا مورد مخاطب ہے' گویا اس ارشاد کے ذریعہ مخاطب کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے گھر میں یکسوئی اور گوشہ نشینی اختیار کرکے مولیٰ کی عبادت میں مشغول رہو۔

فرمانبردار بچیو!

اب ذرا خود ہی غور کرو آج کل تو میں نے دیکھا ہے کہ اچھے بھلے کھاتے پیتے گھروں کی بچیاں محض تفریح کی خاطر اور کچھ ''آزادیٔ نسواں'' کے اظہار کی خاطر نوکری کرتی ہیں۔

یقین جانئے! آپ کا تو یہ شوق ہے لیکن کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ بلا مقصد نوکری کرکے آپ کسی مجبور شخص کا حق مار رہی ہیں جو اس نوکری کا آپ سے زیادہ مستحق تھا' جس کی تعلیم بھی ہوسکتا ہے آپ سے زیادہ ہو لیکن آپ ہوسکتا ہے محض خاتون ہونے کی وجہ سے یہ نشست حاصل کر پائی ہوں۔ ان احادیث کو بغور پڑھیے یہ کوئی میری بات نہیں' پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے اور ان میں آپ کے لئے بے شمار نصیحتیں چھپی ہیں۔ بات تو فقط غور کرنے کی ہے۔

اپنے ہمسائے میں رہنے والوں غرباء وناداروں کا خیال کیجئے:

وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فُلَانَۃَ تُذْکَرُمِنْ کَثْرَۃِ صَلَاتِہَا وَصِیَامِہَا وَصَدَقَتِہَا غَیْرَ اَنَّہَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَہَا بِلِسَانِہَا قَالَ ہِیَ فِی النَّارِ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ فُلَانَۃَ تُذْکَرُقِلَّۃَ صِیَامِہَا وَصَدَقَتِہَا اَوْ صَلَاتِہَا وَاِنَّہَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِہَا جِیْرَانَہَا قَالَ ہِیَ

فِی الْجَنَّۃِ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس نبوی ﷺ میں کسی شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں عورت کا زیادہ نماز' روزے اور کثرت صدقہ وخیرات کی وجہ سے بڑا چرچا ہے (یعنی لوگ کہتے ہیں کہ وہ عورت بہت زیادہ عبادت کرتی ہے اور کثرت سے صدقہ وخیرات کرتی رہتی ہے) لیکن وہ اپنی زبان کے ذریعہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔ (یعنی وہ عورت چونکہ اپنی بدزبانی اور گالم گلوچ کے ذریعہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ اس لئے وہ دوزخ میں ڈالی جائے گی اور باوجودیکہ نماز روزہ اور صدقہ وخیرات افضل ترین عبادات ہیں لیکن اس کی یہ عبادتیں بھی اس کے گناہ کا کفارہ نہیں ہوں گی اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہت کم روزے رکھتی ہے بہت کم صدقہ وخیرات کرتی ہے اور بہت کم نماز پڑھتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا صدقہ وخیرات قروط کے چند ٹکڑوں سے آگے نہیں بڑھتا لیکن وہ اپنی زبان کے ذریعہ اپنے ہمسایوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت جنت میں جائے گی''۔ (احمد' بیہقی)

اپنی بدزبانی کے ذریعہ ہمسایوں کو ایذاء پہنچانے والی عورت کے بارے میں وعید:

حضور ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اصل میں دین کا مدار جس چیز پر ہے وہ اکتساب فرائض اور اجتناب معاصی ہے یعنی انسان کی اخروی فلاح ونجات محض اس بات پر منحصر ہے کہ وہ دینی فرائض وواجبات پر عمل کرے اور گناہ ومعصیت سے پرہیز

کرے اور گناہ و معصیت خواہ ترک فرائض و واجبات کی صورت میں ہوں یا بدعملیوں کی شکل میں! اس بات سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں کہ فضول یعنی نفلی عبادات و طاعات کو اختیار کیا جائے اور اصول یعنی واجبات کو ضائع کر دیا جائے۔ جیسا کہ اکثر علماء اور صلحاء اس کمزوری میں مبتلا ہیں چنانچہ علماء تو ان چیزوں کو ترک کرتے ہیں جن پر عمل کرنا واجب ہے اور صلحاء اس علم کو حاصل نہیں کرتے جس کو حاصل کرنا واجب ہے گویا دونوں طبقے ترک واجب کی معصیت کے مرتکب ہیں البتہ وہ مشائخ اور صوفیاء جو علم و عمل دونوں کے حامل ہوتے ہیں وہ واجبات پر عمل کرنے کو جو درجہ دیتے ہیں وہی درجہ ترک واجب کی معصیت سے اجتناب کو بھی دیتے ہیں بلکہ ایک طرح سے ان کے نزدیک اجتناب کی اہمیت مقدم ہے اور وہ حکمائے طب کے اس اصول کو اختیار کرتے ہیں کہ تحلیہ پر تخلیہ مقدم ہے لہٰذا جس طرح اطباء مریض کو پرہیز کراتے اور دوا بعد میں دیتے ہیں۔ اس طرح وہ مشائخ وصوفیاء بھی سالکین طریقت کے لئے پہلی منزل توبہ قرار دیتے ہیں حقیقت بھی ہے کہ جس طرح مریض مضر چیزوں سے پرہیز نہ کرے تو لاکھ دوائیں بھی اس کے لئے بے فائدہ ہیں اسی طرح کوئی مسلمان گناہ و معصیت سے اجتناب نہ کرے اور ترک واجبات سے دامن نہ بچائے تو لاکھ عبادات کرے اور نوافل و اوراد میں مشغول رہے اس کو خاص فائدہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ کلمہ توحید میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے نفی ہے پھر اثبات اور یہ کہ صفات ثبوتیہ پر صفات سلبیہ مقدم ہیں کیونکہ صفات ثبوتیہ کا حصول تو لازم آتا ہے لیکن صفات ثبوتیہ سے صفات سلبیہ کا حصول لازم نہیں آتا۔

اپنے قریبی لوگوں کو اپنے سے دُور مت بھگایئے:

وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰى نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ

قَالَ فَسَكَتُوْا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَيُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهٗ

(رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے بیٹھے ہوئے صحابہؓ کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کیا میں تمہیں یہ بتاؤں کہ تم میں نیک ترین شخص کون ہے اور تمہارے بہترین آدمیوں کو تمہارے بدترین آدمیوں سے جدا کر کے دکھاؤں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ (یہ سن کر) خاموش رہے (کیونکہ انہیں خوف ہوا کہ اگر حضور ﷺ نے عام مفہوم اور عنوان کلی کے طور پر بتانے کے بجائے مشخص و متعین طور پر یعنی ایک ایک شخص کا نام لے کر بتا دیا کہ فلاں نیک ہے اور فلاں بد تو اس سے بڑی ذلت اور رسوائی ہوگی یہاں تک کہ) جب حضور ﷺ نے مذکورہ ارشاد تین مرتبہ فرمایا تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ ہاں! یارسول اللہ ﷺ ہمیں بتا دیجئے اور ہمارے نیک آدمیوں کو ہمارے بدآدمیوں سے ممیز و ممتاز فرما دیجئے! حضور ﷺ نے فرمایا (تو سنو) تم میں بہترین شخص وہ ہے جس سے لوگ بھلائی کی توقع کریں اور اس کے شر سے محفوظ و مامون ہوں اور تم میں سے بدترین وہ ہے جس سے لوگ بھلائی کی توقع نہ کریں اور اس کے شر سے محفوظ و مامون نہ ہوں۔ (ترمذی و بیہقی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے''۔

کون بہتر ہے اور کون بدتر ؟

بہترین اور بدترین شخص کی پہچان تو یہ ہے کہ جس کو حدیث میں فرمایا گیا رہا وہ شخص کہ جس سے لوگ بھلائی کی تو امید رکھتے ہوں' لیکن اس کے شر سے محفوظ و مامون نہ ہوں۔ یا وہ شخص کہ جس کے شر سے تو لوگ محفوظ و مامون ہوں مگر اس سے کسی بھلائی کی توقع نہ رکھتے ہوں تو ایسا شخص بین بین ہوگا کہ اس کو نہ بہترین کہیں گے نہ بدترین۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَفَعَهُ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا۔

(رواہ الترمذی)

جامع الترمذی' کتاب الزهد' باب فی حفظ اللسان' ح ۲٤۰۷۔

''اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو سارے اعضاء جسم زبان کے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے حق میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہمارا تعلق تجھ ہی سے ہے۔ اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے''۔

تمام اعضاء جسم' زبان سے عاجزی کرتے ہیں:

یوں تو سارے جسمانی نظام کا ظاہری و روحانی دارومدار دل پر ہے کہ اگر دل درست و صالح ہے تو تمام اعضاء جسم بھی درست و صالح رہتے ہیں اور اگر دل فاسد و ناکارہ ہو جائے تو سارے اعضاء بھی فاسد و ناکارہ ہو جاتے ہیں جب کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

ان فی الجسد مضغة ان صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله

''جسم میں گوشت کا لوتھڑا ہے (جس کو دل کہا جاتا ہے) اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا''۔

اس حقیقت کا باوجود اس حدیث میں یہ ظاہر کرنا کہ گویا زبان ہی سارے اعضاء جسم کی سردار ہے اس اعتبار سے ہے کہ حقیقت میں ''دل'' ہی جسم کا بادشاہ ہے مگر دل کا ترجمان اور خلیفہ زبان ہی ہے کہ دل جو کچھ سوچتا ہے زبان اس کو بیان کرتی ہے اور دیگر اعضاء جسم اس پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا جو حکم دل کا ہے وہی زبان کا ہے کہ جس طرح دل کے صالح و فاسد ہونے کا اثر سارے اعضاء جسم پر پڑتا ہے اس طرح زبان کا بناؤ بگاڑ بھی تمام اعضائے جسم کو بناتا اور بگاڑتا ہے۔

وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَاوَجْهَيْنِ فِى الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ۔

ابوداؤد' کتاب الادب' باب فی ذی الوجهین' ح ٤۸۸۳۔

''اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دنیا میں دورویہ ہوگا قیامت کے دن اس کے (منہ میں) آگ کی دو زبانیں ہوں گی''۔ (دارمی)

دورویہ کے بارے میں وعید:

دورویہ اصل میں منافق صفت آدمی کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو کسی کے حق میں مخلص نہ ہو' زبان سے کچھ کہے اور دل میں کچھ رکھے جب کسی کے سامنے بات کرے تو اس طرح کرے کہ مخاطب یہ سمجھے کہ یہ میرا بڑا دوست و ہمدرد ہے مگر جب اس کے پیٹھ

پیچھے بات کرے تو زبان سے ایسے الفاظ نکالے جو اس کے لئے تکلیف کا باعث ہوں۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ دو رو یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو آپس میں مخاصمت رکھنے والے دو آدمیوں میں سے ہر ایک کی منہ دیکھی بات کرے ایک کے پاس جائے تو اس کی پسندی کی باتیں کرے اور وہ یہ سمجھے کہ یہ میرا دوست ہے اسی طرح دوسرے کے پاس جائے تو اس کی سی کہے اور وہ سمجھے کہ یہ میرا دوست ہے غرضیکہ دونوں میں سے ہر ایک کے پاس اس کی محبت ظاہر کرے اور دوسرے کی برائی کرے اسی طرح دونوں ہی اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہیں اور ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا دوست و ہمدرد اور مددگار ہے اور میرے مخالف کا دشمن و بدخواہ۔

آپ عورتوں میں تو یہ خرابی بے حد پائی جاتی ہے۔ شوہر کے سامنے شوہر کی اور جیسے ہی اپنے والدین کے سامنے پہنچی' چاہی نہ چاہی ہر بات گلے کے انداز میں پیش کرنے لگیں

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ (رواه الترمذی والبیهقی فی شعب الایمان وفی اخرٰی له ولا الفاحش البذی وقال الترمذی هٰذا حدیث غریب)

جامع الترمذی' کتاب البر' باب ما جاء فی اللعنة' ح ۱۹۷۷۔

''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (کامل) مؤمن نہ تو طعن کرنے والا ہوتا ہے نہ لعن کرنے والا نہ فحش گوئی کرنے والا ہوتا ہے' نہ زبان درازی کرنے والا (ترمذی' بیہقی) اور بیہقی کی روایت میں نہ فحش گوئی کرنے والا زبان دراز'' کے الفاظ ہیں یعنی اس

روایت میں ''بذی'' کو ''فاحش'' کی صفت قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جو حد سے زیادہ فحش گوئی کرنے والا ہو نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

ہر وقت لعنت ملامت نہ کرتی رہیے:

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا وَفِیْ رِوَايَةٍ لَا يَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يَّكُوْنَ لَعَّانًا

جامع الترمذی' کتاب البر' باب ما جاء فی اللعن' ح ۲۰۱۹۔

''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا جو بہت زیادہ لعنت کرنے والا اور لعنت کرنے کا عادی ہو''۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''اور کسی مؤمن کے لئے یہ موزوں نہیں کہ وہ بہت زیادہ لعنت کرنے والا ہو''۔ (ترمذی)

یہود پہ لعنت بھیجنے پر نبی کریم ﷺ کا سیدہ عائشہ کو انتباہ کرنا:

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اسْتَاْذَنَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْتُ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِی الْاَمْرِ كُلِّهٖ قُلْتُ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ وَفِیْ رِوَايَةٍ عَلَيْكُمْ وَلَمْ يَذْكُرِ الْوَاوَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِیِّ اَنَّ الْيَهُوْدَ اَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكَ قَالَ وَعَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ قَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ اَوَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِيْ فِيْهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا تَكُوْنِيْ فَاحِشَةً فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ

صحیح بخاری' کتاب استتابة المرتدین' ح ۶۹۲۷۔

''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن یہودیوں کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ چنانچہ ان کو اجازت دے دی گئی اور جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئے تو کہا تمہیں موت آئے اور تم پر لعنت ہو۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ محبت و نرمی کرنے والا ہے اور ہر کام میں محبت و نرمی کو پسند کرتا ہے میں نے عرض کیا کیا آپؐ نے سنا نہیں انہوں نے (سلام کے) بجائے کیا لفظ کہا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بے شک میں نے سنا ہے اور میں نے ان کے جواب میں کہا ہے کہ وعلیکم اور ایک روایت میں یہ لفظ علیکم ہے یعنی واؤ کا ذکر نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

...... اور بخاریؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایک دن کچھ یہودی رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے السلام علیکم کہنے کے بجائے یوں کہا کہ السام علیکم آنحضرت ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ وعلیکم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں کہ یہودیوں کی یہ بدتمیزی مجھ سے برداشت نہیں ہوئی اور میں نے ان کے جواب میں کہا کہ تمہیں موت آئے اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب ٹوٹے۔ آنحضرت ﷺ نے جب میری زبان سے ایسے سخت الفاظ سنے تو فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا رک جاؤ تمہیں نرمی اختیار کرنی چاہئے نیز سخت گوئی اور لچر باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا لفظ کہا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور کیا تم نے نہیں سنا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے میں نے اس پر کیا جواب دیا ہے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے حق میں میری دعا یا بددعا تو قبول ہوتی ہے لیکن میرے حق میں ان کی دعا یا بددعا قبول نہیں ہوتی۔ اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا تم لچر باتیں کرنے والی مت بنو' کیونکہ اللہ تعالیٰ لچر باتوں کو اور بہ تکلف لچر باتیں بنانے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

چھوٹی چھوٹی باتوں پہ بددُعاء کیلئے ہاتھ نہ اٹھاتی پھریئے:

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِ اللّٰهِ وَلَا بِجَهَنَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا بِالنَّارِ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

جامع الترمذی' کتاب البر' باب ما جاء فی اللعنة' ح ۱۹۷۶۔

''اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آپس میں ایک دوسرے کے لئے نہ تو خدا کی لعنت کی بددعا کر نہ خدا کے غضب کی اور نہ جہنم میں جانے کی بددعا کرو''۔

مطلب یہ ہے کہ یوں تو کسی صورت میں بھی کسی مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی

کے حق میں بددعا نہ کرنی چاہئے کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے لیکن خدا کی لعنت وغیرہ جیسی چیزوں کی بددعا کرنا تو سخت برا اور گناہ کی بات ہے چنانچہ کسی کے حق میں اس طرح بددعا نہ کرنی چاہئے کہ تجھ پر خدا کی لعنت ہو یا تجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے یا خدا کرے تو جہنم میں جائے اور یا خدا کرے تو دوزخ کی گھاٹی میں جلے وغیرہ وغیرہ۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا لَعَنَ شَيْئاً صَعِدَتِ اللَّعْنَةُ اِلَی السَّمَآءِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَآءِ دُوْنَهَا ثُمَّ تَهْبِطُ اِلَی الْاَرْضِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُهَا دُوْنَهَا ثُمَّ تَاْخُذُ يَمِيْناً وَّشِمَالاً فَاِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا رَجَعَتْ اِلَی الَّذِیْ لُعِنَ فَاِنْ كَانَ لِذٰلِكَ اَهْلاً وَاِلاَّ رَجَعَتْ اِلٰی قَآئِلِهَا (رواہ ابوداؤد)

ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی اللعن، ح ۴۹۰۵۔

''اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ''جب کوئی بندہ کسی چیز یعنی کسی انسان یا غیر انسان پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے اور آسمان کے دروازے اس لعنت پر بند کردیئے جاتے ہیں پھر وہ لعنت دائیں بائیں طرف جانا چاہتی ہے (مگر اِدھر سے بھی دھتکار دی جاتی ہے) چنانچہ جب وہ کسی طرف بھی راستہ نہیں پاتی تو اس چیز کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس پر لعنت کی گئی ہے یہاں تک کہ اگر وہ چیز اس لعنت کی اہل و سزاوار ہوتی ہے تو اس پر واقع ہوجاتی ہے ورنہ اپنے کہنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے''۔

(ابوداؤد)

جو شخص لعنت کے قابل نہ ہو اس پر لعنت کرنا خود اپنے آپ کو مبتلائے لعنت کرنا ہے:

اس حدیث کے ذریعہ لعنت کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ جس چیز کو لوگ بہت معمولی سمجھتے ہیں اور ہر کس و ناکس پر لعنت کرتے رہتے ہیں انجام کار خود ہی اس لعنت کا شکار ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت ابتداء ہی سے اس پر متوجہ نہیں ہوتی اور یہ چاہتی ہے کہ اِدھر اُدھر سے ہوکر باہر نکل جائے مگر جب کسی طرف کو راستہ نہیں پاتی تو آخرکار اس پر متوجہ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اس لعنت کا سزاوار ہو اور اگر حقیقت کے اعتبار سے وہ اس لعنت کا سزاوار نہیں ہوتا تو پھر انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ لوٹ کر اس شخص پر واقع ہوجاتی ہے جس نے وہ لعنت کی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جب تک یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں شخص لعنت کا واقعی مستوجب ہے اس پر لعنت نہ کی جائے اور ظاہر ہے کہ کسی شخص کا قابل لعنت ہونا شارع علیہ السلام کی طرف سے بتائے بغیر متعین نہیں ہوسکتا۔

شوہر اور سسرالیوں سے خوش طبعی سے پیش آیئے:

فرمانبردار بیٹیو!

آپ کے اور شوہر کے درمیان میں اپنے ذاتی مشاہدے کی بنیاد پر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ سب سے زیادہ وجہ نزاع (خاص طور پر ابتدائی سالوں میں) یہ سسرالی رشتہ داریاں بنیں گی یا تو آپ کا رویہ ان کے ساتھ اچھا نہیں ہوگا یا ان کا۔ وجہ جو بھی ہو کمند آپ پر ہی آکر ٹوٹے گی۔

خوش طبعی یا مزاح سے میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ شوہر کے گھر سے نکلتے ہی سسرالیوں کے ساتھ ہا ہا، ہی ہی، ہو ہو کرنے بیٹھ جائیں۔ آئیں آپ کو بتاؤں کہ مزاح اور خوش طبعی حقیقت میں ہے کیا۔

مزاح میم کے زیر کے ساتھ مصدر ہے جس کے معنی ہیں خوش طبعی کرنا، ہنسی مذاق کرنا اور میم کے پیش کے ساتھ یعنی مزاح اسم مصدر ہے جس کے معنی مطایبہ یعنی خوش طبعی وظرافت کے ہیں۔

عربی میں لفظ مزاح کا اطلاق اس خوش طبعی اور ہنسی مذاق پر ہوتا ہے جس میں کسی کی دل شکنی اور ایذاء رسانی کا پہلو نہ ہو اس کے برخلاف جس خوش طبعی اور ہنسی مذاق کا تعلق دل شکنی اور ایذاء رسانی سے ہو اس کو سخریہ کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ لا تمار اخاك ولا تمازحه یعنی اپنے مسلمان بھائی سے جھگڑا فساد نہ کرو اور نہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرو تو علماء لکھتے ہیں کہ وہ مزاح وظرافت ممنوع ہے جس میں حد سے تجاوز کیا جائے اور اس کو عادت بنا لیا جائے کیونکہ ہر وقت مزاح وظرافت میں مبتلا رہنا اور اس میں حد سے تجاوز کرنا بہت زیادہ ہنسنے اور قہقہہ لگانے کا باعث ہوتا ہے، جو قلب و ذہن کو قساوت اور بے حسی میں مبتلا کر دیتا ہے ذکر الٰہی سے غافل کر دیتا ہے۔ مہمات دین میں غور و فکر اور پیش قدمی سے باز رکھتا ہے اور اکثر اوقات اس کا انجام ایذا رسانی اور آپس میں بغض و عناد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص ہر وقت ہنسی مذاق کرتا رہتا ہے اس کی شخصیت بری طرح متاثر اور مجروح ہو جاتی ہے کہ نہ اس کا کوئی دبدبہ قائم رہتا ہے اور نہ اس کی عظمت اور اس کا وقار باقی رہتا ہے۔ اس کے برعکس جو مزاح وظرافت حد کے اندر اور کبھی کبھار ہو وہ نہ صرف مباح ہے بلکہ صحت مزاج اور رونق نشاط اور سلامت طبع کی علامت بھی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی مزاح اور ظرافت کو اختیار فرماتے تھے جس سے آپ ﷺ کا مقصد مخاطب کی دل بستگی و خوش وقتی اور آپس میں محبت و موانست کے جذبات کو مستحکم کرنا ہوتا تھا اور یہ چیز سنت مستحبہ ہے اور اگر اس موقع پر یہ اشکال واقع ہو کہ یہ بات کہ وہی مزاح وظرافت مباح ہے جو کبھی کبھار ہو۔ اس روایت کے مخالف ہے جس میں حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا

ہے کہ ما رایت احدا اکثر مزاحا من رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی میں نے رسول کریم ﷺ سے زیادہ مزاح کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا تو اس کا جواب مختصر طور پر یہ ہوگا کہ زیادہ مزاح وظرافت کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس سے نفس پر قابو نہیں رہتا اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے برابر کوئی اور شخص اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا لہٰذا یہ چیز (زیادہ مزاح کرنا) ان امور میں سے ہے جو صرف آنحضرت ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں اور دوسروں کے لئے ان سے اجتناب ہی اولیٰ ہے اس کی تائید ترمذی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو آگے آئے گی کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ہمارے ساتھ مزاح فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں مزاح میں بھی سچ کہتا ہوں۔ حاصل یہ کہ زیادہ مزاح کرنے کی ممانعت کا تعلق آنحضرت ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں سے ہے ہاں اگر کوئی شخص حد پر قائم رہے نفس پر قابو رکھے اور راہ اعتدال سے منحرف نہ ہونے پر قادر ہو وہ بھی اس ممانعت سے مستثنیٰ ہوگا۔

چھوٹی موٹی چیزوں کی کھو جانے کی صورت میں سسرالیوں پر الزام نہ دھر دیجئے:

پیاری بیٹیو!

اس سے پہلے کہ اس بات آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہؐ سے کچھ بیان کروں پہلے فقط یہ عرض کرنے کی جراءت کر رہا ہوں کہ کیا جب اپنے والدین کے گھر میں تھی تو کیا کوئی چیز کھوئی نہ گئی تھی۔ کیا آپ کا ہار، کتاب، انگوٹھی، پیسے وغیرہ کبھی تو چوری یا کبھی لاپرواہی یا بے دھیانی کی وجہ سے ادھر ادھر نہیں ہو گئے تھے تو کیا آپ فوراً اپنی والدہ اور بہن بھائیوں پر چوری کا الزام لگا دیتی تھیں، نہیں، نہیں...... حاشا کلا ایسا ہرگز نہیں ہوتا تھا تو اب

شوہر کے گھر میں آ کر آپ کی طبیعت کو کیا ہوا کہ پانچ منٹ چیز نہ ملے تو فوراً شوہر کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ ہو نہ ہو یہ کام ضرور دیور صاحب کا ہے' کرتے ورتے تو کچھ ہیں نہیں فقط دشمن اناج کے۔

کچھ عرصہ صبر سے گزاریئے آپ خود ہی سسرالیوں کے ساتھ ایڈجسٹ کر جائیں گی اور ان کے بغیر آپ کو گھر سونا سونا لگے گا:

ابھی وہ پڑھ رہا ہے جب پڑھ لکھ جائے گا تو یقیناً وہ بھی آپ کے شوہر کی طرح ذمہ دار بن جائے گا' آپ کی نندیں بھی ابھی پڑھ رہی ہیں' ان کا بھی وقت آئے گا تو وہ اپنے گھر چلی جائیں گی۔ یاد رکھئے! ایک ایسا بھی وقت آئے گا کہ آپ انہی رشتوں کے دم سے زندہ ہوں گی۔ بس ذرا وقت گزرنے دیجئے۔ خود ہی ان رشتوں کی محبت آپ کے دل میں جاگ جائے گی۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اور جو شخص کوئی بُرائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے تو اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑا رحمت والا پائے گا اور جو شخص کچھ گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگائے سو اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ کیا' اپنے اوپر لادا اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوں تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا اور غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جان کو اور آپ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل

فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائیں ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ (النساء:۱۰۰تا۱۱۳)

بے گناہوں پر تہمت تراشی جرم عظیم ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور اپنی مہربانی کو بیان فرماتا ہے کہ جس گناہ سے جو کوئی توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف مہربانی سے رجوع کرتا ہے۔ ہر وہ شخص جو رب کی طرف جھکے' رب اپنی مہربانی سے اور اپنے وسعت رحمت سے اسے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ کو بخش دیتا ہے گو وہ آسمان وزمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں۔ بنو اسرائیل میں جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے دروازہ پر قدرتی حروف میں اس کا کفارہ لکھا ہوا نظر آ جاتا۔ جو اسے ادا کرنا پڑتا اور انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان کے کپڑوں پر اگر پیشاب لگ جائے تو اتنا کپڑا کتروا ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت پر آسانی کر دی پانی سے دھو لینا ہی کپڑے کی پاکی رکھی اور صرف توبہ سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے سوال کیا کہ ایک عورت نے بدکاری کی' پھر جب بچہ ہوا تو اسے مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ روتی ہوئی واپس چلی تو آپ نے اسے بلایا اور آیت: ﴿وَمَنْ يَّظْلِمْ﴾ پڑھ کر سنائی تو اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور واپس لوٹ گئی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: جس مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے۔ پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ سے استغفار کرے۔ تو اللہ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت اور آیت: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ (آل عمران:۱۳۳) کی تلاوت کی۔

حضرت ابو داؤدؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ مجلس میں سے اُٹھ کر اپنے کسی کام کے لئے کبھی جاتے اور واپس تشریف لانے کا ارادہ بھی ہوتا تو جوتی یا کپڑا کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنی جوتی چھوڑے ہوئے تھے اور ڈولچی پانی کی ساتھ لے کر چلے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا۔ آپ کچھ دور جا کر

بغیر حاجت پوری کیے بغیر واپس آئے اور فرمانے لگے: میرے پاس میرے ربّ کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام دے گیا۔ پھر آپ ﷺ نے آیت: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ﴾ پڑھی اور فرمایا میں اپنے صحابہ کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے راستے میں سے ہی لوٹ آیا ہوں۔ اس سے پہلے چونکہ آیت: ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ (النساء:۱۲۳) یعنی ہر بُرائی کرنے والے کو اس کی بُرائی کا بدلہ ملے گا' اُتر چکا تھا' اس لئے صحابہ مشقت میں تھے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ اگر کسی نے زنا کیا ہو چوری کی ہو۔ پھر وہ استغفار کرے تو اسے بھی اللہ بخش دے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے دوبارہ پوچھا: آپ ﷺ نے پھر کہا: ہاں' میں نے سہ بارہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہاں' گو ابو درداء کی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابودرداء جب یہ حدیث بیان کرتے اپنی ناک پر مار کر بتلاتے۔

پھر فرماتا ہے: گناہ کمانے والا اپنا ہی بُرا کرتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ایک دوسرے کو نفع نہ پہنچا سکے گا۔ ہر شخص اپنے کرتوت کا ذمہ دار ہے۔ کوئی نہ ہوگا جو بوجھ بٹائے۔ خدائی علم' خدائی حکمت' خدائی عدل' خدائی رحمت کے خلاف ہے کہ ایک کے گناہ پر دوسرا پکڑا جائے۔ پھر فرماتا ہے جو خود بُرا کام کرے کسی بے گناہ پر اس کا الزام تھوپ دے۔ جیسے بنو اُبیرق نے لبید کا نام لے دیا۔ جو واقعہ تفصیل وار اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ یا مراد زید بن سمین یہودی ہے۔ جیسے بعض اور مفسرین کا خیال ہے کہ اس چوری کی تہمت اس قبیلے نے اس بے گناہ کے ذمے لگائی تھی اور خود ہی خائن اور ظالم تھے۔ آیت گو شانِ نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ جو ایسا کرے خدائی سزا کا مستحق ہے۔ اس کے بعد کی آیت وَلَوْلَا کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے۔ یعنی لبید بن عروہ اور ان کے ساتھیوں نے بنو اُبیرق کے چوروں کی حضور ﷺ کے سامنے برأت کر کے ان کی پاک دامنی کا اظہار کر کے حضور ﷺ کو اصلیت سے ہٹانے کا سارا کام کر لیا تھا۔

لیکن اللہ نے جو آپ کی عصمت کا حقیقی نگہبان ہے۔ آپ کو اس خطرناک موقعہ پر خائنوں کی طرفداری سے بچالیا اور اصلی واقعہ صاف کر دیا۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ نزولِ وحی سے پہلے آپ جو نہ جانتے تھے ان کا علم پروردگار نے آپ کو بذریعہ وحی کر دیا۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (الشوریٰ:۵۲) سے پوری سورت تک اور آیت میں ہے: ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ﴾ (القصص:۸۶) اسی لئے یہاں بھی فرمایا: یہ سب باتیں اللہ کا فضل ہیں جو آپ ﷺ کے شامل حال ہیں۔

اپنی نندیا دیوروں کے بچوں کو اچھے القابات سے پکاریئے:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتّٰى يَقُوْلَ لِاَخٍ لِّيْ صَغِيْرًا يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ وَكَانَ لَهٗ نُغَيْرٌ يَّلْعَبُ بِهٖ فَمَاتَ (متفق عليه)

صحيح بخاری' کتاب الادب' باب الانبساط الی الناس' ح ۶۱۲۹۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم سے اختلاط و خوش طبعی فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے ازراہِ مذاق فرماتے ابو عمیر! نغیر کہاں گیا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے اس چھوٹے بھائی کے پاس ایک نغیر تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا اور جو مر گیا تھا''۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے چھوٹے بھائی کا ذکر کیا ہے ان کا نام کبشہ تھا اور وہ ان کے اخیافی یعنی ماں شریک بھائی تھے ان کے باپ کا نام ابوطلحہ زید بن سہیل انصاری رضی اللہ عنہ تھا۔

"نغیر" تصغیر ہے نغر کی جو ایک چھوٹے پرندے کا نام ہے اور چھوٹی چڑیا کی طرح ہوتا ہے اور اس کی چونچ سرخ ہوتی ہے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ وہ پرندہ چڑیا کی طرح سرخ سر والا ہوتا ہے نیز بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اہل مدینہ اس پرندے کو بلبل کہتے تھے ہو سکتا ہے کہ یہ وہی پرندہ ہو جس کو ہمارے ہاں لال کہتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی کبشہ اس پرندے کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آتے تھے جیسا کہ چھوٹے بچوں کو جب کوئی چڑیا وغیرہ مل جاتی ہے تو اس کے ساتھ کھیلا کرتے ہیں اور اس کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں پھر ایک دن اچانک وہ پرندہ مر گیا اس کے بعد جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان کو از راہِ مذاق چھیڑتے اور پوچھتے کہ ارے ابو عمیر تمہارا نغیر کیا ہوا؟ گویا ان کو مخاطب کرتے وقت ظرافت کے ساتھ تفنن کلام کا اسلوب بھی اختیار فرماتے یعنی نغیر کی مناسبت سے اور اس لفظ کے قافیہ کے طور پر ان کو ابو عمیر کی کنیت کے ذریعہ مخاطب فرماتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کو چڑیا وغیرہ سے دل بہلانا اور ان کے ساتھ کھیل کود کرنا جائز بشرطیکہ اس کو تکلیف وایذا نہ پہنچائیں نیز اس سے معلوم ہوا کہ کسی چھوٹے اور کمسن بچے کی کنیت مقرر کرنا جائز ہے اور یہ جھوٹ میں داخل نہیں ہے نیک فالی ہے۔

خوش طبعی میں بھی سچ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیئے:

فرمانبردار بچو!

آپ کو ہم اس چیز کی ہرگز تاکید نہیں کر رہے کہ ہر وقت فقط ان رشتوں پہ ہی نظر رکھئے بلکہ اپنی آخرت کی فکر بھی آپ کو دامن گیر رہنی چاہیے۔ اسی لئے خوشی طبعی میں بھی جھوٹ کی آمیزش نہ ہونے دیجئے۔

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا

جامع الترمذی' کتاب البر والصلة' باب ما جاء فی المزاح' ح ۱۹۹۰۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لیکن اس خوش طبعی میں بھی میں سچی بات کہتا ہوں"۔ (ترمذی)

نبی کریم ﷺ کا ہنسی مذاق بھی جھوٹ پر مبنی نہیں ہوتا تھا:

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو زیادہ ہنسی مذاق کرنے سے منع فرمایا تو اس کے بعد انہوں نے مذکورہ سوال کیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو جواب دیا کہ ہنسی مذاق کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ اس میں عام طور پر جھوٹی باتوں اور غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ اس کا ہنسی مذاق جھوٹ اور لایعنی باتوں سے کلیۃً پاک ہو' کیونکہ تم کو معصوم نہیں بنایا گیا ہے لیکن حق تعالیٰ نے مجھ کو معصوم بنایا ہے اور مجھے اس بات پر قادر کیا ہے کہ میرے کسی بھی ہنسی مذاق کی بات میں جھوٹ کی آمیزش ہو وہ ناجائز ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی بھی ایسا مزاح نہیں فرماتے تھے جس میں جھوٹ اور لچر بات کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو اور اگر ہنسی مذاق کی کوئی بات حقیقت کے اعتبار سے جھوٹ پر مبنی نہ ہو تو وہ جائز ہے لیکن اس کے باوجود ہنسی مذاق اور ظرافت کو عادت نہ بنا لینا کیونکہ اس کی وجہ سے دبدبہ اور وقار ختم ہو جاتا ہے۔

خوش طبعی کا ایک اندازِ نبوی:

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ حَامِلُکَ عَلٰی وَلَدِ نَاقَۃٍ فَقَالَ مَا

أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلُ إِلَّا النُّوْقُ.

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

جامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی المزاح، ح ۱۹۹۱۔

''اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سواری کا ایک جانور مانگا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہاری سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس شخص نے (حیرت کے ساتھ) کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اونٹ کو اونٹنی ہی تو جنتی ہے''۔ (ترمذی، ابوداؤد)

اس شخص نے یہ سمجھا تھا کہ اونٹنی کے بچہ سے مراد وہ چھوٹا بچہ ہے جو سواری کے قابل نہیں ہوتا لیکن آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ سواری کے قابل جو اونٹ ہوتا ہے وہ بچہ تو اونٹنی ہی کا ہوتا ہے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی طلب پر مذکورہ ارشاد بطور خوش طبعی فرمایا اور پھر اس کی حیرت پر جو جواب دیا اس کے ذریعہ نہ صرف حقیقت مفہوم کو ادا کیا بلکہ اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ اگر تم تھوڑی عقل سے کام لیتے اور میری بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرتے تو اس حیرت میں نہ پڑتے اور حقیقی مفہوم کو خود سمجھ لیتے لہٰذا اس ارشاد میں نری ظرافت ہی نہیں ہے بلکہ اس امر کی طرف متوجہ کرنا بھی مقصود ہے کہ سننے والے کو چاہئے کہ وہ اس بات میں غور وتامل کرے جو اس سے کہی گئی ہے اور بغیر سوچے سمجھے سوال وجواب نہ کرے بلکہ پہلے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرے اور غور وفکر کے بعد آگے بڑھے۔

وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ.

جامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب فی المزاح، ح ۱۹۹۲۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اے دو کانوں والے''۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تعریف پر مشتمل خوش طبعی:

آنحضرت ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دو کانوں والے کے ذریعہ جو مخاطب فرمایا تو اس میں خوش طبعی وظرافت بھی تھی اور ان کے تئیں اس تعریف وتوصیف کا اظہار بھی مقصود تھا کہ تم نہایت فہیم وذکی ہو اور تم سے جو بات کہی جاتی ہے اس کو تم خوب اچھی طرح سنتے ہو۔

نبی کریم ﷺ کا ایک بڑھیا کے ساتھ خوش طبعی فرمانا:

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِامْرَأَةٍ عَجُوْزٍ أَنَّهُ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ فَقَالَتْ وَمَا لَهُنَّ وَكَانَتْ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَهَا أَمَا تَقْرَئِيْنَ الْقُرْآنَ إِنَّا أَنْشَأْنٰهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنٰهُنَّ أَبْكَارًا.

(رواہ رزین وفی شرح السنۃ بلفظ المصابیح)

الترمذی الشمائل، باب ما جاء فی صفۃ مزاح رسول ﷺ ح ۲۴۰۔

''اور انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ایک بوڑھی عورت نے جب آپ ﷺ سے درخواست کی کہ میرے جنت میں جانے کی دعا فرمائیں تو اس سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی وہ عورت قرآن پڑھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا ہے کہ إِنَّا أَنْشَأْنٰهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنٰهُنَّ أَبْكَارًا یعنی ہم جنت کی عورتوں کو پیدا کریں کہ جیسا کہ پیدا کیا جاتا

ہے پس ہم ان کو کنواری بنا دیں گے اس اعتبار سے یہ خوش طبعی مبنی بر حقیقت تھی اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا درست ہوا کہ یہ بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی کیونکہ واقعتاً کوئی عورت اپنے بڑھاپے کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گی۔ اس روایت کو رزین نے مذکورہ الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے اور بغوی نے اپنی دوسری کتاب شرح السنہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے جو مصابیح میں مذکور ہیں''۔

مصابیح میں اس روایت کو جن الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے وہ یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی یہ سن کر وہ عورت واپس ہوئی اور روتی ہوئی چلی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت کو جا کر بتا دو عورتیں اپنے بڑھاپے کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلاً مِنْ اَہْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اسْمُهٗ زَاہِرَ بْنَ حَرَامٍ وَكَانَ يُہْدِىْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَادِيَةِ فَيُجَہِّزُهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ زَاہِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّهٗ وَكَانَ دَمِيْمًا فَاَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَہُوَ يَبِيْعُ مَتَاعَهٗ فَاحْتَضَنَهٗ مِنْ خَلْفِهٖ وَہُوَ لَا يُبْصِرُهٗ فَقَالَ اَرْسِلْنِىْ مَنْ ہٰذَا فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَاْلُوْ مَا اَلْزَقَ ظَہْرَهٗ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَرَفَهٗ وَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَّشْتَرِى الْعَبْدَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذًا وَاللّٰهِ تَجِدُنِىْ كَاسِدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ۔

(رواه فی شرح السنة)

الترمذی الشمائل، باب ۳۶، ح ۲۳۰۔

''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شہر سے باہر کا رہنے والا ایک شخص جس کا نام زاہر بن حرام رضی اللہ عنہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے لئے بطور ہدیہ شہر کے باہر سے کچھ لایا کرتا تھا (یعنی ایسی چیزیں جو شہر سے باہر جنگل میں پیدا ہوتی ہیں جیسے ساگ، سبزی، لکڑی اور پھول پھل وغیرہ) اور جب وہ مدینہ سے باہر (اپنی جائے سکونت کو) جانے لگتا تو رسول کریم ﷺ اس کے ساتھ شہر کا کچھ سامان کر دیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ (اس کے بارے میں فرماتے) کہ زاہر رضی اللہ عنہ ہمارا باہر کا گماشتہ ہے کہ وہ ہمارے لئے باہر کی چیزیں لاتا ہے اور ہم اس کے شہر کے گماشتہ ہیں کہ ہم اس کو شہر کی چیزیں دیتے ہیں نیز نبی کریم ﷺ زاہر رضی اللہ عنہ سے بہت محبت و تعلق رکھتے تھے۔ ویسے وہ ایک بدصورت شخص تھا ایک دن نبی کریم ﷺ (بازار میں) تشریف لے گئے تو (دیکھا کہ) وہ اپنا سودا سلف بیچ رہا ہے آپ ﷺ نے پیچھے سے اس کی اس طرح کولی بھر لی کہ وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتا تھا (یعنی آپ ﷺ نے اس کی بے خبری میں اس کے پیچھے بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ اس کی دونوں بغلوں کے نیچے سے نکال کر اس کی آنکھیں چھپا لیں تا کہ وہ پہچان نہ سکے) زاہر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

مجھے چھوڑ دو یہ شخص کون ہے؟ پھر (اس نے کوشش کر کے) کن آنکھیوں سے دیکھا اور نبی کریم ﷺ کو پہچان گیا پھر تو وہ آپ ﷺ کو پہچاننے کے بعد اپنی پیٹھ کو نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک سے چمٹانے کی پوری کوشش کرنے لگا تا کہ زیادہ سے زیادہ برکت حاصل کر لے۔ ادھر نبی کریم ﷺ نے یہ آواز لگانی شروع کر دی کہ کون شخص ہے جو اس غلام کا خریدار ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم آپ ﷺ مجھ کو ناکارہ پائیں گے (یعنی بالکل سستا اور بے کار مال) نبی کریم ﷺ نے فرمایا لیکن تم خدا کے نزدیک ناکارہ نہیں ہو"۔ (شرح السنہ)

آنحضرت ﷺ نے زاہر کو از راہ مذاق غلام سے تعبیر کیا اور حقیقت کے اعتبار سے یہ کوئی جھوٹ بات نہیں تھی کیوں کہ وہ اللہ کے غلام بہر حال تھے ہی۔

کسی چیز کو بطور فروخت کرنے کے لئے بطور استفہام یہ کہنا کہ کون شخص ہے جو اس کو خریدتا ہے مفہوم کے اعتبار سے کبھی تو اس چیز کی بیش قیمت حیثیت کو ظاہر کرنے کے لئے مقابلہ آرائی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق استبدال پر آتا ہے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد "کون شخص ہے جو اس غلام کا خریدار ہے" کا مطلب یہ تھا کہ اس بازار میں ایسا کوئی شخص ہے جو اس غلام کی قدر و قیمت لگا دے اور ایسی کوئی چیز مجھے دے سکے جس کے بدلے میں اس کو یہ غلام دے سکوں یعنی یہاں کا کوئی مال اس کا بدل نہیں ہو سکتا اور کوئی چیز اس کی قیمت نہیں بن سکتی! نیز یہ بھی ممکن ہے آپ ﷺ کا یہ ارشاد تجرید کے قبیل سے ہو جس سے گویا آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ کون شخص ہے جو اس غلام کو حاصل کرے یعنی ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو اس غلام کو حاصل کرنے اور اس کو اپنے پاس رکھنے کا اہل ہو۔

زن و شو کے درمیان خوش طبعی کی ایک عمدہ مثال:

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اسْتَاذَنَ اَبُوْبَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ عَائِشَةَ عَا لِيًا فَلَمَّا دَخَلَ تَنَاوَلَهَا لِيَلْطِمَهَا وَقَالَ لَا اَرَاكِ تَرْفَعِيْنَ صَوْتَكِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْجُزُهٗ وَخَرَجَ اَبُوْبَكْرٍ مُغْضِبًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَرَجَ اَبُوْبَكْرٍ وَكَيْفَ رَاَيْتِنِيْ اَنْقَذْتُكِ مِنَ الرَّجُلِ قَالَتْ فَمَكَثَ اَبُوْبَكْرٍ اَ يَّامًا ثُمَّ اسْتَاْذَنَ فَوَجَدَهُمَا قَدِاصْطَلَحَا فَقَالَ لَهُمَا اَدْخِلَانِيْ فِيْ سِلْمِكُمَا كَمَا اَدْخَلْتُمَانِيْ فِيْ حَرْبِكُمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلْنَا.

ابو داؤد' كتاب الادب' باب ما جاء في المزاح' ۴۹۹۹۔

"اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ سے گھر آنے کی اجازت طلب کی جبھی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز کو سنا جو ذرا زور سے بول رہی تھیں پھر جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑا اور طمانچہ مارنے کا ارادہ کیا اور کہا کہ خبردار آئندہ میں تمہیں رسول کریم ﷺ کی آواز سے اونچی آواز میں بولتے ہوئے نہ دیکھوں۔ ادھر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو (حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے مارنے سے) روکنا شروع کیا اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غصہ کی حالت میں نکل کر چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چلے جانے کے بعد (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا کہ تم نے دیکھا میں نے تمہیں اس آدمی یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کس طرح بچالیا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (اس کے بعد) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (مجھ سے خفگی کی بنا پر یا آنحضرت ﷺ سے شرمندگی کی وجہ سے) کئی دن تک آنحضرت ﷺ کی خدمت میں نہیں آئے پھر ایک دن انہوں نے دروازے پر حاضر ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی اور اندر آئے تو دیکھا کہ دونوں (آنحضرت ﷺ اور عائشہ رضی اللہ عنہا) صلح کی حالت میں ہیں انہوں نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں مجھ کو اپنی صلح میں شریک کرلو جس طرح تم نے مجھ کو اپنی لڑائی میں شریک کیا تھا' آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا بے شک ہم نے ایسا ہی کیا بے شک ہم نے ایسا ہی کیا یعنی تمہیں اپنی صلح میں شریک کرلیا (گویا آپ ﷺ نے اپنی بات مؤکد کرنے کے لئے یہ جملہ دو مرتبہ فرما لیا)''۔ (ابوداؤد)

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا وہ جملہ بطور مزاح تھا جو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ دیکھا میں نے تمہیں اس شخص کے ہاتھ سے کس طرح نجات دلائی گویا آپ ﷺ نے ''تمہارے باپ'' کہنے کی بجائے ''اس شخص'' کہہ کر بقصد مزاح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں اجنبی قرار دیا۔

شادی کے بعد ہر کام میں تدبر سے کام لینا سیکھئے:

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ وَلَا وَرَعَ كَالْكَفِّ وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ

''اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوذر (جان لو) عمل تدبیر کے برابر نہیں' ورع یعنی پرہیزگاری اجتناب واحتیاط کے برابر نہیں اور حسب وفضیلت خوش خلقی کے برابر نہیں ہے''۔

''تدبیر'' کے معنی ہیں ہر کام کے انجام پر نظر رکھ کر اس کے لئے سامان کرنا۔ لہٰذا ''عقل تدبیر کے مانند نہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی عقل' عقل تدبیر (وہ عقل کہ جس کے ساتھ تدبیر ہو) کے برابر نہیں ہوسکتی! گویا مذکورہ جملہ میں ''عقل'' سے مراد مطلق علم وادراک ہے ''تدبیر'' سے مراد عقل تدبیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی کام کیا جائے پہلے اس کے انجام پر نظر رکھی جائے اور اس میں جو بھلائیاں و برائیاں ہوں ان کو پہچانا جائے۔

ورع کے معنی پرہیزگاری کے ہیں جس کو تقویٰ بھی کہا جاتا ہے اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک ورع اور تقویٰ کے درمیان بھی فرق ہے وہ کہتے ہیں کہ ورع کا درجہ تقویٰ کے درجہ سے بڑھا ہوا ہے بایں طور کہ تقویٰ کا مطلب ہے کہ حرام چیزوں سے پرہیز کرنا اور تورع کا مطلب ہے ان چیزوں سے بھی پرہیز کرنا جو مکروہ یا مشتبہ ہوں لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ تقویٰ اور تورع دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور عام طور پر سب لوگ ان دونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ حدیث میں جو دو لفظ ورع اور کف نقل کئے گئے اور ان میں سے ورع کا ترجمہ

پرہیزگاری اور کف کا ترجمہ اجتناب و احتیاط کیا گیا ہے تو کیا ان دونوں کے درمیان کچھ فرق ہے؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیونکہ ورع کے معنی ہیں باز رہنا اور ''کف'' کے معنی بھی باز رہنے کے ہیں اس صورت میں حدیث کے اس جملہ لا ورع کالکف پر اشکال واقع ہوتا ہے کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ یوں ہوگا ''باز رہنا' یا رہنے کے برابر نہیں''۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح اس جملہ کے کوئی معنی ہی نہیں ہوں گے چنانچہ طیبیؒ نے اس حدیث کی شرح میں اس اشکال کو ظاہر کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں کف کے معنی مسلمانوں کو ایذا پہنچانے یا زبان کو لایعنی باتوں میں مشغول کرنے سے پرہیز کرنا ہے اور چونکہ دینی طور پر بھی اور سماجی و معاشرتی طور پر بھی ان دونوں چیزوں میں سے ہر ایک مفاسد اور اس کی برائیاں بہت زیادہ ہیں اس لئے ان کے مفاسد کو از راہ مبالغہ بیان کرنے کے لئے گویا یہ فرمایا کہ ورع یعنی حرام چیزوں سے باز رہنا اگرچہ ایک اعلیٰ وصف ہے علاوہ ازیں ایک بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ ورع و تقویٰ کے لغوی معنی اگرچہ باز رہنا اور پرہیز کرنا ہیں لیکن شرعی طور پر ان کے مفہوم میں امتثال اور اجتناب دونوں ایک ساتھ داخل ہیں اور اگر ان کا مفہوم صرف اجتناب یعنی پرہیزگاری ہی ہو تو احکام فرماں برداری ترک کرنے سے پرہیز کرنا بھی ان کے مفہوم میں داخل ہوتا لہٰذا بات وہی رہی کہ ورع اور تقویٰ کے مفہوم میں امتثال اور اجتناب دونوں داخل ہیں اور اس صورت میں بھی حاصل یہی نکلے گا کہ ورع اور تقویٰ کا اصل مفہوم یہ ہے کہ جو احکام دیئے گئے ہیں ان پر چلا جائے اور ان احکام پر خواہ امتثال کے طور پر ہو یا اجتناب کے طور پر اس طرح جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ورع کا تعلق دو چیزوں سے ہے یعنی جن امور کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو اختیار کرنا اور جن امور سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہنا اور ''کف'' کا تعلق صرف ایک چیز یعنی ممنوعات سے باز رہنے سے ہے تو مذکورہ اشکال رفع ہوگیا۔ اس کے بعد یہ مسئلہ جان لینا چاہئے۔ جس سے

حدیث کے مذکورہ جملہ کا مفہوم اور زیادہ صاف ہو جائے گا کہ جانب اجتناب کی رعایت' جانب امتثال کی رعایت کے بہ نسبت زیادہ مقدم اور زیادہ ضروری ہے' یعنی شریعت نے جن چیزوں سے باز رہنے کا حکم دیا ہے ان سے باز رہنا زیادہ مقدم اور زیادہ ضروری ہے بہ نسبت اس بات کے کہ جن چیزوں کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے ان کو اختیار کیا جائے اسی بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص جانب امتثال میں فرض و واجبات اور سنن مؤکدہ پر اکتفا کرے اور نوافل و مستحبات کو ترک کرے لیکن جانب اجتناب میں خوب اہتمام کرے یعنی تمام حرام مکروہ اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرے تو وہ شخص منزل مقصود پالے گا یعنی معرفت و حقیقت اور قرب خداوندی کا درجہ حاصل کرلے گا اس کے برخلاف اگر کوئی شخص جانب امتثال میں خوب اہتمام کرے یعنی فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ پر بھی عمل کرے اور تمام نوافل و مستحبات کو بھی ادا کرے لیکن جانب اجتناب کی رعایت نہ کرے یعنی ممنوعات کا ارتکاب کرتا رہے تو وہ شخص منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بیمار ہو اور وہ پرہیز تو پوری طرح کرے لیکن دوا نہ کھائے تو وہ اچھا ہو جائے گا خواہ کتنی ہی دیر میں اچھا ہو اس کے برخلاف اگر وہ دوائیں کھاتا رہے لیکن پرہیز بالکل نہ کرے تو وہ ہرگز شفا نہیں پائے گا۔ بلکہ روز بروز بیمار ہوتا چلا جائے گا۔

''حسب و فضیلت خوش خلقی کے برابر نہیں ہے'' حسب اصل میں کہتے ہیں اپنے اور اپنے باپ دادا کے فضائل و مناقب کو گنوانا اور اپنے خاندانی فخریہ کارناموں کو بیان کرنا۔ لہٰذا اس جملہ میں اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ انسان کی ذاتی فضیلت و بزرگی اور انسانیت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ اس میں خوش خلقی ہو اگر کوئی شخص خوش خلقی کی صفت سے محروم ہے تو وہ لاکھ اپنے مناقب گنوائے اور لاکھ اپنے فخریہ کارناموں کا اظہار کرے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ واضح رہے کہ اگر خوش خلقی میں ''خلق'' سے مراد تمام باطنی اوصاف ہوں تو ظاہر ہے کہ حسن اخلاق کو سب سے بہتر اور اصل

فضیلت کہا جائے گا اور اگر ''خلق'' سے مراد نرم خوئی و مہربانی اور مروت کے اوصاف ہوں جیسا کہ عام طور پر خوش خلقی انہی اوصاف کو کہا جاتا ہے تو اس صورت میں یہ فرمانا کہ حسب و فضیلت خوش خلقی کے برابر نہیں ہے خوش خلقی کی فضیلت کو از راہ مبالغہ بیان کرنے کے لئے ہوگا۔

اہل تصوف کے نزدیک خوش خلقی کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کی جاتی ہے کہ خندہ پیشانی کے ساتھ رہنا' لوگوں کو اپنی عطا و بخشش سے بہرہ مند کرنا اور خدا کی مخلوق کو ایذا پہنچانے سے باز رہنا یہ وہ اوصاف ہیں جن پر حسن خلق کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے اور ایک بڑے بزرگ یہ کہتے ہیں کہ حسن خلق یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کے ساتھ عداوت کو ترک کیا جائے اور راحت و تنگی' دونوں حالت میں لوگوں کو خوش رکھا جائے اور حضرت سہل تستریؒ کے قول کے مطابق حسن خلق کا سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ مخلوق کی طرف سے جو زیادتی و سختی پیش آئے اس کو برداشت کرے اور کسی سے انتقام نہ لے۔ ظالم کے حق میں بھی شفیق و مہربان رہے اور اس کی مغفرت کا خواہاں رہے۔

زن وشو میں لڑائی جھگڑے کا حل

اللہ نہ کرے اگر آپ میں اور شوہر میں نا چاقی زیادہ بڑھ جائے:

یاد رکھئے اس دنیا میں کوئی گھر ایسا نہیں جس میں ہلکی پھلکی لڑائی جھگڑا نہ ہوتا ہو اور میں تو طالب علموں کو بتاتا ہوں کہ جو کہتے ہیں کہ ہمارے گھر میں کوئی جھگڑا نہیں یا تو وہ جھوٹ بولتے ہیں یا پھر ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی۔ اس لئے چھوٹے چھوٹے اختلافات پہ بلڈ پریشر ہائی نہ کر لیا کیجئے لیکن اگر کبھی ایسی صورت ہو جائے تو خود ہی فیصلہ کر کے ماں باپ کے گھر جا کر نہ جائیے بلکہ بڑوں سے ''اگر واقعی لڑائی جھگڑا نہ رک رہا ہو تو'' مشورہ کیجئے اور پھر ان کی ہدایات پر عمل کیجئے۔ ان شاء اللہ معاملات سنور جائیں گے۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کا لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو۔ اگر دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی کے درمیان اتفاق فرما دیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔

(النساء:۳۵)

مصالحت کی کوشش ☆

اوپر اس صورت کو بیان فرمایا کہ نافرمانی اور کج عورتوں کی جانب سے ہو۔ اب یہاں اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو کیا

کیا جائے؟ پس علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حاکم ثقہ اور سمجھ دار کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم اور زیادتی کس طرف سے ہے۔ پس ظالم کو ظلم سے روکا جائے۔ اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں میں سے ایک اس کی طرف سے اور مرد والوں میں سے ایک بہتر شخص اس کی جانب سے منصف مقرر کردے اور یہ دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کر دیں۔ یعنی خواہ الگ کرادیں خواہ ملاپ کرادیں۔ لیکن شارع نے تو اس امر کی ترغیب دی ہے کہ جہاں تک ہو سکے کوشش کریں کہ کوئی شکل نباہ کی نکل آئے۔ اگر دونوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے بُرائی ثابت ہو تو یہ اس کی عورت کو اس سے روک لیں اور اسے مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کے خرچ اخراجات ادا کرتا رہے اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ثابت ہو تو اسے نان نفقہ نہیں دلائیں گے اور خاوند سے ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی۔ اگر وہ آپس میں رہنے کا فیصلہ کریں تو بھی انہیں ماننا پڑے گا۔ بلکہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اگر دونوں پنچ اس پر متفق ہو گئے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہئیں اور اس فیصلہ کو ایک نے منظور کر لیا اور دوسرا نہیں کرتا اور اسی حالت میں ایک کا انتقال ہو گیا تو جو راضی تھا وہ اس کا وارث بنے گا جو ناراض تھا۔ لیکن جو ناراض تھا' اسے اس کا ورثہ نہیں ملے گا' جو راضی تھا۔ (ابن جریر)

ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو حکم مقرر کیا تھا۔ اگر تم ان میں میل کرانا چاہو تو میل ہو گا اور اگر جدائی کرنا چاہو تو جدائی ہو جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ عقیل بن ابی طالب نے فاطمہ بنت عقبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا۔ تو اس نے کہا: تو میرے پاس آئے گا اور میں ہی تیرا خرچ بھی برداشت کروں گی۔ اب یہ ہونے لگا کہ جب عقیل ان کے پاس آنا چاہے تو وہ پوچھتی

عقبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں؟ یہ فرماتے: تیرے بائیں جانب جہنم میں۔ اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتیں ایک مرتبہ یہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئیں اور یہ واقعہ بیان کیا۔ خلیفۃ المسلمین اس پر ہنسے اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو ان کا پنچ مقرر کیا۔ حضرت ابن عباس تو فرماتے تھے' ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے۔ لیکن حضرت معاویہ فرماتے تھے: بنو عبد مناف میں یہ تفریق میں ناپسند کرتا ہوں' اب یہ دونوں حضرات عقیلؓ کے گھر پہنچے۔ دیکھا دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں۔ یہ دونوں لوٹ گئے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی حسن تدبیر:

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایک میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑا لے کر آئے۔ اس کے ساتھ ان کی برادری کے لوگ تھے اور اس کے ہمراہ اس کے گھرانے کے۔ حضرت علیؓ نے دونوں میں سے ایک ایک کو چنا اور اسے حکم مقرر کیا۔ پھر دونوں پنچوں سے کہا: جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے؟ تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں صلح صفائی کرادو۔ اگر چاہو تفریق کرادو۔ یہ سن کر عورت نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں۔ خواہ صلح و مصالحت کی صورت میں ہو' خواہ جدائی کی صورت میں۔ مرد کہنے لگا: مجھے جدائی نامنظور ہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: نہیں نہیں قسم اللہ کی تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی۔ پس علما کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں دو اور تین طلاقیں بھی دے سکتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ ہاں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انہیں اجتماع کا اختیار ہے تفریق کا نہیں حضرت قتادہؒ اور زید بن اسلمؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد اور ابو ثور اور داؤد کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان کی دلیل ﴿اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا﴾ والا جملہ ہے کہ اس میں تفریق کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں شوہر اور بیوی

دونوں کی طرف وکیل ہیں تو بیشک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہوگا اور اس میں تو کسی کے خلاف منقول بھی نہیں۔ پھر بھی یہ خیال رہے کہ یہ دونوں پنچ حاکم کی طرف سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے۔ گو ان سے فریقین ناراض ہوں یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے وکیل ہوں گے۔ جمہور کا مذہب تو پہلا ہے اور دلیل یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش ہو یا ناخوش۔ بہر صورت اس کا فیصلہ ہوگا۔ آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔ امام شافعی کا نیا قول بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

لڑائی جھگڑے کی صورت میں ہدایت الٰہی:

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی یا بے پروائی کا ڈر ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کرلیں اور یہ صلح بہتر ہے اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقترا ہوتا ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو تو تمہارا کتنا ہی جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کردو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو اور اگر اصلاح کرلو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور اگر دونوں میاں بی بی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے احتیاطی کردے گا اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

(النساء:۱۲۸تا۱۳۰)

شکر رنجی اور مصالحت کی کوششیں:

اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات اور ان کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ کبھی مرد اس سے ناخوش ہو جاتا ہے کبھی چاہنے لگتا ہے اور کبھی الگ کر دیتا ہے۔ بس پہلی حالت میں جبکہ عورت کو اپنے شوہر کی ناراضگی کا خیال ہے اور اسے خوش کرنے کے لئے اپنے تمام حقوق سے یا کسی خاص حق سے وہ دستبرداری کرلے تو کر سکتی ہے۔ مثلاً اپنا کھانا کپڑا چھوڑ دے یا شب باشی کا حق معاف کردے تو دونوں کے لئے یہ جائز ہے۔ پھر اسی کی رغبت دلاتا ہے کہ صلح ہی بہتر ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہؓ جب بہت عمر (رسیدہ) کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ انہیں جدا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تو کہتی ہیں میں اپنی باری کا حق حضرت عائشہ کو دیتی ہوں۔ چنانچہ اس پر صلح ہوگئی اور حضور ﷺ نے قبول فرمالیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: میاں بیوی جس بات پر راضی ہو جائیں وہ جائز ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے وقت آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔ جن میں سے آپ ﷺ نے آٹھ کو باریوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت سودہؓ کا دن بھی حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کو دیتے تھے۔ حضرت عروہ کا قول ہے کہ حضرت سودہؓ نے بڑی عمر میں جب معلوم کیا کہ حضور ﷺ انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہؓ سے بڑی محبت ہے۔ اگر میں اپنی باری انہیں دے دوں تو کیا عجب ہے کہ حضور ﷺ راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں آخر دم تک رہ جاؤں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے۔ عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی ان کے یہاں جاتے اور رات وہیں گزارتے۔ پھر سودہؓ کا واقعہ بیان فرمایا۔ جو اوپر گزرا (ابوداؤد) معلجم ابوالعباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے

حضرت سودہؓ کو طلاق کی خبر بھجوائی۔ یہ حضرت عائشہؓ کے یہاں جا بیٹھیں۔ جب آپ تشریف لائے تو کہنے لگیں: آپ کو اس اللہ کی قسم' جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ بنایا۔ آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے۔ میری عمر بڑی ہوگئی ہے۔ مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی۔ لیکن تمنا ہے کہ قیامت کے دن آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں۔ چنانچہ آپ نے یہ منظور فرمالیا اور رجوع کرلیا۔ پھر یہ کہنے لگیں: یارسول اللہ ﷺ! میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوبہ حضرت عائشہؓ کو ہبہ کرتی ہوں۔

بخاری شریف میں ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت کرسکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنا حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر۔ تو آیت دونوں کو رخصت دیتی ہے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہے۔ جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور ایک سے اسے بوجہ بڑھاپے یا بدصورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا ہو اور یہ اپنے تعلق یا بعض اور مصالح کی بناء پر الگ ہونا پسند نہ کرتی ہو تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہوجائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کرکے اس کو جدا نہ کرے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے ایک سوال کیا (جسے اس کی بیہودگی کی وجہ سے) ناپسند فرمایا اور اسے کوڑا ماردیا۔ پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں۔ اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہوگئی ہے اولاد نہیں ہوتی۔ اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا۔ پھر یہ دونوں جس چیز پر آپس میں اتفاق کرلیں جائز ہے۔ حضرت علیؓ سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بدصورتی کے یا بدخلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں سے گرجائے اور اس کی تمنا ہو کہ خاوند مجھے

چھوڑے تو یہ اپنا پورا یا آدھا مہر معاف کردے یا اپنی باری معاف کردے وغیرہ۔ تو اس طرح صلح کرسکتے ہیں۔ سلف اور ائمہ سے برابر اس کی یہی تفسیر منقول ہے بلکہ اس پر تقریباً اتفاق ہے۔ میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد بن مسلم کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیج کے گھر میں تھیں' بوجہ بڑھاپے کے یا کسی امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے۔ یہاں تک طلاق دینے کا ارادہ کرلیا۔ اس پر انہوں نے کہا: آپ مجھے طلاق تو دیجئے نہیں' ہاں جو آپ چاہیں وہی مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہو۔ اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کرکے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا۔ اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کرلے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے اسے اپنی ملکیت سمجھے۔

حضرت رافع بن خدیج انصاریؓ کی بیوی صاحبہ جب سن رسید ہوگئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کیا اور پھر اسے زیادہ چاہنے لگے اور اسے اگلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے۔ آخر اس نے تنگ آکر طلاق طلب کی۔ آپ نے دے دی۔ پھر عدت ختم ہونے کے قریب لوٹا لی لیکن پھر وہی حال ہوا کہ جوان بیوی کو زیادہ چاہنے لگے اور اس کی طرف جھک گئے اس نے پھر طلاق مانگی آپ نے دوبارہ طلاق دے دی۔ پھر لوٹا لیا۔ لیکن پھر وہی نقشہ پیش آیا۔ پھر اس نے قسم دی کہ مجھے طلاق دے دو۔ تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو اب یہ تیسری طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کرلو۔ اس نے سوچ کر جواب دیا کہ اچھا مجھے اسی طرح رہنا منظور ہے۔ چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہوگئیں اور اس طرح رہنے سہنے لگیں۔ اس جملے کا کہ صلح خیر ہے' ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ

اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کر دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں گے اور اگر چاہے تو طلاق لے لے۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ یونہی دوسری پر ترجیح دیئے ہوئے رہے۔ لیکن اس کا اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ حق چھوڑ دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں۔ یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے۔ جیسے کہ خود نبی ﷺ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا۔ آپ ﷺ کے اس فعل میں بھی آپ ﷺ کی امت کے لئے بہترین نمونہ ہے کہ عدم موافقت کی صورت میں طلاق کی نوبت نہ آئے۔ چونکہ اللہ کے نزدیک صلح افتراق سے بہتر ہے۔ اس لئے یہاں فرمادیا کہ صلح خیر ہے بلکہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ پھر فرمایا: تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف کی ناراضگی سے درگزر کرنا اور اسے ناپسندیدگی کے باوجود جو اس کا پورا حق دینا باری میں لین دین میں برابری کرنا یہ بہترین فعل ہے۔ جسے اللہ بخوبی جانتا ہے جس پر وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل وانصاف اور برابری کرو تو بھی تم نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ گو ایک ایک دن کی باری باندھ لو' لیکن محبت' شہوت جماع وغیرہ میں برابری کیسے کر سکتے ہو؟ ابن ملیکہ فرماتے ہیں: یہ آیت حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضور ﷺ انہیں بہت چاہتے تھے۔ اسی لئے ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے۔ لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے' الٰہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی۔ اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق' اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا۔ (ابوداؤد) اس کی اسناد صحیح ہے۔

لیکن امام ترمذی فرماتے ہیں: دوسری سند سے یہ مرسلاً مروی ہے اور وہ زیادہ

صحیح ہے۔ پھر فرمایا: بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو۔ وہ نہ بے خاوند کے رہے نہ خاوند والی۔ تم اس سے بے رخی برتو اور ہو وہ تمہاری زوجیت میں۔ نہ تو اسے طلاق ہی دو' جو اپنا دوسرا نکاح کرے۔ نہ اس کے وہ حق ادا کرو' جو ہر بیوی کے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ہی ایک طرف جھک جائے' تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا۔ (احمد وغیرہ) امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام اور کسی ذریعہ سے روایت نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے: اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں عورتوں کے درمیان عدل وانصاف اور برابری ہے' کرو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ تو اگر تم کسی وقت ایک کی طرف مائل ہو گئے ہو' اسے اللہ تعالیٰ معاف فرمادیگا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت ہی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں۔ تو اللہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دیگا۔ اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دیگا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے۔ تمام افعال اور ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

خرچ میں میانہ روی زندگی کا آدھا سرمایہ ہے

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِقْتِصَادُ فِى النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ وَالتَّوَدُّدُ اِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ وَحُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ۔

رواه البيهقى الاحاديث الاربعة فى شعب الايمان

''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنا نصف معیشت ہے انسانوں سے دوستی نصف عقل ہے اور خوبی کے ساتھ سوال کرنا آدھا علم ہے۔ ان چاروں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے''۔

شوہر کی کم تنخواہ میں گھر چلانے کا نسخۂ کیمیاء:

حدیث کے پہلے جز کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اور اپنے متعلقین کی ضروریات زندگی خرچ کرنے میں نہ تو اسراف کرنا اور نہ تنگی وسختی کرنا بلکہ اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا زندگی کا آدھا سرمایہ ہے بایں طور کہ انسان کی معاشی زندگی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے ایک تو آمدنی دوسرے خرچ اور ان دونوں کے درمیان توازن، خوشحالی کی علامت بھی ہے اور معیشت کے مستحکم ہونے کا ذریعہ بھی لہٰذا جس طرح آمدنی کے توازن کا بگڑنا، خوشحالی کے منافی اور معیشت کے عدم استحکام کا سبب ہے۔ اسی طرح اگر اخراجات کا توازن بگڑ جائے تو نہ صرف خوش حالی مفقود ہوگی بلکہ معیشت کا سارا ڈھانچہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا مصارف میں اعتدال اور خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا معیشت کا نصف حصہ ہوا۔

حدیث کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ اچھے لوگوں کے ساتھ محبت ظاہر کرنا اور ان کی محبت کو اپنے معاملات واحوال میں خیر وبرکت کا سرچشمہ جاننا اس عقل کا نصف حصہ ہے جو حسن معاشرت کی ضامن ہے۔ گویا پوری عقل مندی یہ ہے کہ انسان کوئی کسب وپیشہ اور سعی ومحنت کرکے جائز روزی حاصل کرے اور اس کے ساتھ آپس میں محبت ومروت کے جذبات بھی کارفرما رکھے۔

حدیث کے تیسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ کسی علمی مسئلہ میں خوب سوچ سمجھ کر اور اچھی طرح سوال کرنا آدھا علم ہے کیونکہ جو شخص سوال کرنے میں دانا اور سمجھ دار ہوتا ہے اسی چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے جو بہت زیادہ ضروری اور بہت کارآمد ہوتی ہے اور چونکہ وہ اپنے علم میں اضافہ کا متمنی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ پوچھی جانے والی چیزوں کے درمیان تمیز کرنا جانتا ہے کہ کیا پوچھنا چاہئے اور کس سے پوچھنا چاہئے اس لئے جب وہ اپنے سوال کا جواب پالیتا ہے تو حل طلب مسئلہ میں اس کا علم پورا ہو جاتا ہے اس اعتبار سے گویا علم کی دو قسمیں ہوئیں ایک تو سوال اور دوسرے جواب۔

رہی یہ بات کہ اچھی طرح سوال کرنے کا مطلب کیا ہے تو جاننا چاہئے کہ ''اچھے سوال'' کا اطلاق اس سوال پر ہوتا ہے جس کے تمام پہلوؤں کی تحقیق وتنقیح کر لی گئی ہو اور اس میں جتنے احتمالات پیدا ہو سکتے ہیں ان سب کی واقفیت ہو تا کہ شافی وکافی جواب پائے اور جواب میں کوئی پہلو تشنہ نہ رہنے پائے اس طرح کا سوال بذات خود علم کی ایک شق ہوگا اور اس پر یہ اشکال وارد نہیں ہوگا کہ جب سوال کرنا، جہل (ناواقفیت) اور تردد پر دلالت کرتا ہے تو سوال کرنے کو نصف علم کس طرح کہا گیا ہے تاہم مذکورہ اشکال کے پیش نظر ایک بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ جو شخص خوب سوچ سمجھ کر اور صحیح انداز میں سوال کرتا ہے اس کے بارے میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جو علمی ذوق کا حامل ہے اور علم میں اپنا کچھ حصہ ضرور رکھتا ہے اور اس بات کا خواہش مند ہے کہ اپنے ناقص علم کو پورا کرے لہٰذا اس کے سوال کو نصف علم کہنا موزوں

ہوگا۔ اس کے برخلاف جو شخص بغیر سوچے سمجھے اور خراب انداز میں سوال کرتا ہے وہ اپنے اس سوال کے ذریعہ اپنے نقصان عقل وکمال اور جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی مثال میں اس واقعہ کو پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے اپنی علمی مجلس میں اپنے ایک شاگرد کو مسلسل خاموش بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ یہاں بیان کی جانے والی باتوں میں سے کوئی تمہاری سمجھ میں نہ آئے یا کوئی مسئلہ تمہیں مشکل معلوم ہو رہا ہو تو اس کے بارے میں پوچھ لینا شرمانا نہیں، کیونکہ کسی حل طلب بات میں سوال کرنے سے شرمانا علم سے باز رکھتا ہے اس وقت حضرت امام ابو یوسفؒ روزہ کی تعریف میں گفتگو فرما رہے تھے چنانچہ جب انہوں نے فرمایا کہ روزہ صبح سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے تو اسی شاگرد نے سوال کیا کہ حضرت اگر آفتاب غروب ہی نہ ہو تو پھر روزہ کب تک رہے گا؟ حضرت امام ابو یوسفؒ نے (اس کا جاہلانہ سوال سن کر) فرمایا کہ چپ رہو! تمہارا چپ رہنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم بولو۔

حاصل یہ کہ سوال کی نوعیت اور سوال کرنے کا انداز سوال کرنے والے کی شخصیت وحالت پر بذات خود دلالت کرتا ہے اور اس کے سوال کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا کہ یہ شخص بالکل ہی جاہل ہے یا علم سے کچھ سروکار رکھتا ہے۔ جس شخص میں علم وعقل کی روشنی ہوگی اس کا سوال بھی عالمانہ اور عاقلانہ ہوگا اور جو شخص نرا جاہل ہوگا اس کی اور باتوں کی طرح اس کا سوال بھی جاہلانہ اور عامیانہ ہوگا جیسا کہ کسی نے کہا ہے جب جاہل بات کرتا ہے تو گدھے کی طرح معلوم ہوتا ہے اور جب چپ رہتا ہے تو دیوار کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

حیاء ایک بہت بڑی نعمت الٰہیہ:

عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ.

(رواه مالك مرسلا ورواه ابن ماجة والبيهقي في شعب الايمان عن انس وابن عباس)

سنن ابو داؤد' كتاب الادب' باب من كظم غيظا' ح ۴۷۷۸۔

''اور حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہر دین اور مذہب میں ایک خلق ہے (یعنی ہر مذہب والوں میں ایک ایسی صفت وخصلت ہوتی ہے جو ان کی تمام صفتوں پر غالب اور ان کی ساری خصلتوں سے اعلیٰ ہوتی ہے) اور اسلام کا وہ خلق حیا ہے''۔ اس روایت کو مالکؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے (کیونکہ زید صحابی نہیں ہیں بلکہ تابعی ہیں نیز ابن ماجہ اور شعب الایمان میں بیہقی نے اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے''۔

حیا کی تعریف وفضیلت:

یہاں ''حیاء'' سے اس چیز میں شرم وحیا کرنا مراد ہے جس میں حیا کرنا مشروع ہے چنانچہ جن چیزوں میں شرم وحیاء کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسے تعلیم وتدریس، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ادائیگی حق کا حکم دینا، خود حق کو ادا کرنا اور گواہی دینا وغیرہ وغیرہ، ان میں شرم وحیا کرنے کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

حدیث کا زیادہ مفہوم بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر دین کے لوگوں پر کوئی نہ کوئی وصف وخصلت غالب رہتی ہے چنانچہ اہل اسلام پر جس طبعی وصف کو غالب قرار دیا گیا ہے وہ حیاء ہے اور باوجودیکہ حیا بھی ان اوصاف وخصائل میں سے ہے جو تمام ادیان ومذاہب کے لوگوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں لیکن اسی وصف حیاء کو خاص طور پر اہل اسلام پر غالب کیا گیا ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگوں میں اس جوہر کو بہت کم

رکھا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حیا نہ صرف یہ کہ طبعی خاصیتوں اور خصلتوں میں سب سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہے بلکہ یہ وہ جوہر ہے جس سے انسانی اخلاق و کردار کی تکمیل بھی ہوتی ہے اور چونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بعثت لا تمم مکارم الاخلاق (میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہوں) اس لئے اس جوہر کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے اخلاق و اوصاف کو کمال کے درجہ پر پہنچایا گیا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ صرف حیا ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہم سے پہلے کی امتوں میں تمام ہی اخلاق و خصائل ناقص تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور آپ ﷺ کی برکت سے ملت اسلامیہ میں تمام اخلاق و خصائل کو کامل و مکمل کیا گیا اسی لئے ملت اسلامیہ کی اس خاصیت کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ...... (تم کو دنیا والوں کے لئے سب سے بہتر امت بنا کر پیدا کیا گیا ہے الخ)۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَيَآءَ وَالْاِيْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُوَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْاٰخَرُ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حیا اور ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے لہٰذا جب کسی کو ان دونوں میں سے کسی ایک سے محروم کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے سے بھی محروم رکھا جاتا ہے یعنی جو شخص ایمان سے محروم رہتا ہے وہ حیا سے محروم رکھا جاتا اور جس میں حیا نہیں ہوتی اس میں ایمان بھی نہیں ہوتا اور ایک دوسری روایت میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے یوں ہے کہ

ان دونوں میں سے جب ایک کو دور کیا جاتا ہے تو دوسرا بھی جاتا رہتا ہے"۔

صحیحین میں حیاء کی بابت مروی چند احادیث:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً وَّالْحَيَآءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستر پر کئی شاخیں ہیں اور حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَآءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایمان کی ستر پر کئی یا ساٹھ پر کئی شاخیں ہیں ان سب میں افضل لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا ہے اور ادنیٰ ان سب میں راہ میں سے موذی چیز کا ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَآءِ فَقَالَ الْحَيَآءُ مِنَ الْاِيْمَانِ۔

سالم نے اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ ایک شخص اپنے بھائی کو حیا کے باب میں نصیحت کر رہا تھا فرمایا (جانے دے

یعنی حیا سے مت منع کر) حیا ایمان میں داخل ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَیْنٍ یُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ الْحَیَآءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ فَقَالَ بُشَیْرُ ابْنُ کَعْبٍ اِنَّہٗ مَکْتُوْبٌ فِی الْحِکْمَۃِ اَنَّ مِنْہُ وَقَارًا وَّمِنْہُ سَکِیْنَۃً فَقَالَ عِمْرَانُ اُحَدِّثُکَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتُحَدِّثُنِیْ عَنْ صُحُفِکَ.

عمران بن حصین حدیث بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیا سے نہیں ہوتی مگر بہتری۔ بشیر بن کعب نے کہا حکمت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حیا ہی سے وقار ہوتا ہے اور حیا سے سکینہ ہوتا ہے۔ عمران نے کہا میں تو تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو اپنی کتابوں کی باتیں بیان کرتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حیا ایمان میں ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حیا سے نہیں ہوتی مگر بھلائی۔ ایک روایت میں ہے کہ حیا بالکل خیر ہے۔ واحدی نے کہا کہ حیا اور استحیاء دونوں حیات سے نکلے ہیں اور حیا انسان کی قوت حیات ہے تو جس شخص کا احساس لطیف اور حیات قوی ہے اسی کو حیا ہوتی ہے۔ جنید بغدادی نے کہا کہ حیا نعمتوں کا دیکھنا اور اپنے قصوروں پر نظر کرنا ہے یعنی اللہ کے احسانات اور اپنی تقصیرات پر غور کرنا، اس سے ایک حالت پیدا ہوتی ہے جس کو حیا کہتے ہیں۔ اخلاق میں فضائل نفس تین رکھے ہیں عفت اور شجاعت اور عدالت۔ پھر حیا عفت کا ایک شعبہ ہے۔ ابو علی بن مسکویہ نے کتاب الطہارۃ میں کہا کہ حیا نفس کا بری باتیں کرنے سے رک جانا ہے اور برائی سے پرہیز کرنا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا حیا تو ایک خلقی صفت ہے پھر اس کو ایمان میں داخل کیا اس لئے کہ کبھی حیا پیدا ہوتی ہے، ریاضت اور کسب

سے جیسے اخلاق حسنہ ریاضت سے حاصل ہوتے ہیں اور کبھی خلقی ہوتی ہے لیکن حیا کا استعمال قانون شرع کے موافق محتاج ہوتا ہے کسب اور نیت اور علم کی طرف تو وہ ایمان میں ہے اور دوسرے یہ کہ حیا نیک کام کراتی ہے اور گناہوں سے باز رکھتی ہے لیکن یہ جو فرمایا کہ حیا بالکل خیر ہے اور نہیں ہوتی اس سے مگر خیر، تو اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض وقت حیا کی وجہ سے انسان حق بات کہنے سے رک جاتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرتا ہے اور کبھی حیا کی وجہ سے اس کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں تو خیر محض کیونکر ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حیا نہیں ہے یہ تو عجز اور ناتوانی ہے اس کو حیا بعضوں نے مجازاً کہا ہے لیکن حقیقتاً حیا اس خلق کا نام ہے جو بری بات سے روکتی ہے اور اچھی بات کی طرف بلاتی ہے اور کسی حقدار کے حق میں قصور کرنے سے منع کرتی ہے اور جنید کا قول اس پر دلالت کرتا ہے۔ (نوویؒ)

بیویوں کا بات بہ بات غیرت کھانا تباہی کا پیش خیمہ:

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطِیْبًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ یَدَعْ شَیْئًا یَکُوْنُ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا ذَکَرَہٗ حَفِظَہٗ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ وَکَانَ فِیْمَا قَالَ اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْہَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ اَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ وَذَکَرَ اَنَّ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَآءً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِقَدْرِ غَدْرَتِہٖ فِی الدُّنْیَا وَلَا غَدْرَ اَکْبَرُ مِنْ غَدْرِ اَمِیْرِ الْعَامَّۃِ یُغْرَزُ لِوَآؤُہٗ عِنْدَ اِسْتِہٖ قَالَ وَلَا یَمْنَعَنَّ اَحَدًا مِّنْکُمْ ہَیْبَۃُ النَّاسِ اَنْ یَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَہٗ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِنْ رَاٰی مُنْکَرًا اَنْ یُّغَیِّرَ

یعنی حیا سے مت منع کر) حیا ایمان میں داخل ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اَلْحَيَآءُ لَايَاْتِىْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَقَالَ بُشَيْرُ ابْنُ كَعْبٍ اِنَّهٗ مَكْتُوْبٌ فِى الْحِكْمَةِ اَنَّ مِنْهُ وَقَارًا وَّمِنْهُ سَكِيْنَةً فَقَالَ عِمْرَانُ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُحَدِّثُنِىْ عَنْ صُحُفِكَ

عمران بن حصین حدیث بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیا سے نہیں ہوتی مگر بہتری۔ بشیر بن کعب نے کہا حکمت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حیا ہی سے وقار ہوتا ہے اور حیا سے سکینہ ہوتا ہے۔ عمران نے کہا میں تو تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو اپنی کتابوں کی باتیں بیان کرتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حیا ایمان میں ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حیا سے نہیں ہوتی مگر بھلائی۔ ایک روایت میں ہے کہ حیا بالکل خیر ہے۔ واحدی نے کہا کہ حیا اور استحیاء دونوں حیات سے نکلے ہیں اور حیا انسان کی قوت حیات ہے تو جس شخص کا احساس لطیف اور حیات قوی ہے اسی کو حیا ہوتی ہے۔ جنید بغدادی نے کہا کہ حیا نعمتوں کا دیکھنا اور اپنے قصوروں پر نظر کرنا ہے یعنی اللہ کے احسانات اور اپنی تقصیرات پر غور کرنا، اس سے ایک حالت پیدا ہوتی ہے جس کو حیا کہتے ہیں۔ اخلاق میں فضائل نفس تین رکھے ہیں عفت اور شجاعت اور عدالت۔ پھر حیا عفت کا ایک شعبہ ہے۔ ابوعلی بن مسکویہ نے کتاب الطہارۃ میں کہا کہ حیا نفس کا بری باتیں کرنے سے رک جانا ہے اور برائی سے پرہیز کرنا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا حیا تو ایک خلقی صفت ہے پھر اس کو ایمان میں داخل کیا اس لئے کہ کبھی حیا پیدا ہوتی ہے، ریاضت اور کسب

سے جیسے اخلاق حسنہ ریاضت سے حاصل ہوتے ہیں اور کبھی خلقی ہوتی ہے لیکن حیا کا استعمال قانون شرع کے موافق محتاج ہوتا ہے کسب اور نیت اور علم کی طرف تو وہ ایمان میں ہے اور دوسرے یہ کہ حیا نیک کام کراتی ہے اور گناہوں سے باز رکھتی ہے لیکن یہ جو فرمایا کہ حیا بالکل خیر ہے اور نہیں ہوتی اس سے مگر خیر، تو اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض وقت حیا کی وجہ سے انسان حق بات کہنے سے رک جاتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرتا ہے اور کبھی حیا کی وجہ سے اس کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں تو خیر محض کیونکر ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حیا نہیں ہے یہ تو عجز اور ناتوانی ہے اس کو حیا بعضوں نے مجازاً کہا ہے لیکن حقیقتاً حیا اس خلق کا نام ہے جو بری بات سے روکتی ہے اور اچھی بات کی طرف بلاتی ہے اور کسی حقدار کے حق میں قصور کرنے سے منع کرتی ہے اور جنید کا قول اس پر دلالت کرتا ہے۔ (نوویؒ)

بیویوں کا بات بہ بات غیرت کھانا تباہی کا پیش خیمہ:

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا ذَكَرَهٗ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ وَكَانَ فِيْمَا قَالَ اِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ اَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ وَذَكَرَ اَنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَآءً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقَدْرِ غَدْرَتِهٖ فِى الدُّنْيَا وَلَا غَدْرَ اَكْبَرُ مِنْ غَدْرِ اَمِيْرِ الْعَآمَّةِ يُغْرَزُ لِوَآؤُهٗ عِنْدَ اِسْتِهٖ قَالَ وَلَا يَمْنَعَنَّ اَحَدًا مِّنْكُمْ هَيْبَةُ النَّاسِ اَنْ يَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَهٗ وَفِىْ رِوَايَةٍ اِنْ رَاٰى مُنْكَرًا اَنْ يُّغَيِّرَ

کے لئے ہوگا تا کہ ایک کو دوسرے سے امتیاز کر کے پہچانا جا سکے جیسے اس دنیا میں امراء اور مقتدرین اپنے ساتھ کوئی علامتی نشان رکھتے ہیں'' اور کوئی عہد شکنی امیر عامہ کی عہد شکنی سے زیادہ بڑی نہیں' چنانچہ اس کا نشان اس کی مقعد کے قریب کھڑا کیا جائے گا (تا کہ اس کی زیادہ فضیحت و رسوائی ہو) حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے کسی کو بھی کوئی خوف و ہیبت حق بات کہنے سے باز نہ رکھے' جب کہ وہ حق بات سے واقف ہو (یعنی کوئی شخص کلمہ حق کہنے میں کسی کا کوئی خوف ولحاظ نہ کرے بلکہ اس کو برملا کہے) ہاں اس کی وجہ سے جان جانے کا خوف ہو تو معذوری ہے اور ایک اور روایت میں اس جگہ (ولا یمنعن احدا منکم ھیبة الناس ان یقول بحق کے بجائے) یہ ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی خلاف شرع امر کو دیکھے تو لوگوں کا کوئی خوف و ہیبت اس کو خلاف شرع امر کی اصلاح و سرکوبی سے باز نہ رکھے''۔ یہ بیان کر کے) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ ہم نے خلاف شرع امر کو (اپنی آنکھ سے) دیکھا اور لوگوں کے خوف سے ہم اس کے بارے میں کچھ نہ کہہ سکے۔ (اس کے بعد حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ) حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''جان لو! آدم علیہ السلام کی اولاد کو مختلف جماعتوں اور متضاد اقسام و مراتب کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے چنانچہ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو مؤمن پیدا کیا جاتا ہے' جو (سن تمیز سے لے کر آخر عمر تک گویا ساری عمر) ایمان کی حالت میں (ساری عمر) زندہ رہتے ہیں اور ایمان ہی پر ان کا خاتمہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو مؤمن پیدا کیا جاتا ہے وہ ایمان ہی کی حالت میں (ساری عمر) رہتے ہیں لیکن ان کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اور ان

میں سے بعض وہ ہیں جن کو کافر پیدا کیا جاتا ہے' جو کفر ہی کی حالت میں (ساری عمر) گزارتے ہیں ان کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے! اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو کافر پیدا کیا جاتا ہے' وہ کفر ہی کی حالت میں (ساری عمر) گزارتے ہیں لیکن ان کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے''۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (اس موقع پر) حضور ﷺ نے غضب و غصہ کی قسموں کو بھی ذکر کیا' چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بعض آدمی بہت جلد غضب ناک ہو جاتے ہیں لیکن ان کا غضب و غصہ جلد ہی ختم بھی ہو جاتا ہے (یعنی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں ذرا سی بات پر جلد ہی غصہ آ جاتا ہے لیکن ان کا غصہ جتنی تیزی کے ساتھ ہے اسی تیزی کے ساتھ فرو بھی ہو جاتا ہے) چنانچہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا بدل بن جاتا ہے (یعنی جلد غصہ آنا بری خصلت ہے اور غصہ کا جلد جاتے رہنا اچھی خصلت ہے' لہٰذا جس شخص میں یہ دونوں خصلتیں ہوں تو ان میں سے جو خصلت اچھی ہے وہ بری خصلت کی مکافات کر دیتی ہے' اس طرح اس بارے میں وہ شخص نہ تو مدح و تحسین کا مستحق ہوتا ہے اور نہ برائی کا مستوجب' بلکہ دونوں خصلتوں کا حامل ہونے کی وجہ سے بین بین رہتا ہے' بایں اعتبار اس کے متعلق نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگوں میں بہتر شخص ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگوں میں بدتر شخص ہے) اور بعض آدمی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو غصہ دیر میں آتا ہے اور دیر سے جاتا ہے (ایسا شخص بھی ایک اچھی خصلت رکھتا ہے اور ایک بری خصلت کہ اگرچہ غصہ کا دیر میں آنا اچھا ہے لیکن اس کا دیر سے جانا برا ہے۔ چنانچہ ایسا شخص بھی بین بین ہوتا ہے کہ اس کو بہترین شخص کہا جا سکتا ہے اور نہ بدترین شخص' لہٰذا تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کو غصہ دیر سے آتا ہے اور

جلد فرو ہو جاتا ہے جب کہ تم میں سے بدترین شخص وہ ہے جس کو جلد غصہ آئے اور دیر میں غصہ جائے''۔ (اس کے بعد) حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم غصہ سے بچو (یعنی ایسا کام نہ کرو جس سے غصہ آئے یا یہ مطلب ہے کہ غصہ سے خدا کی پناہ مانگو اور اس خصلت سے بچو (کیونکہ وہ غصہ ابن آدم کے قلب پر ایک دہکتا ہوا انگارہ ہے (یعنی غصہ آگ کے انگارہ کی طرح حرارت غریزیہ اور حدت جبلیہ رکھتا ہے جو نفس کی انگیٹھی میں دبا ہوا ہے اور جب خواہش نفس اس کو بھڑکاتی ہے تو اس کی حرارت اور تیزی قلب پر غالب آجاتی ہے اور عقل اپنا تصرف کرنے سے عاجز رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص اپنے غصہ کی آگ میں دوسروں کو تو جلاتا ہے لیکن خود کو بھی جلا ڈالتا ہے) کیا تم نہیں دیکھتے کہ (جب کوئی شخص غضب ناک ہوتا ہے تو) اس کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں (یعنی یہ چیزیں دراصل اسی غصہ کی حرارت غریزیہ اور بخارات غلیظہ کے اٹھنے کا اثر ہوتی ہیں اس طرح غضب ناک شخص کا ظاہر گویا اس کے باطن کا غماز ہوتا ہے) لہٰذا جب کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ اب غصہ آیا ہی چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ فوراً پہلو پر لیٹ جائے اور زمین سے چمٹ جائے''۔ اور حضور ﷺ نے قرض کا بھی ذکر کیا (یعنی قرض قرضدار اور قرض خواہ کے احوال واقسام کو بھی بیان کیا) چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم میں سے بعض آدمی ایسا ہوتا ہے کہ وہ (قرض کی) ادائیگی میں تو اچھا رہتا ہے لیکن اپنا قرض وصول کرنے میں سختی کرتا ہے (یعنی اگر اس پر کسی کا قرض ہوتا ہے تو اس کو ادا کرنے میں صفائی معاملہ اور خوبی کا ثبوت دیتا ہے، لیکن جب اس کا قرض کسی پر ہوتا ہے تو اس کو قرض دار سے وصول کرنے

میں سختی کرتا ہے بایں طور کہ مطالبہ و تقاضا کے وقت اس قرض دار کا کوئی ادب و لحاظ نہیں کرتا اور سختی و بدکلامی کے ذریعہ اس کو ایذا پہنچاتا ہے اس طرح اس میں قرض کو خوبی کے ساتھ ادا کرنے کی بھی خصلت ہوتی ہے اور وصولی قرض میں برائی اختیار کرنے کی بھی خصلت چنانچہ اس کی دونوں خصلتوں میں سے ہر ایک دوسری کا بدل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو کسی کا قرض ادا کرنے میں بھی اچھے ہوں اور کسی سے اپنا قرض وصول کرنے میں بھی اچھے ہوں اور تم میں بدترین لوگ وہ ہیں جو کسی کا قرض ادا کرنے میں بھی برے ہوں اور کسی سے اپنا قرض وصول کرنے میں بھی برے ہوں''۔ حضور ﷺ نے اپنے خطبہ میں یہ نصیحتیں فرمائیں) یہاں تک کہ جب سورج کا اثر صرف کھجوروں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں پر رہ گیا (یعنی جب دن آخر ہوگیا) تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا: ''یاد رکھو! اس دنیا کا جو زمانہ گزر چکا ہے اس کی بہ نسبت صرف اتنا زمانہ باقی رہ گیا ہے کہ آج کے دن کے گزرے ہوئے حصہ کی بہ نسبت یہ آخری وقت! (یعنی جس طرح آج کے دن کا قریب قریب پورا حصہ گزر چکا ہے اب بہت قلیل عرصہ باقی رہ گیا ہے''۔ (ترمذی)

''یہ دنیا بڑی شیریں اور ہری بھری ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا اپنے متعلقات کے ساتھ بظاہر اس قدر لذت آمیز اور خوش نما ہے کہ محض ظاہری حالت پر ریجھ جانے والے لوگوں کو طبعی طور پر اس سے بہت مناسبت اور اس کی طرف میلان ہوتا ہے اور ان کی آنکھوں میں اس کی حقیقت نہایت دلکش اور سرسبز معلوم ہوتی ہے! بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اہل عرب کے نزدیک جو چیز نرم و نازک ہوتی ہے اور اپنی ناپائیداری کی وجہ سے زیادہ مدت نہیں ٹھہرتی بلکہ جلد جاتی رہتی ہے اس کو وہ لوگ

خضروات یعنی سبزیوں اور ترکاریوں سے مشابہت دیتے ہوئے ''خضراء'' کہتے ہیں۔

بہر حال حدیث کے اس جملہ میں دراصل اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ دنیا مکر و تصنع اور ظاہری حسن ولذات سے بھری ہوئی ہے کہ لوگوں کو اپنے ظاہری ٹیپ ٹاپ رکھنے والے حسن و جمال پر فریفتہ کرتی ہے اور اپنی جھوٹی لذات اور خواہشات کی طرف مائل کرتی ہے حالانکہ اس کی تمام تر دلکشی اور رنگینی اور خواہشات ولذات بہت جلد فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا میں خلیفہ بنایا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں تمہیں جو مال و دولت حاصل ہے اس کے بارے میں تم اس حقیقت کو جان لو کہ اس مال و دولت کے تم حقیقی مالک نہیں ہو بلکہ حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور تم صرف اس کے خرچ و تصرف میں خلیفہ اور وکیل کی حیثیت رکھتے ہو۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان لوگوں کا خلیفہ قرار دیا ہے جو تم سے پہلے اس دنیا میں تھے اور ان کے اموال و جائیداد کو تمہاری سپردگی میں دے دیا ہے' لہٰذا وہ دیکھتا ہے کہ تم اپنے اموال و املاک کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہو اور اس میں کس طرح تصرف کرتے ہو یا کہ تم گزرے ہوئے لوگوں کے احوال و انجام سے کس طرح عبرت پکڑتے ہو اور ان کے چھوڑے ہوئے اموال و جائیداد میں کس طرح تصرف کرتے ہو۔

''تم دنیا سے بچو'' کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے دنیا کی حقیقت جان لی کہ وہ فنا ہونے والی چیز ہے اور اس کی کسی بھی شے کو کوئی استحکام و دوام نہیں ہے تو پھر اس کے پیچھے پڑنا نہایت نازیبا اور غیر دانشمندی کی بات ہے' لہٰذا تم دنیا کو اس قدر حاصل کرنے کی خواہش و کوشش نہ کرو جو ضرورت و حاجت سے زیادہ ہو اور ضرورت و حاجت بھی وہ کہ جس سے آبرومندانہ زندگی کی بقاء دین کی مدد اور آخرت میں نفع حاصل ہو۔ ''اسی طرح عورتوں سے بچو'' کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے حسن و جمال اور ناز و ادا کے مکر و فریب اور ان کی ناروا محبت و شیفتگی کے جال سے اپنے آپ کو بچاؤ

کہ مبادا یہ چیز مال و دولت جمع کرنے کی حرص اور دنیا کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے استغراق میں مبتلا کر دے جس کی وجہ سے تم علم و عمل کی راہ سے دور ہو جاؤ۔

''امیر عامہ'' سے مراد متغلب ہے یعنی وہ شخص جو مسلمانوں کے معاملات اور ان کے ملک و شہر پر غالب و حکمران ہو گیا ہو اور عام لوگوں نے ارباب حل و عقد یعنی علماء اور دانشورانِ زمانہ کی رائے و مشورہ کے بغیر اس شخص کو امیر و حاکم تسلیم کر لیا ہو اور اس کے حامی و مددگار رہوں۔

اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا رونا اس احساس کی بنا پر تھا کہ ہم نے کلمہ حق کہنے کے سلسلہ میں اس مرتبہ کو ترک کر دیا جو اولیٰ ہے اور وہ یہ کہ ہر حال میں حق بات کہی جائے خواہ اس کی پاداش میں جان ہی کیوں نہ دینی پڑے! ظاہر ہے کہ ان کا یہ احساس محض اس کے کمال ایمان اور دین کے تئیں شدت احتیاط پر مبنی تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس مرتبہ کو ترک کرنے اسلامی تعلیمات کے قطعاً خلاف نہیں تھا بلکہ ان احادیث پر عمل کرنے کی بناء پر تھا جن سے واضح ہوتا ہے کہ اہل ایمان کے ضعف و اضمحلال کے زمانہ میں اور عجز و بے بسی کی صورت میں کلمہ حق کہنے سے سکوت اختیار کرنا جائز ہے' بشرطیکہ اس کی وجہ سے جان و مال اور آبرو کی ہلاکت و نقصان کا خوف ہو! اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جب اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اکابر صحابہ کرامؓ جیسے عظیم انسان کو جو دین کے بارے میں انتہائی سخت و مضبوط تھے اور جو یقین و معرفت کی دولت سے پوری طرح مالا مال تھے اگر وہ اس وصف و مرتبہ کے باوجود اہل باطل جیسے یزید و حجاج سفاک وغیرہ کے خوف سے اظہار حق کی قدرت نہیں رکھتے تھے تو ہم جیسے مسلمانوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے جو اہل ایمان کے انتہائی ضعف و اضمحلال کا زمانہ پائے ہوئے ہیں جن میں باعمل علماء اور ایمانی جرأت و ایثار رکھنے والے راہبر کم ہیں جو ریاکار مشائخ و صوفیاء کی کثرت رکھتے ہیں اور جن پر اکثر ظالم امراء و حکماء مسلط ہیں! لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ زمانہ صبر و تحمل' رضا بالقضاء اور سکوت و یکسوئی اختیار

کرنے اور بقدر بقا، زندگی معاشی ضروریات کے حصول پر قناعت کرنے کا ہے۔

''بعض وہ ہیں جن کو مؤمن پیدا کیا جاتا ہے'' یعنی ان کی پیدائش مؤمن ماں باپ کے یہاں یا مسلم آبادی یا شہر میں ہوتی ہے اور اس اعتبار سے ان کو مؤمن کہا جاتا ہے۔ یہ وضاحت اس لئے کی جاتی ہے کہ جب کوئی شخص پیدا ہوتا ہے تو سن تمیز کو پہنچنے سے قبل اس کی طرف ایمان کی نسبت نہیں کی جاتی' یہ اور بات ہے کہ علم الٰہی کے اعتبار سے یا اس سے آئندہ زمانہ کی حالت کے اعتبار سے اس کی طرف ایمان کی نسبت کر دی جائے۔ اسی طرح ''بعض وہ ہیں جن کو کافر پیدا کیا جاتا ہے'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو کافر ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں یا جن کی پیدائش کافروں کی آبادی اور ان کے شہر میں ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے حدیث کا یہ جملہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ کل مولد یولد علی الفطرۃ کیونکہ اس ارشاد گرامی (کل مولود الخ) کی مراد یہ بتانا ہے کہ جو بھی شخص اس دنیا میں آتا ہے وہ فطری طور پر ہدایت و راستی قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت رکھتا ہے بشرطیکہ کوئی ایسا مانع پیش نہ آئے جو اس کو گمراہی کے راستہ پر ڈال دے جیسا کہ خود اسی حدیث کے بعد کے الفاظ فابواہ یہ ودانہ الخ۔ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں لوگوں کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں وہ غالب و اکثریت کے اعتبار سے ہیں' ورنہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مؤمن پیدا ہوتے ہیں' کفر کی حالت پر زندگی گزارتے ہیں' لیکن ان کا خاتمہ ایمان ہی کی حالت پر ہوتا ہے' اسی طرح بعض وہ ہیں جو کافر پیدا ہوتے ہیں' ایمان کی حالت پر زندگی گزارتے ہیں لیکن ان کا خاتمہ کفر کی حالت پر ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں قسمیں اس لئے ذکر نہ فرمائی گئی ہوں کہ یہاں حقیقی مقصد اس بات کو واضح کرنا ہے کہ ہدایت و گمراہی میں اصل اعتبار خاتمہ کی حالت کے ہے' اور یہ بات مذکورہ قسمیں بیان کرنے سے بھی اجمالی طور پر سمجھ میں آجاتی ہے۔

''پہلو پر لیٹ جائے اور زمین سے چمٹ جائے'' غصہ آنے کے وقت اس

حالت کو اختیار کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ حالت نفسیاتی طور پر غصہ کو فرو کرنے کا بہترین ذریعہ ہے' کیونکہ غصہ کے وقت زمین سے لگ کر پہلو پر لیٹ جانا فوری طور پر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ جب میری حقیقت بس اتنی ہے کہ میں مٹی سے پیدا ہوا اور آخر کار مٹی ہی میں مل جاؤں گا تو مجھ کو تکبر نہ کرنا چاہئے بلکہ تحمل اور انکساری کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

معاشی تنگی کے دنوں میں نیک بیوی کا طرزِ عمل

اللہ عزوجل نے اس زندگی میں بے شمار رنگ بھر دیئے ہیں اور خود ہی قرآن میں فرما دیا کہ میں لوگوں کے درمیان دنوں کو پھیرتا رہتا ہوں۔ آپ دیکھیں کہ اگر آج آپ کے شوہر پہ مشکل وقت آیا ہے تو یہ صدا نہیں رہنا کیا پہلے حالات اچھے نہیں تھے اور اگر پہلے بھی نہیں تھے تو یقین جانئے پھر بھی ایسے حالات سدا نہیں رہنے۔ مشکل وقت اگر آپ نے چند دن خوش دلی سے شوہر کا ساتھ دے لیا تو آگے اچھے وقت میں وہ شوہر آپ پہ کیسے نثار جائے گا' کیا اس بات کو سمجھانے کے لئے کسی سقراطی دماغ کی ضرورت ہے۔

آیئے اس بابت اپنی فرمانبردار بیٹیو کو کچھ نصیحت کیے دیتے ہیں:

فقراء کی فضیلت اور نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی کا بیان:

''فقراء'' فقیر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں مفلس محتاج' غریب اور ''فضیلت'' سے مراد اجر و ثواب کی کثرت ہے! لہٰذا فقراء کی فضیلت کے بیان کا مطلب ان احادیث کو نقل کرنا ہے جن سے یہ واضح ہوگا کہ جو لوگ اپنی غربت و افلاس اور محتاجگی کی وجہ سے اپنی اور اپنے متعلقین کی معاشی زندگی کی سختیوں کو صبر و سکون کے ساتھ جھیلتے ہیں اور تمام مشکلات کا مقابلہ نہایت عزم و استقلال کے ساتھ کرتے ہوئے توکل و قناعت اختیار کرتے ہیں اور تقدیر الٰہی پر راضی و شاکر رہتے ہیں ان کو کتنا زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے اور وہ آخرت میں کتنا بڑا درجہ پائیں گے۔

''حضور ﷺ کی معاشی زندگی'' سے مراد آپ ﷺ کے کھانے پینے' رہن سہن اور بسر اوقات کا وہ معیار اور طور طریقہ ہے جو غرباء اور فقراء کا ہوتا ہے اور زیادہ سے

زیادہ جس کو کفاف (بقدر ضرورت) کہا جا سکتا ہے! عنوان بالا میں ''فقراء کی فضیلت'' اور ''حضور کی معاشی زندگی'' کو ایک ساتھ ذکر کرنے اور دونوں سے متعلق احادیث و مضمون کو ایک باب میں نقل کرنے میں جو خاص حکمت ہے وہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اکثر انبیاء و اولیاء کی طرح حضور ﷺ کا معیار زندگی اور بسر اوقات بھی غرباء و فقراء کی طرح تھا' یعنی سرکار دو عالم ﷺ خوشحال زندگی اختیار کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود اپنی زندگی اس طرح بسر کرتے تھے جس طرح کوئی غریب و مفلس شخص بسر کرتا ہے اور اپنے متعلقین کی کفالت اسی تنگی اور سخت کوشی و جانکاہی کے ساتھ کرتے تھے جو غریب و نادار لوگوں کا معمول ہے' چنانچہ غریب و نادار مؤمن کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لئے یہی بات بہت کافی ہے۔

واضح رہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ صبر و رضا اختیار کرنے والا غریب و مفلس زیادہ فضیلت رکھتا ہے یا شکر گزار غنی و خوشحال؟ چنانچہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ شکر گزار اور غنی زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ اس کے ہاتھ سے اکثر وہ چیزیں عمل میں آتی ہیں جو صدقہ و خیرات اور مالی انفاق و ایثار یعنی زکوۃ قربانی اور نیک کاموں میں خرچ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ قرب و نزدیکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں نیز حدیث میں بھی اغنیاء کی تعریف میں یوں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ؛ (یعنی یہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے) اور اکثر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ صبر کرنے والا غریب و مفلس زیادہ فضیلت رکھتا ہے جس کی ایک سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ خود حضور سرور کائنات کا معیار زندگی اغنیاء کے مطابق نہیں تھا بلکہ غرباء اور مفلسوں کی طرح تھا' نیز اس بات میں جو احادیث منقول ہوں گی وہ سب بھی ان حضرات کے قول کی دلیل ہیں! تاہم یہ بات ملحوظ رہے کہ اس اختلاف اقوال کا تعلق دراصل مطلق فقر اور غنا کی حقیقت و ماہیت سے ہے اور اس کا اعتبار بھی وجوہ کے مختلف

ہونے پر ہے۔

چنانچہ ایک شخص کے حق میں کبھی تو غنا یعنی دولتمندی، خیر و بھلائی کا باعث بن سکتی ہے اور کبھی اس کا فقیر و مفلس ہونا ہی اس کے حق میں بہتر ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر مہربان ہوتا ہے تو اس کو وہی چیز دیتا ہے جو اس کے حق میں صلاح و فلاح کا ذریعہ ہوتی ہے۔ خواہ فقر ہو یا غنا اور خواہ صحت ہو یا تندرستی! یہی حکم (کہ اختلاف وجوہ کی بناء پر ایک ہی چیز کبھی افضل ہو سکتی ہے اور کبھی مفضول) ان تمام صفات کا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

حضرت شیخ المشائخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ صبر کرنے والا مفلس بہتر ہے یا شکر گزار دولتمند؟ تو انہوں نے فرمایا کہ شکر گزار فقیر دونوں سے بہتر ہے۔ انہوں نے اس جواب کے ذریعہ گویا فقر و افلاس کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا کہ فقر و افلاس درحقیقت ایک نعمت ہے کہ اس پر شکر گزار ہونا چاہئے نہ کہ وہ مصیبت و بلا ہے جس پر صبر کیا جائے، شیخ عالم عارف ربانی اور ولی اللہ حضرت عبدالوہاب متقیؒ اپنے شیخ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے جب تک ہم سے فقر و افلاس کی فضیلت کا اقرار و اعتراف نہیں کرا لیا اس وقت تک ہمیں بیعت نہیں کیا، چنانچہ فرمایا کہ اس طرح کہو: الفقر افضل من الغناء (فقر و افلاس، غنا سے بہتر ہے) جب ہم نے اس بات کو دہرایا تب انہوں نے ہمارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہمیں مرید کیا۔

اس موقع پر اس بات کو بھی جان لینا چاہئے کہ اصلاح شریعت میں ''فقیر'' کا وہ مفہوم مراد نہیں ہوتا جو عام طور پر معروف ہے یعنی گداگر، بھکاری اور منگتا، بلکہ اس لفظ سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کو عرف عام میں ''غریب و مفلس کہا جاتا ہے اور جو مال و اسباب سے تہی دست ہوتا ہے! اسلام کی مذہبی کتابوں اور احکام و مسائل میں ایسے شخص کے لئے عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ایک تو ''فقیر'' دوسرے ''مسکین''

چنانچہ بعض حضرات نے ان دونوں میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ ''فقیر'' کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو نصاب (یعنی اس قدر مال و اسباب) کا مالک نہ ہو جس کی وجہ سے اس پر زکوۃ و فطر واجب ہوتا ہو، یا اس شخص کو ''فقیر'' کہا جاتا ہے جو بس ایک دن کی غذائی ضروریات کے بقدر مال و اسباب رکھتا ہو اور اس سے زائد اس کے پاس اور کچھ نہ ہو جب کہ ''مسکین'' اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ نصاب کا مالک نہ ہو بلکہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یہاں تک کہ وہ ایک دن کی غذائی ضروریات کے بقدر بھی مال و اسباب نہ رکھتا ہو اور بعض حضرات نے اس کے برعکس کہا ہے! بہرحال عنوان میں جو لفظ ''فقراء'' استعمال کیا گیا ہے اس سے فقیر اور مسکین دونوں مراد ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْاَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم، کتاب البر، باب فضل الضعفاء، ح ۳۶۲۴۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہت سے لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر تو) پراگندہ بال اور غبار آلود (یعنی نہایت خستہ حال اور پریشان صورت) نظر آتے ہیں جن کو (ہاتھ یا زبان کے ذریعہ) دروازوں سے دھکیلا جاتا ہے لیکن (وہ خدا کے نزدیک اتنا اونچا درجہ رکھتے ہیں کہ) اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کو یقیناً پورا کرے''۔

افلاس اور خستہ حالی کی فضیلت:

''جن کو دروازوں سے دھکیلا جاتا ہے'' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ واقعتاً دنیاداروں کے دروازوں پر جاتے ہیں لو ان کو وہاں سے دھکیلا جاتا ہے کیونکہ

جو لوگ خدا کے لئے دنیا کی ظاہری زینت وعزت کی چیزوں سے دور رہتے ہیں' ان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ کوئی ایسا کام کریں گے جس سے ذلت اٹھانا پڑے' بلکہ اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی روحانی عظمتوں کا راز ان کی شکستہ حالی میں پوشیدہ ہوتا ہے اور ان کا ظاہر ان کے باطن کا اس حد تک سرپوش ہوتا ہے کہ اگر بالفرض وہ کسی کے گھر جانا چاہیں تو لوگوں کی نظر میں ان کی کوئی قدر ومنزلت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو دروازہ ہی پر روک دیا جائے' مکان میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور ظاہر ہے کہ جب وہ دروازوں سے دھکیلے جاسکتے ہیں تو ان کو مجلسوں اور محفلوں میں آنے سے بطریق اولی روکا جاسکتا ہے اور اس میں حکم یہ ہے کہ اللہ تعالی یہ نہیں چاہتا کہ ان کی حقیقت لوگوں پر ظاہر ہو اور وہ ایسی حالت میں رہیں جس سے لوگ ان کی طرف مائل وملتفت ہوں تا کہ ان کو اللہ تعالی کے سوا کسی اور سے کوئی انس و رغبت نہ ہو! پس حقیقت میں اللہ تعالی ان پاک نفس بندوں کو دنیا داروں اور ظالموں کے دروازوں پر کھڑے رہنے اور ان کے حرام مال کے کھانے پینے سے محفوظ رکھتا ہے' جیسا کہ کوئی شخص اپنے مریض کو مضر آب وہوا اور نقصان دہ غذاؤں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے! چنانچہ وہ لوگ اپنے مولی کے در کے علاوہ اور کسی دروازے پر حاضری نہیں دیتے اور اپنے کمال استغناء اور بے نیازی کی وجہ سے اپنے پروردگار کے علاوہ کسی دوسرے کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

اور اگر وہ اللہ پر قسم کھائیں ...... الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر اعتماد کر کے اور اس کی قسم کھا کر یہ کہہ دیں کہ اللہ تعالی فلاں کام کرے گا یا فلاں کام نہیں کرے گا تو اللہ تعالی ان کی قسم کو سچا کرتا ہے بایں طور کہ ان کے کہنے کے مطابق اس کام کو کرتا ہے یا نہیں کرتا' جیسا کہ باب الدیت میں اس کے متعلق ایک روایت گزر چکی ہے! حاصل یہ کہ وہ لوگ اگرچہ اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے دنیا داروں کی نظر میں کوئی قدر ومنزلت نہیں رکھتے

مگر حقیقت میں اللہ تعالی کے نزدیک ان کا مرتبہ اتنا بلند اور اس کی بارگاہ میں ان کی عزت ومقبولیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالی ان کو سچا کرتا ہے اور ان کی قسم پوری کرتا ہے یعنی وہ بات پوری ہو کر رہتی ہے۔

قریبی رشتہ داروں کی دولت دیکھ کر شوہر کو غلط کاموں پر مت ابھاریئے:

وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَۃٍ فَاِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَاہُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِہٖ اِنَّ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ قَاتِلًا لَایَمُوْتُ یَعْنِی النَّارَ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

صحیح بخاری' التاریخ الکبیر۔

''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کسی فاجر (یعنی کافر یا فاسق) کو دنیاوی نعمتوں ''یعنی جاہ وحشمت اور دولت سے مالا مال دیکھ کر اس پر رشک نہ کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد (قبر میں یا حشر میں) اس کو کیا کیا پیش آنے والا ہے (یعنی وہ یہاں تو بے شک دنیاوی نعمتوں سے مالا مال ہے لیکن اس کے برعکس آخرت میں طرح طرح کے عذاب اور سختیوں سے دوچار ہوگا) اور (یاد رکھو) فاجر کے لئے خدا کے لئے یہاں ایک ایسا قاتل ہے جس کو موت اور فنا نہیں ہے'' اور اس قاتل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ''آگ'' ہے۔'' (شرح السنۃ)

لوگوں کی دولت پر نظر رکھ کر کڑھتی نہ رہیئے:

''ایک ایسا قاتل ہے الخ'' یعنی اللہ تعالی نے کفار وفساق کے لئے ایک ایسی چیز

تیار کر رکھی ہے جو ان کو سخت عذاب دے گی' ہلاک کرے گی اور طرح طرح کی اذیت ناکیوں میں مبتلا کرے گی اور اس چیز کی شان یہ ہے کہ خود اس کو موت وفنا نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ موجود رہے گی۔

"یَعْنِی النَّارَ" کے الفاظ ان راوی کے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان کا نام نامی حضرت عبداللہ بن ابی مریم ہے۔ گویا انہوں نے الفاظ کے ذریعہ یہ وضاحت کی ہے کہ حضور ﷺ نے لفظ "قاتل" کے ذریعہ جس چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ دوزخ کی آگ ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کافر وفاسق کو دیکھ کر کہ جو زیادہ اولاد رکھتا ہے یا زیادہ جاہ وحشمت کا مالک ہے یا مال ودولت کی فراوانی رکھتا ہے اور یا دوسری دنیاوی نعمتوں سے مالا مال ہے تو اس پر رشک نہ کیا جائے اس تمنا کو اپنے دل میں جگہ نہ دی جائے کہ کاش اسی طرح کی نعمتیں ہمیں بھی حاصل ہوں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَسَنَتُهُ وَاِذَا فَارَقَ الدُّنْيَا فَارَقَ السِّجْنَ وَالسَّنَةَ.

احمد بن حنبل' المسند۔

"اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ دنیا! مؤمن کے لئے قید خانہ اور قحط ہے جب وہ مؤمن دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو (گویا) قید خانہ اور قحط سے نجات پاتا ہے"۔

نیک زن وشو کے لئے تو یہ دُنیا ہے ہی قید خانہ:

قید خانہ اور قحط کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن یہاں ہمیشہ طرح طرح کی تنگی وسختی کا شکار رہتا ہے اور معاشی پریشان حالیوں میں بسر اوقات کرتا ہے اور اگر کسی مؤمن کو

یہاں کی خوشحالی میسر بھی ہو تو ان نعمتوں کی بہ نسبت کہ جو اس کو آخرت میں حاصل ہونے والی ہیں' یہ دنیا پھر بھی اس کے لئے قید خانہ اور قحط زدہ جگہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی! یا یہ مراد ہے کہ مخلص عبادت گزار مؤمن چونکہ اپنے آپ کو ہمیشہ طاعات اور عبادات کی مشقتوں اور ریاضت ومجاہدہ کی سختیوں میں مشغول رکھتا ہے۔ عیش وراحت کو اپنی زندگی میں راہ نہیں پانے دیتا اور ہر لحہ اس راہ شوق پر گامزن رہتا ہے کہ اس محنت ومشقت بھری دنیا سے نجات پا کر دارالبقاء کی راہ پکڑے۔ اس اعتبار سے یہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور قحط زدہ جگہ سے کم صبر آزما نہیں ہوتی' ایک روایت میں یوں فرمایا گیا: لا یخلو المؤمن قلة او علة او ذلة وقد یجتمع للمؤمن الکامل جمیع ذلك یعنی ایسا کوئی مؤمن نہیں جو یا تو مال کی کمی یا بیماری اور یا ذلت وخواری سے خالی ہو اور بعض اوقات مؤمن کامل میں یہ سب چیزیں جمع ہو جاتی ہیں۔

عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ اَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَآءَ.

جامع الترمذی' کتاب الطب' باب ما جاء فی الحمیة' ح ۲۰۳۶۔

"اور حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے' جس طرح کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے"۔ (احمد)

جن کو خدا اپنا محبوب بنانا چاہتا ہے ان کو دنیاوی مال ودولت سے بچاتا ہے:

مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہارا کوئی عزیز ومتعلق جب کسی ایسے مرض میں مبتلا

ہو جائے جس میں پانی کا استعمال سخت نقصان پہنچاتا ہے جیسے استسقاء اور ضعف معدہ وغیرہ اور تمہیں اس کی زندگی پیاری ہوتی ہے تو تم اس بات کی پوری کوشش کرتے ہو کہ وہ مریض، پانی کے استعمال سے دور رہے تاکہ صحت یابی سے جلد ہمکنار ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس بندے کو اپنا محبوب بناتا اور اس کو آخرت کے بلند درجات پر پہنچانا چاہتا ہے اس کو دنیاوی مال و دولت، جاہ و منصب اور اس ہر چیز سے دور رکھتا ہے جو اس کے دین کو نقصان پہنچانے اور عقبیٰ میں اس کے درجات کو کم کرنے کا سبب بنے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے اور لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو دنیاوی مال و جاہ اور یہاں کی کوئی ایسی چیز نہیں دیتا جو اس کی دینی و اخروی زندگی کی زینت و خوبی کو داغدار کر دے تاکہ اس کا دل دنیا اور دنیا کی چیزوں کی محبت و خواہش کے مرض میں مبتلا نہ ہو۔

وَعَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اثْنَتَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ (رواہ احمد)

احمد بن حنبل، المسند۔

''اور حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو چیزیں ایسی ہیں جن کو ابن آدم (انسان) ناپسند کرتا ہے (اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ دونوں چیزیں بہت اچھی ہیں چنانچہ انسان ایک تو موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مؤمن کے لئے موت فتنہ سے بہتر ہے، دوسرے مال و دولت کی کمی کو ناپسند کرتا ہے، حالانکہ مال کی کمی حساب کی کمی کا موجب ہے''۔ (احمد)

مال کی کمی، درحقیقت بڑی نعمت ہے:

''فتنہ'' سے مراد ہے کفر و شرک اور گناہوں میں گرفتار ہونا، ظالم و جابر لوگوں کا ایسے کام پر مجبور کرنا جو اسلامی عقائد و تعلیمات کے خلاف ہوں اور ایسے حالات سے دوچار ہونا جن سے دین و آخرت کی زندگی مجروح ہوتی ہو! حقیقت تو یہ ہے کہ زندگی اور زندہ رہنے کی تمنا تو اسی صورت میں خوب ہے جب کہ خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے طاعات و عبادات کی توفیق عمل حاصل رہے، راہ مستقیم پر ثابت قدمی نصیب ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دنیا سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ رخصت ہو! اگر یہ چیزیں حاصل نہ ہوں اور ایمان کی سلامتی نصیب نہ ہو تو پھر یہ زندگی کس کام کی؟ ظالم و جابر لوگوں کی طرف سے جبر و اکراہ کی صورت میں اگرچہ دل، ایمان، عقیدہ پر قائم رہے مگر زبان سے ایسی بات کا ادا ہونا کہ جو ایمان و عقیدہ کے مناسب و لائق نہیں ہے، یہ بھی ایک ''فتنہ'' ہی ہے! ہاں اگر فتنہ کا تعلق کسی اور طرح کے دنیاوی ابتلاء و مصائب، زندگی کی سختیوں اور نفس کی مشقت و شدائد سے ہو تو اسی صورت میں زندگی سے نفرت اور موت کی تمنا درست نہیں ہوگی کیونکہ ایسا فتنہ گناہوں کے کفارہ اور اخروی درجات کی بلندی و رفعت کا سبب ہوتا ہے۔

وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی مال و دولت کی کمی، عذاب سے بعید تر اور ہر مسلمان کے لئے بہتر ہے۔ لہٰذا جو مسلمان تنگ دست و غریب ہو اس کو خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مال و دولت کی فراوانی سے بچا کر گویا آخرت کے حساب و عذاب سے بچایا ہے! ہے اور ظاہر ہے کہ اس دنیا میں غربت و ناداری کی وجہ سے جو سختیاں اور پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں وہ ان سختیوں اور ہولناکیوں سے کہیں کم اور آسان تر ہیں جو مال و دولت کی فراوانی کے وبال کی وجہ سے آخرت میں پیش آئیں گی۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اس موقع پر بڑی حکمت آمیز بات کہی ہے، انہوں

نے ہر طالب حق کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''عزیز من! یہ سب ایمان کی شاخیں ہیں' جو شخص شارع علیہ السلام کے ارشادات کے مطابق ایمان کو صحیح درست رکھتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ شارع نے جو کچھ فرمایا ہے وہ برحق اور عین صداقت ہے اور اگر وہ شخص عقل سلیم اور صحیح تجربہ رکھتا ہو تو وہ اسی دنیا میں بھی جان لیتا ہے کہ مال و دولت کی فراوانی اور اس مال و دولت کو حاصل کرنے اور جمع کرنے' نیز اس کے ساتھ تعلق و محبت رکھنے کے سلسلے میں جن مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس قدر ذلت و خواری کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور جتنی زیادہ محنت اور مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے وہ سب فقر و افلاس کی سختیوں اور پریشانیوں سے کسی طرح کم نہیں! پس (دنیاوی طور پر محنت و مشقت اور ہر طرح کی ذلت و خواری سے بچنے ہی کا نہیں بلکہ) نفس کی پاکیزگی و صفائی (اور اخروی حساب و عذاب سے بچنے نیز درجات کی بلندی و رفعت) کا انحصار اس بات پر ہے کہ مال و دولت کی کثرت سے اپنا دامن بچایا جائے' اس سے قطع کر کے اور قدر کفایت پر قناعت کر کے عزت نفس اور اخلاق و کردار کی بلندی و استقامت کو اختیار کیا جائے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ اُحِبُّكَ فَقَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاُحِبُّكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ اِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَاَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا لَلْفَقْرُ اَسْرَعُ اِلٰى مَنْ يُّحِبُّنِىْ مِنَ السَّيْلِ اِلٰى مُنْتَهَاهُ۔

جامع الترمذی' کتاب الزھد' باب ما جاء فی فضل الفقر' ح ۲۳۵۰۔

''اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپ ﷺ سے (بہت

زیادہ) محبت رکھتا ہوں! حضور ﷺ نے یہ (سن کر) فرمایا کہ دیکھ لو کیا کہہ رہے ہو؟ (یعنی اچھی طرح سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو' کیونکہ تم ایک بہت بڑی چیز کا دعویٰ کر رہے ہو' ایسا نہ ہو کہ بعد میں اپنی بات پر پورا نہ اتر سکو) اس شخص نے عرض کیا کہ خدا کی قسم' میں آپ ﷺ سے محبت رکھتا ہوں اور تین بار اس جملہ کو ادا کیا! حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم (میری محبت کے دعوے میں) سچے ہو تو پھر فقر کے لئے پاکھر تیار کر لو کیونکہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے اس کو فقر و افلاس' اس پانی کے بہاؤ سے بھی زیادہ جلد پہنچتا ہے جو اپنے منتہا کی طرف جاتا ہے''۔ اس حدیث کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

ذاتِ رسالت ﷺ سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہو تو فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کرو:

''تجفاف'' کے معنی ہیں ''پاکھر'' اور پاکھر اس آہنی جھول کو کہتے ہیں جو میدان جنگ میں ہاتھی گھوڑے پر ڈالی جاتی ہے تاکہ ان کا جسم زخمی ہونے سے بچا رہے جیسا کہ زرہ' سوار سپاہی کے جسم کو نیزہ و تلوار وغیرہ کے زخم سے محفوظ رکھتی ہیں۔ یہاں حدیث میں ''پاکھر'' کے ذریعہ ''صبر و استقامت'' کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس طرح ''پاکھر'' ہاتھی گھوڑے کے جسم کو چھپاتا ہے۔ اس طرح صبر و استقامت اختیار کرنا' فقر و فاقہ کی زندگی کا سرپوش بنتا ہے! حاصل یہ کہ صبر و استقامت کی راہ پر بہر صورت گامزن رہو' خصوصاً اس وقت جب کہ فقر و افلاس تمہاری زندگی کو گھیر لے تاکہ تمہیں مراتب و درجات کی بلندی و رفعت نصیب ہو۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی محبت سے پوری طرح سرشار ہوتا ہے اس کو فقر و فاقہ کا جلد پہنچنا اور اس پر دنیاوی آفات و بلاؤں اور

سختیوں کا کثرت سے نازل ہونا ایک یقینی امر ہے کیونکہ منقول ہے کہ دنیا میں جن لوگوں کو سب سے زیادہ آفات و شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ انبیاء ہیں ان کے بعد درجہ بدرجہ ان لوگوں کا نمبر آتا ہے جو عقیدہ و عمل کے اعتبار سے اعلیٰ مرتبہ کے ہوتے ہیں۔ پس حضور ﷺ بھی انہیں انبیاء میں سے تھے لہٰذا آپ ﷺ نے اس شخص پر واضح فرمایا کہ اگر واقعتاً تم میری محبت رکھو گے تو میرے تئیں تمہاری محبت جس درجہ کی ہوگی اسی درجہ کی دنیاوی سختیوں اور پریشانیوں کا تمہیں سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ یہ اصول ہے کہ المرء مع من احب (یعنی جو شخص جس کو دوست رکھتا ہے اسی جیسی حالت میں رہتا ہے)۔

حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے اس ارشاد ''فقر کے لئے پاکھر تیار کرلو'' کے ذریعہ بطور کنایہ اس امر کی تلقین فرمائی کہ فقر و فاقہ کے وقت ''صبر'' کی راہ پر چلنے کے لئے تیار رہو کیونکہ یہ صبر ہی ہے جو فقر و افلاس کی آفتوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے کی طاقت بہم پہنچاتا ہے' دینی و دنیاوی ہلاکت و تباہی سے محفوظ رکھتا ہے' جزع و فزع اور شکوہ و شکایت کی راہ سے دور رکھتا ہے اور غضب خداوندی سے بچاتا ہے حضرت شیخ آگے فرماتے ہیں کہ ''اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کئے بغیر اور حضور ﷺ کے طرز حیات پر عمل پیرا ہوئے بغیر آپ ﷺ کی محبت کا دعویٰ بالکل ناروا اور جھوٹ ہے' کیونکہ حقیقت میں اسوۂ نبوی کی اتباع اور حضور ﷺ کی محبت دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اور محبوب کی اتباع و پیروی کے بغیر محبت کا دعویٰ درست ہو ہی نہیں سکتا' ان المحب لمن یحب مطیع! تاہم واضح رہے کہ حب نبوی کا یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے کہ کسی مسلمان کا حضور ﷺ کے اسوۂ حیات کی کامل اتباع کو اپنا شیوہ بنالینا اس بات کی علامت ہے کہ وہ حضور ﷺ کے تئیں دعویٰ محبت میں بالکل سچا اور درجۂ کمال کا حامل ہے! اگرچہ ''محبت'' کی حقیقت و ماہیت یہ ہے کہ انسان کا کسی کی طرف اندر

سے کھنچنا اور اس کے دل کا اس (محبوب) کی خوبیوں' اس کی ذات و صفات کی تحسین اور اس کی شکل و صورت اور عادات و اطوار کی تعریف و توصیف سے معمور ہو جانا کہ وہ اپنے محبوب کو سب سے اچھا دیکھنے اور سب سے اچھا جاننے لگے! مگر جیسا کہ پہلے بتایا گیا تکمیل محبت کا انحصار' محبوب کی کامل اتباع اور پیروی پر ہے' اگر باطنی تعلق و محبت کے ساتھ عمل و اتباع کی دولت بھی نصیب ہو تو اصل اور کامل محبت وہی کہلائے گی ورنہ محض دل میں محبت کا ہونا اور زبان سے اس کا اعتراف اقرار بھی کرنا مگر عمل و اتباع کی راہ میں غفلت و کوتاہی کا شکار ہونا' محبت کے ناقص ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ عمل کے بغیر ایمان درجۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا۔

سہیلیوں اور کزنز کو بلا جھجک شوہر سے ملوانے کے نتائج

جیسی ہی آپ کی شادی ہوئی شوہر صاحب نے اپنے دو چار دوستوں کو گھر مدعو کیا اور کمال ڈھٹائی سے آپ کی ان سب سے ملاقات کروائی اور آپ نے بھی نت نئے فیشن کئے تاکہ شوہر کی ''عزت'' رہ جائے۔ اب بدلے میں آپ کی سہیلیاں اور کزنز کھانے پہ آنے لگیں اور پھر کیا باقی کے معاملات آپ اخبارات میں نہیں پڑھتیں۔

کسی عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر کے سامنے بیان نہ کرو:

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ اِلَيْهَا. (متفق عليه)

صحیح بخاری' کتاب النکاح' باب لاتباشر المرأة المرءة' ح ۵۲۴۰۔

''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے نہ لگائے اور نہ اس عورت کے جسم کا حال اپنے خاوند کے سامنے بیان کرے (کیونکہ اپنے خاوند کے سامنے کسی اجنبی عورت کے جسم کا حال بیان کرنا ایسا ہی ہے) جیسا کہ اس کا خاوند اس عورت کے جسم کو خود دیکھ رہا ہو''۔

(بخاری ومسلم)

کسی عورت کا اپنے جسم کو برہنہ کر کے کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے مس کرنا اور پھر اس عورت کے جسم کی خصوصیات یعنی گداز پن وغیرہ اپنے شوہر کے سامنے

بیان کرنا انتہائی معیوب بات ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے عورتوں کو منع کیا ہے' کیونکہ یہ نہ صرف بے شرمی کی بات اور غیر اخلاقی حرکت ہے بلکہ اس سے یہ بھی خطرہ ہے کہ اس کا خاوند کسی اجنبی عورت کے جسم کی پُرکشش خصوصیات سن کر نفسانی ہیجان اور گندے خیالات میں مبتلا ہو جائے جو فتنہ و برائی کی جڑ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ وَلَا يُفْضِى الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فِىْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَلَا تُفْضِى الْمَرْاَةُ اِلَى الْمَرْاَةِ فِىْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ.

(رواہ مسلم)

صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب تحریم النظر الی العورات' ح ۳۳۸۔

''اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے' دو برہنہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں اور نہ دو برہنہ عورتیں ایک کپڑے میں جمع ہوں''۔ (مسلم)

ایک یاددہانی! جو آپ کی عفت و عصمت کو محفوظ رکھے گی:

شریعت نے مرد و عورت کے جسم کے جن حصوں اور اعضاء کو باہم دیکھنے اور چھونے کی ممانعت کی ہے ان کو ''ستر'' کہا جاتا ہے اور جسم کے ان حصوں کو عام نظروں سے چھپانا ڈھانکنا ضروری ہے' اس بارے میں جو فقہی تفصیل ہے وہ اس طرح ہے:

''مرد کا ستر اس کے جسم کا وہ حصہ ہے جو زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے اس کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا نہ تو کسی مرد کیلئے جائز ہے اور نہ کسی

فَأَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى زَانِيَةٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى زَانِيَةٍ لَاَ تَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِيْ يَدِغَنِيٍّ فَاَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى غَنِيٍّ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ وَزَانِيَةٍ وَغَنِيٍّ فَأُتِيَ فَقِيْلَ لَهٗ اَمَّا صَدَقَتُكَ عَلٰى سَارِقٍ فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَّسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهٖ وَاَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا اَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَاَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهٗ يَعْتَبِرُ فَيُنْفِقُ مِمَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ . (متفق علیہ ولفظہ للبخاری)

صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب إذا تصدق علی غنی وھو لا یعلم، ح ۱۳۳۳

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک شخص نے اپنے دل میں یا کسی اپنے دوست سے کہا کہ میں آج رات خدا کی راہ میں کچھ مال خرچ کروں گا چنانچہ اس نے اپنے قصد و ارادہ کے مطابق خیرات کے لئے کچھ مال نکالا تا کہ اسے کسی مستحق کو دے دے اور وہ مال اس نے ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ چور ہے کہ جس کی وجہ سے خیرات کے مال کا مستحق نہیں ہے۔ جب صبح ہوئی اور لوگوں کو الہام خداوندی کے سبب یا خود اس چور کی زبانی معلوم ہوا تو بطریق تعجب لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات ایک چور کو صدقہ کا مال دیا گیا ہے۔ جب صدقہ دینے والے کو بھی صورتحال معلوم ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ اے اللہ! تیرے لئے تعریف ہے۔ باوجود یہ کہ صدقہ کا مال ایک چور کے ہاتھ لگا اور پھر کہنے لگا کہ آج کی رات پھر صدقہ دوں گا تا کہ وہ مستحق کو مل جائے چنانچہ اس نے صدقہ کی نیت سے پھر کچھ مال نکالا

اور اس مرتبہ بھی غلط فہمی میں وہ مال ایک زانیہ کے ہاتھ میں دے دیا' جب صبح ہوئی تو پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج تو ایک زانیہ صدقہ کا مال لے اڑی وہ شخص کہنے لگا کہ اے اللہ! تیرے لئے ہی تعریف ہے اگر چہ اس مرتبہ صدقہ کا مال ایک زانیہ کے ہاتھ لگ گیا اور پھر کہنے لگا کہ آج کی رات پھر صدقہ دوں گا' چنانچہ اس نے پھر کچھ مال صدقہ کی نیت سے نکالا اور اس مرتبہ پھر غلط فہمی میں وہ مال ایک غنی کے ہاتھ میں دے دیا' جب صبح ہوئی تو پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات تو ایک دولت مند ہی کو صدقہ کا مال مل گیا۔ وہ شخص کہنے لگا اے اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے اگر چہ صدقہ کا مال چور' زانیہ اور دولت مند کو مل گیا۔ جب وہ شخص سویا تو خواب میں اس سے کہا گیا کہ تو نے جتنے صدقے دیئے ہیں سب قبول ہو گئے کیونکہ صدقہ کا جو مال تو نے چور کو دیا ہے وہ بے فائدہ اور خالی از ثواب نہیں ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے چوری سے باز رہے' اور صدقہ کا جو مال تو نے زانیہ کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے زنا سے باز رہے اور صدقے کا جو مال تو نے دولت مند کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے عبرت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔'' (بخاری و مسلم)...... (الفاظ بخاری کے ہیں)

صدقہ دینے والے نے خدا کی تعریف یا بطریق شکر کی کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے صدقہ تو دیا اگر چہ وہ غیر مستحق ہی کے ہاتھ میں لگا یا پھر بطریق تعجب یا اپنے دل کے اطمینان کے لئے اس نے خدا کی تعریف کی۔

بہر کیف نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے اس شخص کا یہ واقعہ اس لئے بیان فرمایا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدا کی خوشنودی کی خاطر صدقہ و خیرات بہر نوع بہتر اور باعث ثواب ہے جس کسی کو بھی صدقہ دیا جائے گا ثواب ضرور پائے گا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَا لَ بَیْنَا رَجُلٌ بِفُلَا ةٍ مِّنَ الْاَ رْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِیْ سَحَابَةٍ اِسْقِ حَدِ یْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰی ذَالِكَ السَّحَابُ فَاَفْرَغَ مَاءَ هٗ فِیْ حَرَّةٍ فَاِذَا شَرْجَةٌ مِّنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذَالِكَ الْمَاءَ كُلَّهٗ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَاِذَا رَجُلٌ قَا ئِمٌ فِیْ حَدِ یْقَتِهٖ یُحَوِّ لُ الْمَاءَ بِمِسْحَا تِهٖ فَقَالَ لَهٗ یَا عَبْدَ اللّٰهِ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ اَلْاِسْمُ الَّذِیْ سَمِعَ فِی السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهٗ یَا عَبْدَ اللّٰهِ لِمَ تَسْاَلُنِیْ عَنْ اِسْمِیْ فَقَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِی السَّحَابِ الَّذِیْ هٰذَا مَا ءُ هٗ وَیَقُوْلُ اِسْقِ حَدِیْقَةَ فُلَا نٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِیْهَا قَالَ اَمَّا اِذَا قُلْتَ هٰذَا فَاِنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مَا یَخْرُجُ مِنْهَا فَاَ تَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَاٰكُلُ اَنَا وَعِیَا لِیْ ثُلُثًا وَاَرُدُّ فِیْهَا ثُلُثَهٗ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم' کتاب الزھد والرقائق' باب الصدقة فی المساکین' ح ۵۲۹۹

''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایک شخص زمین کے ایک حصے جنگل میں کھڑا تھا کہ اس نے ابر میں سے ایک آواز سنی کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر پھر وہ ابر ایک طرف چلا اور ایک پتھریلی زمین پر پانی برسانے لگا اور تمام پانی ان نالیوں میں سے کہ جو اس زمین میں تھیں ایک نالی میں جمع ہونے لگا پھر وہ پانی اس نالی کے ذریعے ایک طرف بہنے لگا تو وہ شخص بھی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تا کہ یہ دیکھے کہ جس شخص کے باغ

میں یہ پانی جا رہا ہے وہ کون ہے؟ ناگہاں اس شخص نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے کھیت میں کھڑا بیلچے کے ذریعے اس پانی کو باغ کے درختوں میں پھیلا رہا تھا اس شخص نے باغ والے سے پوچھا کہ اے خدا کے بندے تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ جس ابر کا یہ پانی ہے اس ابر میں میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا اس ابر سے کہہ رہا تھا کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر اور وہ نام تمہارا ہی تھا اور اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس باغ میں کیا کرتے ہو جس کی وجہ سے تم اس فضیلت اور بزرگی سے نوازے گئے ہو باغ والے نے کہا کہ چونکہ اس وقت تم پوچھ رہے ہو اس لئے میں بھی تم سے بتائے دیتا ہوں کہ اس باغ کی جو کچھ پیداوار ہوتی ہے میں اسے دیکھتا ہوں پھر اس میں سے ایک تہائی تو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہوں' ایک تہائی میں اور میرے اہل و عیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ میں لگا دیتا ہوں۔'' (مسلم)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا باعث برکت ہے:

اگرچہ ابر کی آواز نے باغ والے کا نام صراحۃً لیا تھا جیسا کہ بعد میں ذکر کیا گیا مگر آپ ﷺ نے یہ قصہ سناتے ہوئے ابتداء میں اس کا صراحۃً نام نہیں لیا بلکہ لفظ ''فلاں'' سے اس کے نام کو کنایۃً ذکر کیا۔

اسی طرح ابر کی آواز سننے والے شخص نے بھی ابر میں باغ والے کا نام صراحۃً سنا تھا مگر اس نے باغ والے سے اس کا نام اس لئے پوچھا تا کہ اسے یقین ہو جائے کہ واقعی یہ وہی شخص ہے جس کا نام ابر کی آواز نے لیا تھا' نیز جب باغ والے نے اس سے اپنا نام دریافت کرنے کا سبب پوچھا تو اس ابر کی آواز کی نقل کرتے ہوئے بھی اس کا نام نہیں لیا بلکہ لفظ ''فلاں'' کہا گویا اس نے ظاہر کیا کہ اگرچہ ابر کی آواز نے تمہارا نام

صراحۃ لیا تھا مگر میں اس وقت تمہارے متعین نام کی بجائے لفظ ''فلاں'' ذکر کر رہا ہوں
حاصل یہ کہ ہاتف غیبی نے باغ والے کا نام صراحۃ ذکر کیا تھا مگر سامع نے اس کے نام
کو لفظ ''فلاں'' سے کنایۃ تعبیر کیا اور اسے بتا دیا کہ تمہارا نام میں نے سنا تھا۔ مگر اب کو
لفظ ''فلاں'' سے تعبیر کیا ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ثَلَا
ثَةً مِّنْ بَنِیْ اِسْرَا ئِیْلَ اَبْرَصَ وَاَقْرَعَ وَاَعْمٰی فَاَرَادَ اللّٰهُ اَنْ
یَّبْتَلِیَهُمْ فَبَعَثَ اِلَیْهِمْ مَلَكًا فَاَتَی الْاَ بْرَصَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ
اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَ یَذْهَبُ عَنِّیَ
الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِیَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَ هَبَ عَنْهُ قَذَ رُهٗ
وَاُعْطِیَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ
اِلَیْكَ قَالَ الْاِ بِلُ اَوْ قَالَ الْبَقَرُ شَكَّ اِسْحٰقُ اِلَّا اَنَّ الْاَ بْرَصَ
اَوِ الْاَ قْرَعَ قَالَ اَحَدُ هُمَا الْاِبِلُ وَقَالَ الْاٰ خَرُ الْبَقَرُ قَالَ
فَاُعْطِیَ نَا قَةً عُشَرَاءَ فَقَا لَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْهَا قَالَ فَاَ تَی
الْاَ قْرَعَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ
وَیَذْ هَبُ عَنِّیْ هٰذَا الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِیَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ
فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَاُعْطِیَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ
اِلَیْكَ قَالَ الْبَقَرُ فَاُ عْطِیَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ
فِیْهَا قَالَ فَاَ تَی الْاَعْمٰی فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ اَنْ
یَّرُدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ بَصَرِیْ فَاُبْصِرَ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَرَدَّ

اللّٰهُ اِلَیْهِ بَصَرَهٗ قَالَ فَاَ یُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ الْغَنَمُ
فَاُعْطِیَ شَا ةً وَالِدًا فَا نْتَجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَ ا فَكَانَ بِهٰذَا وَادٍ
مِّنَ الْاِبِلِ وَلِهٰذَا وَادٍمِّنَ الْبَقَرِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ
اَنَّهٗ اَتَی الْاَبْرَصَ فِیْ صُوْرَتِهٖ وَهَیْئَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِّسْكِیْنٌ
قَدِانْقَطَعَتْ بِیَ الْحِبَالُ فِیْ سَفَرِیْ فَلَا بَلَا غَ لِیَ الْیَوْمَ اِلَّا
بِا للّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْأَ لُكَ بِالَّذِیْ اَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ
الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِیْرًا اَ تَبَلَّغُ بِهٖ فِیْ سَفَرِیْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ
كَثِیْرَةٌ فَقَا لَ اِنَّــهٗ كَاَنِّیْ اَعْرِفُكَ اَ لَمْ تَكُنْ اَبْرَصَ یَقْذَرُكَ
النَّاسُ فَقِیْرًا فَاَعْطَا كَ اللّٰهُ مَا لَا فَقَالَ اِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا
الْمَالَ كَا بِرًا عَنْ كَابِرٍفَـقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَیَّرَكَ اللّٰهُ
اِلٰی مَا كُنْتَ قَالَ وَاَ تَی الْاَ قْرَعَ فِیْ صُوْرَتِهٖ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ
مَا قَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَیْهِ مِثْلَ مَارَدَّ عَلٰی هٰذَا فَقَالَ اِنْ كُنْتَ
كَاذِبًا فَصَیَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰی مَا كُنْتَ قَالَ وَاَ تَی الْاَ عْمٰی فِیْ
صُوْرَتِهٖ وَهَیْئَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِّسْكِیْنٌ وَابْنُ سَبِیْلٍ اِنْقَطَعَتْ
بِیَ الْحِبَالُ فِیْ سَفَرِیْ فَلَا بَلَا غَ لِیَ الْیَوْمَ اِلَّا بِا للّٰهِ ثُمَّ بِكَ
اَسْاَلُكَ بِالَّذِیْ رَدَّ عَلَیْكَ بَصَرَكَ شَاةً اَ تَبَلَّغُ بِهَا فِیْ
سَفَرِیْ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ اَعْمٰی فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ بَصَرِیْ فَخُذْمَا
شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَ اللّٰهِ لَا اَجْهَدُ كَ الْیَوْمَ بِشَیْءٍ
اَخَذْتَهٗ لِلّٰهِ فَقَالَ اَمْسِكْ مَا لَكَ فَاِنَّمَا ابْتُلِیْتُمْ فَقَدْ رَضِیَ

عَنْكَ وَسَخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ ۔ (متفق علیه)

صحیح البخاری' کتاب أحادیث الانبیاء' باب حدیث أبرص وأعمی وأقرع فی بنی اسرائیل' ح ۳۲۰۵

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین اشخاص تھے ان میں سے ایک تو کوڑھی تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمانا چاہا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ (مسکین) کی صورت میں بھیجا' وہ فرشتہ پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ کوڑھی نے کہا کہ اچھا رنگ اور جسم کی بہترین جلد نیز یہ کہ مجھے اس چیز سے نجات مل جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ یہ سن کر فرشتہ نے کوڑھی کے بدن پر ہاتھ پھیرا' چنانچہ اس کا کوڑھ جاتا رہا۔ اسے بہترین رنگ وروپ اور بہترین جلد عطا کر دی گئی۔ پھر فرشتہ نے پوچھا کہ اب تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ''اونٹ'' یا کہا ''گائیں'' حدیث کے ایک راوی اسحٰق کو شک ہے کہ گائے کے لئے کوڑھی نے کہا تھا یا گنجے نے کہا تھا بہرحال یہ طے ہے کہ ان میں سے ایک نے تو اونٹ کے لئے کہا تھا اور دوسرے نے گائے کے لئے' نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ اس شخص کو حاملہ اونٹنیاں عطا کر دی گئیں' پھر فرشتے نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت عطا فرمائے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ گنجے نے کہا کہ بہترین قسم کے بال' اور یہ کہ یہ چیز یعنی گنج سے میں نجات پا جاؤں جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے

ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا گنج جاتا رہا' نیز اسے بہترین قسم کے بال عطا کر دیئے گئے' پھر فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ''گائیں'' چنانچہ اسے حاملہ گائیں عطا کر دی گئیں اور فرشتہ نے اسے بھی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت عطا فرمائے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ اس کے بعد پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اندھے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی دے دے تاکہ میں اس کے ذریعے لوگوں کو دیکھوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی بینائی عطا فرما دی' پھر فرشتے نے اس سے پوچھا کہ اب تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا ''بکریاں'' چنانچہ اسے بہت سی بچے دینے والی بکریاں عنایت فرما دی گئیں کوڑھی اور گنجے نے اونٹنیوں اور گائیوں کے ذریعے اور اندھے نے بکریوں کے ذریعے بچے حاصل کئے یہاں تک کہ کوڑھی کے اونٹوں سے ایک جنگل بھر گیا گنجے کی گائیوں سے ایک جنگل بھر گیا' اور اندھے کی بکریوں سے ایک جنگل بھر گیا' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا فرشتہ پھر کوڑھی کے پاس اپنی اسی شکل وصورت میں آیا اور اس سے کہنے لگا کہ میں ایک مسکین شخص ہوں' میرا تمام سامان سفر کے دوران جاتا رہا ہے اس لئے آج میرا پہنچنا ممکن نہیں ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت ومہربانی ہو جائے اور اس کے بعد تم ذریعہ بن جاؤ لہٰذا میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں اچھا رنگ' بہترین جلد' اور مال عطا کیا ہے ایک اونٹ مانگتا ہوں تاکہ اس کے ذریعے میرا سفر پورا ہو جائے اور میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اس کوڑھی نے

مسند احمد' کتاب باقی مسند الأنصار' باب حدیث ام بجید' ح ۲۵۸۹۷

''اور حضرت امّ مجید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب کوئی سائل میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اور مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو مجھے شرم محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتی جو اس کے ساتھ میں دے دوں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ دے دو خواہ جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (احمد' ابوداؤد' ترمذی) اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے صدقہ وخیرات کے بارے میں یہ حکم گویا بطور مبالغہ ارشاد فرمایا کہ سائل کو خالی ہاتھ واپس کرنے سے بہتر ہے اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ ضرور دے دیا جائے خواہ وہ کتنی ہی حقیر اور کم تر چیز کیوں نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ کے ایک واقعہ میں ہمارے لئے ایک سبق:

وَعَنْ مَوْلَى لِعُثْمَانَ قَالَ أُهْدِيَ لِأُمِّ سَلَمَةَ بَضْعَةٌ مِنْ لَحْمٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِيهِ فِي الْبَيْتِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ فَوَضَعَتْهُ فِي كُوَّةِ الْبَيْتِ وَجَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوا بَارَكَ اللّٰهُ فِيكُمْ فَقَالُوا بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أُمَّ سَلَمَةَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ أَطْعَمُهُ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ اذْهَبِي فَأْتِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَالِكَ اللَّحْمِ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ إِلَّا قِطْعَةَ مَرْوَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ ذَالِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لِمَا لَمْ تُعْطُوهُ السَّائِلَ.

رواه البيهقي في دلائل النبوة

''اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام کہتے ہیں کہ امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گوشت کا ٹکڑا تحفہ کے طور پر آیا' نبی کریم ﷺ کو چونکہ گوشت بہت مرغوب تھا اس لئے حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈی سے فرمایا کہ اس گوشت کو گھر میں رکھ دو' شاید نبی کریم ﷺ اسے تناول فرمائیں' چنانچہ لونڈی نے وہ گوشت گھر میں ایک طاق میں رکھ دیا ایک سائل نے دروازے پر کھڑے ہو کر صدا بلند کی کہ اے گھر والو' خدا کی راہ میں کچھ عنایت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گھر والوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے سائل واپس چلا گیا جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا کہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا تمہارے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز بھی ہے؟ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہاں پھر انہوں نے لونڈی سے کہا کہ جاؤ رسول اللہ ﷺ کے واسطے گوشت لے آؤ' لونڈی چلی گئی' مگر طاق کے پاس پہنچ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہاں گوشت کا کہیں نام نہیں تھا بلکہ سفید پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا' نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے سائل کو کچھ نہ دیا اس لئے یہ گوشت سفید پتھر کی شکل اختیار کر گیا۔ بیہقی نے اس روایت کو دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔''

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا

اُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلاً قِيْلَ نَعَمْ قَالَ الَّذِيْ يَسْئَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ (رواه احمد)

مسند احمد' كتاب ومن مسند بنی هاشم' باب بداية مسند عبد الله بن العباس' ح ۲۰۱۱

''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا' کیا میں تمہیں یہ بتلاؤں کہ خدا کے نزدیک باعتبار مرتبہ کے بدترین شخص کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ جی! یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس سے خدا کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ اس سوال کو پورا نہ کرے۔'' (احمد)

کسی سوالی کا سوال پورا نہ کرنے والوں کے لئے تنبیہ:

مطلب یہ ہے کہ کوئی سوال کسی شخص سے خدا کے نام پر خدا کے واسطے سے بایں طور سوال کرے کہ'' خدا کے نام پر مجھے کچھ عطا کرو اور اس کے باوجود وہ شخص سائل کو کچھ نہ دے تو وہ خدا کے نزدیک تمام لوگوں میں باعتبار کے برا ہے ہاں اگر سائل مستحق نہ ہو یا سائل نے جس شخص سے سوال کیا اس کے پاس اس کی اپنی ضرورت وحاجت اور اس کے اہل وعیال کی ضرورت وحاجت سے زائد مال نہ ہو تو پھر اس سائل کا سوال پورا نہ کرنے کی صورت میں نہ تو وہ گنہگار ہوگا اور نہ وہ اس حدیث کے مطابق قابل مذمت ہوگا حاصل یہ کہ خدا کے نام پر سوال کرنے والے کا سوال پورا نہ کرنے والا اسی صورت میں قابل مذمت اور گنہگار ہوگا جب کہ سائل اس کے مال کا مستحق ہو نیز یہ کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اس کی ضروریات سے زائد ہو۔

بہترین بیوی کی پہچان

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی بیوی بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ عورت جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے اور جب شوہر اس کو کوئی حکم دے تو اس کو بجالائے (بشرطیکہ وہ حکم خلاف شرع نہ ہو) اور اپنی ذات اور اپنے مال میں اس کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کرے جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو۔''

بہترین بیوی کی پہچان:

اس روایت میں ایک اچھی بیوی کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے یعنی اس کی خوش اخلاقی وخوش اطواری کو دیکھے تو وہ خوش ہو جائے اور اگر کہیں وہ بیوی صورت وسیرت دونوں میں اچھی ہو تو پھر کیا کہنا' نور علی نور اور سرور علی سرور ہے اسی طرح ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے مال میں ایسی کوئی بات نہ کرے جو اس کے شوہر کی نظر میں پسندیدہ نہ ہو۔

''یہاں اپنے مال'' سے خود اس بیوی کا مال بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی جس مال کی حقیقت میں وہ خود مالک ہو اس مال کو بھی اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف خرچ نہ کرے اور اس سے وہ مال بھی ہو سکتا ہے جو خود اس کی ملکیت میں نہ ہو بلکہ حقیقت میں مالک تو اس کا خاوند ہو البتہ اس عورت کے قبضہ وتصرف میں ہو۔ اس صورت میں بھی یہ مطلب ہوگا کہ اس کا خاوند اس کو جو کچھ مال واسباب اور روپیہ پیسہ دے وہ اس کو ایک امانت کے طور پر اپنے پاس رکھے اس میں نہ تو خیانت کرے اور نہ اپنے خاوند کی مرضی کے خلاف اس کو خرچ کرے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ اُعْطِيَهُنَّ فَقَدْ اُعْطِىَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ قَلْبٌ شَاكِرٌ وَّلِسَانٌ ذَاكِرٌ وَبَدَنٌ عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَةٌ لَا تَبْغِيْهِ خَوْنًا فِىْ نَفْسِهَا وَلَا مَالِهٖ

رواه البيهقي في شعب الايمان

''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل جائیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہو جائے اول (حق تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا) شکر ادا کرنے والا دل' دوم (خوشی اور رنج میں اللہ تعالیٰ کو) یاد کرنے والی زبان' سوم بلاؤں پر صبر کرنے والا جسم اور چہارم وہ عورت جو اپنی ذات اور اپنے خاوند کی مال میں خیانت نہ کرے۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے''۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلِىَ اَجْرٌ اَنْ اُنْفِقَ عَلٰى بَنِىْ اَبِىْ سَلَمَةَ اِنَّمَا هُمْ بَنِىَّ فَقَالَ اَنْفِقِىْ عَلَيْهِمْ فَلَكِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ (متفق عليه)

صحيح البخاري' كتاب الزكاة' باب الزكاة على الزوج والأيتام في الحجر' ح ١٣٧٤

''اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بیٹوں پر خرچ کرنے میں میرے لئے ثواب ہے کہ نہیں؟ درآنحالیکہ وہ میرے ہی بیٹے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ان پر خرچ کرو' جو چیز تم ان پر خرچ کرو

گی اس کا تمہیں ثواب ملے گا۔'' (بخاری و مسلم)

اولاد پر خرچ کرنے کا اجر:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے ان کے عقد میں تھیں' ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ان کی کئی بچے ہوئے' عمر' زینب اور درہ' جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا' تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ان کے جو بچے تھے وہ ان کے اخراجات انہیں کچھ دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اسی کو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ان کو میں جو کچھ دیتی ہوں آیا اس کا ثواب بھی مجھے ملتا ہے یا نہیں؟ لہٰذا اس صورت میں ''بیٹوں'' سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بیٹے مراد ہونگے جو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے تھے' یا یہ بھی احتمال ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی کے کچھ بچے ہوں گے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان پر مال خرچ کرنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا اس صورت میں ''بیٹوں'' سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بیٹے مراد ہوں گے۔

وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَاَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ فَقُلْتُ اِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيْفُ ذَاتِ الْيَدِ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَاْتِهٖ فَاسْاَلْهُ فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ يُجْزِئُ عَنِّىْ وَاِلَّا صَرَفْتُهَا اِلٰى غَيْرِكُمْ قَالَتْ فَقَالَ لِىْ عَبْدُ اللّٰهِ بَلِ ائْتِيْهِ اَنْتِ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَاِذَا امْرَاَةٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ بِبَابِ

رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاجَتِیْ حَاجَتُہَا قَالَتْ وَکَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اُلْقِیَتْ عَلَیْہِ الْمَہَابَۃُ فَقَالَتْ فَخَرَجَ عَلَیْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَہٗ ائْتِ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْہُ اَنَّ امْرَاَتَیْنِ بِالْبَابِ تَسْاَلَانِکَ اَتُجْزِیُٔ الصَّدَقَۃُ عَنْہُمَا عَلٰی اَزْوَاجِہِمَا وَعَلٰی اَیْتَامٍ فِیْ حُجُوْرِہِمَا وَلَا تُخْبِرْہُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَہٗ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ ہُمَا قَالَ امْرَاَۃٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَزَیْنَبُ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الزَّیَانِبِ قَالَ امْرَاَۃُ عَبْدِ اللّٰہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَہُمَا اَجْرَانِ اَجْرُ الْقَرَابَۃِ وَاَجْرُ الصَّدَقَۃِ.

صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین والزوج والاولاد، ح ۱۶۶۷

''اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ذکر و نصیحت میں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے عورتوں کی جماعت! صدقہ و خیرات کرو اگرچہ وہ تمہارے زیورات ہی میں سے کیوں نہ ہو! حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے کہنے لگی کہ آپ خالی ہاتھ مرد ہیں اور چونکہ رسول کریم ﷺ نے

ہمیں صدقہ و خیرات کرنے کا حکم فرمایا ہے اس لئے آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر یہ معلوم کریں کہ اگر میں آپ پر اور آپ کی اولاد بطور صدقہ خرچ کروں تو آیا یہ صدقہ میرے لئے کافی ہوگا یا نہیں؟ اگر آپ کی اولاد کو میرا صدقہ دینا میرے لئے کافی ہو جائے تو پھر آپ ہی کو صدقہ دے دوں اور اگر میرے لئے کافی نہ ہو تو پھر آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بطور صدقہ خرچ کروں! حضرت زینب رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ تم ہی جاؤ چنانچہ میں خود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی میں وہاں کیا دیکھتی ہوں کہ رسول کریم ﷺ کے دروازے پر انصار میں کی ایک عورت کھڑی ہے اور ہماری دونوں کی حاجت یکساں تھی یعنی وہ بھی معلوم کرنے آئی تھی کہ آیا میں اپنے صدقہ کا مال اپنے خاوند اور اس کے متعلقین کو دے سکتی ہوں یا نہیں؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس ہیبت و عظمت کا پیکر تھی اس لئے ہم وہاں سے نکل کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ آپ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں جا کر کہئے کہ دروازے پر کھڑی ہوئی دو عورتیں آپ ﷺ سے پوچھتی ہیں کہ کیا اپنے شوہروں اور ان یتیموں کی جو ان کی پرورش میں ہیں ان کا صدقہ دینا ان کے لئے کافی ہو جائے گا، مگر دیکھئے نبی کریم ﷺ کو یہ نہ بتایئے کہ ہم کون ہیں؟ یعنی انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر کے ریا سے بچنے میں مبالغہ کیا کہ اس بارے میں ریا کا کیا کام؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ سے وہ مسئلہ دریافت کیا نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دو عورتیں کون ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

ایک تو انصار میں کی کوئی عورت ہے' اور دوسری زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کون سی زینب؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے لئے دوہرا ثواب ہے' ایک تو حق قرابت کا اور دوسرا صدقہ دینے کا۔'' (بخاری و مسلم الفاظ مسلمؒ کے ہیں)

شوہر کو صدقہ؟

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس کو ہیبت و عظمت کا ایسا پیکر بنایا تھا کہ لوگ آپ ﷺ سے مرعوب ہوتے' ڈرتے اور آپ ﷺ کی بے انتہا تعظیم کرتے تھے' اسی وجہ سے کسی کو بھی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اچانک آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ جائے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی یہ عظمت ہیبت آپ ﷺ کی کسی بدخلقی اور خشونت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ یہ تو خداداد تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس عظمت و ہیبت کو آپ ﷺ کی عزت و تعظیم کا سبب بنایا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا تھا کہ وہ ان کے نام نبی کریم ﷺ کو نہ بتائیں تو انہیں ان کی اس خواہش کا احترام کرنا چاہئے تھا مگر نبی کریم ﷺ نے چونکہ ان سے ان عورتوں کا نام پوچھا اس لئے نبی کریم ﷺ کے حکم کی بناء پر ان کے لئے یہ ہی ضروری ہو گیا تھا کہ وہ ان کا نام بتا دیں چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔

مسئلہ یہ ہے کہ آیا کوئی عورت اپنے خاوند یا کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال دے سکتا ہے یا نہیں لہٰذا اس بارے میں تو بالاتفاق تمام علماء کا یہ مسلک ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے' مگر اس کے برعکس صورت میں امام ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ کوئی عورت اپنے خاوند کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے کیونکہ منافع اور مال میں عادۃً دونوں ہی شریک ہوتے ہیں (اس طرح کوئی عورت اپنے خاوند کو اپنی زکوٰۃ

کا مال دے گی تو اس مال سے خود بھی فائدہ حاصل کرے گی جو جائز نہیں ہوگا) صاحبین یعنی حضرت امام یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح مرد کو اپنی بیوی کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اسی طرح بیوی بھی اپنی زکوٰۃ کا مال اپنے خاوند کو دے سکتی ہے ائمہؒ کے اس اختلاف کی بنا پر کہا جائے گا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مذکور ''صدقہ'' سے صدقہ نفل مراد ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس سے صدقہ نفل بھی مراد ہو سکتا ہے اور صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّهَا اَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ اَعْطَيْتِهَا اَخْوَالَكِ كَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِكِ. (متفق عليه)

صحيح مسلم' كتاب الزكاة' باب فضل النفقة والصدقة على الاقربين والزوج والاولاد' ح ١٦٦٦

''اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک لونڈی آزاد کی اور سرکار دو عالم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم وہ لونڈی اپنے ماموں کو دے دیتیں تو تمہیں بہت زیادہ ثواب ملتا۔'' (بخاری و مسلم)

اپنے عزیزوں کو صدقہ دینے دوسری جگہوں پر دینے سے بہتر ہے:

مطلب یہ ہے کہ تمہارے ماموں کو چونکہ ایک خدمت گار کی ضرورت تھی اس لئے اگر تم وہ لونڈی انہیں دے دیتیں تو تمہیں صدقہ کا ثواب تو ملتا ہی اس کے ساتھ ہی صلہ رحمی کا ثواب بھی ملتا۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیْ جَارَيْنِ فَاِلٰی اَيِّهِمَا اُهْدِیْ قَالَ اَقْرَبِهِمَا مِنْكَ بَابًا (رواه البخاری)

صحیح البخاری، کتاب الادب، باب حق الجوار فی قرب الابواب، ح ٥٥٦١

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے دو پڑوسی ہیں میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس پڑوسی کو جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔'' (بخاری)

قریب ترین ہمسایہ کا حق زیادہ ہے:

اگر کسی کے دو پڑوسی ہوں اس طرح کہ ان میں ایک پڑوسی کی دیوار اپنے سے زیادہ قریب ہو اور دوسرے پڑوسی کا دروازہ زیادہ قریب ہو تو قریبی دروازہ والے ہی کو مقدم رکھا جائے۔

لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہاں حدیث میں ''حصر'' مراد نہیں ہے، یعنی آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف اسی کو دیا جائے دوسرے کو نہ دیا جائے، بلکہ مراد یہ ہے کہ پہلے یا زیادہ اس پڑوسی کو بھیجا جائے جس کا دروازہ قریب ہو اور اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس پڑوسی کا دروازہ زیادہ قریب ہوتا ہے اور اس سے ملنا جلنا اور اس کے یہاں آنا جانا زیادہ رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کے حالات کا بھی زیادہ علم رہتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ محبت وسلوک کا معاملہ کرنا اولیٰ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَآءَ هَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ (رواه مسلم)

صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب الوصية بالجار

والاحسان الیه، ح ٤٧٥٨

''اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو اور اپنے ہمسایہ کا خیال رکھو۔'' (مسلم)

اس ارشاد گرامی کا منشاء یہ ہے کہ جب سالن پکاؤ تو اپنی لذت وخواہش ہی کو مقدم نہ رکھو بلکہ ہمسایہ اور پڑوسی کی ضرورت کا بھی خیال رکھو اور اس کی شکل یہ ہے کہ سالن میں پانی زیادہ ڈالو تا کہ شوربا زیادہ ہو اور تم اپنے ہمسایہ میں ضرورت مند لوگوں کو بانٹ سکو۔

بیوی اپنے شوہر کے مال میں سے جو چیز خرچ کر سکتی ہے اسکا بیان:

عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا اَجْرُهَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا اَجْرُهٗ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا.

(متفق علیه) صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب من امر خادمه بالصدقة ولم يناول بنفسه، ح ١٣٣٦

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی عورت اپنے گھر کھانے میں سے صدقہ دیتی ہے بشرطیکہ وہ اسراف نہیں کرتی تو اسے اس کے خرچ کرنے سے ثواب ملتا ہے اور اس کے شوہر کو مال کمانے کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اور داروغہ کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے اور ان میں سے کسی کے ثواب میں دوسرے کے ثواب کی وجہ سے کمی نہیں ہوتی۔''

صدقات کے مسائل:

اس حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ شوہر نے بیوی کو اپنے مال سے صدقہ وخیرات کرنے کی اجازت دے رکھی ہو خواہ اس نے صراحۃً اجازت دی یا دلالۃً۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اہل حجاز کا یہ معمول تھا کہ انہوں نے اپنی مہمان نوازی اور سخاوت کے پیش نظر اپنی بیویوں اور اپنے خدمت گاروں (مثلاً داروغہ مطبخ وغیرہ) کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ مہمانوں کی بھرپور ضیافت کریں اور فقراء و مساکین نیز پڑوس کے لوگوں کو کھانا وغیرہ کھلا دیا کریں، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعے اپنی امت کو ترغیب دلائی کہ یہ نیک اور اچھی عادت اختیار کریں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ کَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَیْرِ اَمْرِهٖ فَلَهَا نِصْفُ اَجْرِهٖ. (متفق علیه)

صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب نفقة المراة اذا غاب عنها زوجها ونفقة الولد، ح ۴۹۴۱

"اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی میں سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ وخیرات دیتی ہے تو اسے آدھا ثواب ملتا ہے۔" (بخاری ومسلم)

شوہر کی کمائی سے صدقہ کرنے کا ثواب

"اس کی اجازت کے بغیر" مطلب یہ ہے کہ جو چیز وہ صدقہ میں دے رہی ہے

خاص طور پر اس کی اجازت شوہر نے نہیں دی ہوئی ہے لیکن وہ شوہر کی صراحۃً یا دلالۃً اجمالی رضا جانتی ہو اور وہ چیز تھوڑی اور کمتر ہو کہ اس کے دینے کو کوئی منع نہیں کرتا ہے۔ جیسے ہمارے یہاں عام طور پر عورتیں دروازوں پر مانگنے والوں کو آٹے کی چٹکی روٹی کا ٹکڑا یا ایک آدھ پیسہ دے دیتی ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّیَ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَظُنُّهَا لَوْ تَکَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ. (متفق علیه)

صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب موت الفجأة البغتة، ح ۱۲۹۹

"اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا اور میرا خیال ہے کہ اگر کچھ کہنے پاتیں تو صدقہ دینے کی وصیت کرتیں لہٰذا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو انہیں اس صدقہ کا ثواب مل جائے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہاں"۔ (بخاری ومسلم)

میت کو مالی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی مرحوم عزیز کی طرف سے بطور صدقہ کچھ مال وغیرہ دے تو اس میت کو ثواب ملتا ہے، اسی طرح میت کے لئے دعاء استغفار وغیرہ بھی کارآمد ہے چنانچہ اہلسنت والجماعت کے متفقہ طور پر یہی مسلک ہے، ہاں بدنی عبادت نماز، روزہ اور تلاوت قرآنی وغیرہ کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں لیکن اس بارے میں بھی قابل اعتماد زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ میت کو عبادت بدنی کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔

چنانچہ امام عبداللہ نے لکھا ہے کہ ایک عالی بزرگ شیخ عبدالسلام کو ان کے انتقال

کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو شیخ مرحوم نے فرمایا کہ ہم تو دنیا میں کہا کرتے تھے کہ تلاوت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا مگر اس عالم میں آ کر ہم نے معاملہ برعکس دیکھا ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ لَا تُنْفِقُ امْرَاَةٌ شَیْئًا مِنْ بَیْتِ زَوْجِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذٰلِكَ اَفْضَلُ اَمْوَالِنَا (رواه الترمذی)

سنن الترمذی' کتاب الزکاۃ عن رسول الله' باب فی نفقة المرأۃ من بیت زوجها' ح ۶۰۶

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں سے کچھ خرچ نہ کرے۔ (خواہ صراحتاً اجازت ہو یا دلالۃً) عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا کھانے میں سے بھی خرچ نہ کرے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کھانا ہمارے اموال میں نفیس ترین چیز ہے۔''

بیوی کے لئے شوہر کی اجازت لازمی ہے:

آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جب شوہر کی اجازت کے بغیر ان چیزوں کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے جو کھانے سے کم تر درجہ کی ہیں تو کھانا خرچ کرنا کیسے درست ہوگا' جب کہ یہ افضل ترین چیز ہے۔

بظاہر اس حدیث میں اور اس بارے میں ذکر کی گئی گزشتہ احادیث میں تعارض نظر آتا ہے لیکن ان احادیث کی تشریحات اگر سامنے ہوں تو پھر کوئی تعارض نظر نہیں آئے گا کیونکہ ان تشریحات کے ذریعے احادیث میں تطبیق بیان کر دی گئی ہے۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ لَمَّا بَایَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ قَامَتِ امْرَاَةٌ جَلِیْلَةٌ كَاَنَّهَا مِنْ نِسَاءِ مُضَرَ فَقَالَتْ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اِنَّا كَلٌّ عَلٰی اٰبَائِنَا وَاَبْنَائِنَا وَاَزْوَاجِنَا فَمَا یَحِلُّ لَنَا مِنْ اَمْوَالِهِمْ قَالَ الرَّطْبُ تَاْكُلْنَهٗ وَتُهْدِیْنَهٗ۔

سنن ابی داؤد' کتاب الزکاۃ' باب المرأۃ تتصدق من بیت زوجها' ح ۱۴۳۶

''اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک بڑے قد کی یا بڑے مرتبہ کی عورت کھڑی ہوئی جو غالباً قبیلہ مضر سے معلوم ہوتی تھی اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا بار اپنے والدین' اپنی اولاد اور اپنے شوہروں پر ہے' کیا ان کا مال ہمارے لئے حلال ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو تازہ مال ہو اسے کھاؤ اور بطور تحفہ کے بھیجو۔'' (ابوداؤد)

جلد خراب ہونے والی چیزوں کا صدقہ کرنا:

''تازہ مال'' سے وہ چیزیں مراد ہیں جو دیرپا نہ ہوں بلکہ جلدی خراب ہو جاتی ہوں جیسے سالن ترکاری اور دودھ وغیرہ لہٰذا ان چیزوں کے استعمال میں اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ عام طور سے لوگ ان کو خرچ کرنے سے منع نہیں کرتے گویا اس طرح ان چیزوں کے خرچ کرنے کے لئے دلالۃً اجازت حاصل ہوتی ہے بخلاف ان چیزوں کے جو خشک اور خراب نہ ہونے والی ہوں کہ ان کے خرچ کرنے کے لئے اجازت و رضاء کا حاصل ہونا ضروری ہے۔

ایک سوال

میں نے اس کتاب کی تیاری میں ایک انگریزی کتاب کا مطالعہ کیا' جس میں گھریلو زندگی کو مسرت بخش بنانے کے اصول کے تحت سب سے پہلا اصول یہ لکھا تھا کہ مرد' عورت کی زندگی میں روک ٹوک نہ کرے اور عورت مرد پہ نگاہ نہ رکھے' معاشرہ ان کی اصلاح خود ہی کر دے گا' سبحان اللہ!

یاد رکھئے!

یہ کسی عیاش ذہن و عیاش معاشرے کی سوچ ہے' جبکہ اقبالؔ ان کو اتنے عرصہ قبل ہی یہ بتا دیا تھا کہ

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش!

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بیکار و زن تہی آغوش!

یاددہانی

گھریلو زندگی کو مسرت بخش بنانے کے

سات اصول

پہلا اصول: ہرگز ہرگز بے وجہ ولغو عیب جوئی نہ کیجیے۔
دوسرا اصول: اپنے ساتھی کو نیچا دکھانے کی کوشش مت کیجیے۔
تیسرا اصول: نکتہ چینی نہ کیجیے۔
چوتھا اصول: خلوص دل سے شوہر اور دیگر اہل خانہ کو اچھے کام پہ داد دیجئے۔
پانچواں اصول: ہر موقع پر آپ اپنے شوہر پر توجہ دینے کی ہر ممکن سعی کیجئے۔
چھٹا اصول: شوہر اور سسرالی رشتوں داروں سے اخلاق سے پیش آئیے۔
ساتواں اصول: شادی سے قبل یا بعد میں اس موضوع پر کسی مستند کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

صبح وشام پڑھنے کی دعائیں

''قابل احترام! فرمانبردار بچیو! میں نے کتاب کے اختتام سے قبل مناسب جانا کہ آپ کو چند دعاؤں کی بابت کچھ مواد مہیا کردوں۔ اُمید ہے کہ جب آپ کتاب کے پہلے حصوں پر حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش کریں گی اور اس کے بعد ان دعاؤں کو یاد کرنے کی کوشش کیجئے۔ مجھے امید ہے (اور میں نے بار ہا خاندانوں کو ان دعاؤں پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے اور عملی اقدام اٹھانے سے) کافی بگڑی ہوئی حالت سے اللہ کے فضل وکرم سے سنبھلتے دیکھا ہے۔ اللہ آپ کو بھی ان پر عمل پیرا ہونے کی سعی عطا فرمائے اور مجھے بھی''۔

صبح، شام اور سوتے وقت پڑھی جانے والی دعاؤں کا بیان:

''صبح'' سے مراد ہے آفتاب طلوع ہونے تک دن کا بالکل ابتدائی حصہ۔

''شام'' سے مراد ہے آفتاب کے غروب ہونے کے وقت سے شفق غروب ہونے کے وقت تک دن کا بالکل آخری حصہ لہٰذا جو دعائیں صبح کے وقت پڑھنے کے لئے منقول ہیں ان کو چاہے نماز فجر سے پہلے پڑھا جائے نماز فجر کے بعد دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح شام کے وقت جن دعاؤں کا پڑھنا منقول ہے ان کو بھی چاہے تو مغرب کی نماز سے پہلے پڑھا جائے چاہے مغرب کی نماز کے بعد۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمْسٰى قَالَ أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ

وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ أَيْضًا أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ رَبِّ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعا' ح ۲۷۲۳۔

''اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی لسان مقدس پر یہ الفاظ جاری ہوتے أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ اور جب صبح ہوتی تو آپ ﷺ اسی طرح پڑھتے لیکن شروع میں أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ کی بجائے أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ یعنی ہم نے صبح کی اور ہر چیز نے صبح کی جو اللہ کی ملک میں ہے) پڑھتے۔ ایک دوسری روایت میں وَسُوْءِ الْكِبَرِ کے بعد یہ الفاظ ہیں رَبِّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ (یعنی اے میرے رب! میں اس عذاب سے جو دوزخ میں ہے اور اس عذاب سے جو قبر میں ہے تیری پناہ چاہتا ہوں''۔

صبح وشام کے وقت آپ ﷺ کی دعا:

جب یہ دعا صبح کے وقت پڑھی جائے گی تو اس میں اللیلۃ کی بجائے الیوم پڑھا جائے گا یعنی یوں پڑھیں گے اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذَا الْيَوْمِ نیز جہاں

رات کی رعایت سے مؤنث کی ضمیریں استعمال ہوتی ہیں وہاں دن کی رعایت سے مذکر ضمیریں استعمال ہوں گی یعنی ھا کی جگہ ہ پڑھا جائے گا بقیہ عبارت جوں کی توں رہے گی۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰ وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ.

(رواہ البخاری ومسلم عن البراء)

صحیح بخاری' کتاب الدعوات' باب وضع الید تحت الخد' ح ٦٣١٤۔

''اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات میں اپنے بستر پر تشریف لاتے اور سونے کے لئے لیٹتے تو اپنا ہاتھ (یعنی اپنی داہنی ہتھیلی) اپنی (دائیں) گال کے نیچے رکھتے اور یہ فرماتے اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰ اے اللہ! تیرے ہی نام پر مرتا (یعنی سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام پر زندہ ہوتا یعنی جاگتا ہوں اور جب آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو یہ فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے لیکن مسلم نے (حضرت حذیفہ ؓ) کی بجائے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے''۔

سونے اور جاگنے کے وقت کی دعا:

''اسی کی طرف رجوع ہے'' کا مطلب بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ ''آخر کار موت کے بعد حساب اور جزا و سزا کے لئے اسی ذات باری تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے' لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے گا کہ یہاں نشور (رجوع) سے مراد ہے۔ ''سونے

کے بعد اٹھ کر طلب معاش اور اپنے کام کاج میں مصروف ہونے کے لئے زندگی کی ہماہمی میں شریک ہو جانا۔ رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر سونے سے چونکہ غفلت بہت زیادہ طاری نہیں ہوتی اس لئے آپ ﷺ اپنے دائیں رخسار مبارک کے نیچے اپنی دائیں ہتھیلی رکھ کر سوتے تھے۔ اسی طرح سوتے وقت اور جاگنے کے بعد ذکر و دعا کرنے کی حکمت و وجہ یہ ہے کہ اعمال کا خاتمہ بھی عبادت و طاعت پر ہو' افعال کی ابتداء بھی عبادت ہی سے ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ فَاطِمَةَ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْكُوْا اِلَيْهِ مَا تَلْقٰى فِيْ يَدِهَا مِنَ الرَّحٰى وَبَلَغَهَا اَنَّهُ جَاءَهُ دَقِيْقٌ فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ فَلَمَّا جَاءَ اَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ قَالَ فَجَاءَنَا وَقَدْ اَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْنَا نَقُوْمُ فَقَالَ عَلٰى مَكَانِكُمَا فَجَاءَ فَقَعَدَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهَا حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمِهِ عَلٰى بَطْنِيْ فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكُمَا عَلٰى خَيْرٍ مِمَّا سَاَلْتُمَا اِذَا اَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا فَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَكَبِّرَا اَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمَا مِنْ خَادِمٍ (متفق علیہ)

صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعا' ح ٢٧٢٦۔

''اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ (میری زوجہ محترمہ اور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے ہاں اس غرض سے حاضر ہوئیں کہ چکی پیسنے کی وجہ سے ان کے ہاتھ جس زحمت و مشقت میں مبتلا تھے اس کی شکایت آنحضرت ﷺ سے کریں (اور

کوئی خدمتگار مانگیں) کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ غلام آئے ہیں مگر (اس وقت) آپ ﷺ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی' چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس کا تذکرہ کیا (یعنی ان سے کہا کہ جب آنحضرت ﷺ تشریف لائیں تو کہہ دیجئے گا کہ فاطمہ اپنی مشقت وتکلیف کے پیش نظر ایک غلام مانگنے حاضر ہوئی تھیں) پھر جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پیغام آپ ﷺ تک پہنچا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ ہمارے ہاں اس وقت تشریف لائے جب کہ ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے (آپ ﷺ کو دیکھ کر ہم نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنی جگہ پر لیٹے رہو'' پھر آپ ﷺ ہمارے نزدیک) تشریف لائے اور میرے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے اپنے پیٹ پر آپ ﷺ کے مبارک قدموں کی ٹھنڈک محسوس کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا (مجھے فاطمہ کا پیغام مل گیا ہے) کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلا دوں جو اس چیز (یعنی غلام) سے بہتر ہے جو تم نے مانگی تھی اور وہ یہ کہ جب تم اپنے بستر پر آ ؤ تو تینتیس بار سبحان اللہ تینتیس بار الحمدللہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہو تمہارے لئے خادم سے یہ چیز بہتر ہے''۔ (بخاری ومسلم)

نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا سے مروی دعا:

وَعَنْ بَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَا نَ يُعَلِّمُهَا فَيَقُوْلُ قُوْلِى حِيْنَ

تُصْبِحِيْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِا للّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَا نَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا فَاِنَّهٗ مَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ حَتّٰى يُمْسِىَ وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِىْ حُفِظَ حَتّٰى يُصْبِحَ (رواہ ابوداود)

ابوداود' کتاب الادب' ح ۵۰۷۵۔

''اور نبی کریم ﷺ کی کسی صاحبزادی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں تعلیم دی کہ جب صبح ہو تو یہ دعا پڑھو سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِا للّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَا نَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا لہٰذا جس شخص نے صبح کے وقت یہ کلمات کہے (یعنی صبح کے وقت یہ دعا پڑھی) وہ شام تک بلاؤں (اور خطاؤں سے) محفوظ رہتا ہے اور جس شخص نے شام کے وقت یہ کلمات کہے وہ صبح تک محفوظ رہتا ہے''۔ (ابوداود)

زندہ کرتا ہے (یعنی زمین کو خشک ہو جانے کے بعد سرسبز کرتا ہے) اور اسی طرح تم بھی (قبر سے) نکالے جاؤ گے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِيْنَ يُمْسِى وَحِيْنَ يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ اِنِّى اَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِىْ دِيْنِى وَدُنْيَاىَ وَاَهْلِىْ وَمَالِىْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِىْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِىْ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِىْ مِنْ بَيْنِ يَدَىَّ وَمِنْ خَلْفِىْ وَعَنْ يَمِيْنِىْ وَعَنْ شِمَا

لِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظْمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ یَعْنِی الْخَسْفِ

ابوداود' کتاب الادب' باب۔

''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح اور شام کے وقت یہ دعا پڑھنا نہ چھوڑتے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظْمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ اے اللہ میں تجھ سے دنیا وآخرت کی عافیت مانگتا ہوں یا الٰہی میں تجھ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور اپنے دین و اپنی دنیا کے امور میں (عیوب اور برائیوں سے) اور اپنے اہل وعیال اور اپنے مال میں سلامتی مانگتا ہوں اے پروردگار میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور مجھے خوف کی چیزوں سے امن میں رکھ (یعنی میری مصیبت اور بلائیں دور فرما) اور اے اللہ! تو مجھے آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اوپر سے محفوظ رکھ اور اے اللہ تیری عظمت وکبریائی کے ذریعہ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ ہلاک کیا جاؤں اچانک نیچے کی جانب سے یعنی زمین میں دھنس جانے سے''۔ (ابوداؤد)

بعض روایتوں میں لفظ نبیا ہے اور بعض میں رسولاً لہٰذا مستحب یہ ہے کہ دونوں ہی لفظ پڑھے جائیں یعنی یوں کہا جائے وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَّ رَسُوْلًا

وَعَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّنَامَ وَضَعَ یَدَهٗ تَحْتَ رَاْسِهٖ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ اَوْ تَبْعَثُ عِبَادَكَ رواه الترمذی

واحمد عن البراء۔

جامع الترمذی' کتاب الدعوات' ح ۳۳۹۸۔

''اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے (یعنی سونے کے لئے لیٹتے تو) اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ اَوْ تَبْعَثُ عِبَادَكَ (ترجمہ) اے اللہ مجھے اس دن کے عذاب سے بچایئے جب تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا یا جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن) یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے تَجْمَعُ عبادك کہا یا اس کی بجائے تبعث عبادك کہا (ترمذی) امام احمد نے اس روایت کو براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے''۔

اس روایت میں تو یہ ہے کہ ''آپ ﷺ دست مبارک سر کے نیچے رکھتے تھے'' جب کہ ایک اور روایت میں منقول ہے کہ رخسارۂ مبارک کے نیچے رکھتے تھے لہٰذا ان دونوں روایتوں میں یوں مطابقت پیدا کی جائے کہ آپ ﷺ اپنا ہاتھ کبھی تو سر کے نیچے رکھتے ہوں گے اور کبھی رخسارہ مبارک کے نیچے جس راوی نے جو دیکھا اس کو روایت کر دیا یا یہ کہ ہاتھ کا کچھ حصہ تو سر کے نیچے ہوتا ہوگا اور کچھ حصہ رخسارہ کے نیچے۔ لہٰذا جس راوی نے ہاتھ کا کچھ حصہ سر کے نیچے دیکھا اس نے یہ بیان کیا کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سر کے نیچے رکھتے تھے اور جس راوی نے ہاتھ کا کچھ حصہ رخسارہ کے نیچے اس نے رخسارہ کے نیچے رکھنے کو ذکر کیا۔

وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَاْخُذُ مَضْجَعَهٗ بِقِرَاءَةِ سُوْرَةٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا وَکَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَکًا فَلَا یَقْرَبُهٗ شَیْءٌ یُؤْذِیْهِ

حَتّٰی یَهُبَّ مَتٰی هَبَّ (رواہ الترمذی)

جامع الترمذی، کتاب الدعوات، ح ۳۴۰۷۔

''اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو بھی مسلمان اپنی خوابگاہ میں آ کر (یعنی سوتے وقت) قرآن کریم کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ متعین کر دیتا ہے اور اس فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ ضرر پہنچانے والی چیزوں سے اس بندہ کی حفاظت کی جائے) چنانچہ جب تک کہ وہ جاگ نہیں جاتا ضرر ونقصان پہنچانے والی کوئی بھی چیز اس کے پاس بھٹکتی بھی نہیں چاہے وہ جب بھی (یعنی دیر سے یا جلدی) جاگے''۔ (ترمذی)

سوتے وقت قرآن کی کوئی سورۃ پڑھنے کی برکت:

حضرت انسؓ سے بطریق مرفوع روایت ہے کہ (آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا) جب تم اپنے بستر پر اپنا پہلو رکھو یعنی سونے لگو اور اس وقت سورۃ فاتحہ اور سورۃ قل ھو اللہ پڑھ لو تو (جب تک سوتے رہو گے، موت کے علاوہ ہر چیز سے حفاظت میں رہو گے)۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَّتَانِ لَا يُحْصِيْهِمَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ اِلَّا وَهُمَا يَسِيْرٌ وَمَنْ يَعْمَلُ بِهِمَا قَلِيْلٌ يُسَبِّحُ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَيَحْمَدُهُ عَشْرًا وَيُكَبِّرُهُ عَشْرًا قَالَ فَاَنَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُهَا بِيَدِهِ قَالَ فَتِلْكَ خَمْسُوْنَ وَمِائَةٌ بِاللِّسَانِ

وَاَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ فِي الْمِيْزَانِ وَاِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهُ يُسَبِّحُهُ وَيُكَبِّرُهُ وَيَحْمَدُهُ مِائَةً فَتِلْكَ مِائَةٌ بِاللِّسَانِ وَاَلْفٌ فِي الْمِيْزَانِ فَاَيُّكُمْ يَعْمَلُ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ اَلْفَيْنِ وَخَمْسَ مِائَةِ سَيِّئَةٍ قَالُوْا وَكَيْفَ لَا نُحْصِيْهِمَا قَالَ يَاْتِيْ اَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ وَهُوَ فِيْ صَلَاتِهِ فَيَقُوْلُ اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا حَتّٰى يَنْفَتِلَ فَلَعَلَّهُ اَنْ لَا يَفْعَلَ وَيَاْتِيْهِ فِيْ مَضْجَعِهِ فَلَا يَزَالُ يُنَوِّمُهُ حَتّٰى يَنَامَ رواه الترمذي وابوداود والنسائي وفي رواية ابي داود قَالَ خَصْلَتَانِ اَوْ خَلَّتَانِ لَا يُحَافِظُ عَلَيْهِمَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَكَذَا فِيْ رِوَايَتِهِ بَعْدَ قَوْلِهِ وَاَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ فِي الْمِيْزَانِ قَالَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَثَلَاثِيْنَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهُ وَيَحْمَدُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَيُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَفِيْ اَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ)

ابوداود، کتاب الادب، ح ۵۰۶۵۔

''اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں جو بھی مرد مسلمان مداومت کے ساتھ اختیار کرتا ہے وہ جنت میں داخل ہوتا ہے (یعنی وہ شخص جنت میں نجات پانے والوں کے ساتھ ہوگا) اور جان لو وہ دونوں چیزیں آسان تو بہت ہیں (بایں طور کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر عمل کرنا جن لوگوں کے لئے آسان کر دے ان کے لئے وہ کوئی مشکل نہیں ہیں) مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق نہ ہونے کے سبب ان پر

مداومت کے ساتھ عمل کرنے میں شاذونادر ہی ہیں) ان میں سے ایک چیز تو یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ کو پاکی کے ساتھ یاد کیا جائے یعنی سبحان اللہ پڑھا جائے دس مرتبہ خدا کی حمد کی جائے یعنی الحمد للہ کہا جائے اور دس مرتبہ اللہ اکبر کہا جائے۔ ابن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیا اور فرمایا پس (پانچوں نمازوں کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے) یہ زبان سے کہنے میں تو ڈیڑھ سو ہیں لیکن (اعمال) کے ترازو میں ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار ہوگی (بایں طور کہ ہر نیکی پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ اپنے بستر پر آکر (یعنی سونے کے وقت) سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ سو مرتبہ کہے (یعنی سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار کہا جائے تو ان کی مجموعی تعداد سو ہوتی ہے اور یہ زبان میں کہنے سے تو سو بار ہیں لیکن میزان اعمال میں ایک ہزار ہوں گی۔ پس تم میں سے وہ کون ہے جو دن رات میں ڈھائی ہزار برائیاں کرتا ہوگا؟ صحابہؓ نے عرض کیا (جب یہ بات ہے تو پھر) ہم ان چیزوں کی بھلا کیونکر محافظت نہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہوا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو فلاں بات یاد کرو (یعنی اسے نماز کی حالت میں دنیا کی باتیں یا آخرت کی باتیں ایسی جن کا تعلق نماز سے ہوتا نہیں ہے یاد دلاتا رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ وہ (ان کلمات پر محافظت نہ کرے) اور اسی طرح شیطان اس کی خواب گاہ میں آتا ہے اس کو سلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سو جاتا ہے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور ابوداؤد کی روایت میں بعض الفاظ میں اختلاف ہے چنانچہ ان کی روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''دو خصلتیں ایسی ہیں یا دو (چیزیں ایسی ہیں) راوی کو شک ہوا کہ آپ ﷺ نے لفظ خصلتین فرمایا تھا یا خلتین ویسے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ جنہیں جو بھی بندہ مسلمان اختیار کرتا ہے (یعنی اس روایت میں لا یحصیهما رجل مسلم کے بجائے لا یحافظ علیهما عبد مسلم ہے) اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں والف خمسمائة في الميزان کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ تکبیر کہے چونتیس بار جب کہ اپنے بستر پر آئے اور حمد کرے تینتیس بار اور تسبیح کرے تینتیس بار۔ نیز مصابیح کے اکثر نسخوں میں یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے یعنی مؤلف مشکوۃ نے تو اس روایت کو عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جب کہ مصابیح کے اکثر نسخوں میں اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں)۔

دن اور رات میں حاصل ہونے والی نعمتوں کے شکر کی ادائیگی:

منقول ہے کہ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ ''پروردگارا تیری بہت زیادہ نعمتیں مجھے حاصل ہیں میں ان کا شکر کس طرح ادا کروں! پروردگار نے فرمایا: اگر تم نے یہ جانا کہ تمہیں نعمتیں جو حاصل ہیں وہ سب میری ہی طرف سے ہیں تو سمجھ لو کہ تم نے ان کا شکر ادا کیا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ كُلِّ شَیْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِیْ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ

الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنِّی الدَّيْنَ وَاَغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ۔

(رواہ ابوداود والترمذی وابن ماجۃ ورواہ مسلم مع اختلاف یسیر)

ابوداود' کتاب الادب' ح ۵۰۵۱۔

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ كُلِّ شَیْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِیْ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنِّی الدَّيْنَ وَاَغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ (حصن حصین میں ہے کہ یہ دعا سوتے وقت لیٹ کر پڑھی جائے) ابوداود' ترمذی' ابن ماجہ) امام مسلم نے اس روایت کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے''۔

بے خوابی دُور کرنے کی دعا:

حصن حصین میں ہے کہ اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں اور ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے لیکن ان روایتوں میں لفظ جَمِيْعًا کی بجائے اَجْمَعِيْنَ ہے اور لفظ يَبْغِیْ کی بجائے يَطْغٰى اور اسی طرح وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ سے آخر تک کے الفاظ ان کی روایت میں نہیں ہے بلکہ عزجارك کے بعد وتبارك اسمك ہے اور اسی جملہ پر روایت ختم ہوگئی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْكِبْرِيَاءُ وَالْعَظْمَةُ لِلّٰهِ وَالْخَلْقُ وَالْاَمْرُ وَاللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَمَا سَكَنَ فِيْهِمَا لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلَاحًا وَاَوْسَطَهٗ نَجَاحًا وَاٰخِرَهٗ فَلَاحًا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ذَكَرَهُ النَّوَوِیُّ فِیْ كِتَابِ الْاَذْكَارِ بِرِوَايَةِ ابْنِ السُّنِّیْ۔

''اور حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوتی رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے۔ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْكِبْرِيَاءُ وَالْعَظْمَةُ لِلّٰهِ وَالْخَلْقُ وَالْاَمْرُ وَاللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَمَا سَكَنَ فِيْهِمَا لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلَاحًا وَاَوْسَطَهٗ نَجَاحًا وَاٰخِرَهٗ فَلَاحًا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ صبح کی ہیں نے اور صبح کی ملک نے جو خدا کے لئے تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں اور بزرگی ذات وصفات کی خدا ہی کے لئے ہے اور حکم دن اور رات اور چیزیں دن رات میں آرام پاتی ہیں۔ سب خدا ہی کے لئے ہیں اے اللہ اس دن کے ابتدائی حصہ کو نیکی کا بنا یعنی یہ کہ ہم اسے طاعات میں صرف کریں اور اس کا درمیانی حصہ حاجات کے پورا ہونے کا اور اس کے آخری حصہ کو نجات کا سبب بنا اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔ اس حدیث کو نووی نے ابن سنی کی روایت کے ساتھ کتاب الاذکار میں نقل کیا ہے''۔

صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا:

جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے جس دعا کو ارحم الراحمین پر ختم کیا جائے' وہ جلد قبول ہوتی ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس دعا کو انہیں الفاظ پر ختم کیا۔ حاکم نے

مستدرک میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع بیان کیا ہے کہ یا ارحم الراحمین کہنے والوں پر اللہ تعالیٰ فرشتہ متعین فرما دیتا ہے چنانچہ جو شخص اس جملہ کو تین بار کہتا ہے تو وہ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ ارحم الراحمین تیری طرف متوجہ ہے جو مانگنا ہے مانگ لو۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ اَصْبَحْنَا عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ وَکَلِمَۃِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰی دِیْنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی مِلَّۃِ اَبِیْنَا اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (رواہ احمد والدارمی)

"اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت یہ فرماتے: اَصْبَحْنَا عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ وَکَلِمَۃِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰی دِیْنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی مِلَّۃِ اَبِیْنَا اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ صبح کی ہم نے دین اسلام پر اور کلمہ توحید پر کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور اپنے نبی محمد ﷺ کے دین پر اور اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین پر جو باطن سے بیزار ہو کر دین حق کی طرف متوجہ تھے اور ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔"

(احمد، دارمی)

"اپنے نبی محمد ﷺ کے دین پر" ان الفاظ سے ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جس طرح دوسروں کی طرف مبعوث فرمائے گئے اسی طرح آپ ﷺ خود بھی اپنی ذات کی طرف مبعوث تھے یا پھر ان الفاظ کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے اُمت کو سکھانے کے لئے فرمایا کہ دعا میں اس طرح کہا جائے۔

مختلف اوقات کی دعاؤں کا بیان

جو اذکار یعنی دعائیں وغیرہ شارع سے کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت سے متعلق منقول ہیں ان کو اختیار کرنا اور ان اذکار کو ان کے منقول اوقات میں پورا کرنا ہر شخص کے لئے مسنون ہے اگر ان اذکار کو پابندی کے ساتھ اختیار کیا جائے تو کیا ہی کہنے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم سے کم ایک مرتبہ تو ضرور ہی پورا کیا جائے تاکہ آنحضرت ﷺ کی اتباع کی سعادت حاصل ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی یا لونڈی کے پاس صحبت کے لئے آئے تو دعا پڑھے اگر اس وقت (ان دونوں) مرد عورت کے جماع کے نتیجہ میں فرزند دیا جانا مقدر ہوا (یعنی بچہ پیدا ہوا) تو اس (بچہ) کو شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچائے گا اور وہ دعا یہ ہے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ہم مدد چاہتے ہیں اللہ کے نام کے ساتھ! اے اللہ تو ہمیں جو اولاد نصیب کرے اسے شیطان سے اور شیطان کو اس سے دور رکھ"۔

اولاد کو شیطان سے کیسے محفوظ رکھا جا سکتا ہے:

اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ اکثر لوگ یہ دعا پڑھتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کی اولاد شیطان کے تصرف اور اس کے ضرر سے محفوظ نہیں رہتی؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ "شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچائے" سے مراد یہ ہے کہ شیطان انہیں کفر کی کھائیوں میں نہیں پھینک سکتا، لہٰذا اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحبت کے وقت ذکر اللہ کی برکت سے اولاد خاتمہ بخیر کی سعادت ابدی سے نوازی جاتی ہے یا پھر اس کے معنی

یہ ہیں کہ شیطان اس کی اولاد کو آسیب اور صرع (یعنی ہاتھ پاؤں ٹیڑھے) کر دینے یا اسی قسم کی دوسری بلاؤں میں مبتلا کر کے ضرر پہنچانے پر قادر نہیں رہتا۔

حضرت امام جوزیؒ کے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس شخص کی اولاد کے دین و اعتقاد پر اثر انداز نہیں ہوتا اور جس طرح کہ شیطان دوسروں کے صحیح اعتقادات اور دینی رجحانات میں نقصان پہنچاتا ہے ان کی بہ نسبت اس شخص کی اولاد کے حق میں اس کا ضرر و نقصان بے اثر رہتا ہے۔

آپ کے شوہر کا غصہ دُور کرنے کا ایک نسخۂ کیمیا:

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوْسٌ وَاَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ مِنَ الْغَضَبِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَقَالُوْا لِلرَّجُلِ اَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّي لَسْتُ بِمَجْنُوْنٍ (متفق علیه)

صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب من یملك نفسه، ح ۲۶۱۰۔

''اور حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک (دن) ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے ان میں سے ایک آدمی تو دوسرے کو بہت ہی برا بھلا کہہ رہا تھا وہ غصہ میں بھرا ہوا تھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے (اس کی یہ کیفیت دیکھ کر) فرمایا ''کہ میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اس کلمہ کو پڑھے تو اس کا غصہ جاتا رہے جو اس

پر سوار ہے اور وہ کلمہ یہ ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے) صحابہؓ نے جب یہ دیکھا کہ اس شخص نے کلمہ نہیں پڑھا تو اس سے کہا کیا تم سن نہیں رہے ہو۔ آنحضرت ﷺ کیا فرما رہے ہیں؟ اس شخص نے کہا کہ ''میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں''۔ (بخاری)

غصہ فرو کرنے کی ایک بے مثل تدبیر:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غصہ فرو کرنے کا بڑا آسان طریقہ یہ ہے کہ اعوذ باللہ پڑھ لیا جائے اس سے غصہ فرو ہو جائے گا اس حدیث کی بنیاد یہ آیت ہے وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اور اگر تمہیں شیطان بہکا کر اپنے جال میں پھانسے تو اللہ سے پناہ مانگو بلاشبہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

جس شخص کو آنحضرت ﷺ نے یہ کلمہ تعلیم فرمایا وہ علم شریعت کے زیور سے آراستہ نہیں تھا اور دین کی سمجھ سے بالکل کورا تھا۔ چنانچہ اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ کلمہ پڑھنے کے لئے اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دیوانگی میں مبتلا ہو میں دیوانگی میں مبتلا نہیں ہوں اس لئے یہ کلمہ کیوں پڑھوں۔

آنحضرت ﷺ کی اس تعلیم کی طرف اس شخص کی بے اعتنائی کے سلسلہ میں علامہ طیبیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص منافق رہا ہو یا پھر پرلے درجے کا بدخواہ اور گنوار۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَقِيْتُ مِنْ عَقْرَبٍ لَدَغَتْنِيْ الْبَارِحَةَ قَالَ اَمَا لَوْ قُلْتَ حِيْنَ اَمْسَيْتَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ.

صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التعوذ من سوء القضاء، ح ۲۷۰۹۔

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا'' یا رسول اللہ! میں ایک بچھو کی وجہ سے اذیت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ جس نے گزشتہ رات میں مجھے ڈس لیا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' جان لو! اگر تم شام کے وقت یہ کلمات کہہ لیتے تو (بچھو) تمہیں ضرر نہ پہنچاتا اور وہ کلمات یہ ہیں أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ''۔ (مسلم)

رات میں ضرر و نقصان سے بچانے والی دعا:

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص (ان مذکورہ بالا) کلمات کو شام کے وقت تین مرتبہ پڑھ لے تو اسے اس رات میں (کسی بھی زہریلے جانور) کا زہر ضرر نہیں پہنچائے گا۔ نیز ایک روایت میں ان کلمات کو صبح کے وقت بھی پڑھنا منقول ہے یعنی اگر ان کلمات کو صبح کے وقت پڑھا جائے تو اس دن زہریلے جانوروں سے حفاظت رہتی ہے۔

حضرت مفصل بن یسار رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں سے منقول ہے کہ جو شخص ان کلمات کو پڑھتا ہے اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے متعین کئے جاتے ہیں جو اس شخص کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں نیز وہ شخص اگر اسی حالت میں مر جاتا ہے تو شہید مرتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ

الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَمُحِيَ عَنْهُ اَلْفَ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ دَرَجَةٍ وَبَنٰى لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (رواه الترمذي وابن ماجة وقال الترمذي هذا حديث غريب وفي شرح السنة من قال في سوق جامع يباع فيه بدل من دخل السوق)

جامع الترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا دخل السوق، ح ۳۴۲۸۔

''اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص بازار میں پہنچ کر یہ کلمات پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اس سے دس لاکھ برائیاں دور کرتا ہے اس کے لئے دس لاکھ درجے بلند کرتا ہے اور اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے اور وہ کلمات یہ ہیں: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے وہ زندہ ہے اور وہی مارتا ہے وہ (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) زندہ ہے اس کے لئے موت نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ چیز پر قادر ہے) (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ نیز شرح السنۃ میں ومن دخل السوق (جو شخص بازار میں پہنچ کر) کی بجائے یہ ہے من قال فی سوق جامع یباع فیہ (جو بازار میں جہاں خرید و فروخت ہوتی ہو جہاں اکثر چیزیں بکتی ہوں یہ کلمات کہے''۔

بازار میں پڑھنے کی دعا اور اس کی فضیلت:

اتنا زیادہ ثواب ملنے کی وجہ یہ ہے کہ بازار غفلت کی جگہ ہے نیز بازار ایک ایسی جگہ ہے جہاں عام طور پر جھوٹ دغا' مکروفریب اور چالبازیوں کی کثرت ہوتی ہے پھر یہ کہ بازاروں کو شیاطین کی سلطنت کہا جاتا ہے اس لئے اسی جگہ میں اللہ کو یاد کرنے سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔

اور فرمانبردار بیٹیو! آپ کو تو ویسے بھی اشد ضرورت ہے کہ اس دعا کو اچھی طرح یاد کرلیں کیونکہ آپ نے تو فقط دل بہلانے کو ہی اکثر بازار جانا ہوتا ہے اور اس کو آپ ''ونڈو شاپنگ'' کا نام دیتی ہیں۔ سبحان اللہ! یعنی کوئی چیز خریدنی نہیں فقط دیکھنی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْکُفْرِ وَالدَّیْنِ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَعْدِلُ الْکُفْرَ بِالدَّیْنِ قَالَ نَعَمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ قَالَ رَجُلٌ وَیَعْدِلَانِ قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ النسائی)

''اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کلمات فرماتے سنا ہے: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْکُفْرِ وَالدَّیْنِ (یعنی میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کفر اور قرض سے) ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! کیا آپ (ﷺ) نے کفر کو قرض کے برابر کر دیا؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں'' اور ایک روایت میں یہ دعا منقول ہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر سے اور فقر سے۔ (یہ سن کر) ایک شخص نے عرض کیا کہ ''کیا کفر اور فقر دونوں

برابر ہوسکتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں!''۔ (نسائی)

کفر اور قرض سے پناہ مانگنی چاہئے:

''کفر اور قرض'' کو برابر اس لئے فرمایا کہ قرض کی وجہ سے انسان جھوٹ بولتا ہے' مکاری کرتا ہے اور وعدہ کے خلاف کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بدترین خصلتیں کفار اور منافقین ہی میں ہوتی ہیں۔

''کفر'' اور ''فقر'' کو برابر بایں معنی کیا گیا ہے کہ فقر کی وجہ سے انسان بے صبری کرتا ہے' اپنی قسمت کو کوستا ہے' تقدیر کا گلہ کرتا ہے اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکال بیٹھتا ہے جو کفر کا باعث ہوتے ہیں۔

ہر وقت کی مصروفیت سے پناہ مانگنے کی دُعا:

فرمانبردار بیٹیو!

آپ کی زندگی جو کہ ایک انتہائی اچھے اور سلجھے ہوئے طریقے پر گزر رہی تھی' شادی کے فوراً ہی بعد آپ کی زندگی ایک نئی طرح کی مصروفیات میں گھر گئی ہے اور یقین جانئے کہ آگے آگے مصروفیات بڑھتی ہی جائیں گی۔ کچھ تو اللہ کی طرف سے ہی آپ کو سونپ دی جائیں گی اور بے شمار آپ نے خود ہی اپنے آپ پر ڈال دی ہوں گی۔ اس واسطے اس دعا کو تو بالخصوص یاد کیجئے تاکہ اللہ عزوجل آپ کو کچھ وقت فراغت کی بابت بھی مہیا کرے۔ آمین

جو سب کو سنوارتی ہے وہ اپنے آپ کو سنوارنے کا وقت بھی نکال سکے:

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یَزِیْدَ الْخَطْمِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ دُعَائِہٖ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَکَ اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ اَللّٰھُمَّ مَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا

اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ (رواہ الترمذی)

جامع الترمذی، کتاب الدعوات، ح ۳۴۹۱۔

''اور حضرت عبداللہ بن یزید خطمی رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی دعا میں یہ فرمایا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِیْ حُبُّهٗ عِنْدَكَ اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ اَللّٰھُمَّ مَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ اے اللہ! مجھے نصیب کر اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جس کی محبت تیرے نزدیک مجھے نفع دے اے اللہ تو نے مجھے اس چیز میں سے جسے میں پسند کرتا ہوں جو کچھ بھی عطا کیا ہے اس کو میرے لئے اس چیز میں قوت کا سبب بنا جسے تو پسند کرتا ہے۔ (یعنی تو نے مال وزر، عافیت و اطمینان اور دوسری دنیاوی نعمتوں میں سے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے اور ان کو شکر گزاری اور اپنی طاعت کا سبب بنا کہ میں اسے تیری راہ میں اور تیری خوشنودی کے لئے خرچ کروں۔ اے اللہ تو نے مجھے اس چیز میں سے جسے میں پسند کرتا ہوں جو کچھ نہیں دیا ہے اس کو میرے لئے اس میں فراغت کا سبب بنا جسے تو پسند کرتا ہے''۔ (ترمذی)

محبت الٰہی کی طلب کے لئے دعا:

دعا کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ تو نے مجھے مال و زر میں سے جو کچھ نہیں دیا ہے اس کو میرے لئے اپنی عبادت میں مشغولیت کا سبب بنا کہ مجھے قناعت و توکل کی دولت حاصل رہے اور وہ مال و زر جو مجھے حاصل نہیں ہوا ہے اس سے بے پرواہ ہو کر بغیر مانع کے تیری عبادت میں مشغول رہوں اور حاصل دعا کے آخری دونوں جملوں کا یہ ہے کہ اگر تو مجھے دنیا کی نعمتیں عطا کرے تو پھر ان کا شکر ادا کرنے کی توفیق بھی عطا فرما تاکہ میرا شمار شکر کرنے والے اغنیاء کے زمرہ میں ہو اور اگر مجھے وہ نعمتیں حاصل نہ

ہوں تو میرے دل کو فارغ رکھ بایں طور کہ میں ان سے بے پرواہ ہو جاؤں میرا دل ان میں نہ لگا رہے۔ میں پورے اطمینان کے ساتھ تیری عبادت میں مشغول رہوں اور جزع و فزع، شکوہ و شکایت نہ کروں تاکہ میرا شمار صبر کرنے والے فقراء میں ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰى يَدْعُوْ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِاَصْحَابِهٖ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِیْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

جامع الترمذی، کتاب الدعوات، ح ۳۵۰۲۔

''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی مجلس سے اٹھتے ہوں اور ان کلمات کے ذریعے اپنے صحابہؓ کے لئے دعا نہ مانگتے ہوں۔ (کیونکہ مجلس اور دعا میں صحابہ بھی شامل ہوتے تھے یا یہ کہ ان کی تعلیم کے لئے یہ دعا مانگتے تھے:...... اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَیْنَا مُصِیْبَاتِ الدُّنْیَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا

وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّاتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا اے اللہ! تو ہم میں اپنا اتنا خوف پیدا کر دے کہ تو اس کی وجہ سے ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی اس خوف کی وجہ سے ہم گناہوں سے بچیں) اور ہمیں اپنی اتنی اطاعت نصیب کر کہ اس کی وجہ سے ہمیں بہشت کے (عالی درجات) میں پہنچا دے، ہمیں اتنا یقین عطا فرما کہ اس کی وجہ سے تو ہم دنیا پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے، ہمیں ہمارے ساعتوں، ہماری بینائیوں اور ہماری قوتوں سے اس وقت تک بہرہ مند رکھ جب تک کہ تو ہمیں زندہ رکھے اور بہرہ مندی کو ہمارا وارث قرار دے یعنی ہمارے تمام اعضاء وحواس کو آخر تک برقرار وسلامت رکھ ہمارے کینہ و انتقال میں اس شخص کو مبتلا کر جس نے ہم پر ظلم کیا (یعنی ہمیں اتنی طاقت و قوت دے کہ ہم اپنے ظالموں سے بدلہ لے سکیں، یا ہماری طرف سے تو ان سے بدلہ لے) ہمیں فتح عطا فرما اس شخص سے جو ہم سے دشمن رکھے خواہ وہ ہمارا دینی دشمن ہو یا دنیاوی دشمن ہماری مصیبتوں کو ہمارے دین میں موثر نہ کر (یعنی ہمیں ایسی مصیبتوں میں مبتلا نہ کر جو دین کے نقصان کا باعث ہوں) دنیا کو ہمارے لئے فکر کا مرکز اور ہمارے مبلغ علم کو ہمارا مطمع نظر بنا اور ہم پر ان لوگوں کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کریں۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

ایک عمدہ دعا:

''ہمیں اتنا یقین عطا فرما'' کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنی ذات وصفات پر اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وتعلیم پر ہمیں اس درجہ کا یقین واعتماد عطا فرما کہ دنیا کی

سختیاں اور یہاں کے مصائب وآلام ہمارے لئے آسان ہوں۔ مثلاً جس شخص کو یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے ہر جاندار کی ضروریاتِ زندگی پورا کرتا ہے تو اسے ہر گز کوئی فکر نہیں ہوگی اور وہ اس کی ذات پر بھروسہ واعتماد کرے گا اسی طرح جسے اس یقین کی دولت حاصل ہو جائے گی کہ آخرت کی سختیاں اور وہاں کے مصائب زیادہ سخت ہیں۔ دنیا کی سختیاں بالکل ناپائیدار اور ختم ہو جانے والی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو اس کے لئے دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں گی۔

ہم دنیا کی بہت زیادہ فکر وتدبیر میں نہ لگے رہیں۔ بلکہ آخرت کی فکر، دین کے اندیشہ کا زیادہ خیال رکھیں، دنیا کی صرف اتنی ہی فکر اور اپنے معاش کا اتنا ہی خیال رکھیں جو ضروری ہے اور جس کے لئے نہ صرف ہمیں اجازت ہے بلکہ مستحب بھی ہے۔

ایک دعا جس کی وجہ سے شوہر وسسرالی رشتوں میں آپ کی عزت ان شاءاللہ بڑھ جائے گی:

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوٗدَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَّفْسِيْ وَمَالِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ دَاوٗدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ.

(رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن غريب)

جامع الترمذي، كتاب الدعوات، ح ۴۹۰۔

''اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھے اور وہ عمل جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! تو اپنی محبت کو میرے لئے میری جان سے، میرے مال سے، میرے اہل وعیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ عزیز بنا دے۔ راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ جب حضرت داؤد علیہ السلام کی باتیں بیان فرماتے تو فرماتے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے زمانہ کے آدمیوں میں بڑے عابد تھے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے“۔

شکر گزار ہونے کی دُعا:

نصیحت سے مراد بندوں کے حقوق ہیں اور ”وصیت“ سے مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ خدایا! تو نے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا مجھے جو حکم دیا ہے اور اپنے حقوق کی ادائیگی کا جو فریضہ مجھ پر عائد کیا ہے اس پر محافظت کروں یعنی دونوں قسم کے حقوق ادا کرتا ہوں۔

اہل وعیال کو بیماریوں سے دُور رکھنے کی دعا:

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالْعِفَّۃَ وَالْاَمَانَۃَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰی بِالْقَدْرِ۔

”اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا

کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالْعِفَّۃَ وَالْاَمَانَۃَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰی بِالْقَدْرِ یعنی بری بیماریوں سے بدن کی سلامتی وتندرستی یا افعال و احوال واعمال کی درستی واصلاح اور حرام سے اجتناب اور امانت (یعنی لوگوں کے اموال میں یا شریعت کے تمام حقوق میں خیانت نہ کروں اور بہترین اخلاق اور تقدیر پر رضا“۔

وَعَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ۔

(رواھما البیھقی فی الدعوات الکبیر)

”اور حضرت اُم معبد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے سنا ہے: اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ اے اللہ! پاک کر میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت (یعنی نظر حرام) سے بے شک تو جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور اس چیز کو کہ دل میں پوشیدہ ہے یعنی خواہشات اور گناہ۔ یہ دونوں روایتیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کی ہیں“۔

خصائل بد سے بچنے کی دعا:

مردوں کی ایک جماعت کہیں بیٹھی ہوئی ہے اچانک ایک عورت ان کے سامنے سے گزرتی ہے اور وہ سب مرد ایک دوسرے کی شرم سے اس عورت کی طرف نظر

اٹھانے کی ہمت نہیں کرتے ہیں' چنانچہ جب وہ سب اپنی نظریں نیچی کر لیتے ہیں تو ان میں سے ایک شخص سب کی نگاہوں سے بچ کر اپنی نظر اٹھاتا ہے اور چوری سے اس عورت کو دیکھ لیتا ہے یہی آنکھوں کی خیانت ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ خَفَتَ فَصَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كُنْتَ تَدْعُوْ اللّٰهَ بِشَيْءٍ اَوْ تَسْاَلُهُ اِيَّاهُ قَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ مَا كُنْتَ مُعَاقِبِيَّ بِهٖ فِى الْاٰخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِىْ فِى الدُّنْيَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ لَا تُطِيْقُهُ وَلَا تَسْتَطِيْعُهُ اَفَلَا قُلْتَ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالَ فَدَعَا اللّٰهَ بِهٖ فَشَفَاهُ اللّٰهُ.

صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعا' باب کراھة الدعا بتعجیل العقوبة فی الدنیا' ح ۲۲۸۸۔

''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو پرندے کے ایک بچے کی مانند ضعیف ہو گیا تھا' رسول اللہ ﷺ نے (اس کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ ''کیا تم اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی دعا مانگا کرتے تھے؟ یا فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کس چیز کی دعا مانگتے تھے؟ اس نے کہا کہ ہاں! میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتا تھا کہ خدایا اگر تو آخرت میں مجھے عذاب میں مبتلا کرنے والا ہو تو (اس کے بدلے) دنیا ہی میں وہ عذاب دینے میں جلدی کر''۔ آنحضرت ﷺ نے

(یہ سن کر) فرمایا ''تم نے بڑی عجیب دعا مانگی' نہ تم (دنیا ہی میں) اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہو اور نہ آخرت ہی میں تم اللہ کے عذاب کے متحمل ہو سکتے ہو۔ تم نے اس طرح کیوں نہ دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اے اللہ! ہمیں عطا فرما دنیا میں بھلائی (یعنی عافیت) اور آخرت میں بھلائی (یعنی عفو تقصیرات) اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا''۔

راوی کا بیان ہے کہ اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگنی شروع کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرمائی''۔
(صحیح مسلم)

تسبیحاتِ فاطمہؓ

جب آپ ﷺ کے ہاں آئے تو کامل محبت وشفقت کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تشریف فرما ہو گئے کیونکہ پیار ومحبت اور شفقت والفت کسی تکلف کی پابند نہیں ہوتی اس لئے کہا گیا ہے کہ :اذا جاء ت الالفۃ رفعت الکلفۃ (ترجمہ) جب الفت آئی تو تکلف اٹھا دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک ہی لحاف میں سوتے تھے۔

مذکورہ بالا کلمات کی ترتیب کے سلسلہ میں جزریؒ نے شرح مصابیح میں کہا ہے کہ تکبیر پہلے ہے چنانچہ ابن کثیرؒ فرمایا کرتے تھے کہ نمازوں کے بعد تو پہلے سبحان اللہ پڑھنا چاہئے اس کے بعد الحمد للہ اور پھر اللہ اکبر لیکن سوتے وقت پہلے اللہ اکبر ہی پڑھ لینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں علماء لکھتے ہیں کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ اکبر کو کبھی تو پہلے پڑھا جائے اور کبھی بعد میں تا کہ اس بارہ میں منقول دونوں روایتوں ہی پر عمل ہو اور یہی اولی اور زیادہ بہتر ہے۔

ارشاد گرامی ''تمہارے لئے یہ چیز خادم سے زیادہ بہتر ہے'' کے ذریعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دنیا کی مشقتوں اور تکالیف اور دنیاوی طور پر ناپسندیدہ چیزوں مثلاً مرض وفقر پر صبر کی ترغیب دلائی گئی ہے' نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ شکر کرنے والے مالدار کی بہ نسبت صبر کرنے والا مفلس زیادہ افضل ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَۃُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَسْاَلُهٗ خَادِمًا فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكِ عَلٰی مَا هُوَ خَیْرٌ مِّنْ خَادِمٍ تُسَبِّحِیْنَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ وَتَحْمَدِیْنَ اللّٰهَ

ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ وَتُكَبِّرِیْنَ اللّٰهَ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِیْنَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاۃٍ وَّعِنْدَ مَنَامِكِ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعا' ح ۲۷۲۸۔

''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس مقصد سے حاضر ہوئیں کہ آپ ﷺ سے کوئی خادم مانگیں لیکن آپ ﷺ سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جو خادم سے بہتر ہے۔ (اور وہ یہ ہے کہ) ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لیا کرو''۔

دن بھر کی مشقت سے آرام:

سونے کے وقت ان تسبیحات کا پڑھنا دن بھر کی مشقت' محنت وکوفت اور ہر قسم کے رنج وغم کو دور کرتا ہے۔

اور آخر میں میری بھی یہی دعا ہے کہ اللہ عزوجل آپ کو اس ازدواجی زندگی میں کامیابیوں سے بہرہ ور کرے اور آپ کو شوہر' سسرالی رشتہ داروں اور دیگر اعزاء واقرباء سے ہر طرح کا آرام بہم پہنچائے اور آپ کو قدم قدم پہ راحت وآسائش مہیا کرے اور کبھی آپ کو شوہر یا سسرال والوں سے کسی قسم کے طعنے یا باتیں کسی بھی بابت نہ سننے پڑیں اور آپ اتنی خوشی سے اپنے گھر میں بسیں کہ آپ کے والدین آپ کو دیکھ کر زندگی کے باقی ایام سکون سے گزار سکیں۔ آمین

عورت

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر!
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتہ شوق
آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات
گرم اسی آگ سے ہے معرکہ بود و نبود!
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود!

حرفِ آخر

میں نے مناسب جانا کہ بطورِ اختتامیہ کچھ ''دردِ دل'' آپ بچیوں کے سامنے بیان کروں کیونکہ مجھے امید ہے کہ آپ نے اس کتاب کا مطالعہ اپنی اصلاح کی غرض سے کیا ہوگا اور کونسی ایسی عورت ہے جو اپنا گھر بسانا نہیں چاہتی اور یہ نہ چاہتی ہو کہ شوہر اور اس کے گھر میں وہ ہر آنکھ کا تارا ہو۔ اسی لئے کچھ نصیحتیں ''عرضِ مکرر'' کے طور پر کر رہا ہوں اور کوئی ناصح بن کر، مصلح بن کر یا کسی اونچے عہدے پر متمکن ہو کر نہیں بلکہ وہ نصیحت بیان کر رہا ہوں جو کہ میں نے اپنی بیٹی کے ایک دفعہ ایم۔ اے انگلش کرنے کی خواہش کے اظہار پر کی تھی۔

یاد رکھئے!

آپ بچیوں میں ہزار گن ہیں' آپ کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ آپ والدین کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور جتنے عرصے ان کے پاس رہتی ہیں ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن کر رہتی ہیں۔

جب نئے گھر جاتی ہیں تو چند ہی دنوں میں اس گھر میں بھی سب کی آنکھوں کا تارا بن جاتی ہیں۔ ساس' سسر آپ کی وجہ سے تن آسان ہو جاتے ہیں' دیور کو آپ کی وجہ سے وقت پر کھانا ملنے لگتا ہے' نندوں کو ایک مسیحا ہاتھ آ جاتا ہے' جس کے حوالے سے ہر بات منوائی جا سکتی ہے' غرض آپ کی کن کن خوبیوں کا ذکر کروں۔

لیکن وہیں آج کی ''جدید ذہن والی دلہن'' کے دماغ میں کچھ شر پسند خواتین نے یہ بات بٹھا دی ہے کہ عورت اور مرد ہر میدان میں' ہر شعبے میں اور ہر قدم پر اکٹھے چلیں تو پھر ہی عورت کی عزت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

لوگوں کی بچیوں کو ورغلانے کیلئے ''آزادیٔ نسواں'' کا نعرہ:

آج کل اغیار نے ہم ہی میں سے کچھ لوگ مستعار ''بطور این۔ جی۔ او'' لے کر ہماری بچیوں کے اذہان کو پراگندہ کرنے کی خاطر ایک دِل کشا نعرہ گھڑا ہے کہ عورت کو ہر میدان میں مرد کے شانہ بشانہ کھڑے ہو جانا چاہیے۔

یاد رکھئے!

یہ جن خواتین نے پاکستان میں ''وومن رائٹس'' کے نام پر یہ تحریک چلائی' واللہ! میں حیران و ششدر رہ گیا اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں جب ان کے افسر تعلقاتِ عامہ سے رابطہ کیا اور دو چار ملاقاتیں کیں تو وہ بتانے لگے ''حضرت جی'' میں تو مجبوری سے یہ نوکری کر رہا ہوں ورنہ مجھے ان کے گورکھ دھندے کا خوب علم ہے۔ ان صاحبہ (جانتے ہوئے بھی نام نہیں لکھ رہا کہ ہم ''مولوی'' بہر حال یہ جانتے ہیں کہ بہن' بیٹی کی عزت کتنی قابل قدر ہوتی ہے) کی اپنی تین بیٹیاں ہیں جو کہ آج تک کسی ہڑتال وغیرہ میں نہیں گئیں' جلسے جلوس میں شامل نہیں ہوتیں اور نوکری بھی نہیں کرتیں بلکہ گھرداری سنبھالے ہوئے ہیں اور ہم اگر اپنی بیوی یا بہن کو جلسے میں نہ لائیں تو نوکری سے ہی برخاست کر دیئے جائیں۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ ہمیں ایسی نام نہاد خواتین کے چنگل سے بچائے اور انہیں واقعی خواتین کی بہبود کی خاطر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے جو بھائی اپنی کسی مادی مجبوری کی آڑ لے کر اُن کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں وہ بھی اگر کوئی اور صورت آمدنی کی پیدا کریں اور یاد رکھئے جب اللہ عزوجل ایک دَر بند کرتا ہے تو سو کھول بھی دیتا ہے۔

آپ آج کل تعلیم کے ہر میدان میں لڑکوں کو پیچھے چھوڑ چکی ہیں' مجھے اسی کتاب کی تیاری میں معلوم ہوا کہ اس وقت میڈیکل کے ''انٹری ٹسٹ'' میں ۷۰ فیصدی بچیاں

کامیاب ہو رہی ہیں اور ان میں سے اکثر محض نام و نمود کی خاطر میڈیکل کرتی ہیں اور بعد میں اس شعبے کو چھوڑ کر یا تو تدریس میں چلی جاتی ہیں یا وہی گھرداری میں ہنسی خوشی مشغول ہو جاتی ہیں۔

خدارا! اپنی ترجیحات کا تعین آپ خود کریں' ہمارا تو کام آپ کو فقط سمجھانا ہے۔ کیا جب شوہر آپ کو کھانا پکانے کا کہے گا یا گھر کے دیگر کام کرنے کی نوبت آئے گی تو آپ فزکس' کیمسٹری' بیالوجی کے فارمولے سے اس کا کوئی حل کریں گی۔

مجھے ان لوگوں سے بھی سخت اختلاف ہے جو عورت کو بالکل ہی اُجڈ بنا ڈالنے کے خواہش مند ہیں اور چاہتے ہی نہیں کہ عورت دنیاوی تعلیم (بلکہ فقط ناظرہ کے علاوہ دینی تعلیم) بھی حاصل نہ کرے۔

اب وہ دَور نہیں رہا' اب ہمیں میڈیکل کے شعبے میں یقیناً اچھے دیندار گھرانے کی بچیوں کی ضرورت ہے' نرسنگ میں خواتین کی ضرورت ہے جو فقط بیمار خواتین کی تیمارداری کر سکیں۔

ایسی ایڈمنسٹریٹرز کی ضرورت ہے جو سکولوں' مدرسوں اور خواتین کے رفاحی اداروں کو سنبھال سکیں لیکن یہ بے لگام تعلیم جو آپ نے فقط

ع چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کو

کے تحت اپنا رکھی ہے اس نے آج کی بچیوں کو بے حد مشکل میں ڈال رکھا ہے۔

اب نہ تو آپ کے پاس قرآن پڑھنے کا ٹائم ہے' نہ ترجمہ پڑھنے کا' نہ حدیث پڑھنے کا اور نہ ہی سیرت کی کتب کے مطالعہ کا۔

اب تو آپ کا سارا دن فقط میڈیکل کی ٹرمز کو رٹا لگانے میں' اکاؤنٹنگ کے مسائل سلجھانے میں' آرٹس کے پیچیدہ اسرار و رموز پہ تنقیدی نظر ڈالنے میں اور ایسے ہی مسائل کے حل میں گزرتا ہے جن کی بابت آپ نے عملی زندگی میں کبھی آنا ہی نہیں اور چاہے آپ ''گزشتہ سالوں کی حکومت کی جاری کردہ رپورٹس'' انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ

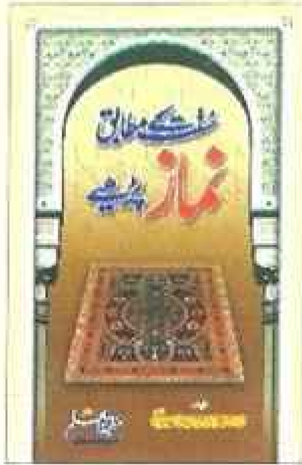
کر کے دیکھ لیں کہ حکومت کا لاکھوں روپیہ آپ خواتین کی دنیاوی تعلیم پہ صرف ہو رہا ہے اور جب آپ کو نوکری کرنے کا (اس لادین حکومت کی جانب سے) کہا جاتا ہے تو کچھ تو ''شوہر اور ساس کے دباؤ'' کے تحت نوکری نہیں کرتیں' کچھ خود ہی دیہاتوں وغیرہ میں جانا پسند نہیں کرتیں اور اکثر آپ کے گھر جب اللہ تعالیٰ اولاد کی نعمت عطا کرتا ہے تو ایک نئی دنیا آپ کے دِل میں اجاگر ہو جاتی ہیں اور رہی سہی خواتین اولاد کی محبت اور اپنے فطری تقاضوں کی وجہ سے بخوشی گھر داری میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

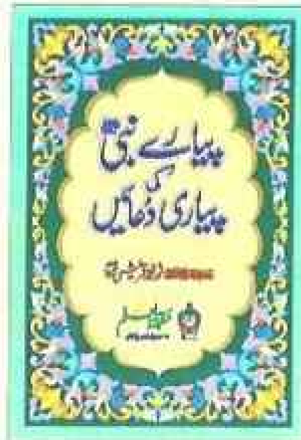
میں پھر کہے دیتا ہوں کہ دنیاوی تعلیم بھی آپ کے لئے کسی حد تک ضروری ہے کہ دینی تعلیم اور ''ہوم اکنامکس'' کی تعلیم کے ساتھ آپ کی دین و دنیا دونوں سنور سکتی ہیں۔

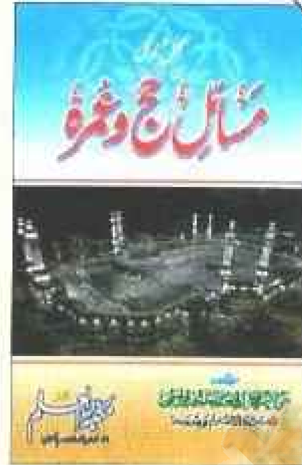
خدارا! تنقیدی نظر سے نہیں بلکہ ٹھنڈے دِل و دماغ سے ان باتوں پہ غور کیجئے' اللہ آپ بچیوں ہر قسم کی مشکلات اور تنگیوں سے بچائے اور آپ کو نئے گھر میں آسانیاں مہیا کرنے والا بنائے۔ آمین

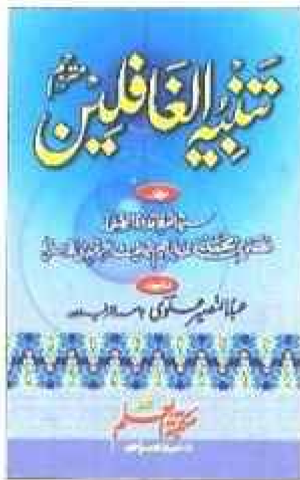
تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت
ہے حضرت انسان کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن!
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن!
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

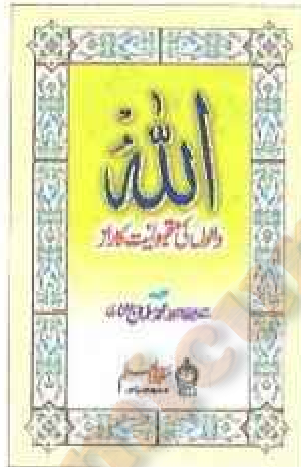
ہماری دیگر مطبوعات

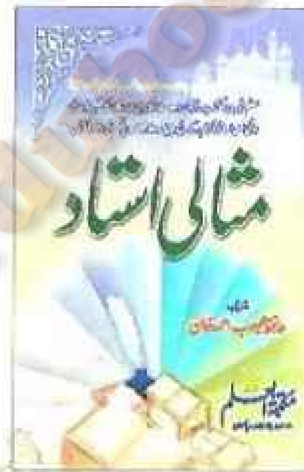




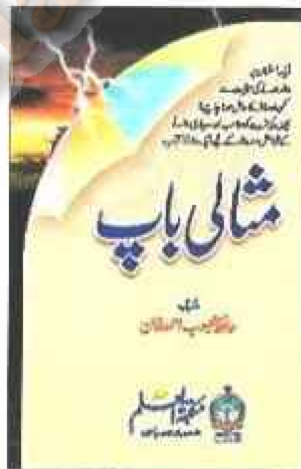


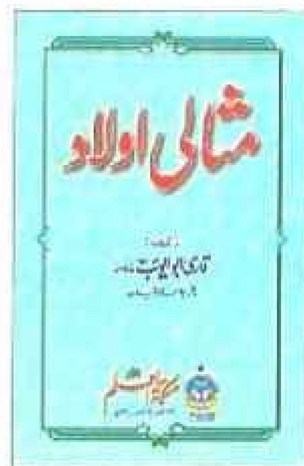












ناشر
مکتبۃ العلم